امیر خسرو دہلوی

ممتاز حسین

امیر خسرو دھلوی

حیات اور شاعری

مصنّفہ

پروفیسر **ممتاز حسین**

نیشنل کمیٹی برائے سات سو سالہ تقریبات امیر خسرو
اکتوبر 1975

جملہ حقوق محفوظ

اشاعت اول : ۱۹۷۶ء
تعداد : ایک ہزار
قیمت : ۳۰ روپے

ناشر نیشنل کمیٹی برائے سات سو سالہ تقریبات امیر خسرو
اکتوبر ۱۹۷۵ء

طابع پاکستان ہیرالڈ لمیٹڈ کراچی

★

طباعت زیر نگرانی نیشنل بک فاؤنڈیشن
کراچی ۔ اسلام آباد ۔ لاہور ۔ پشاور ۔ کوئٹہ ۔ سکھر ۔ ملتان ۔

انتساب

انسانی اخوت، آشتی و صلح جوئی،
آزادی اور رواداری کے نام۔

خسرو اقبال کی نظر میں

خسرو شیریں زباں، رنگیں بیاں
نغمہ ہائش از ضمیر کن فکاں

فطرتش روشن، مثال ماہتاب
گشت از بہر سفارت انتخاب

چنگ را پیش قلندر چوں نواخت
از نوائے شیشۂ جانش گداخت

شوکتے کو پختہ چوں کہسار بود
قیمت یک نغمۂ گفتار بود

فہرست مضامین و مشمولات

حرف آغاز الف تا ج

صفحات

(۱) امیر خسرو کے والد کے نام اور اصل کا تعین۔ پہلا باب ۱
(۲) امیر خسرو کے جد مادری عمادالملک۔ دوسرا باب ۶۵
(۳) امیر خسرو دھلوی کا مولد دھلی تھا نہ کہ پٹیالی تیسرا باب ۹۳
(۴) امیر خسرو کی زندگی کا ایک تاریخی خاکہ چوتھا باب ۱۲۱
(۵) امیر خسرو کی ھندوی شاعری پانچواں باب ۳۲۵
(۶) امیر خسرو کی فارسی شاعری چھٹا باب ۳۵۹

(۷) اشاریہ

(i) اسماء رجال ۴۴۱
(ii) اسماء قبائل ۴۵۵
(iii) اسماء مقامات جغرافی ۴۵۶
(۸) اسماء کتب حوالہ و منابع ۴۶۰
(۹) تصحیحات ۴۶۸

حرف آغاز

غالباً یہ بات ۱۹۷۱ء کی ہے جب یونسکو کی طرف سے اس کا اعلان کیا گیا تھا کہ ۱۹۷۵ء کا سال پوری دنیا میں امیر خسرو دہلوی کی یاد منانے کے لئے وقف ہوگا۔ اس وقت تو یہ خبر آئی گئی ہوگئی - لیکن جب ۱۹۷۲ء کے اوائل میں بعض احباب نے مجھ سے یہ خواہش ظاہر کی کہ میں کوئی مضمون تقریبات خسرو کے موقعے کے لئے لکھوں تو میں مطالعۂ خسرو کی طرف متوجہ ہوا - دوران مطالعہ، کلیات خسرو میں بعض چیزیں میری نظر سے ایسی گزریں جو مجھے بر خلاف معلوم ہوئیں، ان باتوں کے جو خسرو کے تذکرہ نگاروں اور سوانح نگاروں نے ان کے اب وجد یا ان کی حیات سے متعلق لکھی ہیں۔ ان دونوں کے

درمیان اس عدم مطابقت نے مجھے اس بات پر اکسایا کہ میں کچھ خسرو کے خاندان اور کچھ ان کے اپنے حالات زندگی کے بارے میں بھی لکھوں ۔

ان ھی دنوں گرمی کی تعطیلات میں میرا جانا انگلستان کو ھوا ۔ وھاں میں نے برٹش میوزیم اور انڈیا آفس کے کتب خانوں میں موجود، کلیات امیر خسرو کے کئی قلمی نسخے دیکھے اور جن کلیات کا مطالعہ کراچی میں مائیکرو فلم کی مدد سے کیا تھا انہیں ان کی اصلی صورت میں دیکھا اور ان سے مزید استفادہ کیا ۔ ان متعدد قلمی نسخوں کے دیکھنے سے میری معلومات میں خاصا اضافہ ھوا ۔ اور اس خیال نے مزید قوت اختیار کی کہ جو نئی معلومات حاصل ھوئی ھیں ان سے پبلک کو بھی روشناس کرایا جائے ۔ یہ تھا وہ جذبہ جس نے مجھے اس کتاب کے لکھنے پر مجبور کیا ۔ لیکن یہ سودا مجھے خاصا مہنگا پڑا ۔ بہت رنج و تعب کھینچے ھیں تب جا کر یہ کتاب پایۂ تکمیل کو پہنچی ھے ۔ مگر اب یہ حرف شکایت کیوں بقول غالب ؎

سفینہ جبکہ کنارے پہ آلگا غالب
خدا سے کیا ستم و جور ناخدا کہیئے

آخر میں اب میں ان احباب کا شکریہ ادا کرنا چاھونگا جنھوں نے اس کتاب کی تیاری کے سلسلے میں متعلقہ کتابوں کی فراھمی سے میری معاونت کی ۔ چونکہ ان احباب کی فہرست خاصی طویل ھے اس لئے فرداً فرداً نام لینے کے بجائے اجتماعاً ان سب کا شکریہ میں اس ایک جملے سے ادا کر رھا ھوں کہ اگر ان کی معاونت میرے شریک حال نہ ھوتی تو یہ کتاب مرتب نہ ھو پاتی ۔ اب آخر میں پاکستان

کی نیشنل خسرو کمیٹی کے معزز ارکان اور نیشنل بک فاؤنڈیشن کے مینیجنگ ڈائریکٹر جناب یونس سعید صاحب کا شکریہ ادا کرنا چاہوں گا جنہوں نے اس کتاب کے چھاپنے اور شائع کرنے کا اہتمام کیا، اور اس کی آرائش و پیرائش میں ذاتی دلچسپی لی۔

ممتاز حسین

بی ۲۱۵ - بلاک ۱۰ - فیڈرل- بی- ایریا
کراچی ۳۸ - (پاکستان)
۱۴- جولائی ۱۹۷۶ء

امیر خسرو کے والد کے نام اور اصل کا تعین

امیر خسرو نے اپنے پہلے دیوان تحفتہ الصغر کے دیباچے* میں اپنے والد کا نام لاچین بتایا ہے اور اپنے تیسرے دیوان غرۃ الکمال کے دیباچے میں انہیں ''پدرم سیف شمسی**'' اور پھر بعد میں سیفی کہکر یاد کیا ہے۔ لیکن انہوں نے کہیں بھی محمود کا لفظ اپنے والد کے نام کے سلسلے میں استعمال نہیں کیا ھے، نہ تنہا نہ کسی اور لفظ کے ساتھ ملا کر۔ لیکن دور حاضر کے مصنفین اول تو لاچین کو نظر انداز کرتے ہیں، گویا یہ کوئی نام نہیں بلکہ اسقاط نام ھے ثانیاً سیف الدین شمسی لکھنے کے بجائے سیف الدین محمود اس دھڑلے سے لکھتے ہیں گویا یہ نام متحقق ہے۔ مجھے اعتراض لاچین کو صرف نظر کرنے اور سیف الدین کے ساتھ محمود کے اضافے پر ہے۔ کیونکہ خود خسرو یا ان کے کسی معاصر مورخ یا تذکرہ نگار نے نہ تو انہیں تنہا محمود کے نام سے یاد کیا ہے اور نہ سیف الدین کے ساتھ محمود کا اضافہ کیا ہے۔

---

* کلیات امیر خسرو - برٹش میوزیم - اضافی شمارہ نمبر ۲۱،۱۰۴ - ف - ۹

** ایضاً - (ف) - ۱۸۱

اس سلسلے میں ہر کس و ناکس یا نقل نویس تذکرہ نگاروں کا نام لینا بے سود ہے۔ صرف ہند و پاک کی دو تین شخصیتیں میری نظر میں ایسی ضرور ہیں جن کے طریق تحقیق اور وضع احتیاط سے اس کی توقع رکھتا تھا کہ خسرو کے والد کے نام کو متعین کرتے وقت کوئی حوالہ خسرو کی تصنیفات یا ان کے کسی معاصر مورخ یا تذکرہ نگار کی تصنیف سے ضرور دینگے۔ لیکن افسوس کہ یہ توقع پوری نہ ہوئی۔ علامہ شبلی، پروفیسر حبیب، ڈاکٹر وحید مرزا، ان میں سے کسی نے بھی یہ کام نہ کیا اور نہ یہ کام اُن مولفین نے انجام دیا جنھوں نے خسرو کے دواوین اور مثنویاں بڑی محنت سے مرتب کی ہیں۔ اس میں شبہہ نہیں کہ ڈاکٹر وحید مرزا نے اپنے تحقیقی مقالے میں جو اب ایک کتاب کی صورت میں دستیاب ہے* خسرو کے والد کے نام اور ان کے اصل سے متعلق بحث کی ھے۔ میں ڈاکٹر صاحب کے علم و فضل کا قائل ھوں اور اس امر کا معترف ہوں کہ خسرو شناسی میں ان کی گرانمایہ خدمات ہیں اور اگر ان کا رہنما کام سامنے نہ ھوتا تو خسرو پر کام کرنے کی یہ ہمت نہ ہوتی۔ لیکن ان سارے اعترافات کے باوجود یہ کہنے میں کوئی سوئے ادب محسوس نہیں کرتا ھوں کہ ڈاکٹر صاحب نے اپنے اس تحقیقی مقالے میں تحقیق کا ایک نرالا انداز اختیار کیا ہے۔ انھوں نے خسرو کے والد کے نام کو متعین کرتے وقت دولتشاہ سمرقندی اور تاریخ فرشتہ کے مصنف کے بیانات کو خسرو کے اپنے بیانات اور ان کے معاصر تذکرہ نگاروں کے بیانات پر ترجیح دی ہے اور اپنی ساری قوت استدلال خسرو کے اس بیان کی تردید میں صرف کی ھے کہ میرے والد کا نام لاچین تھا۔

تحقیق کی دنیا میں ایسا کوئی سانحہ شاذ و نادر ہی گزرا ہوگا جب کسی محقق نے کسی شخص کے والد کے نام سے متعلق اس کے صحیح الدماغ بیٹے کے بیان کو جھٹلایا ہو۔ ایسا ایک المناک واقعہ

---

* "Life and Works of Amir Khusro" Calcutta. Edition 1935.

کچھ دنوں تک میر تقی میر کی ولدیت سے متعلق تو روا رکھا گیا تھا، ایک فرضی نام عبداللہ انکے والد کا گھڑ لیا گیا تھا، لیکن یہ سانحہ اتنا سنگین نہ تھا، کیونکہ ذکر میر کے دستیاب ہونے سے پہلے میر کے والد کا نام لوگوں کو معلوم نہ تھا۔ وہاں معاملہ صرف ایک فرضی نام کے گھڑنے کا تھا۔ یہاں معاملہ صحیح الدماغ خسرو کے بیان کی تردید کا ہے نہ کہ عدم واقفیت یا کسی افسانہ ترازی کا۔

,, خسرو لاچین بندہ، کمترین * " اپنے شاہانہ نام سے نادم ہانک پکار کر کہتا ہے کہ اس بندہ، کمترین کے والد کا نام لاچین ہے۔ لیکن علامہ شبلی اور ڈاکٹر وحید مرزا دونوں کا یہ اصرار ہے کہ یہ انکے والد کا نام نہیں، بلکہ انکے قبیلے یا انکے قبیلے کے کسی مورث اعلیٰ کا نام ہوگا۔ اور اپنے اس اصرار کا یہ جواز پیش کرتے ہیں کہ سمرقند کا ایک تذکرہ نگار دولتشاہ سمرقندی جو کبھی خود ہندوستان آیا، نہ گیا، خسرو کی وفات کے پونے دو سو سال بعد اپنے ,, تذکرۃ الشعراء " (سنہ تالیف ۸۹۲ ھجری) میں انکے والد کا نام نہ تو لاچین لکھتا ہے اور نہ سیف شمسی، بلکہ محمود بتاتا ہے اور اس محمود کو ہزارہ، لاچین نام کے قبیلے کا سردار بھی بتاتا ہے۔ ,,امیر خسرو ترک است و گویند اصل اواز شہر کش کہ آں شہر قبۃالخضراسی نامند بودہ است و گویند از ہزارہ، لاچین است کہ در حدود پائے مرغ و قرشی سی نشستہ اندو در فتراک چنگیز خاں آں مردم از ماوراٴنہر گر یختند و بد یار ہند افتادہ بدہلی مقام گرفتہ اند و پدر امیر خسرو، امیر محمود مہتر و مقدم آں مردم (ہزارہ، لاچین) بودہ است -" ** اس کے برعکس خسرو اپنے والد کا نام ایک جگہ لاچین اور دوسری جگہ سیف (الدین) شمسی بتاتے ہیں اور یہ لکھتے ہیں کہ انہیں سلطان شمس الدین التتمش نے کسی تاجر سے ,,سلطانی" نام کے سکوں سے خریدا تھا، وہ بندگان شمسی میں سے

---

* اعجاز خسروی رسالہ اول ص - ۲۲ - نولکشور لکھنؤ - ۱۸۷۶ء

** تذکرۃ الشعراء- نسخہ، عباسی - دولتشاہ سمرقندی مطبوعہ، تہران -

تھے یعنی سلطان التتمش کے زرخرید غلام تھے۔* امیر خسرو دہلوی کے والد کسی سلطان کے زرخرید غلام ہوں۔ یہ بات علامہ شبلی اور وحید مرزا دونوں کے لئے ناقابل قبول ہے۔ اور میں نے ان دو بزرگوں کا نام اس لئے لیا ہے کہ ان کے پیش نظر تحفۃ الصغر کا وہ دیباچہ بھی تھا جس میں یہ بات لکھی ہوئی ہے کے وہ التتمش کے زرخرید غلام تھے۔ وہ دونوں بزرگ اسی دیباچے سے حوالے دیتے ہیں، لیکن اس حقیقت کے اعتراف سے گریز کرتے ہیں کہ خسرو کے والد کا ترکی نام لاچین تھا اور وہ بندگان شمسی میں سے تھے۔ نتیجہ کے طور پر دونوں نے خسرو کے بیان کی تردید اپنے اپنے انداز میں کی ہے اور دولتشاہ سمرقندی جو خسرو کے سلسلے میں "وگویند گویند" لکھتا ہے اسکے بیان کی وکالت کو اپنا جزو ایمان بنایا ہے۔ براؤن نے دولتشاہ سمرقندی کی یاوہ گوئی او ر فسانہ طرازی کو کئی جگہوں میں بے نقاب کیا ہے۔ مگر ہمارے یہاں اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ خسرو کے والد سے متعلق دولتشاہ سمرقندی کا بیان صحیح اور خسرو کا غلط ہے، یہ موقف شبلی اور ڈاکٹر وحید مرزا دونوں کا ہے۔ بہر حال شبلی نے تو خسرو کے اس بیان سے کہ میرے والد کا نام لاچین ہے یہ کہکر جلدی سے پیچھا چھڑا لیا کہ خسرو نے ناسمجھی سے خواجہ عزالدین کے اس سوال کے جواب میں کہ آپکے والد کا نام کیا ہے۔ اصل نام کے بجائے قبیلے کا نام بتایا یعنی لاچین۔"** خسرو نے اپنا پہلا دیوان تحفۃ الصغر ۱۶ سے ۱۹ برس تک کے کلام کا مرتب کیا اور اس کے شواہد موجود ہیں کہ اس کا دیباچہ کئی برس کے بعد لکھا۔ کیا خسرو اس عمر میں اتنے ناسمجھ تھے کہ وہ خواجہ عزالدین کے اس معمولی سے سوال کا جواب نہ دے سکیں۔ "نام پدرم را پرسید۔ گفتم لاچین۔"*** تاہم شبلی کو اس بات کی تو داد دی جاسکتی ہے

---

* حوالے کی پوری عبارت اس مضمون میں آگے کے صفحات میں پیش کی جائیگی۔

** شعرالعجم حصہ دوم ص۔ ۸۵۔ مطبوعہ تاج بک ڈپو لاہور۔

*** کلیات خسرو۔ برٹش میوزیم۔ شمارہ نمبر ۲۱,۱۰۴ اضافی۔ ف ۹۔

کہ انہوں نے اس سے انکار نہیں کیا کہ خسرو نے اپنے والد کا نام لاچین بتایا۔ مانا کہ شبلی نے اسے خسرو کی ناسمجھی قرار دیا اور یہ بات خاصی مضحکہ خیز ھے تاہم اتنی مضحکہ خیز نہیں ہے جتنی ڈاکٹر وحید مرزا نے لکھی ہے کہ خسرو نے ایک جگہ اپنے والد کا نام سلطانیٔ شمسی لکھا ہے لیکن انہوں نے کہیں بھی انکا نام لاچین نہیں لکھا ہے۔" ڈاکٹر صاحب کا جملہ ملاحظ ہو۔

"It is more likely that the latter (i.e. Lachin may not necessarily be the name of his father, but of the grandfather or a still more remote ancestor) is the case with the name Khusrawi-Lachin, for Khusro mentions his father on various occasions as Saif or Saif-Shamsi, and at one place as Sultani-i-Shamsi (reference Tuhfatus-sighr تحفة الصغر) but nowhere does he give his name as Lachin." *

ترجمہ:۔ "یہ ممکن ہے کہ خسرو کے جد یا کسی مورث اعلیٰ کا نام لاچین رہا ھو کیونکہ خسرو نے بہت سی جگہوں میں اپنے والد کو سیف یا سیف شمسی کہکر یاد کیا ہے اور ایک جگہ ان کا نام سلطانیٔ شمسی بھی لکھا ہے لیکن کہیں بھی ان کا نام لاچین نہیں لکھا ہے۔

ڈاکٹر وحید مرزا اپنا یہ فیصلہ کن بیان دینے سے پہلے یہ بات بھی ھمارے مشاہدے میں لاتے ہیں کہ خسرو نے اعجاز خسروی میں اپنے کو کئی جگہ خسرو لاچین لکھا ھے اور چونکہ اس قسم کی اضافت ابنیت کو ظاھر کرتی ھے جیسے مسعود سعد سلمان میں ھے کہ اس کی اصل ہیت مسعود ابن سعد ابن سلمان ھے اس لئے خسرو لاچین کا

---

* Life & Works of Amir Khusro by Dr. Md. Waheed Mirza, Calcutta. Edition 1935 Pages 7,8.

مفہوم خسرو ابن لاچین بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ لکھنے کے بعد ان کا قلم رک جاتا ہے۔ طرح طرح کے کاوے کاٹنے لگتا ہے۔ گویا دولتشاہ سمر قندی اور تاریخ فرشتہ کے مولف دونوں ان کا قلم تھام لیتے ہیں اور فریاد کرتے ہیں کہ اگر آپ نے خسرو کے والد کا نام لاچین قرار دیا تو ہمارے افسانے خاک میں مل جائیں گے۔ چنانچہ اس کے بعد وہ قلم کا رخ موڑ دیتے ہیں اور کسی مرزا محمد کی وکالت پر (جس کا کوئی حوالہ نہیں ھے) اپنی مہر توثیق ثبت کر دیتے ہیں کہ لازم نہیں کہ لاچین خسرو کے والد ھی کا نام ہو بلکہ ان کے پرکھوں میں سے کسی کا نام ہو سکتا ھے اور پھر اس کے بعد وہ جملہ آتا ہے جسے میں نے اوپر پیش کیا ھے کہ ''خسرو نے کہیں بھی اپنے والد کا نام لاچین نہیں لکھا ھے''۔ ''اور ایک جگہ انکا نام سلطانی شمسی بتایا ھے''۔ ہم اس سلسلے میں ڈاکٹر صاحب کو شبہے کی مراعات دے سکتے تھے کہ چلئے خسرو لاچین بہت واضح نہیں ہے۔ اگر خسرو نے اسی اپنے رسالے اعجاز خسروی میں تصریحاً اپنے کو خسرو ابن لاچین نہ لکھا ہوتا۔ لیکن جبکہ یہ تصریح موجود ہے تو پھر ڈاکٹر صاحب کو معاف کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ خسرو کا جملہ ملاحظہ ہو:۔

''اما بعد فان مرقوقک القدیم خسرو بن لاچین یعرف بالندیم۔'' *

کیا اس عبارت کا فقرہ ''خسرو بن لاچین'' بھی مبہم ہے۔ یہ تو ہوئی خسرو لاچین کی تفہیم سے متعلق ایک داخلی شہادت، اور ایک ایسی پکی داخلی شہادت کہ اس کا کوئی توڑ نہیں۔ لیکن اول تو میں اسی ایک داخلی شہادت پر اکتفا نہیں کروں گا اور داخلی شہادتیں بھی پیش کرونگا۔ دوسرے یہ کہ داخلی شہادتوں کے ساتھ ساتھ خارجی شہادتیں بھی پیش کرتا جاؤنگا۔ امین احمد رازی هفت اقلیم (سنہ تصنیف ۱۰۰۲ ھجری) میں خسرو کے والد کا کوئی اور نام نہیں بلکہ صرف لاچین لکھتا ھے۔

---

* اعجاز خسروی رسالہ ثانیہ۔ ص۔ ۱۷۔ نولکشور

''امیر خسرو از ہزارۂ بلخ بودہ و پدرش کہ امیر لاچین نام داشت۔ ''*

امیر خسرو کے ایک جونیئر ہمعصر میر خورد سیرالاولیاء (سنہ تصنیف ۱۳۷۰ ہجری) میں تحریر کرتے ہیں کہ ''میں نے اپنے والد بزرگوار سے سنا ہے فرماتے تھے کہ جن دنوں امیر خسرو پیدا ہوئے انکے والد امیر لاچین کے پڑوس میں ایک دیوانہ صاحب نعمت رہا کرتا تھا۔ ''**

جلالی نے سیر العارفین (عہد ہمایوں) میں خسرو کے والد کا نام امیر سیف الدین لاچین لکھا ہے۔ ***

''امیر سیف الدین لاچین پیر بے نظیرے و صالح خدا پرستے بودہ۔ ''

اسی طرح خزانۂ عامرہ میں بھی انکے والد کا نام امیر سیف الدین لاچین لکھا گیا ہے۔

''اصلش از ہزارۂ بلخ است پدرش امیر سیف الدین لاچین بہ ہند افتادہ۔ '' ****

تذکروں کی یہ فہرست خاصی طویل کیجا سکتی ہے مگر اس خیال سے کہ اول تو انکے درمیان کھلی نقل بازی چلتی ہے۔ ثانیاً یہ کہ تا وقتیکہ کوئی تذکرہ کسی داخلی شہادت یا خسرو کے کسی معاصر تذکرہ نگار کی متابعت نہ کرے اسکو نقل کرنا بے سود ہے۔ چنانچہ شروع میں جہاں میں نے ایک داخلی شہادت اعجاز خسروی سے، خسرو

---

* ہفت اقلیم مخطوطہ نیشنل میوزیم کراچی۔ شمارہ ۲۵۷ - ۱۹۶۳ - ترقیمہ ۱۱۳۳ -

** سیرالاولیاء ۔ اردو ترجمہ مطبوعہ ص ۲۶۱

*** سیرالعارفین مطبوعہ دھلی ۱۳۱۱ ہجری ص - ۶۵

**** خزانہ عامرہ - ص ۲۰۹ مطبوعہ نولکشور -

کے اس بیان کی تائید میں پیش کی کہ لاچین ان کے والد کے قبیلے ، یا انکے کسی مورث اعلیٰ کا نام نہ تھا بلکہ خود انکے والد کا نام تھا اور اس کی تائید ان کے ایک معاصر تذکرہ نگار یعنی میر خورد کے ایک ایسے بیان سے کرائی جہاں انہوں نے اپنے والد کے قول کو نقل کرتے ہوئے خسرو کے والد کا نام امیر لاچین لکھا ہے۔ نہ کہ سیف الدین محمود۔ اگر ڈاکٹر وحید مرزا اس احتیاط کو مدنظر رکھتے کہ اصل ماخذ کی طرف رجوع کرنا ضروری ہوتا ہے تو وہ ایک ایسا غیر محتاط بیان اپنی کتاب ”لائف اینڈ ورکس آف امیر خسرو“* میں نہ دیتے جو نہ صرف غلط ہے بلکہ اس میلان کا حامل ہے کہ وہ ہر جائز اور ناجائز طریقے سے، دولتشاہ سمرقندی اور ہندو شاہ فرشتہ کے بیان کو خسرو کے بیان پر ترجیح دینے پر تلے ہوئے تھے - چنانچہ انہوں نے سیرالاولیاء سے براہ راست اس افسانے کو نقل کرنے کے بجائے جہاں انکے والد کو امیر لاچین کے نام سے یاد کیا ہے، تاریخ فرشتہ کے مولف کا نام لے کر خسرو کے والد کا نام امیر محمود اس انداز سے لکھا ہے گویا اس کی تائید سیرالاولیاء کے مصنف بھی کرتے ہیں۔ یہ انداز تحقیق ناقابل عفو ہے۔

انکا جملہ یہ ہے :۔

It is said that when he was born his father wrapped him up in a cloth and took him to a saintly person so that the child may receive his blessings. No sooner did the saint see the baby, he cried out "O' Amir Mahmood you have brought to me one who shall surpass Khaqani himself. **

یہ عبارت نقل کرتے ہوئے حاشیہ میں انہوں نے میر خورد کی کتاب سیرالاولیاء کا حوالا دینے کے بجائے جہاں سے یہ حکایت مختلف کتابوں میں نقل کی گئی ہے یہ لکھا ہے :۔

---

* مطبوعہ ۱۹۳۳ء

** Life & Works of Amir Khusro Page 2.

"The story has been related by Frishta and other biographers." *

کیا اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جائے کہ ڈاکٹر وحید مرزا کو اس کا علم نہ تھا کہ یہ حکایت اصلاً کسی کتاب سے نقل کی گئی ہے۔ اس نتیجے کی طرف دل مائل نہیں ہوتا۔ کیونکہ خسرو پر لکھنے والا کوئی بھی طالب علم سیرالاولیاء کو نظر انداز نہیں کرسکتا ہے۔ چنانچہ یہی سبب ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے other biographers کا فقرہ شامل کردیا ھے لیکن چونکہ سیرالاولیاء میں امیر لاچین ہے نہ کہ امیر محمود، اور ڈاکٹر صاحب یہ لکھ چکے تھے کہ امیر خسرو نے کہیں بھی اپنے والد کا نام لاچین نہیں لکھا ہے اس لئے اصل ماخذ کا حوالہ دینے کے بجائے انہوں نے ہندو شاہ فرشتے کے عبا میں پناہ ڈھونڈھ لی، مگر وہاں بھی پناہ کہاں؟ ڈاکٹر صاحب نے یہ سب پینترے اس لئے اختیار کئے کہ دولتشاہ سمرقندی نے انکے والد کا نام محمود لکھا ہے۔ اب ہم تصنیفات خسرو سے ایک دوسری داخلی شہادت اس امر کی پیش کرینگے کہ انہوں نے اپنے والد کا نام بداہۃ اور صریحاً لاچین بتایا ہے۔ دیوان تحفتہ الصغر کا دیباچہ شبلی کے بھی پیش نظر تھا اور ڈاکٹر صاحب کے بھی پیش نظرتھا کیونکہ ان دونوں بزرگوں نے اس سے طویل اقتباسات ترجمے کی صورت میں دیئے ہیں۔ اصل عبارت نقل نہ کرنے میں انکی کیا مصلحت تھی۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کیونکہ اگر اصل عبارت کے متعلقہ دوچار جملے بہی نقل ھوجاتے تو قارئین اپنا اپنا فیصلہ خود کرلیتے اور ان کی تاویلات کے دھوکے میں گرفتار نہ رہتے۔ چنانچہ یہ حقیقت ہے۔ کہ اگر میں نے ان بزرگوں کی تاویلات اور ان کے ترجموں پر بھروسہ کیا ھوتا اور اصل کی طرف رجوع نہ کرتا تو میں انکی وہ فاحش غلطیاں دریافت کرنے سے قاصر رہتا جو آپ ملاحظہ کرینگے۔ اگر آپ عجلت میں نہ ھوں کیونکہ حکایت زرا پرلطف ہے، تو میں اصل عبارت نقل کرنے سے پہلے

---

* ایضاً - ص - ۲۰

چند الفاظ کی تشریح کرنا چاہونگا اس سے آپ کو متعلقہ عبارت کی تفہیم میں مدد مل سکتی ہے۔ علامہ شبلی اور ڈاکٹر وحید مرزا دونوں نے نہ تو لفظ لاچین سے بحث کی ہے کہ اس لفظ کی تاریخ، ہیت اور معنی کیا ہیں اور نہ ''سلطانی' شمسی" سے جو متعلقہ عبارت کا ایک اہم فقرہ ہے۔ وحید مرزا نے لاچین کے صرف لغوی معنی لکھ دیئے ہیں لیکن اس کے مجازی معنی سے کوئی بحث نہیں کی ہے اور نہ اس بات سے کہ اس نام کا کوئی قبیلہ تھا بھی یا نہیں۔

میں پہلے لاچین لفظ کو لے رہا ہوں۔

لاچین ترکی زبان کا لفظ ہے۔ اس لفظ کے لغوی معنی،* سفید باز اور شاہین کے ہیں اور مجازی معنی جیسا کہ دیوان لغات الترک (محمود کاشغری) میں دیا ہوا ہے۔ دلیر آدمی کے بھی ہیں۔ غیاث اللغات میں بھی اس کے معنی شکاری باز یا شاہین کے دیئے ہوئے ہیں۔ جہاں تک اس لفظ کے لہجے کا تعلق ہے اس کا لہجہ لاچین اور لاچی دونوں ہی ہے۔ چنانچہ خسرو نے ایک بیت میں لاچین کے بجائے لاچی کو بروزن چاچی نظم کیا ہے۔

گہہ تتاری شود گہے چاچی
گاہے ایبک بود گہے لاچی**

لیکن خسرو کے اس شعر سے یہ دریافت کرنا بڑا مشکل ہے کہ لاچی کسی قبیلے کا نام ہے یا کسی جگہ کا۔ کیونکہ جس طرح کمان چاچی کی شہرت جگہ کی نسبت سے تھی کہ چاچ کند، تاشقند کا پرانا نام ہے اسیطرح کمان لاچی اور کمان ایبک کو بھی جگہ سے نسبت ہوسکتی ہے۔

---

* لغت چغتائی و ترکی' عثمانی۔ از شیخ سلیمان آفندی بخاری۔ استانبول

** مثنوی نہ سپہر۔ ص ۳۰۷ مطبوعہ کلکتہ ۱۹۲۸ء مرتبہ ڈاکٹر وحید مرزا

ایبک جہاں بہت سے ترکوں کا نام ہے ، وہاں اس نام کا ایک چھوٹا سا شہر کاشغر کے پاس ہوا کرتا تھا ۔ کچھ لوگ ایبک نام کا قبیلہ بھی بتاتے ہیں ۔ * بہر حال خسرو کی اس بیت سے یہ دریافت کرنا مشکل ہے کہ لاچین نام کا کوئی قبیلہ تھا یا کوئی جگہ ، علی اکبر دہخدا نے اپنے ''لغت نامہ'' ** میں اس لفظ سے بحث کی ہے اور فردوسی کی یہ بیت بھی پیش کی ہے ۔

هزاران سواران ایران گروه
ز لاچین دلیران † ابر گرد کوه ¶

لیکن اکبر دہخدا کوئی قطعی فیصلہ اس امر کے سلسلے میں کرنے سے معذور رہے ہیں کہ یہ کسی قبیلہ کا نام تھا یا کسی مقام کا ۔ '' بظاهر نام محلی است '' کہہکر سرسری گزر گئے ہیں ۔ حیرت کی بات ہے کہ انہوں نے کسی ترکی لغت کی طرف رجوع نہیں کیا ۔ ترکی کی ایک مستند لغت '' لغت چغتائی و ترکیٔ عثمانی '' •• میں لاچین کے جہاں لغوی معنی سفید رنگ شاہین یا باز کے دیئے ہیں وہاں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ ترکوں کے ایک قدیم قبیلہ کا نام بھی لاچین تھا ۔ (قدیم بر ترک عشیرة در) چونکہ ترکوں کے تمام ہی قبائل کے نام کسی نہ کسی سردار قبیلہ کے نام پر ہوا کرتے اسلئے یہ لفظ اسم علم کی حیثیت سے کسی بھی فرد کے نام کیلئے استعمال کیا جاتا ۔ چنانچہ متعدد تاریخی ادوار میں بہت سے ترکوں کا نام لاچین تھا ۔ مگر یہ لازم نہیں کہ جسکا نام لاچین ہو اسکا تعلق لازمی طور سے لاچین قبیلے سے ہو کیونکہ

---

* میں یہاں اسے زیر بحث لانا نہیں چاہتا کہ یہ خارج از بحث ہے ۔

** چاپ تہران ۔

† ابر ، برکا قدیم لہجہ ہے ۔

¶ گرد کوہ دامغان کی ایک پہاڑی یا قلعہ تھا ۔

•• از شیخ سلیمان آفندی بخاری مطبوعہ استنبابول ۔

جیسا کہ میں نے شروع میں عرض کیا اس لفظ کے جو لغوی معنی شاہین اور مجازی معنی دلبر کے ہیں وہ بذات خود اتنے دلکش ہیں کہ کسی بھی ترک کے وجہ تسمیہ کا جواز بن سکتے ہیں ۔ مثلاً لاچین بک قارلوق قبیلے کا فرد تھا نہ کہ لاچین قبیلے کا ۔

”در سنہ ثلاث و خمسین و خمسایہ جماعتے از سرداران قرلغان کہ مقیم ماوراء النہر بودند،* مقدم ایشان لاچین بک و پسران یبغوخان و امثال ایشان از خان سمرقند جلال الدین بن الحسین کہ معروف بود بہ کوک ساغر بگریختند ۔“ **

ایسی صورت میں علی اکبر دہخدا کا یہ کہنا صحیح ہے کہ لاچین بلا امتیاز قبیلہ ترکوں کے درمیان اسم علم کی حیثیت سے رائج تھا اور اسکی انہوں نے کئی مثالیں دی ہیں ۔

(۱) لاچین حسامی ۔

(۲) لاچین ۔ غلام ملک اشرف پسر تیمور تاش بن چوبان از امرائے قرن ہشتم (جامع التواریخ رشیدی ۔ ص ۱۷۹ و حبیب السیر جلد دوم ص ۸۶) ۔

(۳) لاچی ۔ (آخر بک الکبیر) از معاصر سلطان سنجر سلجوقی (تتمہ خوان الحکمہ ۔ ص ۱۶۲) ۔

(۴) لاچین خطائی ۔ نام سر لشکر فخرالدین سالاری از اُمرائے ناصرالدین قباچہ حاکم ہندوستان ۔ وے در جنگ آور خان کہ مقدمہ سلطان جلال الدین خوارزم شاہ بود کشتہ شد (جہانکشائے جوینی جلد ۲، ص ۱۴۸) ۔

---

* تاریخ وفات ۶۱۸ (ہجری)

** جہانکشائے جوینی ۔ جلد ۲ ۔ ص ۱۴ ۔ مطبوعہ لیدن ۔

(۵) لاچین بک ۔ " نام یکے از سرداران ۔ مقدم فرلغان مقیم ماوراءالنہر کہ با پسران بیو خاں از سمر قند بگریختند "۔
ا (جہانکشائے جوینی جلد ۲ ، ص ۱۳) ۔

(۶) لاچین ۔ پدر امیر خسرو دہلوی ۔

لاچین نام کی ان مختلف شخصیتوں کے علاوہ جو مزید شخصیتیں اس نام کی دوران مطالعہ میری نظر سے گزری ہیں انکی فہرست یہ ہے :-

(۷) لاچی (شمس الدین) شمس الدین لاچی را قایمقام خود (ملک مجد الدین کالیونی) در ہرات گزاشت ۔ (روضات الجنات فی اوصاف مدینۃ الہرات - از معین الدین محمد الزمچی الاسفراری ۔ حصہ دوم صفحہ ۱۲۲)۔

(۸) لاچین ۔ پدر زیرک - آقبک را از قتل زیرک پسر لاچین خبر داد (جامع التواریخ رشید الدین فضل اللہ جلد سوم صفحہ ۱۲۱ مطبوعہ باکو)
لاچین ۔ حاکم مصر - جمع امراء شام و مصر - سیف الدین قبچاق ، سیف الدین بیکتمور والبکی و غرار کہ بواسطۂ دل ماندگی از حاکم مصر لاچین برگشتہ بودند (جامع التواریخ رشید الدین فضل اللہ جلد سوم صفحہ ۳۳ مطبوعہ باکو) ۔

(۹) لاچین پدر احمد - تاریخ مبارک شاہی کا مولف یحیٰ بن احمد السیہرندی سلطان محمد پسر سلطان غیاث الدین تغلق شاہ کے زمانے کے واقعات کو قلمبند کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ۔

در سنہ ثمان واربعین و سبعایہ (۷۴۸ ہجری) امیران صدۂ دیوھی و بروده بلغاک کرد ۔ سلطان بدفع این فتنہ بالشکر ہائے انبوہ بیروں آمد ۔ چوں نزدیک گجرات رسید بعضے امرا چنانکہ ملک علی سر جاندار و ملک احمد لاچین و چند امرائے دیگر را بر عالم ملک فرستاد تا امیران صدۂ دولت آباد را در حضرت آرند ۔ عالم ملک، امیران صدۂ مذکورا بر حکم فرمان اعلیٰ رواں کرد ۔ چوں ایشاں با سرائے مذکور در گھی مانک گنج

رسیدند خوف در باطن الیشان راه یافت که مارا برائے کشتن می برند۔ سبب اتفاق غدر کردند۔ بوقت کوچ بر اُمرائے مذکور زدند۔ ملک احمد لاچین کشته شد۔" *

اب اس احمد لاچین کی ولدیت اور غدر کا حال مولانا عصامی کی زبانی فتوح السلاطین مین سنئے۔

بہمان پور لاچین فیروز جنگ دگر احمد آن قلعتائے نہنگ **

سرخی۔ ذکر کشته شدن احمد لاچین و قلقاش و مملکت گرفتن سلطان ناصرالدین افغان۔

بر آن احمد نا حمیده خصال که شد نام لاچین از او درو بال ***

اسی فتوح السلاطین مین ایک علی لاچین یعنی علی بن لاچین کا بھی ذکر ہے۔

(۱۰) لاچین بیگ قلماق۔ یہ دهلی کے پادشاہ فرخ سیر کا ساتھی اور نوکر تھا۔ †

اب لفظ لاچین کی معنوی سرگزشت ملاخظه ہو۔ جہاں اسکے ایک مجازی معنی دلیر آدمی کے ہیں وہاں اسکے دوسرے مجازی معنی غلام کے بھی ہیں۔ معلوم ایسا ھوتا ہے کھ اس قبیلے کے ترک اس کثرت

---

* تاریخ مبارک شاہی از یحیٰ ابن احمد السیهرندی مطبوعه کلکته ۱۲۳۱ صفحه ۱۱۱

** فتوح السلاطین از عصامی مطبوعه ہندوستان اکیڈمی ۱۹۳۷ء ص ۴۶۸

*** ایضاً صفحه ۴۹۲

جس وقت امیر حاجی پسر خسرو کا انتقال سلطان غیاث الدین کے عہد میں ھوا تھا تو اس وقت خسرو کے "چند "برادران" زنده تھے، حوالے کے لئے دیکھئے اس کتاب کا باب "خسرو کی زندگی کا ایک تاریخی خاکہ" ہوسکتا ھے که احمد لاچین کے خسرو کے بھائی ھوں۔

† سیرالمتاخرین از غلام حسین طبا طبائی مطبوعه نفیس اکیڈیمی۔ ص ۴۵

سے غلام کی حیثیت سے فروخت ہوئے کہ اس لفظ کو بمعنی غلام بھی استعمال کیا جانے لگا - یہ مجازی معنی جہان علی اکبر دہخدا کے لغت نامے میں ہے ”بمعنی بندہ از مجعولات شعوریست“ * وہاں اسٹن گاس کی فارسی لغت میں بھی ہے۔ اور اسکی تصدیق اس طرح ھوتی ہے کہ خود خسرو نے بھی اس لفظ کو بمعنی غلام کئی جگھ استعمال کیا ہے۔ خسرو کا تخلص انکی شاعری کے ابتدائی دور میں سلطانی تھا چنانچہ اس سے فائدہ اٹھاتے ھوئے وہ ایک قصیدے میں ”خسرو لاچین“ کی ترکیب کو اس طرح استعمال کرتے ہیں کہ لاچین کے ایک معنی غلام کے بھی ظاہر ہوتے ہیں -

خه که درعهد تو سلطان سخن خسرو لاچین سلطانی شد ست **

اس طرح کا حسن ایہام ایک جگہ وہ نثر میں بھی پیدا کرتے ہیں۔ ,,دو غلام، ترک و ہندو، یکے قرنفل دوم لاچی بخدمت فرستادہ شود“ *** چنانچہ اس خیال کو یکسر رد نہیں کیا جاسکتا ہے کہ جب خسرو اپنے کو خسرو لاچین لکھتے ہیں تو اس کا مفہوم یہ بھی ہوتا ہے کہ ,,خسرو ابن غلام۔ یا خسرو بندہء کمترین“ اور اس ترکیب یعنی خسرو لاچین میں خسرو (بادشاہ) اور لاچین (غلام) کا حسن تضاد بھی پیدا کرتے ہیں۔ چنانچہ جہاں انہوں نے عربی کے اس جملے میں اپنے کو واضح طور سے ابن لاچین لکھا ہے ,,واما بعد فان مرقوقک القدیم خسرو بن لاچین یعرف بالندیم“ وہاں بھی اس رعایت کو ملحوظ رکھا ہے۔ مگر چونکہ ہمارے تذکرہ نگاروں کو اس کا علم نہ تھا کہ خسرو کے والد بندگان شمسی میں سے تھے، اطلاعاً عرض ھے کہ فارسی اور اردو کے کسی بھی تذکرہ نگار نے یہ نہیں لکھا ہے کہ وہ بندگان شمسی میں سے

---

* لغت نامہ علی اکبر دہخدا مطبوعہ تہران

** کلیات امیر خسرو برٹش میوزیم - شمارہ ۱۰۴، ۲۱ ف ۲۴۲، دیوان تحفہ" الصغر۔

*** اعجاز خسروی رسالہ اول - ص ۱۶۹ - نولکشور

تھے، اسلئے وہ خسرو لاچین کی ترکیب کی بلاغت سے بھی پوری طرح باخبر نہ ہوسکے۔

ایسا کیوں ہے کہ جبکہ خسرو اپنے والد کے بارے میں یہ لکھتے ہیں کہ انہیں سلطان شمس الدین التتمش نے درم سلطانی سے خریدا تھا ہمارے تذکرہ نگار انکے اس مفہوم کو سمجھنے سے قاصر رہے۔ اور ڈاکٹر وحید مرزا کو یہ مغالطہ ہوا کہ شاید سلطانی، شمسی انکے والد کا نام تھا - اسکا بنیادی سبب یہ ہے کہ جہاں ہمارے تذکرہ نگار لاچین کے مجازی معنوں سے مطلع نہ تھے اور غالباً اس بات سے بھی بے خبر تھے کہ لاچین ترکوں کے درمیان اسم علم کی حیثیت سے بھی استعمال ہوتا وہاں وہ درم سلطانی سے بھی ناواقف تھے۔ چنانچہ اسی ناواقفیت کی وجہ سے ڈاکٹر وحید مرزا کو یہ مغالطہ ہوا کہ سلطانی، شمسی خسرو کے والد کا نام تھا۔

اور شبلی یہ کہہ کرکے آگے بڑھ گئے کہ تحفۃ الصغر کے دیباچے کا جو نسخہ میرے پیش نظر ہے وہ بہت ہی ناقص ہے۔ اب قبل اسکے کہ متعلقہ عبارت پیش کروں درم سلطانی کی وضاحت کردینا چاہتا ہوں۔

شہاب الدین ابوالعباس احمد دمشقی العمری (متوفی ۷۴۹ ہجری) اپنی کتاب ”مسالک الابصار فی ممالک الا مصار“ میں ہندوستان کے مروجہ سکوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ وہاں چاندی کے چھ سکے رائج ہیں - درہم شا نزدہ گانی، درہم دوازدہ گانی، درہم ہشہت گانی، درہم شش گانی، درہم سلطانی۔ یگانی اور سلطانی کی تعریف کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ایک سلطانی دو یگانی یا ایک چیتل نقرہ کے برابر ہے جو دمشق میں آٹھ فلس کے برابر ہے۔ سلطانی سے متعلق وہ مزید یہ لکھتا ہے کہ سلطانی تمام سکوں میں بیرونی تجارت کیلئے زیادہ مقبول ہے کیونکہ اس کا درم درست رہتا ہے۔* چونکہ دمشقی نے اپنی

---

* History of India by Illiot & Dowson. Vol. III London. Appendix-Page 523.

یہ کتاب غیاث‌الدین تغلق کے عہد میں مرتب کی تھی، حالانکہ اس نے خود کبھی ہندوستان میں قدم نہیں رکھا مگر اس نے ایک شخص شیخ مبارک کی زبانی یہاں کے حالات لکھے ہیں۔ ڈاکٹر مہدی حسین نے اپنی کتاب ,,خاندان تغلق"* میں یہ بات بلا کسی ثبوت اور حوالے کے لکھی ہے کہ سلطانی نام کا سکہ سلطان غیاث‌الدین تعلق نے جاری کیا تھا۔ اصل میں اس بات کو اولاً ایڈورڈ ٹامس نے اپنی کتاب Chronicles of Pathan Kings میں لکھا ہے اور اس کا ماخذ ابوالعباس دمشقی ہی کی کتاب کو ٹھہرایا ہے لیکن اس نے ابوالعباس کا نام لینے کے بجائے ابوالعباس کی کتاب کے راوی شیخ مبارک کا نام لیا ہے۔ وہ لکھتا ہے:-

"One novelty for which Mohammed Bin Tughlaq claims credit was Dokani or a Piece of two Kanis, which Sheikh Mubarak mentions, was entitled after its royal deviser Sultani" **

اس کے بر عکس ابخسرو کے حوالے سے یہ بات باوثوق طور سے کہی جاسکتی ہے کہ سلطانی کا موجد سلطان التتمش تھا جس نے نہ صرف چیتل رائج کیا، جیسا کہ ایچ نلسن رایٹ (H. Nelson Wright) نے اپنی کتاب The coinage & Metrology of the Sultans of Delhi میں لکھا ہے، بلکہ کئی اور سکے بھی رائج کئے۔ وہ انہیں سکوں کا موجد قرار دیتا ہے۔ عدلی نام کا سکہ بھی وہ التتمش ہی کی ایجاد بتاتا ہے۔

ایچ نلسن رائٹ نے اپنی مذکورہ کتاب *** میں التتمش کے عہد کے ایسے بے شمار سکوں کے دستاویزی ثبوت بہم پہنچائے ہیں جو سونے

---

* Tughlaq Dynasty by Dr. Mehdi Husain (Thacker Spink & Co. 1933) Page 522.

** Page 231. Edition Reprint Pakistan.

*** مطبوعہ دہلی ۱۹۳۶ء

چاندی اور تانبے کے تھے۔ اس طویل فہرست میں سلطانی کے وزن کا کوئی چاندی کا سکہ ابھی تک دستیاب نہیں ہوا ھے لیکن اس سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی ھے کہ التتمش اس کا موجد نہ تھا۔ مزید یہ کہ ایک سلطانی کا سکہ، دوسرے سلاطین کے عہد میں بھی رائج رہا کرتا۔ خود دمشقی نے یہ بات نہیں کہی ھے کہ سلطانی نام کا سکہ سلطان غیاث‌الدین کی ایجاد تھی وہ تو شیخ مبارک ایک راوی کے حوالے سے صرف یہ کہتا ھے کہ اس وقت ہندوستان میں چاندی کے چھ سکے رائج ہیں۔ ان میں ایک درم سلطانی ہے اور شیخ مبارک کے سفر ہندوستان کی کوئی تاریخ اس نے متعین نہیں کی ھے۔

ایسی صورت میں ڈاکٹر مہدی حسین کا یہ دعویٰ بالکل بے بنیاد ھے کہ سلطانی کا موجد غیاث الدین تغلق تھا۔ بالخصوص اس صورت میں جبکہ انہوں نے اسکے عہد کا کوئی سلطانی سکہ بھی پیش نہیں کیا ھے۔ اور نہ کوئی سند پیش کی ھے۔ اور اب مورخین کو خسرو کے حوالے سے یہ بات بغیر کسی تذبذب کے لکھنی چاہئے کہ سلطانی کا موجد التتمش تھا کیونکہ جیسا کہ خسرو نے لکھا ھے اسپر سلطان التتمش کی مہر ثبت ہوتی۔ اور دو درہم کے برابر تھا۔ جہانتک کہ ماہرین مسکوکات و مورخین کے نوٹس لینے کا تعلق ھے لین پول نے اپنی کتاب Catalogue of Indian Coins in the British Museum* کے دیباچے میں سلاطین دہلی کے سکوں کا نظام پیش کیا ھے اس میں سلطانی کابھی نام لکھا ھے اور دمشقی کے اس خیال کی تائید کی ھے کہ ایک سلطانی دو درہم یگانی یا ایک چیتل نقرہ کے برابر تھا۔ یہی بات خسرو نے بھی لکھی ھے کہ ایک ”سلطانی“ دو درہم کے برابر تھی** یہ بات کہ سلطانی سکہ سلطان التتمش کے

---

* مطبوعہ لندن ۱۸۸۴ء مقدمۂ کتاب۔

** دیباچہ تحفہ" الصغر کلیات خسرو برٹش میوزیم شمارہ نمبر ۲۱،۱۰۴ اضافی۔ ف۔ ۹

زمانے میں موجود تھا ، اسکی تائید طبقات ناصری کے اس نسخے سے بھی ہوتی ہے جسکا ترجمہ میجر را ورٹی نے انگریزی میں کیا ہے ۔ تمرخان ، قمرالدین قران بیگ کے احوال میں جو ترجمہ میجر راؤٹی نے طبقات ناصری سے کیا ہے وہ ملاحظہ ہو ۔

> "The Sultan (El-Titmush) at the outset of his (Tamar Khan) Career purchased him from Asaduddin Mankli, the brother's son of Malik Feroz for The sum of fifty thousand Sultani Dirams."*

اور حاشیہ میں لکھا ہے کہ تمام پرانے نسخوں میں درہم سلطانی ہے ۔ خسرو نے اپنے دیوان تحفۃ الصغر کی ایک غزل کے مقطع میں "سلطانی" بمعنی سکہ بھی استعمال کیا ہے ۔ ملاحظہ ہو وہ مقطع حاشیہ میں ۔ **

اب ان دو الفاظ یعنی "لاچین" اور "سلطانی شمسی" کی وضاحت کے بعد تحفۃ الصغر کے دیباچے کی وہ عبارت ملاحظہ ہو جہاں خسرو نے اپنے والد کا نام لاچین بتایا ہے اور اس امر کی وضاحت کی ہے کہ انہیں سلطان شمس الدین التتمش نے "سلطانی" نام کے سکوں سے خریدا تھا ۔ متعلقہ عبارت کا سباق و سیاق کم و بیش وہی ہے جو شبلی نے خسرو کے احوال میں اپنی کتاب شعر العجم میں پیش کیا ہے ۔ خسرو اپنے ایام مکتب نشینی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ایک دن خواجہ اصیل کوتوال نے میرے استاد سعدالدین محمد عرف بہ قاضی خطاط کو

---

* Page 742

** ضربت غم می خورم ساطانی آساتا بہ کے
قبلۂ جان روئے آن رخسار گلناری کنم
(کلیات غزلیات خسرو جلد سوم مطبوعہ لاہور)

چونکہ سلطانی ان کا تخلص بھی تھا اسلئے اس شعر میں انہوں نے صنعت ایہام ذومعنین کو جو ان کا محبوب مشغلہ تھا بطور خاص برتا ہے ۔ ضربت کا لفظ اسکی طرف اشارۂ بدیہہ کرتا ہے ۔

ایک خط لکھنے کیلئے بلوایا - میں بھی اپنے استاد کے ہمراہ کوتوال کے گھر گیا - وہاں ایک بزرگ عزالدین نامی مقیم تھے - وہ کسی بیاض سے اشعار سنا رہے تھے - میرے استاد قاضی خطاط نے مجھے انکی خدمت میں پیش کرتے ہوئے کہا کہ دیکھئے میرا یہ شاگرد ابھی سے شاعری میں "خردہ کاری" کرتا ہے - ذرا اس کا امتحان تو لیجئے - عزالدین نے اپنی بیاض میری طرف بڑھادی اور مجھ سے شعر پڑھنے کیلئے کہا - میں نے خوش الحانی سے اشعار پڑھنا شروع کئے - اس سے لوگ خاصے متاثر ہوئے اور مجھے شاباشی دی - اس پر میرے استاد نے کہا شعر پڑھنا آسان ہے - کوئی کلام موزوں کرنے کیلئے کہیئے - چنانچہ خواجہ عزالدین نے چار انمل بے جوڑ چیزوں کا نام لیا - مو، بیضہ، تیر، خربزہ، (خربوزہ) اور فرمایا ان چاروں کو کسی بیت میں نظم کرو - میں نے فوراً یہ رباعی موزوں کی -

ہرموئے کہ درزلف آں صنم است   صد بیضۂ عنبریں برآں موے ضم است
چوں تیر مدں راست دلش رازیرا   چوں خربزہ دندانش میان شکم است

جب میں نے یہ رباعی پڑھی تو خواجہ عزالدین نے میری بڑی حوصلہ افزائی کی اور پھر مجھ سے میرا نام پوچھا - اب اصل عبارت فارسی کی ملاحظہ ہو -

"پرسید چہ نامی - گفتم خسرو - نام پدرم راپرسید - گفتم لاچین - گفت ترک خطاست - گفتم نے خطاو ترک است - گفت درم خریدۂ ناصری است - * گفتم سلطانیٔ شمسی - گفت چوں سکہ نسبت مہر سلطانی دارد سکۂ خطاب توہم سلطانی باشد کہ شعراء را بے خطا است - از خطابی چارہ بنودو ترا دریں صورت یک معنی پیش پیش می آید - وآں این است کہ ہیچ شاعرے را اگرچہ سکہ ثابت کردہ است درم درست نگر فتہ

---

* ناصری ہے مراد سلطان ناصرالدین محمود ہے - جسکا سنہ جلوس ۶۳۵ ھجری ہے -

است و سلطانی درعہد ما دو درم می ارزد ایں سکہ راچوں درم درست است بردل نقش کن کہ ترا خطہ' سخن بر تو ختم بجائی برسد کہ ترابہ نسبت شعراء دیگر دو درم گیرند و مہرایں سخن بر تو ختم شود۔ انشاء اللہ وحدہ۔ آں صراف کہن و ناقد کہن ایں نقد را برمن رواں کردو من گرہ بستم۔ بعد آں ہر نقدی کہ از دارالضرب قلب خویش بہ سویدا بروں می دادم نقش سلطانی بروں می نشاندم ودریں دیوان ایں سکہ (سلطانی تخلص) بغایت رائج و جاری است "۔ ❊

اردو داں طبقے کے استفادے کیلئے اس عبارت کا اردو ترجمہ قدرے آزادی اور تشریح کے ساتھ یہ ھے -

'' خواجہ عزیز نے پوچھا - تمہارا کیا نام۔ میں نے کہا خسرو- پھر میرے والد کا نام پوچھا - میں نے کہا لاچین پھر دریافت کیا - کیا وہ خطائی۔ (ختائی) ترک ہیں۔ میں نے کہا خطائی تو نہیں لیکن ترک ہیں۔ مزید دریافت کیا - کیا انہیں سلطان ناصرالدین محمود نے درم سے خریدا ہے۔ میں نے کہا شمس الدین التمش نے سلطانی سے خریدا تھا"۔

یہاں یہ سوال کیا جاسکتا ھے کہ کیا درم سلطانی سے سلطان شمس الدین التمش نے کسی اور غلام کو بھی خریدا ھے - جس سے یہ بات معتبر ہو کہ واقعتاً سلطانی نام کا سکہ اس وقت موجود تھا۔ اس سلسلے میں میجر راورٹی کے ترجمہ طبقات ناصری سے میں ایک حوالہ دونگا اور اس نے جو حاشیہ میں لکھا ھے اسے بھی نقل کرونگا - ملک قمرالدین قیراں تمر خاں السلطانی کا ترجمہ طبقات ناصری سے انگریزی میں ترجمہ کرتے ہوئے وہ لکھتا ھے۔ یہاں یہ بتانا بھی ضروری ھے کہ راورٹی کے سامنے طبقات ناصری کے کئی خطی نسخے تھے اور عبدالحئی حبیبی کے پیش نظر صرف ایک مکمل نسخہ' خطی قندھار کا تھا اس لئے

❊ کلیات امیر خسرو برٹش میوزیم - ترقیمہ ۹۲۲ هجری۔ شمارہ اضافی ۲۱،۱۰۴ - دیباچہ تحفة" الصغر ف - ۹ -

راورٹی کا ترجمہ آج بھی اس سے زیاد مستند ہے اور یہی وجہ ہے کہ حبیبی نے اپنے تالیف نسخہ میں ترجمۂ راورٹی سے متعدد جگہوں پر استفادہ کیا ہے۔ تمر خاں سے متعلق یہ عبارت ہے۔

"His origin was from Qipchaq and he was good looking and had a long beard and mustachios. The Sultan (I-yal-Titmish) at the outset of his career purchased him from Asaduddin Mankali, the brother's son of Malik Firoz (a slave of Eltitmish) for the sum of fifty thousand Sultani Dirans." Page 742.

درم پر نوٹ نمبر ۸ لگایا ہے اور اس کی وضاحت حاشیے میں اس طرح کی ہے،

All the old copies have Sultani Dirams but the modern ones jital.

چنانچہ نسخۂ حبیبی میں درم سلطانی کے بجائے جیتل لکھا ہوا ہے۔ * مزید متعلقہ عبارت کا اردو ترجمہ یہ ہے۔

"اس پر انہوں نے کہا کہ چونکہ جس سکے سے کہ تمہارے والد خریدے گئے اس کی نسبت مہر سلطانی سے ہے اسلئے اب تمہارے خطاب (تخلص) کا سکہ بھی سلطانی ہوگا کہ یہ شعراء کیلئے جائز ہے۔ انہیں کوئی نہ کوئی خطاب (تخلص) اختیار کرنا پڑتا ہے اور تمہارے اس خطاب کے اختیار کرنے سے یہ بات نمایاں طور سے سامنے آتی ہے کہ اس عہد میں کوئی بھی شاعر ایسا نہیں ہے جس نے اپنی شاعری کا سکہ ثابت کیا ہو اور اسکے سکے کا درم درست بھی ہو (یعنی اس کا کلام معتبر ہو) لیکن ایک سلطانی ہمارے عہد میں دو

---

* طبقات ناصری حصہ دوم نسخۂ حبیبی - ص - ۱۷

درم کے برابر ہے اور چونکہ اس سکے کا درم درست ہے یہ بات اپنے دل میں نقش کرلو کہ تم پر خطۂ سخن تکمیل پاکر اس منزل کو پہنچیگی کہ تمہیں بہ نسبت دوسرے شعراء کے لوگ ایک سلطانی یا دو درم سے خریدیں گے اور اس شاعری کی مہر تم پر ختم ہوگی۔

انشا اللہ وحدہ اس پارکھ اور پرانے نقاد نے یہ زر نقد مجھے عطا کیا اور میں نے اسے اپنی گرہ میں باندھا۔ اس کے بعد سے میں نے جو بھی نقد، اپنے دل کے دارالضرب سے سیاہی قلم کے حوالے کیا، اس پر سلطانی کا نقش ثبت کیا اور اس دیوان میں یہ سکہ یعنی سلطانی تخلص بہت زیادہ رائج و جاری ہے۔"

اب یہاں دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جبکہ خسرو نے اپنے تیسرے دیوان غرۃ الکمال کے دیباچے میں اپنے والد کو سیف شمسی کہکر یاد کیا ہے (جو مخفف ہے سیف الدین شمسی کا تو پھر وہی نام تحفۃ الصغر کے دیباچے میں کیوں نہیں بتایا۔ اور وہاں صرف لاچین کیوں لکھا۔ اس کا کوئی جواز بجز اسکے نظر نہیں آتا کہ جہاں کہیں وہ اپنا نام خسرو لکھتے وہاں اس کی رعایت سے اپنے والد کا نام لاچین ہی لکھتے (جسکے ایک مجازی معنی غلام کے ہیں) اور جہاں یہ محل نہ ہوتا وہاں سیف شمسی یا سیفی کہکر یاد کرتے۔

ایک دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جبکہ خسرو نے اتنے واشگاف الفاظ میں اپنے والد کو بندگان شمسی میں سے قرار دیا ہے تو پھر اتنے بہت سے تذکرہ نگاروں سے یہ حقیقت کیوں چھپی رہی اول تو یہ جانیئے کہ یہ سارے تذکرہ نگار ایک دوسرے کے نقل نویس تھے اور اگر انہیں کبھی کوئی نئی بات ملتی بھی تھی تو اسے اس ڈر سے نہ لکھتے کہ اس کی تائید ماسبق کے تذکروں میں نہیں کی گئی ہے۔ چنانچہ اس طرح کسی کا گھڑا ہوا افسانہ صدیوں تک بغیر کسی تحقیق کے منتقل ہوتا رہتا۔ جو تحقیقی شعور کہ ان دنوں ہے وہ اگلے وقتوں

میں نہ تھا۔ وہ مصنف کی تصنیفات پر بہت کم وقت صرف کرتے، اس کا ترجمہ لکھتے وقت دو چار تذکروں کو سامنے رکھ لیتے اور پھر انہیں سے جملے انتخاب کرکے لکھ دیتے۔ چنانچہ یہی سبب ہے کہ ایک ہی جملے مختلف تذکروں میں دہرائے ہوئے ملتے ہیں، ذرا سی بھی تبدیلی نظر نہیں آتی ہے۔ دوسرا سبب بہت سے امور سے متعلق ان کی ناواقفیت کا تھا۔ اول تو ان میں سے بہت کم لوگوں کو کمیابی کی وجہ سے دیوان تحفۃ الصغر اور اس کا دیباچہ دیکھنے کو ملا اور جن کو یہ موقع ملا وہ اس بات سے بلکل نا واقف تھے کہ سلطانی نام کا کوئی سکہ سلطان التتمش کے زمانے میں تھا۔ سکوں کے علم کا مذاق ہمارے پرانے مورخوں میں سے کسی کو نہ تھا۔ مگر یہ دیکھئے کہ اس قسم کی کوئی دشواری انگلستان کے ایک مستشرق چارلس ریو کو پیش نہ آئی جس نے برٹش میوزیم میں موجود تمام فارسی مخطوطوں پر نوٹ لکھے ہیں۔ اور کلیات خسرو شمارہ ۲۱۰۴ اضافی پر ایک جامع نوٹ لکھنے کے بعد خسرو سے متعلق جو ایک سوانحی نوٹ کلیات مذکورہ کے اقتباسات کی بنیاد پر لکھا ہے۔ اس میں یہ بات صراحتاً لکھی ہے کہ وہ بندگان شمسی میں سے تھے۔ ملاحظ ہو اسکا سوانحی نوٹ:۔

His father a Khitai Turk Lajin by name afterwards Amir Saifuddin Shamsi, was originally a slave of Iltitmish and his warlike achievements secured according to khusroe, the empire for his master, by whom he was raised to the rank of Amir." *

لیکن اس عبارت میں چارلس ریو نے لاچین کو لاجین لکھا ہے۔ ایسا اس لئے ہے کہ عربی لہجے کی پیروی میں بہت سے کاتبوں نے

---

* Catalogue of the Persian manuscripts in the British Museum. By Charles Rieu Vol. I Second Edition 1965.
Pages 240-241

لاچین کو لاچین لکھا ھے اور جہاں لاچین کے بجائے لاچی لکھا گیا ھے وھاں بھی لاچی کو لاچی لکھا ہے - لیکن چونکہ بہ اعتبار لغت ترکی اس لفظ کا لہجہ لاچین اور لاچی ھے اس لئے صحیح لاچین اور لاچی ھے - چارلس ریو نے خسرو کے والد لاچین کو ترک خطائی قرار دیا ھے ۔ یہ ایک متنازعہ فیہ مسئلہ ہے کیونکہ اس سوال کے جواب میں کہ ''ترک خطاست '' کلیات مذکورہ میں ''نے خطا و ترکست'' لکھا ھوا مگر سوال یہ ھے کہ کیا کاتب نے صحیح لکھا ہے - کیا یہ ممکن نہیں کہ بے خطا ترکست ھو اور کاتب نے ''نے خطا و ترکست'' کردیا ھو کیونکہ خسرو کی ھاتھ کی لکھی ھوئی تو یہ تحریر نہیں ۔ یہ اعتراض معقول ہے اور مجھے '' بے خطا ترکست '' کے قبول کرنے میں کوئی عذر نہیں بشرطیکہ کسی اور کلیات میں بے خطا ترکست لکھا ھوا ھو ۔ دوم یہ کہ اس سے بھی یہی معنی برآمد ھوتے ہیں کہ وہ ترک خطا نہ تھے -

ھمیں اس کا علم نہیں کہ خواجہ عزالدین کہاں کے رھنے والے تھے لیکن لاچین کا نام سنتے ھی انکا یہ سوال کرنا کہ '' ترک خطا است'' اس امر کی دلالت کرتا ہے کہ انکے ذھن میں '' لاچین خطائی '' کا تلازمہ تھا جسکی وہ تصحیح چاھتے تھے ۔ لاچین خطائی ، سلطان ناصرالدین قباچہ حاکم ملتان کا سپہ سالار تھا جو ۶۱۸ ھجری میں آورخاں سے جنگ کرتے ھوئے مارا گیا ۔ * اس لئے اسکی تردید میں '' نے خطا و ترکست'' ھی درست ھے - دوسرا تلازمہ لفظ لاچین کی وجہ سے غلام کا بھی تھا اس لئے فوراً ھی انہوں نے سوال کیا کہ ''درم خریدۂ ناصری است '' اس کا مختصر جواب وھی تھا جو خسرو نے دیا کہ (خریدۂ) سلطانیٔ شمسی ۔ یعنی سلطان شمس الدین التتمش نے انہیں سلطانی سے خریدا تھا - بہرحال میں تو یہاں چارلس ریو کے سوانحی نوٹ سے بحث کر رھا تھا اور یہ بات ابھارنا چاھتا تھا کہ اس نے خسرو کے والد کو بندگان شمسی میں سے قرار دیا ہے اور اس کو سلطانیٔ شمسی کے مفہوم

---

* تاریخ جہانکشائے جوینی صفحہ ۱۴۸ جلد ثانی مطبع لیدن ۔

کو سمجھنے میں دشواری پیش نہ آئی۔ اور دوسری اہم بات یہ ہے کہ اس نے خسرو کے والد کا نام لکھتے ہوئے، کہیں بھی محمود کا اضافہ نہیں کیا ہے۔ ہم اس سے بحث آگے کے صفحات میں کرینگے کہ دولتشاہ سمرقندی نے خسرو کے والد کا نام سیف الدین شمسی یا لاچین لکھنے کے بجائے کس غلط فہمی کی بنیاد پر محمود لکھا ہے۔ فی الحال تو یہ کہنا ہے کہ ان باتوں کے انکشاف سے کہ خسرو کے والد بندگان شمسی میں سے تھے اور انہیں سلطان التتمش نے کسی تاجر سے خریدا تھا دوسرے یہ کہ ان کا ترکی نام لاچین تھا۔ نہ کہ وہ لاچین قبیلے کے تھے۔ (ان کے قبیلے سے بحث آگے کے صفحات میں کیجائیگی) تیسرے یہ کہ اُن کا دوسرا، زیادہ مقبول عام نام سیف الدین شمسی تھا۔ ان سارے انکشافات سے دولتشاہ سمرقندی کا افسانہ، امیر خسرو کے والد کے احوال سے متعلق تودۂ ریت کی طرح ڈھے پڑتا ہے اور پھر اسی کے ساتھ ساتھ اسکے سارے نقل نویسوں کا اعتبار بھی جاتا رہتا ہے۔

اب تک ہم نے دو باتیں متحقق کی ہیں۔ ایک یہ کھ خسرو کے والد کا ترکی نام لاچین تھا۔ دوسرے یہ کہ وہ بندگان شمسی میں سے تھے۔ اب ہم اس طرف رجوع کرینگے کہ ان کے والد کا دوسرا نام جو سیف الدین شمسی تھا اسکی حقیقت کیا ہے اور پھر اسکے بعد یہ معلوم کرنے کی کوشش کرینگے کہ بندگان شمسی میں سے خسرو کے والد سیف الدین شمسی کس حیثیت اور شخصیت کے مالک تھے، وہ کہاں کے رہنے والے تھے اور کس قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔

خسرو کے تیسرے دیوان غرۃ الکمال کا دیباچہ جو خاصا طویل ہے۔ دیوان سے علاحدہ نو لکشور سے شایع ہوچکا ہے۔ اسلئے اس کا مطالعہ عام تھا اور اس سے بہت سے لوگوں نے استفادہ کیا ہے۔ لیکن چونکہ جزوی اختلاف مختلف قلمی نسخوں کے درمیان ملتے ہیں، اسلئے میں نے برٹش میوزیم کے کلیات شمارہ ۲۱،۱۰۳ کے قلمی نسخے سے وہ عبارت نقل کرتے ہوئے جہاں انہوں نے اپنے احوال کے باب میں اپنے والد کا

ذکر کیا ہے اور انہیں سیف شمسی اور سیفی کہکر یاد کیا ہے، صحت کے مدنظر انڈیا آفس میں موجود قدیم ترین کلیات خسرو* اور مطبوعہ نسخہ کے علاوہ ایک اور خطی نسخہ جو اس وقت نیشنل میوزیم کراچی میں موجود ہے اور جسپر ایم لعل (مرزا لعل بیگ) مولف ثمرات القدس کی خطی تحریر اس امر کی ہے کہ اس نے اس نسخہ کو ۱۰۰۰ سنہ هجری میں حاصل کیا۔ ان سب سے استفادہ سے اس عبارت کو نقل کرنے میں کیا ہے۔ اب غرۃ الکمال کے دیباچے سے وہ عبارت ملاحظہ ہو۔

''زہی کمال قدرت ربانی کہ از شکستہ زبانی چون من زبان دانی را در سخن آورد، پدرم سیف شمسی کہ نور پیشانی او تیغ آفتاب† بود۔ و بصف شکنی اشتہار یافتہ۔ بیت۔

جہان بقوت اوسی گرفت التتمش   کہ برکشید خدایش ز قبضۂ قدرت**

عجب سیفی کہ با چندیں صفت گوہر پاکش چنان بود کہ ہرگز سخن از زبان او بیرون نیامدی۔ ترک در خواب فرشتہ باشد او در بیداری فرشتہ بود۔ از بالا آمدہ انچنان فرشتہ جز در خواب نتوان دید۔ صفت ملکی را در طاعت چنان ملکہ کردہ کہ در حور سیہ چشم، چشم سرخ نکردی۔ ہم از طریق دنیا اسیر بودہ و ہم از جناب عقبیٰ صاحب ولایت۔ با آنکہ اُمی بود ہمہ ہمتش برآن منحصر بودے کہ من بیحاصل تحصیلی کنم۔ در آب و گل من این ہمہ کاشتہائے اوست کہ بر میدہر۔ الہی چون مرغزار دنیا را بہ اُووا کرد در گلزار آخرتش و رود باد۔

---

* شمارہ ۱۱۸٦ انڈیا آفس لائبریری

† تیغ آفتاب۔ شعاع مہر کو کہتے ہیں (اسٹن گاس)

** زیادہ تر نسخوں میں بہ قبضۂ قدرت ہے۔

■ چشم سرخ کردن۔ محاورہ ہے۔ اظہار ہوس کا۔

آری الدنیا مزرعة الاخرة۔ از بسکه شهد شہادت در مذاق او بغایت شیریں بود جان شیریں برسر آن شربت کرد و آب حیات ''بل آحیاء عندربهم۔'' نوش کرد۔ نوشش باد بیت۔

سیف از سرم برفت و دل من دونیم ماند
دریائے خون رواں شد و درم یتیم ماند*

من بنده در آن ایام ہفت ساله** بودم۔ اما چہار گانی ثابت ثابتات ہشتم فلک را پائمال می کردم تا پائے در نہم نہادم۔ در آن صغرسن که دندان می افتاد سخن گفتم و گوہر از دہانم می ریخت۔ چون آن ابرے (سیف شمسی) که من قطرهٔ او یم از سرم برفت یتیم ماندم۔ جدم گرد آورد و در خدمت خود منسلک گردانید۔

اس عبارت سے جو اطلاعات امیر خسرو کے والد سے متعلق بہم ہوتی ہیں وہ یہ ہیں کہ وہ سیف الدین شمسی کے نام یا لقب سے مشہور تھے۔ وہ نہایت متقی اور پرہیزگار تھے۔ اس حد تک کہ اگر ولی اللہ کہا جائے تو کچھ بیجا نہ ہوگا۔ وہ امیر یا مقطع بھی تھے۔ اس کی مزید توثیق خسرو کی اس تحریر سے ہوتی ہے۔ ''بعد آزاں که فرسان رسا نیده و فاضل طلب کرده شد۔ مقطع اقطعات سیفی بمن نمودن گرفت که اینجا بے تیغ زر قرض ہم حاصل نشود۔''*** اینجا کا اشارا مانک پور کڑا ہے۔ اس کے یہ معنی ہوئے کہ خسرو کے والد مانک پور کڑا میں بھی مقطع تھے۔ خسرو نے انہیں از راہ انکساری اسی کہکر یاد کیا ہے۔ ''بانکه اسی بود ہمه ہمتش بر آن بود که من بے حاصل تحصیلی کنم'' کیونکہ بعد کا یہ جملہ ظاہر کرتا

---

* بیشتر نسخوں میں دریائے من ہے لیکن جمالی نے دریائے خوں نقل کیا ہے جو یہاں با معنی ہے۔

** ہشت ساله۔ کلیات امیر خسرو دھلوی۔ انڈیا آفس لائبریری۔ شمارہ ۱۱۸۶۔ ف۔ ۳۵۔ ترقیمه ۸۶۶ ہجری۔

*** اعجاز خسروی رسالہ ثانیہ۔ ص ۴۲ نولکشور۔

ہے کہ وہ ایسے امی نہ تھے جیسا کہ اس لفظ کا لغوی معنی ظاہر کرتا ہے۔ ''در آب و گل من این ہمہ کاشتہائے اوست کہ بر می دہد۔'' یعنی مجھ سے جو کچھ کہ ظاہر ہوا ھے انہیں کی محنت کا ثمرہ ھے۔'' مزید یہ کہ انہیں ابر اور اپنے کو اسکا ایک قطرہ قرار دیا ھے۔

ابر سے تشبیہہ دینے کے کئی دلایل عقلی ہوسکتے ہیں۔ یہاں انکی گونا گوں صلاحیتوں کی طرف اشارہ ھے۔ وہ جہاں صاحب سیف تھے وہاں دوسری صلاحیتوں کے بھی مالک تھے۔ کلیات خسرو برٹش میوزیم شمارہ ۲۱،۱۰۴ میں انکے والد کے انتقال کے وقت خسرو کی عمر سات سال بتائی گئی ھے لیکن انڈیا آفس لائبریری کے ایک خطی نسخے کلیات خسرو شمارہ ۱۱۸۶ جو اس سے قدیم تر ھے اس میں انکے انتقال کے وقت انکی عمر آٹھ سال کی بتائی ھے۔ ''من دراں ایام ہشت سالہ بودم''* ھشت سالہ ھی زیادہ صحیح ھے ھفت سالہ کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ھے کیونکہ بعد کا جملا یہ ھے کہ جب میں نے آٹھواں پورا کرکے نویں سال میں قدم رکھا تو میرے جد عمادالملک نے مجھے اپنے دامن تربیت میں لیا۔

میں یہ بات پہلے ہی لکھ چکا ہوں کہ سیف شمسی اور سیفی یہ دونوں مخفف ہیں سیف الدین شمسی کا۔ اس کی دلیل یہ ھے کہ خسرو بالعموم ایسے اسماء کو جس کی بنیاد کسی خطاب پر ہوتی تخفیف کے ساتھ بھی لکھتے اور جن لوگوں نے خسرو کی نگارشات کا مطالعہ کیا ھے انکے لئے مثالیں دینے کی ضرورت نہیں ھے۔ تاہم عام قاری کیلئے چند مثالیں پیش کر رہا ہوں۔ دیوان تحفۃ الصغر میں غیاث الدین بلبن کی مدح میں کئی قصیدے ہیں۔ ان میں ایک قصیدے میں کہتے ہیں:

شاہ غیاث جہاں انکہ شود تیر او
از جگر کوہ قاف و ز دل عنقا گداز**

---

* انڈیا آفیس لایبریری کلیات امیر خسرو شمارہ ۱۱۸۶، ف ۳۵ - ترقیمہ ۸۲۲ ھجری -

** تحفۃ الصغر کلیات خسرو شمارہ ۲۱،۱۰۴ - برٹش میوزیم - ف ۲۵ -

خسرو کے جد مادری کا خطاب عمادالملک تھا۔ لیکن خسرو انہیں عماد اور عمادی دونوں انداز سے یاد کرتے ہیں:۔

تا در فتاد چون عمادی ز سقف ملک *
در قصر ملک منظر و ایوان گریستہ

یہ انداز ان کا عام ہے۔ غرۃ الکمال کے دیباچے میں متنبی شاعر اور امیر سیف الدولہ کی حکایت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

" سیف الدولہ تغمدہ اللہ بغفرانہ کرات برمتنبی زبان کشیدے " اسکے بعد کے جملوں میں سیف الدولہ کو صرف سیفی کے نام سے یاد کیا ہے " حضرت سیفی در آمد " چنانچہ اپنے والد سیف الدین کو سیف یا سیفی کہنا خسرو کے عام انداز تحریر کے مطابق ہے۔ خسرو کے والد کا اصل ترکی نام لاچین تھا، جسکی کئی داخلی شہادتیں نگارشات خسرو سے پیش کی جاچکی ہیں لیکن قرائین یہ بتاتے ہیں کہ چونکہ انکا شاہی خطاب سیف الدولہ والدین تھا اس لئے انہیں سیف شمسی اور سیفی کہا ہے۔ اور اپنے کو " گوہر سیفی " ** لکھا ہے۔ اس زمانے کا عام دستور یہی تھا کہ امرا کو جس خطاب سے نوازا جاتا وہ اسی نام سے مشہور ہوجاتے اور انکے اصل نام کو بیشتر فراموش کردیا جاتا یا انکے خطاب کے آخر میں لگا دیا جاتا۔ اس زمانے کے جتنے بھی ترک امرا تھے انکے دو نام ہوتے، ایک خاندانی نام ترکی زبان کا اور دوسرا وہ جو خطاب شاہی سے مروج ہوتا۔ ایسی صورت میں اس پر اظہار تعجب نہ کرنا چاہئے کہ انکے دو نام تھے۔ ایک ترکی اور ایک وہ جو خطاب شاہی سے مروج ہوا۔ لیکن یہ ایک عجیب سانحہ

---

* کلیات خسرو۔ ایضاً تحفۃ الصغر۔ ف ۵۰
مرثیہ عمادالملک

غرۃ الکمال مطبوعہ صفحہ ۳۸ -

** اعجاز خسروی رسالہ خامسہ صفحہ ۴۰

ھے - اگر اس کو سانحے کا نام دیا جاسکتا ھے کہ ھند و شاہ فرشتہ نے تاریخ فرشتہ (تالیف’ ۱۰۳۳ ھجری) میں خسرو کے والد کا نام لکھتے وقت سیف الدین کو تو نظر انداز نہیں کیا - کیونکہ ایسا کسی بھی ایسے شخص کے لئے ممکن نہیں جس کی نظر سے غرۃ الکمال کا دیباچہ گزرا ھو ، لیکن دولتشاہ سمرقندی سیف الدین کو بالکل ھی ھضم کر گیا ھے - اور اُن کا نام محمود لکھا ھے جس کی نہ تو کوئی داخلی شہادت تصنیفات خسرو سے ملتی ھے اور نہ کوئی خارجی شہادت کسی معاصر مورخ یا تذکرہ نگار کی تصنیف سے - دولتشاہ نے اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ ترکوں کا ایک نیا قبیلہ ھزارۂ لاچین ایجاد بھی کیا - اعتراض ھزارہ پر ھے - امیر تمن ، امیر ھزارہ منگولوں کا ایک فوجی منصب تھا نہ کہ ھزارہ نام کا کوئی قبیلہ ترکوں کا تھا - لیکن ان ساری غلطیوں کے باوجود ، جبکہ نہ تو وہ ان کا نام درست لکھتا ھے اور نہ انہیں بندگان شمسی میں سے قرار دیتا ھے اور ھر جگہ گوبند گوبند لکھتا ھے - ڈاکٹر وحید مرزا اس بیسوی صدی میں دولتشاہ سمرقندی کی وکالت قدم قدم پر کرتے ھوئے نظر آتے ھیں - آفرین ھو اس ھمت اور جان نثاری پر - مولانا جامی دولتشاہ سمرقندی کے ھمعصر تھے اور خسرو کی شاعری کے عاشقوں میں سے تھے ، ان کی ملاقات خراسان میں سیر العارفین کے مولف جمالی سے بھی ھوئی تھی جن سے انہوں نے خسرو کی ایک بیت میں استعمال کئے ھوئے لفظ ” ساگون “ کی وضاحت چاھی تھی - اس سارے انہماک اور ولولہ کے باوجود جو انہیں خسرو کی شاعری سے تھی ، انہوں نے نہ تو بہارستان (سنہ تالیف ۸۸۳ھ) میں اور نہ نفحات الانس (سنہ تالیف ۸۸۲ھ) میں جسے انہوں نے دولتشاہ سمرقندی کے تذکرے سے نو دس سال پہلے مرتب کیا تھا ، خسرو کے والد کا کوئی نام لکھا - صرف یہ لکھا ھے ” پدروے (خسرو) از امراء قبیلہ’ لاچین بودہ کہ از اترک نواح بلخ اند “ - * جامی کے تذکرہ کے بعد سلطان حسین بایقرا

---

* نفحات الانس مطبوعہ کلکتہ صفحہ ۱۰۷

نے جو دولتشاہ سمرقندی کا مربی تھا، اپنا تذکرہ مجالس العشاق ۹۰۴ ہجری میں مرتب کیا اور یہ بات تقریباً ناممکن ہے کہ اُسکے سامنے دولتشاہ کا تذکرہ نہ رہا ہو۔ لیکن اس نے دولتشاہ کی پیروی کرنے کے بجائے جامی کی پیروی کی اور کم و بیش انہیں کے جملے کو دہرا دیا '' پدرش از امراء قبیلہ لاچین است کہ از اتراک نواح بلخ اند ''۔ *

ہاں علی شیرنوائی نے مجالس النفایس (سنہ تالیف ۸۹۷ ہجری) میں خسرو کا ترجمہ لفظ بہ لفظ دولتشاہ سمرقندی کے ترجمۂ خسرو کے مطابق لکھا ہے اور وہاں خسرو کے والد کا نام صرف محمود لکھا گیا ہے۔ **

پھر بعد کی صدیوں کے اکثر تذکروں، میں دولتشاہ سمرقندی کے تذکرے سے نقل کرتے ہوئے، انکے والد کا نام محمود لکھا ہوا ملتا ہے۔ مثلاً مراۃ الخیال (سنہ تالیف ۱۰۰۲ ہجری) مجمع الفصحا (سنہ تالیف اندازاً ۱۲۵۸-۸۸) میخانہ (سنہ تالیف ۱۰۲۸ ہجری۔) آتشکدہ آذر (سبہ تالیف ۱۱۹۲ھ) ان سارے تذکروں میں انکے والد کا نام امیر محمود لکھا گیا ہے اور پھر انہیں تذکروں کا یہ اثر تھا کہ تاریخ فرشتہ (سنہ تالیف ۱۰۳۳ھ) کا مولف ہندوشاہ انکے والد کا نام لکھتے ہوئے سیف الدین محمود لکھنے پر مجبور ہوا '' پدرش (امیر خسرو) امیر سیف الدین محمود از امیر زادہائے ہزارہ بلخ است ''۔ † فرشتہ نے پہلی دفعہ سیف الدین محمود لکھا ہے ورنہ اس سے پہلے، جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے، بعض نے ان کا کوئی نام نہیں لکھا ہے صرف '' از امراء قبیلۂ لاچین '' لکھا ہے۔ اس زمرے میں جامی اور سلطان حسین بایقرا آتے ہیں۔ بعض نے یا تو صرف لاچین یا پھر سیف الدین لاچین لکھا ہے۔ مثلاً ہفت اقلیم کے مولف امین رازی، امیر لاچین لکھتے ہیں اور تذکرۃ الاولیاء کے مصنف میر خورد امیر سیف الدین لاچین اور جمالی بھی امیر سیف الدین

---

* مجالس العشاق مطبوعہ نولکشور صفحہ ۲۵۶ ۔

** مجالس النفایس ترجمہ فارسی ۔ نیشنل میوزیم کراچی ۔

† تاریخ فرشتہ نولکشور صفحہ ۳۰۲

لاچین لکھتے ہیں۔ اس کے برعکس تذکرۃ الشعراء (دولتشاہ سمر قندی) مراۃ الخیال، مجمع الفصحا، میخانہ، آتشکدہ' آذر کے مولفین صرف محمود لکھتے ہیں۔ بعد کے تذکرہ نگار مثلاً ریاض الشعراء کا مصنف علی قلی والہ داغستانی انکا نام سیف شمسی لکھتا ہے اور انہیں نواح غزنی کا بتاتا ہے۔* ظاہر ہے کہ جن لوگوں نے امیر لاچین' سیف الدین لاچین اور سیف شمسی لکھا ہے وہ درست ہیں اور جن لوگوں نے محمود لکھا ہے وہ بالکل ہی نادرست ہیں کیونکہ اسکی نہ تو کوئی داخلی شہادت ہے اور نہ کسی معاصر مورخ سے خارجی شہادت ملتی ہے۔ فرشتہ نے دونوں کو یکجا کرنے کی کوشش کی لیکن ہندو شاہ فرشتے کی کتنی باتیں درست ہیں کہ اسے درست تصور کیا جائے۔ اس تنقیح کے بعد ضرورت اس امر کی ہے کہ اسکا بھی پتہ چلایا جائے کہ دولتشاہ سمرقندی نے خسرو کے والد کا نام کسی غلط فہمی کی بنا پر محمود لکھا کیونکہ سب سے پہلے اسی نے خسرو کی وفات کے تقریباً پونے دو سو سال بعد انکے والد کا نام محمود لکھا ہے۔

فارسی زبان میں جد دادا کو بھی کہتے ہیں اور نانا کو بھی اور تاوقتیکہ جد کی تشریح جد مادری کہکر نہ کیجائے یا متن کے سیاق و سباق سے یہ واضح نہ ہو کہ یہاں جد مادری مراد ہے۔ ابہام باقی رہتا ہے۔ چنانچہ غرۃ الکمال کے مطبوعہ دیباچے اور برٹش میوزیم کی کلیات شمارہ و ۲۱,۱۰۴' اور انڈیا آفس کی کلیات خسرو شمارہ ۱۱۸۶ کے دیباچہ غرۃ الکمال سے یہ زیادہ واضح نہیں ہوتا ہے کہ جد کہکر انہوں نے جد مادری مراد لیا ہے۔ ہاں غرۃ الکمال کے دیباچہ کا جو حصہ کہ ایم لعل نے "ثمراۃ القدس" میں نقل کیا ہے اس کے ایک جملے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ عمادالملک انکے جد مادری تھے۔

"جدم گرد اورد و درسلک فرزندان خود منسلک گردانید۔"**

---

* مخطوطہ۔ شمارہ ۱۹۶۸-۶۲۴ نیشنل میوزیم کراچی۔

** ثمراۃ القدس۔ ایم لعل بیگ مخطوطہ پاکستان نیشنل میوزیم۔ ص۲۹۴۔

اس کے علاوہ خسرو نے جو مرثیہ عمادالملک کا لکھا ہے اسکی ایک بیت سے بھی یہ بات بالکل واضح ہوتی ہے کہ وہ انکے نانا تھے۔ وزن - مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن

اے گنج افتخار زناف زمیں برآئی   درتنگنائی خاک چو ماندی دفیں برآئی
بہر تو اژدہائی علم نوحہ می کند   اے ضیغم سپاہ زناف زمیں برآئی
ای از برائے توپسران و نبیرگان   مویہ* کنان وموی کنان وحزیں برآئی†

چنانچہ سیرالاولیاء اور سیرالعارفین میں عمادالملک کو خسرو کا جد مادری ہی لکھا گیا ہے۔ لیکن چونکہ دولتشاہ سمرقندی کے سامنے بجز جامی کی نفحات الانس کے کوئی ایسا تذکرہ نہ تھا جس میں امیر خسرو کا ترجمہ ہو، یہ عین ممکن ہے کہ اس نے عمادالملک کو خسرو کا جدپدری اور عمادالملک کے بیٹے امیر محمود کو خسرو کا والد تصور کیا ہو۔ اس کا احتمال قوی ہے - بالخصوص اس صورت میں جبکہ اس نے خسرو کے والد کا نام سیف شمسی نہیں لکھا - معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اسکی دسترس خسرو کی منظومات تک تو تھی لیکن انکے دوائین کے دیباچوں کے مطالعے سے وہ محروم تھا- ایسی کئی کلیات خسرو اور دوائین خسرو ہیں جن میں منظومات تو ہیں لیکن دوائین کے دیباچے نہیں ہیں - ایسی صورت میں اس اندیشے کا اظہار کیا جا سکتا ہے کہ خسرو کے مرثیہ' عمادالملک میں جو یہ بیت ہے۔

محمود را کہ گشت ضمیرش مقام غم
در زحمت فراق تو صبر جمیل باد

اس سے اس نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہو کہ محمود خسرو کے والد کا نام تھا - لیکن اسکے لئے یہ متحقق کرنا بھی ضروری ہے کہ محولہ بالا بیت

---

* مویہ کنان بمعنی نوحہ کنان۔

† کلیات خسرو، شمارہ اضافی ۲۱،۱۰۴، برٹش میوزیم - ف - ۵۰۔

میں جس محمود کا ذکر ھے ع محمود را که گشت ضمیرش مقام غم۔ وہ خسرو کے ماموں تھے نہ کہ انکے والد۔

عمادالملک راوت عارض (عرض) کے کئی بیٹے* تھے جیسا کہ خسرو کے اس مرثیے سے پتہ چلتا ھے جو انہوں نے عمادالملک کی وفات پر کہا تھا۔

اے از برائے تو پسران و نبیرگاں سو یہ کناں موی کناں و حزیں بر آئی

لیکن اُن بیٹوں میں سے انہوں نے صرف ایک محمود کا نام لیا ھے۔ اسکا سبب غالباً یہ ہوگا کہ خسرو کی تربیت میں انہوں نے زیادہ دلچسپی لی تھی اور وہ ان سے زیادہ مانوس تھے۔ ہر چند کہ خسرو نے خود یہ بات نہیں کہی ھے۔ لیکن اس بات کی طرف اشارہ امین رازی کے یہاں ملتا ھے۔

”خال وے کہ مرتبۂ امارت داشتہ در مقصد تربیت او گردیده“**
چنانچہ تحفة الصغر† میں ایک قصیدہ ملتا ھے جس کا مطلع ھے۔
وزن۔ مفعول مفاعیل مفاعیل فعولن۔

ریحان خطی و راح لب اے روح مصور
ریحان تو راحت ده و راحت فرح آور

اسی قصیدے میں ایک بیت ھے جس سے یہ اندازہ ھوتا ھے کہ وہ عمادالملک کے بیٹے تھے۔

محمود محمد فر درخورد محامد نور عرض و عرض گہر راشده جوهر

---

* سیرالاولیاء میں بھی یہی لکھا ھوا ھے انکے کئی بیٹے تھے۔ ص۔ ۹۷ اردو ترجمہ۔

** ہفت اقلیم مخطوطہ پاکستان نیشنل میوزیم کراچی۔

† کلیات شمارہ ۲۱،۱۰۳ ف ۳۰۔

ہرچند کہ عرض اور عرض میں فرق ہے لیکن اشارہ نور عرض کا راوت عرض ہی کی طرف معلوم ہوتا ہے اس بیت کے علاوہ اس قصیدہ میں کوئی دوسری بیت اس طرف اشارہ نہیں کرتی کہ اس قصیدے کے ممدوح محمود محمد راوت عرض کے بیٹے تھے۔ ہاں انکی ایک مثنوی سے اسکی مزید تصریح ہوتی ہے کہ محمود محمد یا محمد محمود انکے ماموں کا نام تھا* اطلاعاً عرض ہے کہ خسرو کے ایک ممدوح محمود بن حسین بھی تھے۔

فخر دول ملک کہ فلک بہر امتحاں
خود را بہ آستانۂ او انتساب کرد
محمود بن حسین کہ ظلم از جناب او
شیطان صفت ز ظل علی اجتناب کرد §

پھر انہیں فخر دول داد بک کا ذکر مثنوی مفتاح الفتوح میں ملتا ہے۔

بہ پہلوئے چپ شہ پہلوی راد ملک فخر دول فرماں دہ داد **

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ جلال الدین خلجی کے عہد میں داد بک تھے۔ اور وہ ملک محمود نائب سر جاندار سے مختلف تھے جن کا ذکر مفتاح الفتوح میں ہے۔ فخرالدین محمود بن حسین کی مدح میں ایک قصیدہ وسط الحیات میں بھی ملتا ہے۔ † کہنے کا مقصد یہ ہے کہ

---

* مثنوی شکایت نامہ مومن پورعرف پیٹالی کلیات خسرو انڈیا آفس لائبریری شمارہ ۱۱۸۸-ف-۹۴- وہ بیت یہ ہے۔

اول از نور دیدۂ مقصود بولمحامد محمد محمود۔

اس مثنوی کی تفصیلات سے متعلق اس کتاب کا تیسرا باب ملاحظہ ہو۔

§ غرۃ الکمال۔ کلیات شمارہ ۲۱،۱۰۴ ف ۲۸۷

** مفتاح الفتوح کلیات خسرو شمارہ ۲۱،۱۰۴ ف ۸۹۲

† وسط الحیات کلیات شمارہ ۲۱-۱۰۴ ف ۹۸

هر امیر محمود کو خسرو کا ماموں نہیں سمجھنا چاهیئے ۔ خسرو نے ایک بہت طویل اور موثر مرثیه اپنے بیٹے محمود کا لکھا هے جو انکے دیوان بقیه نقیه میں هے لیکن خسرو کے بہت سے سوانح نگاروں نے اس مرثیه کو پڑھے بغیر اور یه جانے بغیر که ان کے ایک بیٹے کا نام محمود تھا جو جوانی میں انتقال کرگئے تھے اس مرثیه کو خسرو کے ماموں محمود کا مرثیه بتایا هے ۔ یه درست نہیں هے ۔ خسرو نے ایک مرثیه جلال الدین خلجی کے بیٹے خان خاناں محمود کا بھی لکھا هے ۔ جسکا کچھ حصه منتخب التواریخ میں بھی نقل کیا گیا هے ۔ کچھ لوگوں نے ان دونوں مرثیوں کو بھی خلط ملط کیا هے ۔ بہر حال مثنوی شیریں خسرو میں خسرو نے اپنے بیٹے مسعود کو نصیحت کی هے ۔ ''پند دادن فرزند مسعود را" اس میں انکے بیٹے محمود کا ذکر موجود هے جو مسعود سے بڑے تھے ۔

الا اے مردم چشم گرامی که چوں سعد فلک مسعود نامی
ز مسعودی بمحمودی رسی زود چو آمد پایهٔ عمرت بده سال

اس مثنوی میں جس محمود کی طرف اشاره هے اس کی تفصیل وسط الحیات کے ایک قصیدے * میں بھی ملتی هے ۔ جس میں اپنے چھوٹے بھائی ع ''دگر برادر خوردم حسام الدین قتلغ" اور اپنے تین بیٹوں ع ''بہرے نه مگر یک برادر و سه ابنا" میں سے دو کے نام لئے ہیں ۔ ایک معزالدین مسعود کا اور دوسرے تاج الدین محمود کا (تیسرے بیٹے کا نام حاجی تھا)** اور اطلاعاً عرض هے که اس قصیدے میں وه ملک التجار تاج الدین زاهد اور علی شه کو برادران رضا بتاتے ہوئے یاد کرتے ہیں نه که

---

* کلیات شماره ۱۰۴، ۲۱ صفحات ۱۰۴-۱۰۷

** حاجی جو ایک بڑے اچھے غزلخواں تھے جن کا ذکر امیر حاجی پسر خسرو کر کے سیر الاولیاء میں کیا گیا هے ، خسرو کی زندگی میں وفات پا گئے تھے ان کا مرثیه نہایت الکمال میں موجود هے ۔ نہایت الکمال مطبوعه ۔ ص - ۷۶

برادران حقیقی ۔ خلاصہ یہ کہ انہوں نے اپنے اسی بیٹے محمود کی وفات پر وہ مرثیہ لکھا ہے جسے بہت سے سوانح نگار اسے ان کے ماموں محمود محمد سے منسوب کرتے آئے ہیں اس کے ایک بند کے چند اشعار ملاحظہ ہوں جس سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ یہ ان کے بیٹے محمود کا مرثیہ ہے ۔

اے مردم دوچشم پدر در پدر بہ بیں
بسیار گر نمی نگری یک نظر بہ بیں
بر تو رسید زخم و پدر خستہ شد ازاں
جان پدر جراحت جان پدر ببیں
اے یوسفی کہ دور شدی از برادراں
از خون دیدہ جامۂ یعقوب تر ببیں
ہر لحظہ دو برادر دلسوز خویش را
از آب دیدہ سوختہ با چشم تر ببیں
رفتی جوان و سیر ندیدی جہان خاک
بر دار سرز خاک و جہاں سربہ سر ببیں
نام نکو پس است حیات تمام او
محمود باد عاقبت اُو چو نام او *

حاصل اس گفتگو کا یہ ہے کہ جبکہ ہمارے یہاں کے تذکرہ نگار خسرو کے ماموں ملک محمود محمد اور خسرو کے بیٹے محمود کے درمیان فرق نہ کر سکے اور محمود پسر خسرو کے مرثیے کو اُن کے ماموں محمود محمد سے منسوب کردیا تو دولتشاہ سمرقندی بھی یہ دھوکا کھا سکتا تھا کہ اس نے خسرو کے ماموں محمود محمد کو انکا والد تصور کیا ہو اور پھر یہ غلطی نقل نویس تذکرہ نگاروں کی وجہ سے اس قدر پھیلی ہو کہ بالآخر ہندو شاہ فرشتے کو سیف الدین کے ساتھ محمود کو جوڑنے کی ضرورت پیش آئی ہو ۔ اگر فرشتے نے یا کسی بھی

---

* کلیات امیر خسرو شمارہ ۲۱،۱۰۴ بقیہ نقیہ ترجیع بند صفحات ۳۹۴ - ۳۹۵ ۔

تذکرہ نگار نے کوئی حوالہ دیا ہوتا تو مجھے اس کو قبول کرنے میں کوئی عذر نہ تھا لیکن جبکہ معاصر مورخین اور تذکرہ نگار ان کے والد کا نام سیف الدین لاچین لکھتے ہیں ، نہ کہ سیف الدین محمود اور جبکہ خسرو اپنے والد کو یا تو صرف لاچین کھکر یاد کرتے ہیں یا پھر سیف شمسی اور کہیں بھی محمود کھکر یاد نہیں کیا ھے تو پھر جو لوگ کہ بغیر کسی داخلی شہادت یا کسی ایسی خارجی شہادت کے جو کسی معاصر مورخ یا تذکرہ نگار سے ماخوذ ھو ، خسرو کے والد کا نام سیف الدین محمود لکھتے ہیں ، تو وہ از روئے دیانت علمی اخلاقی جرم کے مرتکب ہیں اور اس سلسلے میں دولتشاہ سمرقندی اور فرشتہ دونوں کی سند ناقابل اعتنا ھے ۔ کیونکہ فرشتہ نے بھی دولتشاہ سمرقندی ھی کا سہارا لیا ھے اور دولتشاہ سمرقندی کا ھر لفظ امیر خسرو کے والد سے متعلق غلط ھے ۔ کیونکہ وہ خسرو کے اپنے بیانات کے بر خلاف ھے ۔

مجھے خوشی ہوگی اگر کسی کی کوشش سے یہ بات متحقق ھو سکے کہ محمود بھی خسرو کے والد کے نام کا کوئی جزو تھا ۔

اب میں اس بات کی طرف رجوع کروں گا کہ سیف شمسی کی حقیقت کیا ھے ۔

قطب الدین ایبک کے زمانے سے بلبن کے عہد تک جتنے بھی ملوک و امرائے دربار تھے ، ان میں سے نوے فی صد اکثریت ترک غلاموں کی تھی ۔ چنانچہ ان میں سے بیشتر کے ترکی نام ان کے شاھی خطابات کے سامنے لکھے ھوئے ملتے ہیں ۔ انھیں ترکی ناموں سے انہیں ممیز کیا جاتا مثلاً بندگان شمسی میں سے سیف الدین نام کے کئی ترک ملوک و امراء تھے - سیف الدین ایبک بھتو ، سیف الدین ایبک بتخاں ، سیف الدین ایبک تغانتت ، سیف الدین ایبک شمسی وغیرہ ۔ اگر ان کے نام کے آگے سے ان کے ترکی نام ھٹا دیئے جائیں تو آج ان کو پہچاننا مشکل ھو

جائیگا - یہ نام اکثر خطابات سے پیدا ہوئے تھے - مثلاً جہاں کہیں ان کے نام اس طرح لکھے ہوئے ہیں کہ بہاء الحق و الدین ، غیاث الحق و الدین ، سیف الحق و الدین ، سیف الدولہ و الدین اختیار الدولہ و الدین ، فخر الدولہ و الدین وغیرہ اور وہ لوگ بہاء الدین غیاث الدین ، سیف الدین ، اختیار الدین اور فخر الدین وغیرہ کے نام سے مشہور ہوئے ہیں تو یہ سمجھنا چاہئے کہ یہ نام خطابات سے پیدا ہوئے ہیں جو انہیں درجہ امارت پر فائز ہونے پر دیئے گئے تھے اور ایسا بھی ہوا ہے کہ جب کسی کافر ترک غلام کو اس کا آقا مشرف بہ اسلام کرتا تو اسے اسلامی نام سے بھی نوازتا - * ظاہر ہے جب خسرو کے والد لاچین بھی امیر لاچین بنے ہونگے تو انہیں بھی کوئی نہ کوئی خطاب شاہی دیا گیا ہوگا اور وہ خطاب سیف شمسی کو مد نظر رکھتے ہوئے سیف الحق و الدین یا سیف الدولہ و الدین ہی ہو سکتا ہے - چونکہ خسرو کے والد کا انتقال خسرو کی کم سنی میں ہوا یعنی جب وہ سات یا آٹھ سال کے تھے ، اس لئے خسرو کے کلام میں کچھ زیادہ اشعار ان سے متعلق نہیں ملتے ہیں - یہی ایک آدھ شعر دیباچوں میں نظر آتے ہیں -

جہاں بقوت او می گرفت التتمش
کہ بر کشید خدایش ز قبضۂ قدرت
سیف از سرم برفت و دل من دو نیم ماند
دریائے خون رواں شد و درم یتیم ماند

ممکن ہے کہ یہ اشعار کسی قصیدے یا مرثیے سے ماخوذ ہوں لیکن وہ ملتے نہیں ہیں -

---

* منہاج سراج نے طبقات ناصری میں بدر الدین سنقر رومی کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ ”او مسلمان زادہ بود بہ بندگی افتادہ بود“ اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ جن ترکوں کو غلام بنایا جاتا تھا ان میں سے اکثریت کفار ترک کی ہوا کرتی -
طبقات ناصری - نسخۂ ، حبیبی - جلد دوم - ص - ۲۲ -

اعجاز خسروی میں جو مختلف خطوط ، عریضے اور نگارشات وغیرہ ہیں ، انکے زمانہ کا تعین کرنا مشکل ہے۔ وہ ایک قسم کی زنبیل ہے جس میں ہر دور کی نگارشات ملتی ہیں۔ اس میں ایک تخئیلی مکالمہ سیف اور قلم کے درمیان ہے ، جس میں ایک لوح ثناء سیف الدولہ والدین کی رحلت کا بھی درج ہے ، کہا نہیں جاسکتا کہ وہ لوح ثناء علی بن ایبک سلطانی المعروف بہ حاتم خاں کے والد ماجد سیف الدولہ باربک کی رحلت سے متعلق ہے جن کی شان میں کچھ قصائد وسط الحیات میں ملتے ہیں یا یہ کہ اس کا تعلق ان کے والد سیف شمسی کی رحلت سے ہے۔ لیکن چونکہ اس میں کوئی ذکر باربک کا نہیں ہے اس لئے گمان گزرتا ہے کہ شاید اس کا تعلق انکے والد سیف شمسی سے ہو۔ اس تخیلیؔ مکالمے کے دوسرے حصے میں یہ عبارت بھی ملتی ہے ''لیکن مخدومی دارم کہ ہم سیفی است و ہم قلمی" اور اس کی وضاحت بھی موجود ہے۔ ''سیفی بحدیست کہ بزخم تیغ کوہ را قلم کند و کمرش ببرد۔ قلم بمشابہت است کہ از نوک قلم موئے بشگافد"۔ *

سر او راست در رزم دستی تمام بر آں آہن تن غلط نیست نام **

اب وہ لوح ثناء ملاحظہ ہو جو اس مضمون کے ابتدا میں ہے۔

حرف دوم - دردو حرف تیغ و قلم کہ جارح و راجح اند بر یکدیگرو حجت قاطعہ بر دوایں مقالت تیغ و قلم کہ از خطاب خط الحرفین فی خط الطرفین حایہ (کذا) دارد - نسبتش ہم زدو حرف قلم و تیغ نگر۔

---

* اس موقعے پر غرۃ الکمال کے دیباچے کا یہ جملہ بھی مدنظر رکھنا چاہئے " بر حکم ایں منشور ولایت سخن کہ ہم سیفی است و ہم قلمی تا روز حساب اقطاع منست۔

مرا ست تابقیاست ولایت معنی کہ کلک من بسر تازیانہ داد مرا

صفحہ ۸۳ مطبوعہ، مطبع قیصر دھلی۔

** اعجاز خسروی رسالہ خامسہ صفحہ ۳۰۔

یامن حربت حضور کل کواشح	اے کہ تو جنگ کرتا ہے سارے دشمنوں کے بالمقابل
سماک سیف الدین لابطال الغزا	تیرا نام سیف الدین رکھا گیا بہادر غازیوں سے
بالارتحال اذا کتبت ثناء کم	جب میں نے تیری رحلت پر تیری توصیف لکھی
فتقبل الاقلام الواح الثناء	تو سارے قلم نے تیری توصیف کی تختی کو قبول کیا

گو ہر ذات روشن صفات ناصر الغزاۃ سیف الدولہ و الدین ، یسار الملک ، یمین السلاطین بر کشیدۂ یداللہ و بر بستۂ اصابع الرحمن ست ۔ ایداللہ یدہ ، لمعاضدتہ تا انصرام دھرھائے بے شمار از گردش چرخ زنگاری مصفا و روشن باد بحق سورۂ حدید ۔

آیا پلارک شاہی توئی کہ در ہیجا
دلاوران و دلیراں ز تو جہاں گیرند *

نولکشور کے مطبوعہ نسخے میں صرف یہی ایک بیت ہے مگر ایک دوسرے قلمی نسخے میں جو غازی الدین حیدر پاشاہ اودہ کیلئے لکھا گیا تھا ۔ اس زمین میں ایک اور بیت بھی ہے ۔

گر بوند کنوں ذوالفقار یا صمصام
صفائے گوھر پاک تو در زباں گیرند **

میں یہ بات پہلے ہی لکھ چکا ہوں کہ اس امر کا فیصلہ مشکل ہے کہ یہ لوح ثناء نہ کہ خط کس سیف الدین کی رحلت سے تعلق رکھتی ہے ۔ آیا اس کا تعلق سیف الدین باریک کی رحلت سے ہے جنکے سن وفات سے ہم واقف نہیں یا یہ کہ اس میں آواز باز گشت خسرو کے والد سیف شمسی کی رحلت کی ہے بہر حال حقیقت

---

* حوالہ اعجاز خسروی رسالہ خامسہ صفحہ ۱۶ ۔ یہاں خسرو کا یہ شعر مد نظر رہے جو انہوں نے اپنے والد سے متعلق کہا ہے ۔
جہاں بقوت او می گرفت التمش کہ برکشید خدایش زقبضۂ قدرت ۔

** مخطوطہ پاکستان نیشنل میوزیم ترقیمہ ۱۲۴۷ ھجری صفحہ ۲۶۳ ۔

خواہ کچھ ہو اس سے سیف الدولہ والدین کے خطاب کی نوعیت ضرور واضح ہوتی ہے۔ خواہ اسکا تعلق سیف الدولہ باربک ہی کی رحلت سے کیوں نہ ہو

سیف الدین شمسی کے اصل وطن اور قبیلے کا تعین ۔

جن تذکرہ نگاروں نے خسرو کے والد کو قبیلہ' لاچین سے بتایا ہے، ان میں سے اکثریت نے انکا اصل وطن نواح بلخ قرار دیا ہے، صرف دولتشاہ سمرقندی اور اسکے نقل نویسوں نے انکا اصل وطن ماوراءالنہر کے شہر کش کو قرار دیا ہے۔ لیکن ان میں سے کسی نے خود خسرو کی تصنیفات کا کوئی حوالہ نہیں دیا ہے۔ حالانکہ خسرو نے اپنے والد کے اصل اور قبیلے سے متعلق کچھ اشارات مہیا کئے ہیں۔ خسرو نے اپنے والد کے وطن کے بارے میں صرف اتنا لکھا ہے کہ * ''از بالا آمدہ انچناں ترک در خواب تواں دید۔'' ظاہر ہے کہ بالا سے مراد ولایت بالا ہے۔ ''ولایت بالا'' سے متعلق ڈاکٹر وحید مرزا نے اپنی کتاب لائف اینڈ ورکس آف خسرو میں خاصی غلط فہمی پھیلائی ہے۔ اسلئے اسکی وضاحت کی ضرورت محسوس کرتا ہوں۔ ڈاکٹر صاحب ولایت بالا کی تشریح سے متعلق فٹ نوٹ میں لکھتے ہیں۔

"Bala was the name by which the Indian writers ganerally designated the Northern provinces, Bulkh, Bokhara etc. and so khorasan, whence Balais, the inhabitants of Bala." **

کجا بلخ اور کجا بخارا۔ بخارا ماوراءالنہر میں ہے۔ یعنی دریائے جیحوں کے ماوراء اور بلخ جو ان دنوں افغانستان میں ہے، یا تو ایک آزاد صوبہ رہا ہے یا پھر خراسان میں شامل تھا - وہ بہت دنوں تک

---

* دیباچہ غرۃ الکمال- حوالا پہلے دیا جا چکا ہے۔

** Life & works of Amir Khusro Page 10

حاشیہ -

خراسان کا دارلسلطنت بھی رہ چکا ہے۔* چنانچہ بخارا کو خراسان میں شامل کرنا ایک فاحش غلطی ہے۔ بخارا کبھی بھی خراسان کے حدود میں نہیں رہا ہے۔ کیونکہ دریائے جیحوں ان دونوں کو جدا کرتا ہے جیسا کہ امیر خسرو لکھتے ہیں ''چنانچہ آب جیحوں میان ماوراءالنہر و خراسان رواں است''** خراسان اور ماوراء نہر کی تفریق بھی آب جیحوں سے ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں خراسان کو ولایت بالا تصور کرنا درست نہیں۔ ہاں بلخ کو ہندوستانی مصنفین نے ولایت بالا میں شمار کیا ہے۔ لیکن خسرو نے ایسا نہیں کیا ہے۔

مغل اور ترک ان دونوں کا وطن ولایت بالا بتایا گیا ہے اور اسے سبھی جانتے ہیں کہ خراسان کبھی بھی ترکوں کا وطن نہ تھا۔ ترک ختا و ختن اور دیار چین سے لیکر جو ان کا کبھی اصلی وطن تھا۔ دشت قیچاق روم اور روس تک پھیلے ہوئے تھے۔ اور اُس سارے علاقے کو ترکستان کے نام سے یاد کیا جاتا۔ چنانچہ یہی بات متعدد جگہوں میں خسرو بھی لکھتے ہیں۔ ''ترکے چند سرو قامت از ولایت بالارسیدہ آند۔''† میں یہ سمجھنے سے قاصر رہا کہ ڈاکر صاحب نے خراسانیوں کو بالائی کیونکر تصور کیا۔ شاید اس لئے کہ جہاں خسرو نے خراسانیوں کے لہجۂ فارسی کا مذاق اڑایا ہے کہ وہ کجا کو کجو کہتے ہیں وہاں انہوں نے بلاد اُترار (فاریاب کا قدیم نام) اور بلا ساغوں کے لوگوں کے لہجۂ فارسی کا بھی مذاق اڑایا ہے کہ یہ لوگ کردہ کو کردہ کن و کردہ ہن، بولتے ہیں اور چونکہ بلاد اترار اور بلاساغوں ولایت بالا میں ہیں اسلئے ڈاکٹر صاحب ٹھٹھکے کہ جبکہ خسرو بالائیوں کے بھی لہجۂ فارسی کا مذاق اڑاتے ہیں تو یہ کیونکہ ممکن ہے کہ اُن کے والد ولایت بالا کے تھے کیونکہ کچھ تو اپنے والد کے وطن کا احترام کرتے ہوئے انہیں اس سے پہلوتہی

---

* سفرنامہ ناصر خسرو دیباچۂ حالی۔

** اعجاز خسروی رسالہ رابعہ صفحہ ۱۵۲۔

† اعجاز خسروی رسالہ اول صفحات ۱۶۵۔

کرنا چاہیے تھا - اسلئے ولایت بالا کو خراسان کے ساتھ متحد کر دینا چاہئے اور انکے والد کا وطن دولتشاہ سمرقندی کی پیروی میں ماوراءالنہر قرار دینا چاہیے - ڈاکٹر صاحب کی یہ منطق عجیب و غریب ہے - اس میں شبہ نہیں کہ خسرو نے دہلی کے لہجۂ فارسی کو ماوراءالنہر معنی بخارا اور سمرقند کے لہجۂ فارسی یا دری کے عین مطابق بتایا ھے لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ انکے والد لازمی طور سے ماوراءالنہر کے تھے - زبان کے لہجے کی درستی کا مسئلہ علمی ہے - مزید یہ کہ انہوں نے تمام بالائیوں کے لہجے کا مذاق نہیں اڑایا ہے - اسکے برعکس ولایت بالا میں سے ایسے دور افتادہ علاقے جیسے بلاساعون جو کاشغر کے شمال میں ھے اور اترار کے علاقے کے لوگوں کے لہجۂ دری کا مذاق اڑایا ھے - چنانچہ وہ لکھتے ہیں -

> ''همه بالائیان که برسیدند از علماء و فصحا نه عوام و اوباش پارسیٔ دهلی را انصاف دادند و اهل دهلی سخن ایشان را باهتزاز در زبان گرفتند و هم بر طرز ایشان نوعی سخن گفتند که ایشان را هیچ نوع جرح زبان ممکن نشد و نتوانستند که تخطیه و مواخذه بکنند که عبارتیست نرم و سحنه ، و لطیف و نظیف و درست و فصیحانه —

اے خراسانی تو گر گفتار من نشنیدهٔ
باش تا بر تو رسد این نکتهٔ غرار من*

فارسی کا کوئی بھی طالب علم محولۂ بالا عبارت کے اس جملے کو '' اہل دہلی سخن ایشان را بہ اہتزاز در زبان گرفتند '' عبارت کے سیاق و سباق میں استہزا نہیں پڑھے گا لیکن ڈاکٹر وحید مرزا نے '' باہتزاز '' کو '' باستہزاء '' پڑھا - اس کا ثبوت اس جملے کا وہ انگریزی

---

* دیباچہ غرۃ الکمال کلیات خسرو برٹش میوزیم شمارہ ۲۱،۱۰۴ مطبوعہ صفحات ۳۳، ۳۴ -

ترجمہ ہے جو انہوں نے کیا ہے ۔

"The Persian writers of Delhi adopted their speech in order to mock them." *

ڈاکٹر صاحب یہ کہہ سکتے ہیں کہ انکے نسخے میں کتابت کی غلطی تھی ۔ لیکن بات اتنی ہی نہیں ہے وہ ولایت بالا کے حدود کو سمجھنے سے قاصر رہے ، دوسرے یہ کہ دولتشاہ سمرقندی کی وکالت میں انہوں نے خسرو کی تردید ضروری سمجھی ۔ خسرو کہتے ہیں کہ میرے باپ کا تعلق ولایت بالا سے تھا اور ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ بالائی خراسانیوں کو کہتے ہیں اور وہ خراسانی نہیں تھے بلکہ ماؤرالنہری تھے کیونکہ دولتشاہ سمرقندی انہیں ماوراءالنہری بتاتا ہے ۔ دولتشاہ کو تو ہم دیکھ چکے ہیں ۔ فی‌الحال تو یہ کہنا ہے ولائت بالا ایک عمومی اصطلاح ہے ، اس میں جہاں ماوراء نہر کا علاقہ شامل ہے وہاں ختا و ختن ، پلا ساغون ، اترار اور دشت فیچاق کا وہ وہ سارا علاقہ بھی جو ترکوں کا وطن تھا ۔ چنانچہ ان کے والد اس پورے علاقے میں سے کسی بھی علاقے کے ہوسکتے ہیں ۔ ماوراءالنہر کی تخصیص بلاکسی ثبوت کے بے معنی ہے ۔ اور دولتشاہ سمرقندی کا حوالہ جو خسرو کے والد کے نام اوراس بات سے بھی ناواقف تھا کہ وہ بندگان شمسی میں سے تھے ، نہ صرف غیر مستند بلکہ گمراہ کن ہے ۔ جہانتک کہ انکے قبیلے کا مسئلہ ہے یہ بات بتائی جاچکی ہے کہ لاچین خسرو کے والد کا نام تھا ۔ نہ کہ انکے قبیلے کا خسرو اعجاز خسروی میں لکھتے ہیں ۔

”ترکے چند سرو قامت از ولایت بالا رسیدہ اند ۔ اگر قسمت ایشان باندازہ قامت کنند آنجا کہ راستی است ہرچہ گویند بالا می آرزد لطایف اصل ترکاں چنیں کہ کہ یمک دریاوش بود ۔ آس را سنگ گراں باشد ۔ چینیاں نشان چینی درپیشانی پیداست ۔ اُرس (اُروس) گربہ چشم و سگ

---

* Life & Works of Amir Khusro Page 161 .

روئے باشد - مغل شیر بینی - سگ زبان تتاری است - ترک یغنی - ربا کہ غرباشد ، حرہ' گوشت خوار ، بے ہنراست - خط ما محاسن الاتراک اینک ماہرو۔ در خوبی با ماہ آسمان پہلو می زد۔ " * یہاں خسرو نے ترکوں کے قبیلوں میں سے مشتے از خروارے صرف چند کے نام لئے ہیں اور ان کی تذلیل کی ہے۔ اور جب اپنے قبیلے کے نام لینے کا وقت آیا تو یہ جملہ لکھا ہے " خط ما محاسن الاتراک۔ اینک۔ ماہرو۔ در خوبی با ماہ آسمان پہلو می زد۔ "

ماہرو کا اشارہ ایبک کی طرف ہے کیونکہ ایبک (ABAK) کے لفظی معنی قدیم ترکی زبان میں ماہ رو کے ہیں۔ ائی = ماہ + بک بالفتح۔ بمعنی چہرہ (اسٹن گاس) اور بعض لغات ترکی میں بے بمعنی مانند کے دیئے ہوئے ہیں یعنی مانند ماہ - چنانچہ یہی سبب ہے کہ ایبک کے مجازی معنی صنم کے ہوتے ہیں - ** آیا ایبک نام کا ترکوں کا کوئی قبیلہ تھا کہ نہیں - میرا علم اتنا وسیع نہیں کہ اس پر کوئی رائے دے سکوں - لیکن چونکہ غالب نے اپنے ایبک ہونے پر فخر کیا ہے اور خسرو نے کمان ایبک کا ذکر کیا ہے -

گہ تتاری شود گہے چاچی
گاہے ایبک بود گہے لاچی

اسلئے کہا جا سکتا ہے کہ ہر چند کہ ایبک ترکوں کے درمیان اسم علم کے طور پر استعمال ہوتا ہے اور یہ پیار کا نام ہے جیسے قتلغ وغیرہ اس بات کو رد بھی نہیں کیا جاسکتا ہے کہ اس نام کا ایک قبیلہ بھی ترکوں کا تھا کیونکہ خسرو بھی اسکی ایک سند ہوسکتے ہیں۔ اس سلسلے میں ، روسی ترکستان اور ترکی کے بعض صاحب نظر حضرات سے

---

* اعجاز خسروی رسالہ اول صفحات ۱۶۵، ۱۶۶

** غیاث اللغات۔

میں نے دریافت کیا وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ ایبک قبیلے کا نام تھا۔* شبلی نے خسرو سے متعلق خاصا طویل مضمون لکھا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اعجاز خسروی کے ایک عربی خط سے کچھ اشعار خسرو کے عربی زبان کے نقل کئے ہیں۔ پھر آخر میں ان پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''اگرچہ ان میں قافیہ بندی اور لغو تکلفات ہیں لیکن یہ اس زمانے کا عام انداز تھا۔ تنہا ان پر الزام عاید نہیں ہوسکتا ہے۔'' اور پھر یہ عربی کا شعر بغیر کسی حوالے کے نقل کیا ہے۔

و ان انا الا من غزیہ ان غوت
غوبت و ان ترشد غزیہ ارشد **

(ترجمہ میں بہر حال قبیلہ' غزیہ کا آدمی ہوں- غزیہ گمراہ ہے تو میں بھی گمراہ ہوں اور وہ ٹھیک راستے پر ہے تو میں بھی ہوں)۔ لیکن چونکہ شبلی نے اس شعر کا کوئی حوالہ نہیں دیا ہے اسلئے اس پر تبصرہ نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اب تک جو باتیں مستند طور پر خود خسرو کے حوالے سے ان کے والد کے بارے میں معلوم ہوئی ہیں وہ یہ ہیں۔ خسرو کے والد کا ترکی نام لاچین تھا۔ وہ ولایت بالا کے کسی مقام کے ترک ایبک تھے - ان کے والد کو سلطان سعید شمس الدین التتمش نے کسی تاجر سے درم سلطانی سے خریدا تھا - وہ بندگان شمسی میں سے تھے - وہ مقطع یا صاحب اقطاع تھے۔ ان کے والد کو سلطان شمس الدین نے مختلف جنگی مہمات پر بھیجا اور ان کی قوت بازو سے ملک حاصل کیا۔ † وہ امارت کے درجے پر فائز ہوئے اور سیف الدین ایبک شمسی کے نام یا لقب سے مشہور ہوئے۔ وہ متقی اور پرہیزگار تھے۔ ان کا انتقال ۶۵۸ یا ۶۵۹ ہجری میں ہوا۔

---

* دیوان لغات الترک (محمود کاشغری) اور جامع التواریخ (فضل اللہ) میں ترکوں کے قبائل میں ایبک کا نام نہیں لیا گیا ہے۔

** شعر العجم حصہ دوم تاج بک ڈپو لاہور - صفحہ ۱۴۳ -

† جہاں بقوت او گرفت التتمش که برکشید خدایش ز قبضۂ قدرت ۔

اب جبکہ یہ بات متحقق ہوچکی کہ وہ بندگان شمسی میں سے تھے تو ہمیں کچھ طبقات ناصری کی طرف بھی رجوع کرنا چاہئے جہاں سیف الدین نام کے کئی بندگان شمسی کا ذکر ہے۔ لیکن اس سے پہلے یہ بتانا ضروری ہے کہ طبقات ناصری میں ربیع الاول ۶۵۸ھ تک کے واقعات درج کئے گئے ہیں۔ پوری کتاب وہاں پر ختم ہوجاتی ہے۔

انڈیا آفس لائبریری کی کلیات خسرو شمارہ ۱۱۸۶ کے مخطوطے میں جو خاصی قدیم ہے غرۃ الکمال کے دیباچے میں ہفت کے بجائے ہشت لکھا ہوا ہے۔ ''من در آن ایام ہشت سالہ بودم'' اور اس پیرا گراف کے سیاق و سباق میں ہشت سالہ ہی کا فقرہ درست معلوم ہوتا ہے۔ تاہم ہفت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ اس اعتبار سے کہ خسرو ۶۵۱ ھجری میں پیدا ہوئے کہ ان کے والد کا سنہ وفات ۶۵۸ اور ۶۵۹ ھجری دونوں ہی ہوسکتا ہے۔ لیکن اگر خسرو کا سال ولادت ۶۵۰ ھجری قرار دیا جائے جیسا کہ بعض لوگوں نے لکھا ہے تو انکے والد کا سنہ وفات ۶۵۷ ہوسکتا ہے لیکن اس سے مزید گھٹانا اس وقت تک ممکن نہیں جبتک کہ سال ولادت بھی نہ گھٹایا جائے مگر اسپر اتفاق کسی کو بھی نہیں ہے کیونکہ خسرو نے کئی جگہوں میں بہت ہی واضح طور سے اپنی عمر بہ اعتبار سنہ ھجری لکھی ہے۔

غرۃ الکمال کے دیباچے میں لکھتے ہیں ''از تاریخ سنہ خمس و ثمانین وستمایہ کہ سی و چہار سالہ بودم۔''* اس سے ۶۵۱ ھجری نکلتے ہیں اور یہی سنہ ولادت انکے اس شعر سے برآمد ہوتا ہے۔

کنوں کہ ششصد و ہشتاد و چار است تاریخ
سراز سی و سہ آمد نو یدسی و چہار**

چنانچہ جب ہم طبقات ناصری کی طرف رجوع کریں تو ہمیں

---

* صفحہ ۸۴ مطبوعہ۔

** قصیدہ حکیم الحکیم وسط الحیات کلیات شمارہ ۲۱،۱۰۴ صفحات ۷۶-۷۷۔

خسرو کے والد کے سنہ وفات کو بھی نظر میں رکھنا چاہیے لیکن اس سے پہلے چند اشکال کو رفع کرلینا چاہئے۔ وسط الحیات میں ایک قصیدہ ھے جس کا مطلع ھے۔

من کہ در گلزار معنی نو نوائی می زنم
باغ جاں را از نفس باد صبائی می زنم *

اس قصیدے میں ایک شعر ھے۔

کلک من کو مشک ریزدھم ز آھوئی منست
بر خطائی میزنم گر (بے) خطائی میزنم

اس شعر کے حوالے سے کچھ لوگوں نے اپنی اس رائے کا اظہار کیا ھے کہ خسرو کے والد ترک ختائی تھے اور اس سلسلے میں یعنی خسرو کے والد کو ترک ختای قرار دینے میں چارلس ریو کا نام خاص طور سے لیا جا سکتا ھے جہاں تک کہ اس شعر کا تعلق ھے اس میں خاصی لفظی شعبدہ بازی ھے تاھم اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا ھے کہ بعض تشبیہات اور استعاروں میں انکا اشارہ ختا و ختن کی طرف بھی ہوتا ھے۔ شاید اس لئے کہ ترکوں کا اصل وطن ختا و ختن اور دیار مشرق ہی تھا جہاں سے خروج کرکے وہ مغرب کی جانب پھیلے تھے۔ ”ثقات چنیں روایت کردہ اند کہ اول خروج ترک آن بود کہ قبائل قرہ خطاء از بلاد چین و دیار مشرق بحدود قیالق و بلا ساغون- بیروں آمدند“** چنانچہ وہ بعض بعض استعاروں میں اس پہلو کو ابھارتے ہیں تحفۃ الصغر کے دیباچے میں لکھتے ہیں۔

”چوں مرا اُستاد سر آمدہ برسر نیامدہ بود کہ برسر دقایق در شدی ز آہوئی مشکبار قلمم را از سواد خطا باز آوردی و مشک مرا کہ در پوست آہو بود پوست باز کردہ بمن نمودی۔“§

---

* برٹش میوزیم - کلیات خسرو شمارہ ۲۱,۱۰۴ - صفحہ ۷۹ تا ۸۲ -

** طبقات ناصری - نسخۂ جبیبی جلد دوم ص- ۹۴

§ دیباچہ تحفۃ الصغر کلیات خسرو برٹش میوزیم شمارہ ۲۱،۱۰۴ فولیج ۶ -

اور پھر اسی جملے کی باز گشت اس دیباچے کے آخر میں ملتی ہے۔

”چوں این نافۂ مشکین سرا کہ دم از ہوا می زد و نشان خطا داشت پوست باز کردہ بعطف دامن عاطفت کرد۔“ *

جب میں اس محولہ بالا عبارت کے ان اشارات پر غور کرتا ہوں (۱) آہوئی مشکبار قلمم را از سواد خطا باز آوردی (۲) این نافۂ مشکین سرا کہ دم از ہوا می زد و نشان خطا داشت۔

تو اس نتیجے پر پہنچتا ہوں کہ شاید چارلس ریو کا یہ لکھنا درست ہو کہ خسرو کے والد ترک ختای تھے لیکن اس سے پہلے دیباچہ تحفۃ الصغر کے مختلف نسخوں کو دیکھنے کی بھی ضرورت ہے تا کہ اس جملے کی صحت ہوسکے کہ ”نے خطا و ترکست“ ہے یا ”بے خطا ترکست“ ہے اور اگر نے خطا و ترکست ہے تو ہمیں اسکی معنویت پر کئی بار غور کرنا چاہئے کیونکہ اسکے ایک معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ اس میں کوئی خطا نہیں کہ وہ ترک ہیں اور پھر اس ترک کا اعادہ ترک ختا کی طرف ہوتا ہو یعنی عربی کے خطا کے ایہام کو دور کر کے ملک ختا کی توثیق کی گئی ہو۔ اس سلسلے میں خسرو کا یہ شعر بھی معرض بحث میں لایا جا سکتا ہے۔

چناں اسیر بتم کم ز قبلہ نیست خبر
زمن حکایت بطحا مپرس کز چینم **

چنانچہ اس خیال کو قطعیت کے ساتھ رد نہیں کیا جاسکتا ہے کہ خسرو کے والد ختائی ترک تھے۔ اب اس احتیاط کے بعد طبقات ناصری کی طرف رجوع کیجئے۔ شمس الدین التتمش کے چالیس نامی گرامی

---

* ایضاً فولیچ ۸

** کلیات غزلیات خسرو۔ جلد سوم۔ ص۔ ۵۴۳ مطبوعہ لاہور پیکرز لمیٹڈ ۱۹۷۵۔

ترک غلاموں کو چہلگان شمسی کے نام سے یاد کیا گیا ہے ۔ ان میں سے طبقات ناصری میں صرف پندرہ بندگان شمسی کا ذکر قدرے تفصیل سے لکھا ہوا ملتا ہے ۔ منہاج سراج کے سامنے انکے انتخاب کا کیا معیار تھا ۔ اسکا ہمیں علم نہیں لیکن اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ وہ ہندی الاصل مسلمان امرا کا سخت مخالف اور ترکوں کی بالادستی کا حامی تھا ۔ چنانچہ عماد الدین ریحان وکیل در (متوفی ۶۵۳ هجری) کی موت پر اس نے خوشی منائی اور یہ جملہ لکھا کہ دولت ترکان قاہر طالع شد و منصب ہندوواں بہ تحت الثری مقہوری فرو رفت ۔ ” *

چنانچہ اس نے جن پندرہ بندگان شمسی کا ذکر کیا ہے اس میں سے صرف ایک ملک ہندو خان کے بارے میں کچھ لوگوں کا گمان ہے کہ وہ ہندی الاصل تھا حالانکہ وہ خود اسے ہندی الاصل نہیں بتاتا ہے ۔ “ ” اصل از مہر بود “ اور چونکہ مہر کی نشاندہی نہیں ہوسکی اس لئے دور حاضر کے بعض مورخین نے ہندو خان نام کی نسبت سے اسے ہندی الاصل بتایا ہے ۔ لیکن اسکی کوئی توثیق طبقات ناصری سے نہیں ہوتی ہے ۔ اور نہ یہ صحیح ہے ۔ کیونکہ یہ نام ترکوں میں رائج تھا ۔ میں نے یہ بات اس لئے لکھی ہے کہ اس نے صرف ترک بندگان شمسی کا حال لکھا ہے اور ان میں سے انہیں کو منتخب کیا ہے جو اسکی نظر میں نامی گرامی تھے ۔ عین ممکن ہے کہ خسرو کے والد سیف الدین شمسی کا ذکر نہ ہو ۔ لیکن ہمیں اسکی کتاب کی سیر ضرور کرنی چاہیے ۔

ان پندرہ بندگان شمسی میں سے جنکے احوال و آثار منہاج سراج نے لکھے ہیں ، چار عدد سیف الدین نام کے حامل ہیں اور وہ چاروں ایبک بھی ہیں ۔ بہر حال ان چار سیف الدین میں سے ایک سیف الدین ایبک کے نام کے آگے شمسی عجمی بھی لکھا ہوا ہے ۔ یوں تو جو بھی بندۂ سلطان شمس الدین التمش تھا ۔ وہ شمسی بھی تھا اس قسم کی اضافت ان میں

---

* طبقات ناصری ۔ نسخۂ حبیبی ۔ حصہ دوم صفحہ ۷۰

سے ہر ایک کے لئے فطری ہے لیکن منہاج سراج نے بجز ایک سیف الدین ایبک شمسی کے کسی بھی بندہ شمسی کے نام کے آگے شمسی نہیں لکھا ھے اور اسکی وضاحت کردی ھے کہ انہیں (سیف الدین ایبک کو) شمسی کیوں کہا جاتا تھا ۔ اسکی وجہ یہ بتائی ھے کہ انہیں سلطان شمس الدین التمش نے ایک شمس الدین نامی عجمی تاجر سے خریدا تھا ۔ اور وہ اسی تاجر کے نام شمس الدین کی اضافت اور نسبت سے شمسی مشہور ہوا - راورٹی کے ترجمہ طبقات ناصری میں بھی اس کی وضاحت کی گئی ھے ۔

> "At the outset of his career, when he became severed from the tribes of Qibchaq and his native country and through the discord of kindred became a captive in the hands of misfortune, he chanced to fall into the service af the generous Khawja Shamsuddin, Chief of the merchants of the countries of Ajam, Iraq, Khawrazum and Ghaznin and upto this period of the time they call Malik Saifuddin, Shamsi after that great man (Shamsuddin)." *

میں نے یہ عبارت اس لئے نقل کی ہے کہ سیف الدین ایبک شمسی کو سیف الدین ایبک شمسی لکھنا کافی ھے ۔ کیونکہ عجمی شمس الدین ملک التجار تھا نہ کہ سیف الدین ۔ لیکن چونکہ تمام ہی بندگان شمسی التتمش کی نسبت سے شمسی تھے اسلئے عجمی کی تخصیص کی گئی ، ورنہ دو اضافتوں کی چنداں ضروت نہ تھی ۔

لیکن ہمیں ان چار سیف الدین نام کی حامل شخصیتوں میں کسی کو بھی اس وقت تک زیر بحث لانے کا حق نہیں پنہچتا جب تک کہ ہم ان چاروں کے سنہ وفات کا تعین نہ کرلیں ۔

---

* Page 790.

اب چاروں سیف الدین کے سنہ وفات کی تفصیل ملاحظہ ہو۔

(۱) سیف الدین ایبک — مقطع اُچہ۔ منہاج سراج کے بیان کے مطابق انکا انتقال سلطان التمش کے انتقال کے چند سال بعد ہوا ھے۔ طبقات ناصری کی عبارت یہ ہے۔

چوں کزلک خان (بہ اُچہ) برحمت حق تعالیٰ پیوستہ بود سلطان السعید طاب ثراہ۔ شہرو اقطاع اُچہ را اقطاع سیف الدین ایبک فرسود۔ وچوں سلطان برحمت آفرید گار پیوست، (و) ملک حسین قرلغ راطمع ولایت اُچہ افتاد ازاں طرف لشکر بدر اُچہ اورد۔ سیف الدین باحشم آراستہ از اُچہ بیروں آمدو بایشاں مقابل شد۔ لشکر قرلغیاں منہزم شد۔ بعد از آں فتح بمدت نزدیک ازاسپ خطا کرد واسپ اورالکدی بزدو برمقتل ہلاک کرد۔" *

ظاہر ہے کہ یہ سیف الدین ایبک جنہیں منہاج سراج خواجہ کے لقب سے یاد کرتا ہے خسرو کے والد سیف الدین نہیں ہو سکتے ہیں کیونکہ خواجہ سیف الدین مقطع اچہ کا انتقال سلطان التمش کے انتقال کے چند سال بعد ہوا ہے۔ انکی تاریخ وفات تو متعین نہیں کی جاسکتی ہے۔ لیکن ایک آدھ سال کے فرق سے انکے سال وفات کا تعین بیشک کیا جاسکتا ھے۔ ملک حسین قرلغ سلطان رضیہ کے زمانے میں مغلوں سے شکست کھا کر سندھ کے علاقے میں آیا ,, تادر شہور سنہ ست وثلاثین و تسمایہ (۶۳۶ھ) نا گاہ بر ملک سیف الدین حسین قرلغ زدند۔ (زدند کا فاعل ہے نوئیں مغل سردار) واو از منہزم کرمان و غزنین و بنیان بجانب بلاد ملتان و زمین سند آمد ددراں وقت تخت ہندوستان بہ سلطان رضیہ۔ آراستہ بود۔" ** اسی زمانے میں سیف الدین ایبک مقطع اُچہ کی حسین قرلغ سے جنگ ہوئی اسکے بعد کا جملہ مولف کے الفاظ میں ملاحظہ ہو۔

---

* طبقات ناصری۔ نسخۂ حبیبی جلد دوم صفحہ ۸،۷

** ایضاً۔ ص ۱۶۲

"بعد از آں فتح بمدت نزدیک از اسپ خطا کردو اسپ او رالکدی برد بر مقتل و ہلاک کرد۔"

چونکہ یہ جنگ ۶۳۶ ھجری میں ہوئی اسلئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس جنگ کی فتح کے چند سال بعد انکا انتقال ہوا ہوگا۔ جو کسی صورت سے بھی ۶۴۰ ھجری سے آگے نہیں ہوسکتا ہے۔

اسکے بعد سیف الدین ایبک یغاں تت (خطای) کا سوانحی نوٹ لکھا ہے۔* لیکن چونکہ انکی وفات ۶۳۱ ھجری میں ہوئی۔ "درسال سنہ احدی وثلثین برحمت حق پیوست۔"** اس لئے وہ بھی خارج از بحث ہیں۔

تیسرے سیف الدین ایبک بتخاں خطائی ہیں۔¶ یہ سلطان ناصر الدین کے عہد میں وکیل در تھے لیکن سنتور کی جنگ میں گھوڑے سے گر کر فوت ہوگئے۔ انکا سنہ وفات طبقات ناصری کی جلد اول میں درج ہے۔ "بعد از مراجعت روز یکشنبہ ششم ماہ ربیع الاول سنہ خمس و خمسین و ستمایہ ملک بتی خان ایبک خطائی ازاسپ خطا کر دو برحمت حق تعالیٰ پیوست۔" †

اگر اس سیف الدین ایبک خطائی کا انتقال ۶۵۰ ھجری میں نہ ہوتا تو انکی طرف ذہن راجع ہوسکتا تھا اور اگر یہ کہا جائے کہ خسرو سے اپنی عمر کے شمار کرنے میں سہو ہوا ہے اور وہ ۶۵۱ ھجری میں نہیں بلکہ ۶۴۸ ھجری میں پیدا ہوئے تو انکا تشخص کیا جاسکتا ہے مگر اول تو اسکی ہمارے پاس کوئی سند نہیں ہے کہ خسرو ۶۴۸ھ

---

* طبقات ناصری جلد دوم صفحہ ۹

** ایضاً صفحہ ۱۰

¶ ایضاً صفحہ ۲۸

† طبقات ناصری جلد اول صفحہ ۳۹۱

میں پیدا ہوئے۔ دوسرے یہ کہ انکے بارے میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ ان کا ایک جوان بیٹا دریائے سندھ میں غرقاب ہوگیا۔ ”یک پسر او کہ در جلادت و مردانگی باول جوانی بسر آمدہ بود باسپ در آب سند غرق شد“ اور ایسا کوئی واقعہ امیر خسرو نے نہیں لکھا ھے کہ انکے کوئی بڑے بھائی عین جوانی کے عالم میں دریائےسندھ میں غرقاب ہوئے۔

چوتھے سیف الدین - جنکا سوانحی نوٹ طبقات ناصری میں دیا ہوا ہے ملک سیف الدین ایبک شمسی عجمی ہیں جنہیں مصنف تصنیف کتاب کے زمانے میں زندہ بتاتا ھے اور اپنے کو انکا ملاقاتی اور رفیق کار بھی بتاتا ھے- اس ملک سیف الدین ایبک شمسی عجمی کے مختصر احوال یہ ہیں :-

”و در او ایل احوال کہ (از) قبایل قفچاق و وطن اصلی خود بقیدو اسیر مبتلا شدہ بخدمت خواجہ منعم شمس الدین عجمی افتاد کہ ملک التجار بلاد عجم و عراق و خوارزم و غزنین بودہ است - تابدیں عہد اورا بدان بزرگ باز خوانند (یعنی سیف الدین شمسی) * و چوں (بخدمت) درگاہ اعلیٰ شمسی (باز) رسید و سلطان اورا بخرید مرتبت و مکنت یافت و اثار جلادت و صرامت کہ در ناصیہٴ او بود، سلطان سعید (شمس الدین) طاب ثراہ اورا بہ مہمان بزرگ بہ اطراف ممالک می فرستاد و خدمات می فر بود۔ تا در عہد سلطان رضیہ مہم الحشم شد و در عہد سلطان معزالدین (بہرام شاہ) امیر داد کرہ گشت و در شہور سنہ اربعین و ستمایہ امیر داد حضرت اعلیٰ (شہر) دہلی شد اقطاع امیرداد و مسند بدو رسید۔ بعد از چند گاہ چوں تخت بہ سلطان السلاطین ناصرالدینا و الدین رسید اقطاع پلول وکامہ با مسند داد بکی بدو مفوض فرمود و بعد از مدتی ولایت برن یافت و دراں حدود متمردان را مالش

---

* ملاحظہ ہو راورٹی کا ترجمۂ طبقات ناصری- صفحہ ۷۹۰- جہاں صاف طور سے انہیں صرف سیف الدین شمسی لکھا گیا ھے۔

داد و بعد از چندگاه کرک † با امیر دادی اقطاع او شد۔ بعد از دو سال کرت دوم برن یافت و تابدیں غایت ہماں بدو مفوض است ¶

جہاں تک ان کے زهد و اتقا، دینداری اور پاس شریعت کا تعلق هے منہاج سراج کے وہ تاثرات جو اسکے ذاتی مشاهدے پر مبنی ہیں بہت هی مستند ہیں کیونکہ مجموعی حیثیت سے آٹھ سال تک وہ دونوں ایک ساتھ مظالم* میں بیٹھے ہیں۔ ''دو کرت قریب ہشت سال بحکم فرمان سلطان ناصرالدین۔ هم بالشت، آں ملک عادل است۔ در مظالم حضرت اعلی (دهلی) حرکات و سکنات و اشارات او موافق دین و سنت مشاهده افتاده است۔ (به) شکوه و سیاست وفر معدلت او زمرۂ متمردان اطراف دهلی و طبقه مفسدان و سراق جمله دست تعدی در آستیں ترک و سکون کشیده اند۔ واز آں عہد که در سلاطیں دولت بندگان درگاه جہاں پناه شمسی مندرج است بہمه اوقات موقر بوده۔ و هرناصیت و اقطاع و ولایت که بتصرف او مفوض شده است به سبب عدل و کیاست او آں طرف عمارت پذیر فته است و عام رعایا آسوده بودند و از تعدی و ظلم ایمن و ساکن گشته۔ و درین مدت که امیر داد ممالک دهلی شده است ده یا دوازده مرسومات که امیر دادن پیش اوستده اند نه ستده است و تعلق نه کرده و جایز نه شمرده۔" **

سیف الدین شمسی کا یہ کیریئر یا ان کی مدت خدمت گزاری تین حصوں میں تقسیم نظر آتی هے۔

(۱) وہ سلطان التتمش کے زمانے میں جنگی خدمات پر مامور تھے۔ سلطان نے انہیں اہم مہمات جنگی پر بھیجا۔

---

† اس جگہ کا تعین نہ هوسکا۔

¶ طبقات ناصری جلد دوم صفحات ۴۰ تا ۴۲ نسخۂ حبیبی

* اردو کے لوگ مظلمه لکھتے هیں۔ مراد عدالت فوجداری سے هے۔

** طبقات ناصری۔ نسخۂ حبیبی جلد دوم۔ صفحه ۴۰

(۲) سلطان التتمش کی وفات کے بعد سلطان رضیہ کے زمانے میں انہیں سہم الحشم کا منصب دیا گیا۔

(۳) سلطان معزالدین بھرام شاہ کے عہد میں انہیں امیرداد کا منصب عطا ھوا اور وہ اس وقت سے لیکر ربیع الاول ۶۵۸ ھجری تک مختلف جگھوں میں امیرداد کے منصب پر فایز رہے۔ دلی میں وہ امیرداد کے عہدے پر مجموعی حیثیت سے آٹھ سال، سلطان ناصرالدین کے عھد میں رہے۔ وہ قاضی منہاج سراج کے ھم بالشت تھے۔

ہم یہ بات پہلے لکھ چکے ہیں کہ خود خسرو نے اپنے والد کو کڑہ کا مقطع بتایا ھے۔ اسلئے ھمارا ذہن انکی طرف جاتا ھے لیکن منہاج سراج انکی اصل قپچاق بتاتا ھے۔ یہاں ایک جھجک یہ پیدا ہوتی ھے کہ جبکہ بعض اشارات خسرو کے والد کے ختائی ہونے کے ثبوت میں ملتے ہیں انہیں ایک قپچاقی ترک کیونکہ تصور کیا جائے اور اگر اس دشواری کو اس طرح رفع کیا جائے کہ ترک خواہ وہ قپچاقی ہو یا روسی، روسی یا ماوراء النہری اصلاً دیار چین اور ختا و ختن سے ہی تعلق رکھتا ھے۔ غز، اغوزھی کی ایک شاخ ہے۔

تو دوسرا سوال یہ پیدا ھوتا ھے کہ کیا ایک امی کو امیرداد کا منصب دیا جاسکتا تھا کیونکہ خسرو نے اپنے والد کیلئے امی کا لفظ استعمال کیا ھے۔ ''با انکہ امی بود۔'' قطع نظر اس امر کے کہ بہت سے شاعر بھی امی گزرے ہیں، ایک ایسے زمانے میں جب کہ غلام پادشاھی کیا کرتے، کسی امی کا امیرداد ھونا کیا، بادشاہ ہونا بھی ممکن تھا۔ اکبر بادشاہ کو تو چھوڑیئے، خسرو کا ممدوح سلطان علاءالدین امی تھا لیکن قاضیوں کا ناطقہ بند کئے ہوئے تھا۔ دوسرے یہ کہ ہر چند کہ امیرداد، عدلیہ کا ایک عضو تھا، اور اس سے عدالت کی توقع رکھی جاتی تھی، وہ خود مقدمات فیصل نہ کیا کرتا۔ یہ کام قاضی یا صدر جہاں کے سپرد تھا۔ مظالم یا فوجی عدالت میں وہ قاضی کا ہم بالشت ہوتا (طبقات ناصری)۔ مقدمات کا فیصلہ

قاضی، یا صدر جہاں (قاضی القضات) کیا کرتا۔ امیرداد تو مظالم میں سلطان کی نمائندگی کرتا۔ اس کا کام باغی امراء متمردان دین اور طبقۂ مفسدان اور ڈاکوؤں کو مظالم میں حاضر ہونے کے احکامات جاری کرنے اور انہیں انکے کیفر کردار تک پہنچانے کا تھا۔ جیسا کہ عین الدین عین الملک اپنے مکتوبات "انشائے ماہرو" میں جو آٹھویں صدی ھجری کی تصنیف ھے شغل داد بیگی کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"اما کیفیت داد بیگی بریں جملہ است کہ این کمہتر می گفت کہ قاضیان معظم وداد بیگیان محترم کہ درشہر دہلی و شہر ہائے دیگر بودہ اند، ہر دویکبار در محکمہ نشستہ اند و ہر حکمی کہ قاضی کردہ داد بیگ بہ تنفیذ (نفاذ سے) رسانیدہ۔" *

ایسی صورت میں یہ کہا جاسکتا ھے کہ داد بیگ کا متقی اور پرہیز گار ہونا تو اسکے حق میں سفارش کا درجہ رکھتا لیکن اسکا عالم و فاضل ھونا ضروری نہ تھا۔ کیونکہ اس کا کام صرف قاضی کے احکام کے نفاذ کا تھا۔ دورحاضر کے بعض مورخین بھی شغل داد بیگی سے متعلق یہی رائے رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی اپنی کتاب سلطنت دھلی کے نظم و نسق میں لکھتے ہیں۔ "امیر داد" قاضی کے فیصلوں کی تعمیل کرواتا۔ مجرموں کو مظلمے میں حاضر ہونے کے احکامات جاری کرتا اور سلطان کی عدم موجودگی میں، مظلمے کی صدارت کرتا (طبقات ناصری) محتسب، کوتوال اور امیرداد یہ تینوں ایک دوسرے کے معاون ہوتے۔"**

---

* "انشائے ماھرو" صفحہ ۶۴ مطبوعہ ادارۂ تحقیقات پاکستان دانشگاہ پنجاب۔ لاھور۔

** The Administration of the Sultarate of Delhi. Page 10.

(ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کا یہ بیان طبقات ناصری کے حوالے سے درست نہیں ھے کہ سلطان کی عدم موجودگی میں امیرداد مظلمے کی صدارت کرتا۔ وہ صدر جہاں کے تابع ہوتا۔

کم و بیش یہی رائے ڈاکٹر آغا مہدی نے بھی اپنی کتاب ''خاندان تغلق'' میں امیر داد کے شغل سے متعلق قائم کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔ وہ ایک خاص قسم کا حاکم تھا جو مظلمے میں ان لوگوں کو حاضر کرواتا جنکے خلاف احکام پیشی جاری ہوتے۔''* یہی رائے ڈاکٹر رام پرشاد ترپاٹھی** کی ہے۔ قصہ مختصر یہ کہ وہ مظلمے میں بہ حیثیت ایک افسر نفاذ کے بیٹھتا نہ کہ بہ حیثیت ایک قاضی اور فقیہ کے کہ اس کا عالم ہونا ضروری ہوتا زیادہ سے زیادہ اس کی پرہیزگاری اور بہ حیثیت ایک مقطع اس کی سابق کارگزاری رعایا پروری اور عدل گستری، اس منصب کے تفویض کئے جانے میں سفارش کا درجہ رکھ سکتی تھیں۔ جب میں ان ساری باتوں کا جو خسرو نے مختلف جگہوں میں اپنے والد ماجد سیف‌الدین شمسی سے متعلق لکھی ہیں۔ طبقات ناصری کے سیف‌الدین ایبک شمسی عجمی کے احوال و آثار سے موازنہ و مقابلہ کرتا ہوں تو اس نتیجے پر پہنچتا ہوں کہ ان دونوں کے احوال و آثار میں مشابہت بہت زیادہ اور عدم مشابہت کم ہے۔ مشابہت احوال پیش کرچکا ہوں۔ اب عدم مشابہت کی طرف توجہ مبذول کر رہا ہوں۔ سیف الدین شمسی (عجمی) کے احوال میں کہیں بھی لاچین کا لفظ نہیں لایا گیا ہے۔ اور خسرو نے اس لفظ کو اپنے والد ماجد کے تعلق سے اتنی بار دہرایا ہے، کہ اس کی عدم موجودگی میں دونوں شخصیتوں کو متحد کرنا خطرے سے خالی نہیں اور اگر یہ کہا جائے کہ انکے والد کا ترکی نام لاچین زینت طاق نسیاں بن چکا تھا اور صرف ''خسرو لاچین'' انکے ذہن میں برائے آرایش کلام زندہ تھا تو اسے تسلیم کرنے میں عذر نہیں بشرطیکہ یہ متحقق ہوجائے کہ امیر خسرو کے والد سیف الدین شمسی کو ملک التجار شمس الدین کی نسبت

---

* خاندان تغلق مطبوعہ ۱۹۶۳ صفحہ ۵۳۵۔

** Some Aspects of Muslim Administration
by Ram Parshad Tripathi

سے شمسی کہتے تھے اور تا وقتیکہ یہ بات متحقق نہ ہو سیف الدین شمسی، پدر امیر خسرو اور طبقات ناصری کے سیف الدین ایبک شمسی (عجمی) کو متحد نہیں کیا جا سکتا ھے۔

یہاں یہ بتانا ضروری ھے کہ سلطان التمش نے ملک التجار شمس الدین عجمی سے صرف ایک ہی غلام نہیں خریدا جو بعد میں سیف الدین شمسی عجمی کے لقب سے مشہور ہوا بلکہ مولف تاریخ فیروز شاھی یعنی ضیاء الدین برنی کے قول کے مطابق ایک دوسرا غلام عادل خان شمسی عجمی کو بھی خریدا۔ طبقات ناصری میں عادل خان شمسی عجمی کا کوئی ذکر نہیں ھے، لیکن چونکہ سارے غلاموں کا ذکر نہیں، عادل خان شمسی عجمی کے ذکر کا پایا نہ جانا کوئی باعث استعجاب نہیں۔ کیونکہ وہاں تو عمادالملک کا بھی ذکر نہیں جسکے بارے میں برنی لکھتا ھے کہ وہ ایک نادر بندگان شمسی میں سے تھے۔ جہانتک کہ تاریخ فیروز شاھی کا تعلق ھے برنی نے عادل خان شمسی عجمی * کو بلبنی ملوک کے دائرے میں شامل کرتے ہوئے یہ بات صاف طور پر لکھی ھے کہ عادل خان شمسی عجمی اور تمر خان شمسی ** دونوں بندگان شمسی تھے اور سلطان بلبن کے خواجہ تاش۔" ملاحظہ ہو اسکی عبارت۔ "اسکے علاوہ اسکے خواجہ تاشوں نے مثلاً عادل خان اور تمر خان نے جو بندگان شمسی میں سے تھے، سلطان (بلبن) کی حمایت کرنے کی وجہ سے ابھی تک زندہ تھے۔" *** اس تحریر کے بعد اسکے ثبوت کی چنداں ضرورت نہیں رہتی ھے کہ عادل خان شمسی عجمی اور تمر خان شمسی، بندگان شمسی میں سے نہ تھے۔ ان میں سے اول الذکر یعنی عادل خان شمسی عجمی جیسا کہ اسکا لقب خود بتاتا ھے، ملک التجار شمس الدین

---

* تاریخ فیروز شاہی برنی اردو ترجمہ مطبوعہ مرکزی اردو بورڈ لاہور۔ صفحہ ۸۹۔

** ایضاً صفحہ ۶۹

*** ایضاً صفحہ ۱۰۸

عجمی سے خریدا ہوا معلوم ہوتا ہے ورنہ شمسی کے آگے عجمی کا اضافہ کوئی معنی نہیں رکھتا ہے۔ اگر سیف ابدین ایبک شمسی عجمی، اس وجہ سے شمسی عجمی کہلاتے کہ سلطان التمش نے انہیں شمس الدین عجمی نام کے ایک ملک التجار سے خریدا تھا تو عادل خاں کے شمسی عجمی مشہور ہونے کا بھی وھی سبب ہوسکتا ہے۔ اب معاملہ تمرخاں شمسی کا رہ جاتا ہے جن کے نام کے آگے تاریخ فیروز شاہی میں شمسی عجمی نہیں بلکہ صرف شمسی لکھا گیا ہے۔ منہاج سراج نے طبقات ناصری میں سلطان ناصرالدین محمود (٦۴۴-٦٦۴ ہجری) کے دائرہ ملوک میں جہاں بہت سے ملوک کے نام لکھے ہیں وہاں تمر خاں نام کے حامل دو ملوک کا ذکر کیا ہے۔ ایک تمر خاں قمرالدین قیران ملک الکبیر۔ دوسرے تمر خاں سنقر عجمی ملک الکبیر * ان میں سے اول الذکر تمر خاں (قمرالدین قیران) کا سنہ وفات منہاج سراج کے قول کے مطابق ٦۴۴ ہجری ہے۔ اسکی تفصیل یہ ہے۔

تمر خاں قمرالدین قیران کی جنگ طغان خاں طغرل سے ٦۴٢ ہجری میں لکھنوتی میں ہوئی۔ ** اس سے پہلے تمر خاں قیران اودھ کا والی تھا مگر اس جنگ کے دوران منہاج سراج کے توسط سے اس بات پر دونوں کے درمیان صلح ہوگئی کہ طغان خاں طغرل دہلی کو لوٹ جائیگا اور لکھنوتی کا والی تمر خاں قمرالدین ہوگا۔ چنانچہ طغان دہلی لوٹ گیا اور تمر خاں مع اپنے خاندان اور ساز و سامان کے اودھ سے مستقل طور پر لکھنوتی چلا گیا جہاں دوسال تک اطراف میں وہ جنگ کرتارہا اور

---

* طبقات ناصری کلکتہ ایڈیشن میں تمرخاں سنقر عجمی لکھا ہوا ہے اور طبقات ناصری نسخۂ حبیبی میں عجم لکھا ہوا ہے۔ ملاحظہ ہو نسخۂ حبیبی جلد اول صفحہ ۴٧٦ اور حاشیہ کا نوٹ شمارہ ١۴۔

** طبقات ناصری جلد دوم۔ نسخۂ حبیبی صفحہ ٦١۔ (در بیان عزالدین طغان خاں طغرل)

پھر ۶۴۴ یا ۶۴۵ ہجری میں انتقال کر گیا ۔

"در شہور سنہ اربع و اربعین و ستمایہ طغان خان بہ اودھ مراجعت کرد ۔ و بعد از مدتی نزدیک در شب آدینہ برحمت حق تعالیٰ پیوست ۔ و از عجائبات تقدیرات آسمانی یکے آں بود کہ چوں میاں طغان خان و تمر خان قیران خصومت و منازعت افتادہ و ولایت یکدیگر رسیدہ ۔ فوت ہر دو در یک شب بود یکے در اول شب فوت شد و دوم در اخر شب ۔"*

ظاہر ہے کہ جبکہ تمر خان قمرالدین قیران کا انتقال ۶۴۴ یا ۶۴۵ھ میں ہوا تو جس تمر خان شمسی کا ذکر برنی نے سلطان بلبن کے دائرہ ملوک میں کیا ہے وہ اس سے مختلف شخصیت ہوگا ۔ اس تمر خان شمسی کو طبقات ناصری میں جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے تمر خان سنقر عجمی لکھا گیا ہے ۔ قرائن یہی بتاتے ہیں کہ دونوں نام ایک ہی شخص کے ہیں کیونکہ اس دور میں یعنی سلطان شمس الدین التتمش کے عہد سے لیکر بلبن کے عہد تک کے دور میں کسی تیسرے تمر خان کا ذکر نہیں ملتا ہے ۔ منہاج سراج نے دو سنقر** کے احوال لکھے ہیں ۔ بدرالدین خان سنقر رومی اور بدرالدین خان سنقر صوفی ۔ لیکن اس نے امیر الکبیر تمر خان سنقر عجمی کے احوال وآثار نہیں لکھے ہیں ۔ صرف ان کا نام سلطان ناصرالدین کے دائرہ ملوک میں لیا ہے ۔ ایسی صورت میں یہی تسلیم کرنا ہوگا کہ برنی نے جس تمر خان شمسی کا ذکر کیا ہے وہ تمر خان عجمی ہی ہوسکتے ہیں مزید یہ کہ بلبن کے عہد سلطنت میں کئی بندگان شمسی زندہ رہ گئے تھے لیکن ان میں سے برنی انہیں دونوں یعنی عادل خان اور تمر خان کے لئے شمسی کا لاحقہ استعمال کرتا ہے ۔ عادل خان کیلئے شمسی عجمی اور تمر خان کیلئے صرف شمسی ۔ میرا خیال ہے کہ چونکہ شمسی عجمی کا لاحقہ خاصا طویل ہے اسلئے اختصاراً ، طبقات ناصری

---

* طبقات ناصری ۔ جلد دوم ۔ ص ۔ ١٦

** سنقر کے معنی باز کے ہیں ۔

میں بھی تمر خان عجمی اور تاریخ فیروز شاہی میں تمر خان شمسی لکھا گیا ہے۔ اس منطق کی بنیاد پر یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ کیا عجب جو خسرو نے بھی اپنے والد کو سیف شمسی از روئے اختصار لکھا ہو اور وہ (سیف شمسی) طبقات ناصری کے سیف الدین ایبک شمسی عجمی ہی ہوں کیونکہ راورٹی کے ترجمۂ طبقات ناصری میں صرف سیف الدین شمسی لکھا گیا ہے۔

میں یہ بات پہلے لکھ چکا ہوں کہ خسرو نے اپنے ایبک ہونے کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ ایسی صورت میں خسرو کے والد سیف الدین ایبک شمسی اور طبقات ناصری کے سیف الدین ایبک شمسی (ترجمۂ راورٹی) ایک ہی معلوم ہوتے ہیں۔ مگر چونکہ اس میں لاچین نام کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ میں ان دونوں کو متحد کرنے پر آمادہ نہیں۔ اور اس اس پر آمادگی کا اظہار صرف اس وقت کر سکتا ہوں جبکہ اس کا فیصلہ متفقہ طور پر ہوکہ خسرو نے ہر جگہ لفظ لاچین بمعنی غلام کے استعمال کئے ہیں، اور میں اتنا بڑا فیصلہ خود اپنی بات کے خلاف تن تنہا نہیں کرسکتا ہوں۔ اسپر دوسروں کی تنقید کو دعوت دینا ضروری ہے۔ یہ تو کام کی ابتدا ہے۔ اسکی تنقید اور تنقیح کے بعد ہی کوئی مثبت بات ابھرے گی۔

لیکن تین باتیں اپنی جگہ پر مسلم ہیں۔ اول تو یہ کہ خسرو کے والد کے نام کا کوئی جزو محمود نہ تھا۔ دوسرے یہ کہ وہ بندگان شمسی میں سے تھے اور سلطان التتمش نے انہیں درم سلطانی سے خریدا تھا۔ تیسرے یہ کہ دولتشاہ سمرقندی اور اسکے متبعین نے جو کچھ خسرو کے والد کے متعلق لکھا ہے وہ نادرست ہے کیونکہ وہ خسرو کے بیانات کے برخلاف ہے۔

خسرو کے جد مادری عمادالملک
راوت عارضِ سپاہ

حیات خسرو کا کوئی بھی مولف، خسرو کے نانا عمادالملک کے ذکر سے پہلو تہی نہیں کر سکتا ھے نہ صرف اس اعتبار سے کہ خسرو نو سال کی عمر سے انہیں کے گھر میں پلے اور بڑھے، اور انکی اعلیٰ تعلیم کا انتظام انہیں کے زیر سایہ ھوا، بلکہ اس اعتبار سے بھی کہ دور حاضر کے کئی مصنفین نے اپنے اس خیال کا اظہار کیا ھے کہ عمادالملک کوئی ترک نہیں، بلکہ اصلاً راجپوت تھے۔ ظاھر ھے کہ اس انکشاف سے۔ اگر اسے ثابت کیا جا سکے، ھمیں ایک نئی روشنی ھاتھ آتی ھے جس سے خسرو کی زندگی اور انکی شاعری کو سمجھنے میں مدد مل سکتی ھے۔ خسرو نے اپنی ھندوستان دوستی کی توجیہ میں صرف دو اہم باتیں کہی ہیں ایک یہ کہ ھندوستان میرا مولد، ماویٰ اور وطن ھے۔ دوسرے یہ کہ حب الوطنی حدیث رسول ھے۔

مدعی گر زند ایں طعنہ مرا
کز پئی ھند ایں ھمہ ترجیح چرا
دو سببم باعث ایں کار شدہ
کاں دو سبب حجت گفتار شدہ

آنست یکے کیں زمیں از دور زمن
هست مرا مولدو ماوی و وطن
وین ز رسول آمده کائی زمرهٔ دیں
حب وطن هست زایماں به یقیں
دوسش آں کیں زمیں از قطب زماں
هست چو راجح زهمه ملک جهاں *

ان دو باتوں میں سب سے اهم یهی هے که انهوں نے هند کو اپنا مولد، ماوی اور وطن بتایا هے، لیکن اسکے آگے یه بات انهوں نے کهیں نهیں کهی هے که میری ماں یا که میرے نانا هندی الاصل تهے مگر اس نتیجے تک کچھ لوگ اپنے اپنے طور پر مختلف اثار و علایم سے پهونچے هیں، لیکن انهوں نے کوئی ٹهوس ثبوت ابهی تک مهیا نهیں کیا هے مولوی صباح الدین عبدالرحمن جو دارالمصنفین اعظم گڑه کے مشاهرین میں سے هیں انهوں نے اپنے ایک مضمون میں اس خیال کا اظهار کیا هے که خسرو کی والده هندیٔ النسل تهیں † اور اسکی دو دلیلیں دی هیں۔

ایک یه که خسرو اپنے کو ترک هندوستانی کهتے تهے۔

ترک هندوستانیم من هندوی گویم جو آب
شکر مصری ندارم کز عرب گویم سخن**

اور دوسری یه که وه اپنی هندوئی شاعری پر فخر کرتے تهے۔

---

* مثنوی نه سپر، مرتبه ڈاکٹر وحید مرزا کلکته ایڈیشن۔ ص- ١٥

† هندوستان کے عهد وسطیٰ کی ایک جهلک۔ معاون پریس اعظم گڑه صفحه ١٦٨ حاشیه۔

** دیباچهٔ غرة الکمال کے بعض مخطوطوں میں گویم کی جگه رانم لکها هوا هے۔

چوں من طوطیٔ ہندم ار راست پرسی
ز من ہندوی پرس تا نغز گویم

جبکہ خسرو یہ بات بتا چکے ہیں کہ میرا مولد و منشا ہندوستان ہے تو پھر وہ اپنے کو ترک ہندوستانی نہ کہیں گے تو اور کیا کہیں گے۔ یہ عجوبہ تو کچھ اسی زمانے میں دیکھنے کو ملا ہے۔ کہ پیدائش تو جناب کی کسی غیر شہر کی ہے لیکن لکھتے اپنے کو بخاری ہیں غلطیہائے مضامین مت پوچھ۔ صحیح بخارائی ہے نہ کہ بخاری ورنہ اگلے وقتوں میں جو آدمی جہاں پیدا ہوتا وہ اپنے کو منسوب بھی اسی سر زمین سے کرتا تھا۔ چنانچہ اگر خسرو نے اپنے کو ترک ہندوستانی کہا ہے، تو وہ اس نسبت سے کہ ہندوستان انکا مولد تھا۔ اس سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ انکی والدہ ماجدہ ہندی النسل تھیں۔ مولوی صباح الدین کی دوسری دلیل یہ ہے کہ خسرو کو اپنی ہندی شاعری پر بہت زیادہ فخر تھا مگر اس دلیل سے بھی یہ بات ثابت نہیں ہوتی ہے کہ انکی والدہ ماجدہ ہندی النسل تھیں۔ ہاں اگر یہ بات کہی جائے کہ ہندوی خسرو کی مادری زبان تھی، نہ صوف اس اعتبار سے کہ خسرو ہندوستان میں پیدا ہوئے تھے اور انک گردوپیش اور معاشرے کی زبان ہندوی تھی بلکہ اس اعتبار سے بھی کہ ہندوی انکی والدہ کی بھی زبان تھی اور انہوں نے اس زبان کو شیرمادر کے ساتھ حاصل کیا تھا تو بات کسی قدر اس خیال کی صحت کے قریب تر ہوتی ہے کہ عمادالملک ہندی الاصل تھے۔

ڈاکٹر وحید مرزا نے خسرو کے ایک قطعہ سے استدلال کرتے ہوئے اپنا یہ گمان ظاہر کیا ہے کہ حونکہ راوت عرض (عارض) عماد الملک سیہ فام تھے اور پان زیادہ کھاتے تھے اسلئے انہیں ہندی الاصل تصور کیا جاسکتا ہے۔* ڈاکٹر صاحب کا یہ استدلال،

---

* Life and works of Amir Khusroe
صفحہ ۹۲، حاشیہ کلکتہ ایڈیشن۔

قطع نظر اس قطعہ کے جس سے انہوں نے عمادالملک کا سیہ فام ہونا استنباط کیا ہے، کچھ عجیب سا ہے یہ صحیح ہے کہ ہندوستان کی اکثریت کالے اور سانولے رنگ کے لوگوں پر نہ صرف اس زمانے میں بلکہ آج بھی مشتمل ہے۔ لیکن اس سے یہ کب استنباط ہوتا ہے کہ جو کوئی سیہ‌فام ہو وہ ہندی‌الاصل ہے۔ سلاطین دہلی کی خدمات میں کچھ حبشی غلام بھی تھے۔ لیکن اسقدر دور جانے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ ضیاءالدین برنی لکھتا ہے کہ سلطان جلال الدین کالے رنگ کا تھا۔ * کیا اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جائے کہ وہ ترک نہیں بلکہ ہندی الاصل تھا۔ مانا کہ ترک اسے افغانی تصور کرتے تھے۔ لیکن میجر راورٹی نے یہ ثابت کیا ہے کہ وہ ترک تھا ** افسوس یہ ہے کہ اس زمانے کے مورخین نے قراخطای ترکوں کے رنگ کے بارے میں کچھ نہ لکھا ورنہ قرا کی نسبت سے جسکے معنی سیاہ کے ہیں، اس ضمن میں کچھ قراختائی ترکوں کے نام بھی لئے جاسکتے تھے۔ بہرحال اتنا تو کوئی بھی معقول آدمی تسلیم کرے گا کہ کسی شخص کا کالے رنگ کا ہونا اس امر کا ثبوت نہیں ہے کہ وہ ہندی الاصل ہے۔

راوت عارض (عرض) عمادالملک کے ہندی الاصل ہونے کی دوسری دلیل ڈاکٹر صاحب نے یہ پیش کی ہے کہ وہ پان بہت زیادہ کھاتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب کی یہ دلیل اور بھی زیادہ کمزور ہے کیونکہ بقول خسرو اس زمانے میں گدا سے لیکر شاہ تک ہر طبقے کے لوگ پان کھاتے تھے۔

حرمتش از پیشگه و پائیگه
هم بگدا محترم و هم بشاه †

---

* تاریخ فیروز شاہی، اردو ترجمہ صفحہ ۳۳۲،

** An Advanced History of India by Majumdar and Dutta Page 288 Paper back Edition -

† مثنوی قران السعدین علی گڑھ ایڈیشن صفحہ ۱۸۶

اور جب بغرا خان اور معزالدین کیقباد کی ملاقات هوی، اور اس موقعے پر جو شاہانه دعوت دی گئی هے اس ضیافت میں بھی پان بقول خسرو آخر میں پیش کیا گیا هے ۔

مایۂ خوان چوں زمیاں رخت برد
نوبت تنبول به مجلس سپرد[*]

اب وه قطعه ملاحظه هو جس سے ڈاکٹر صاحب نے یه نتیجه اخذ کیا هے که خسرو اپنے نانا راوت عارض عمادالملک کوسیه فام بتاتے ہیں۔

زنسل عارض اسود منم آں نسخت معنی
کزاصل خویشتن یک یک نشانی باز دادم من
سوادے بود آں نیکو ترین دیباچۂ دولت
زنوک کلک تقدیر و (بیاض) [†] آں سوادم من
خساں میکنم غرق و گهر را می دہم عبره
از آں ابرسیه بیں طرفه دریائے که زادم من[¶]

اس قطعه میں جو ترکیب ’’عارض اسود‘‘ کی هے اسکے بارے میں ڈاکٹر صاحب کا خیال هے که اسکا اشاره راوت عرض (عارض) عمادالملک کی طرف هے ۔ مراد اس سے ’’کالے عارض‘‘ کے هے سوال یه هے که خسرو جو اپنے کو ترک کہتے[§] اور اپنے کو جگه جگه گوهر سیفی لکھتے ہیں وه سیف الدین ترک کی نسل سے تھے یا عمادالملک کی نسل سے جو

---

[*] ایضاً صفحه ١٨٥

[†] دیوان غرة الکمال کے ایک مخطوطه مملوکه نیشنل میوزیم کراچی میں بیان کی جگه بیاض لکھا هوا هے ۔ سواد کے نسبت سے یه زیاده صحیح هے ۔

[¶] غرة الکمال - کلیات خسرو انڈیا آفس لائبریری شماره ١١٨٦ - ف ١٦٥

[§] ’’خسرو تو ترک و گوهر سیفی‘‘ اعجاز خسروی ۔

انکے جد مادری تھے - اور اگر یہ کہا جائے کہ دونوں کی نسل سے تھے - کیونکہ کچھ لوگ اپنے ننہیال پر بھی فخر کرتے ہیں تو دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ھے کہ خسرو جو صنعت ایہام ذوسعنین سے کام لیا کرتے تھے ، انکے اس کلام سے یہاں صرف ایک ھی معنی کیوں مراد لیا جائے کہ "عارض اسود" کا اشارہ راوت عرض عماد الملک کی طرف ھے - کیوں نہ دوسرے معنی کی طرف بھی تخیل کو کچھ تکلیف دی جائے - خسرو نے جہاں غرۃ الکمال کے دیباچے میں اپنے والد کا ذکر کیا ھے وہاں یہ جملہ بھی ملتا ھے - "چوں آن ابر کہ من قطرۂ ازاویم سرم برفت" کیا یہ ممکن نہیں ھے کہ اسی ابر کی اسیج کو یہاں بھی قائم کیا ہو اور ابر سیہ کے لغوی معنیٰ نہیں بلکہ مجازی معنی یعنی بہت برسنے والے بادل کے لئے ہوں - عربی زبان میں عارض کے ایک معنی ابر کے بھی ہیں ، اور خسرو نے وہ آیت قرآنی غرۃ الکمال کے دیباچے میں نقل کی ھے جس میں عارض کے معنی ابر کے ہیں - "فلمّا راء وہ عارضاً مستقبِلَ اودیتِھم قالو ھذا عارضٌ مُمطِرنا -"* چنانچہ اگر عارض کے معنی ابر کے لئے جائیں جیسا کہ اس آیت سے واضح ھے تو عارض اسود کے معنی ابرسیہ کے ہیں ، اور اس معنی کا ثبوت اسی قطع کے آخری مصرع میں ھے - ع از آن ابرسیہ ہیں طرفہ دریائے کہ زادم من - کیا یہ ممکن نہیں کہ "ابر سیہ" اور "عارض اسود" کی ترکیب تماستر مجازی معنوں کی حامل ہو اور اشارہ عمادالملک عارض سپاہ کی طرف نہ ہو بلکہ انکے والد کی طرف ہو - کیونکہ خسرو نے جہاں کہیں اپنے جد مادری عماد الملک کا ذکر کیا ھے ، انکے لئے چہارم پایہ تخت کا لقب اختیار کیا ہے نہ کہ "دیباچۂ دولت" کا جو اس قطع میں ملتا ھے - لیکن چونکہ خسرو ایک طرفہ طبیعت رکھتے تھے ان سے یہ کچھ بعید بھی نہیں جو یہاں انہوں نے اپنے نانا ہی کی نسل پر فخر کیا ہو - اسکی دلیل یہ ھے کہ وہ ایک قطعہ میں نسل کے سلسلے میں باپ سے زیادہ ماں کو اہمیت دیتے ہیں -

---

* سورہ الاحقاف آیت ۲۴ ویں - پارہ ۲۶ واں -

زادہ٘ پور و زادہ٘ دختر ہر دو ہستند بیگماں فرزند
چوں نبی رابنیرہ ازدخت ست بیشتر در نبیرہ رغبت بند
شبہہ درزادہ٘ پسر بیش است نکند شبہہ سوئی دخت گزند
ازپدر چسیت قطرہ٘ ایے بچہ رابیں کہ خون مادر چند
الغرض دخترے بہ ازپسرے کاں ز آلبست واں زخوں پیوند *

اس قطع کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ھے کہ وہ اپنے نانا کی نسل پر فخر کرسکتے تھے ۔ اور اس طرح ڈاکٹر وحید مرزا کے اس موقف کو صحیح قرار دیا جاسکتا ھے کہ اغلب یہ ھے کہ عماد الملک کا رنگ سیاہ تھا ۔ لیکن چونکہ میں یہ بات پہلے کہہ چکا ہوں کہ کسی کے سیاہ رنگ ہونے سے اسکا ہندی الاصل ہونا ثابت نہیں ہوتا ۔

عماد الملک کے اصل ونسل کو دریافت کرنے کیلئے لفظ ,,راوت ایک کلیدی درجہ رکھتا ھے ۔ کیونکہ برنی نے جہاں انہیں ,, رواتِ عرض “ لکھا وہاں صرف ,, راوت “ کہہکر بھی یاد کیا ھے ۔ ,, شمار اور عرض (معاینہ) کے وقت جو سوار بھی راوت کو مستعد اور چاق چوبند نظر آتا وہ انکی تنخواہ پہلے سے زیادہ کر دیتے “ ** چنانچہ اس سلسلے میں لفظ راوت کی ہیت اور معنی کو سمجھنا سب سے مقدم ھے ۔ اسی کے بعد یہ بات علم میں آسکتی ھے کہ انہیں عارض سپاہ کہنے کے بجائے راوت عارض یا راوت عرض کیوں کہتے تھے ۔ لیکن قبل اسکے کہ میں اس لفظ کی ہیت ، تاریخ اور معنی کو زیر بحث لاؤں عماد الملک کے متعلق ان ساری اطلاعات کو مہیا کر دینا چاہونگا جو مختلف ماخذ سے دستیاب ہیں اسکے بعد ہی اس لفظ کی حقیقت زیادہ واضع ہوسکے گی ۔ ضیاء الدین برنی نے کئی صفحات عمادالملک کے احوال و آثار سے متعلق لکھے ہیں ۔ ان صفحات سے صرف ان باتوں کو منتخب

---

* نہایت الکمال مطبوعہ ۔ ص ۔ ۱۰۵

** تاریخ فیروز شاہی ۔ اردو ترجمہ ۔ ص ۔ ۱۹۷

کرکے پیش کر رہا ہوں جو سوانحی اہمیت کی حامل ہیں:-

''دوم ملکی از نواد ر ملوک سلطان بلبن عمادالملک راوت عرض بوده است و این عمادالملک بندهٔ شمسی بوده و ہم در عہد شمسی از عرض شکره بعرض ممالک رسیده و در مدت سی سال در عہد فرزندان شمسی عرض ممالک هم هموں داشت و در نوبت سلطنت خود سلطان بلبن عرض ممالک بہ راوت عرض داد و راوت عرض داد- و راوت عرض در عہد شمسی از یاران مہتر سلطان بلبن بود، و فی الجملہ در قرن کہ شصت و دو سال باشد مصالح دیوان عرض ممالک بہ امر و اشارت راوت عرض مفوض بوده است و سلطان بلبن در حرمت و حشمت راوت عرض بہ واجبی مراعات کردے و فرموده بود کہ زیردست خانان و ملوک بلبنی او نشیند و در دیوان عرض، او مطلق العنان باشد۔''*

اُردو ترجمہ- ''سلطان بلبن کے نوادر ملوک میں دوسرا نام عمادالملک راوت عرض کا تھا- وہ بندگان شمسی میں سے تھا- اور سلطان شمس الدین التتمش کے عہد میں عرض شکرہ سے عرض ممالک کے عہدے تک پہونچا اور اسکے بیٹوں کے زمانے میں جنکی مدت حکومت تیس سال تھی وہ اسی عہدے پر فایز رہا سلطان بلبن نے بھی اپنے عہد سلطنت میں عرض ممالک کا عہدہ راوت عرض ہی کو دیا- مختصر یہ کہ دو قرن تک جو باسٹھ سال ہوتے ہیں- دیوان عرض کے جملہ معاملات، راوت عرض ہی کے حکم اور اشارے پر منحصر تھے- سلطان بلبن راوت عرض کی عزت و احترام کا پورا لحاظ کرتا- اس نے حکم دیدیا تھا کہ خوانین و ملوک بلبنی کے بعد سکی نشست دربار میں ہوگی اور دیوان عرض میں اسی کا حکم چلے گا-''

برنی کی اس عبارت میں بظاہر ایک تضاد سا نظر آتا ہے- وہ یہ

---

* تاریخ فیروز شاہی مرتبہ، سر سید احمد خان مطبوعہ ایشیاٹک سوسائیٹی ۱۸۶۲ع ص- ۱۱۴-

ہے کہ ایک طرف تو وہ عمادالملک کو بلبن کے نوادر ملوک میں شمار کرتا ہے ، انہیں بلبن کا خواجہ تاش اور دوست بزرگ بتاتا ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ ساتھ وہ ، یہ بھی لکھتا ہے کہ بلبن نے یہ حکم دے دیا تھا کہ عمادالملک کی نشست دربار میں ، خوانین و ملوک بلبنی کے بعد ہوگی۔ اس زمانے میں چار وزارتیں تھیں۔ دیوان وزارت (وزیر ملک) دیوان رسالت ، دیوان انشاء اور دیوان عرض ممالک دہلی چنانچہ اسی اعتبار سے عمادالملک کو خسرو چہارم پایۂ تخت لکھتے ہیں ، مزید یہ کہ انہیں ہر اہم موقعے پر مشورے کے لئے خلوت خاص میں طلب کیا جاتا۔ (منہاج سراج ، اور برنی دونوں نے یہ بات لکھی ہے) تیسرے یہ کہ ان کی خدمات شاہی بلبن کے عہد تک باسٹھ سال کی تھیں۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ ایک ایسے نامور ملک کی نشست دربار میں کیوں خوانین و ملوک بلبنی کے بعد متعین کی گئی تھی۔ اس سے تو یہی بات واضح ہوتی ہے کہ انہیں ہندیٔ الاصل ہونے کی وجہ سے ترک خوانین اور ملوک کے بعد جگہ دیجاتی تھی۔ اس قسم کا احساس بلبن کے عہد تک بہت قوی تھا۔ ترک ہندی الاصل ملوک و امراء کو اپنے برابر نہ سمجھتے۔ اور یہ امتیاز وہ مخلوط النسل قرونہ ترک کے ساتھ بھی روا رکھتے۔ اس امتیازی سلوک سے ہمارے اس خیال کو تعقویت ملتی ہے کہ عماد الملک ہندی الاصل تھے۔

جس زمانے میں عماد الملک کا انتقال ہوا ضیاء الدین برنی پیدا بھی نہیں ہوا تھا۔ برنی کا سال پیدائش ایک اندازے کے مطابق ۶۸۴ ہجری ہے یعنی وہ انکے انتقال کے بارہ تیرہ سال بعد پیدا ہوا۔

ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ اس نے جو کچھ عماد الملک یا خسرو کے والد کے بارے میں لکھا ہے وہ سب سنی سنائی باتوں پر مشتمل ہے ، اسکے برعکس جو کچھ خسرو نے اپنے نانا عماد الملک کے بارے میں لکھا ہے وہ زیادہ مستند ہے کیونکہ وہ انہیں کے گھر میں جوان ہوئے خسرو بیس سال کے تھے کہ انکے نانا کا انتقال ایک سو

تیرہ سال کی عمر میں ہوا۔

چنانچہ اب عماد الملک سے متعلق خسرو کا بیان ملاحظہ ہو۔

چوں آں ابر کہ من قطرۂ اُویم (سیف شمسی) از سرم برفت یتیم ماندم * جدم گرد آورد و در سلک خدمت خود منسلک گردانید۔ بخت من بود کہ جدم بر سرمن بود۔ آں جد بنود بلکہ دولتی بود، چوں صاحب دولتی، چوں چتر سلطان، سپاہ دولت عماد الملک چہارم پایۂ تخت۔ اگر نشان سلطانی نداشت بارے سلطان نشانی داشت۔ از فراخ دستی ہمہ مملکت ہندوستان رادر مشت خود آوردہ۔ در پردہ کار تخت بہ اومیکرد۔ اما از برائے مصلحت کہ مفسدان مفسدت نکنذ خود رابشغل عارضی مشغول می داشت۔ زہے راوت عارض § کہ درکار آرائی مملکت ہند ہمہ تن رائے بود۔ چنانکہ اگر خواستی رائی رابگر دانید و یار کردی۔ صدوسیزدہ (۱۱۳) سال عمر یافت۔ ہفتاد سال عرض ممالک بود۔ زہے عرض دیر بقا۔ ¶

(کہ صد ہزار جوہررا پیش او بقای بنود بلکہ چیذیں جوہررا ریسماں درگلو کردہ درسلک سفتہ بہ گوشان خویش در آوردہ۔ دولیست بندہ ترک و دو ہزار ہندو و دہ ہزار سوار در ظل ظلیل علم علاء اوبود)

---

* سیف از سرم برفت و دل من دونیم ماند
دریائے خوں رواں شد و درم یتیم ماند

§ برنی نے راوت عرض لکھا ہے۔ جو صحیح نہیں معلوم ہوتا ہے ممکن ہے عوام یوں ہی بولتے رہے ہوں۔

¶ اس کے بعد ایک جملہ ہے جو انڈیا آفیس کی کلیات خسرو شمارہ ۱۱۸۶ اور مطبوعہ نسخے میں تو ہے لیکن برٹش میوزیم کے کلیات خسرو شمارہ ۲۱،۱۰۴ میں نہیں ہے جہاں سے یہ عبارت نقل کی گئی ہے۔ اسلئے اس جملے کو قوسین میں لکھ دیا ہے۔

که صد ہزار سند (کذا) و صد ہزار سوار را در ظل علم عالی ہرسال چندان کلاہ وقبا میداد که برہنگی جمله یک قبایان عالم، پوشیده می ماند۔ ہر بار که آں عارض سپاه بر مسلمانان باران رحمت باریدی ازبس که بارش عالم بود کفرهٔ ہند بہمه ابواب فتحیابی چشم میداشتند، برایشان ہم می بارید و لیکن تیر و سنان" "فَلَمّا راء وہ عارضاً مستقبِل اودیتِہم قالو ھذا عارُض مُمطِرنا۔" واگر صفت خوردنیش (خوردنی اشی) کنم خود گوشهٔ کندوریش تادامن قیامت پیوسته است۔ آں قدرد رہمه سبزه زار زمین ترب (برگ تنبول) ہنا شد که هر زماں از خانهٔ آں ولیٔ نعمت، بی برگانرا هر زماں برگ تنبول می رسد۔ آں همه نان (کذا) دهی مونس تربیت اُو باد۔ من یتیم را آں کریم در کنف پرورش می پرورد تا پرورده شدم۔ بیست ساله بودم که آں بزرگ صد و سیزده ساله شد و در بهشت که هزار ساله راه بود به یک نفس برسید۔"*

محوله بالا عبارت سے، عماد الملک کی داد و دهش، اور خورد و نوش کی باتوں کے علاوه سوانحی اہمیت کی جو باتیں ابھرتی ہیں وہ یہ ہیں۔ وہ ستر سال تک دیوان عرض ممالک دهلی کے عہدے پر فایز رہے، اس سے برنی کے اس بیان کی تردید هوتی هے که وہ باسٹھ سال تک دیوان عرض کے عہدے پر فایز رہے، چنانچه اگر ۶۷۱ سے جو عماد الملک کا سنه وفات هے ستر وضع کیا جائے تو یه ماننا پڑیگا که وہ ۶۰۱ هجری سے اس عہدے پر فایز رہے، اور یه زمانه قطب الدین ایبک کی گورنری کا هے۔ زیاده سے زیاده یه کہا جاسکتا هے که ۶۰۲ سے اس عہدے پر فایز رہے جب سے که قطب الدین سریر آرائے سلطنت هوا۔ ایسی صورت میں اُنہیں اصلاً بندگان شمسی کے بجائے بندگان قطبی میں سے شمار کرنا چاهئے۔ مگر اس سے اس بات کی تردید نہیں هوتی هے که و بندگان شمسی میں سے نه تھے کیونکه سارے غلام کسی سلطان کی وفات پر اسکے جانشین سلطان کے ارث میں منتقل هوجاتے۔ هاں برنی کے اس بیان کو

---

* برٹش میوزیم کلیات خسرو شماره ۲۱,۱۰۴ - ف ۱۸۲

قبول کرنے میں تامل ھوسکتا ھے کہ وہ اولا سلطان شمس الدین کی حکومت میں اسیر شکار تھے - اور یہ بات اسی وقت صحیح ھو سکتی ھے جبکہ خسرو کے بیان کے برخلاف برنی کے اس بیان کو صحیح مانا جائے کہ وہ باسٹھ سال تک عرض ممالک تھے -

دوسری بات یہ اُبھرتی ھے کہ عماد الملک صرف صاحب سیف یعنی عارض سپاہ ھی نہیں بلکہ صاحب قلم بھی تھے - وہ عارض مملکت دھلی سے زیادہ مشیر سلطان تھے - اور اُس ''کار آرائی مملکت میں'' ھمہ تن رائے (راجہ) تھے ''ھمہ تن رای'' یہ پیرائے بیان اس امر کی غمازی کرتا ھے کہ وہ اصلاً راجہ تھے - خواہ ایک چھوٹے ھی راجہ کیوں نہ رھے ھوں * یہ بات کئی مورخین نے لکھی ھے کہ رایان ھند سے تعلقات استوار کرنے کیلئے انھی کی خدمات کو خاص طور سے استعمال کیا جاتا - اور یہ بات خسرو نے بھی لکھی ھے کہ وہ بہت آسانی سے رای' کو یار بنا لیتے تھے - آیئے اب یہ' دیکھیں کہ ھمارے اس خیال کو کہ وہ اصلاً ایک راجہ تھے - خسرو کی دوسری نگارشات سے بھی تقویت پہونچتی ھے کہ نہیں - خسرو نے تحفة الصغر میں عماد الملک کی وفات پر ایک مرثیہ لکھا ھے - وہ مرثیہ ڈاکٹر وحید مرزا کے پیش نظر تھا ، لیکن انھوں نے اس کے صرف ایک بند کا ترجمہ انگریزی میں پیش کیا ھے - اس سے پوری بات ابھر نہ پائی - اس لئے میں پورا مرثیہ نقل کر رھا ھوں لیکن اس معذرت کے ساتھ جہاں کہیں کوئی لفظ یا عبارت صحت کے ساتھ پڑھی نہیں جاسکی ھے - اسے چھوڑ دونگا یا صرف اس کی صورت نقل کردوں گا - اب مرثیہ ملاحظہ ھو -

بیت سلسلہ -

ہست این صحیفہ بروجہہ' رحمت خدا -
ہر خفتہ را کہ زیر زمیں خاک بستر است -

---

* خسرو نے محولہ بالا عبارت میں اس بات کی طرف بھی اشارہ کیا ھے کہ وہ موتی پروئے بالے کان میں پہنے ھوتے -

وزن- مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن۔

(۱) آن وقت بار (ی) شمع فلک در نقاب شد
افسوس کان چراغ دو عالم خراب شد
روشن زمانه بر صفت شام تیره گشت
مطلق جهان مقید رنج عذاب شد
ہر لعل کان دو دیدهٔ فیروزه چرخ ریخت
یک یک به کیسهٔ کمر آفتاب شد
چندین ہزار گل که شب اندر ہوا فشاند
از آه من بشیشهٔ گردون گلاب شد
دیوان گذاشت آتش ویران و باد وار
در خواب رفت ہمچون سلیمان وخواب شد
وی خسروانه بخشش و شاهانه ہمتش
رخسارهٔ عروس کرم در نقاب شد
کو آصف * زمان و نظیر بزرچمہر
وآن رائی خورده دان و ضمیر بزرگ مہر **

(۲) دستور *** عہد کو که بدیوان نمیرسد
عارض کجا بحضرت سلطان نمیرسد
بی جود اُو که قحط زر افتاد در جهان
بی فیض وان که دست بباران نمیرسد
ارباب خانه زان بن دندان سخن خورند
بر اہل تیغ خلعت احسان نمیرسد

---

* حضرت سلیمان کے وزیر بزرگ۔ حضرت آصف بن برقیا۔

** بزرگ مہر اور بزرچمہر ایک ہی لفظ کے دو تلفظ ہیں بزرچمہر نوشیروان بادشاه کا وزیر تھا۔

*** بمعنی مشیر

آں برگ چوں نشد که بود رنگ مردمان
تنبول او اگرچه بدنداں نمیرسد
آں خوں گرفته رنگ د ہا ہا بسوگ او
واں خوردنی کجا که بدیواں نمیرسد
رنج از کفش رسید بروی مخالفاں
گر یکدم از ہزار سپاہاں نمیرسد
افتاد چوں زسقف ، عمادی ، عماد ملک
جائی شگوفه خار دمد در سواد ملک

(۳) آں اختیار حضرت شاہ جہاں دریغ
آں اختیار نصرت دیں طغاں * دریغ
آں حسرت ملوک به تیغ قلم فسوس
آں ہیبت کیاں به رنج و سناں دریغ
آں در کمین معرکه چوں اژدہائی قوس
واں در زمیں بمرتبه چوں آسماں دریغ
دستور ** روزگار بدستوریٔ قضا
معزول شد بشغل بقا ناگہاں دریغ
مانند تیغ گشت نہاں درمیان چوب
آں کز قلم گرفت زمین و زماں دریغ
بر خاک قبر (زہره؟) که اندر جگر کشید
آنرا که سفت پہلوئے صد پہلواں دریغ
بگذاشت درج دولت از پہلویٔ سپہر
از خاک رفت خواجهٔ صاحب قراں دریغ

---

* طوغ ۔ ترکوں کا جھنڈا ۔ طوغاں، طغاں ۔ شہباز ۔ مجازاً ترکوں کو کہتے تھے ۔

** بمعنی مشیر

برجیس منزلا درت از برج آسمان
شش پایه برترست دران جاء گه سهان

(۴) ای گنج افتخار ز ناف زمین بر آی
در تنگنائی خاک چون ماندی دفین بر آئی
جام بنفشه وار کبودست خلق را
یک ره زخاک بر صفت یاسمین بر آی
ای ماه خورده جام تو فرش زمین بدر
وی کرده شام نام تو نقش نگین بر آی
بهر تو اژدها (ئی) علم نوحه می کند
ای ضیغم سپاه ز ناف زمین بر آی
ای از برای تو پسران و نبیرگان
مویه کنان و موی کنان و حزین بر آی
خسرو که پار بد ز بغایت بزرگ اُمید
امسال صولجان* بدمش کرد نا امید

(۵) ای آصف از برایٔ تو دیوان گریسته
وی عارض از برای تو سلطان گریسته
تا در فتاد چون عمادی ز سقف ملک
در قصر ملک منظر و ایوان گریسته
از دیده دست شسته بزرگان مملکت
از بهر پایٔ بوس تو خدمان گریسته
ترکان گرفته ترک کلاه ورمی شده
چاک قبا فگنده بداماں گریسته

---

* چوگان کا عربی لہجہ

رایان ہندی از غم تو ہمچو برہمن
سرہا برہنہ کردہ و حیران گریستہ
باز آزبوم خاک کہ اسپان راغ حشم
بہر توای ہمایٔ، خراماں گریستہ
بی کوس دولت تو شدہ برگ (بخشیان)
لبہا فرود بستہ بافغاں گریستہ
گرچہ خوش است گریہ و شیون برایٔ تو
آں خوبتر کہ ختم کنم بر دعائی تو

(٦) بر روضۂ تو چشمۂ کوثر سبیل باد
بر فرق تو مطلعۂ پر جبرئیل باد
چوں نوش کرد ذات شریفت شراب مرگ
از کام خلقٔ کام تو (بر سلسبیل) باد
در دہر کوشش تو بشرع رسول بود
در مرگ رحمتت ز خدائے جلیل باد
از شہپر ہمائی ہمایون مغفرت
بر عندلیب روح تو ظل جلیل باد
خلقت کہ خلق را سوی راحت دلیل بود
آں خلق تو ترا سوی راحت دلیل باد
ہر در کہ آں ز سلک نظامت یتیم ماند
از دور چرخ رشتۂ عمرش طویل باد
محمود را کہ گشت ضمیرش مقام غم
در زحمت فراق تو صبر جمیل باد
در ہر چمن کہ تعزیت آں در نہند
مرغاں بروئ خاک ز اندیشہ سر نہند

(٧) چوں شد رخ عروس جہاں عنبریں نقاب
در چشم اختران فلک بستہ گشت خواب

آمد رفیق خاص من آن شمع (بید خان ـ کذا)
از چشمہا ستاره روان کرده (بر) تراب
تا باد صبح تا فته دل بر مثال سرو
لرزان میان سایه و افتان چو آفتاب
رخساره از عرق شده چون آسمان بشب
و اعضا ز تاب رفته چو (. . . . . .) مہتاب
گفتم که باز طبع ہمایونت را چه شد
کافتاده اوست در نظرت چون پر عتاب
گفتا که آن دو سرخ سیه چشم ناگہاں
کردند ازیں چمن بریاض فلک شتاب
اصحاب پیل پیکر من کوکه جان کنند
از بہر آن (دو) طیر ابابیل را خراب
چون بی تو شد لظام و ترا بی لظام کار
محمود باد عاقبت از امر کردگار

اس مرثیے سے عمادالملک کی جو تصویر ابھرتی ہے وہ یہ ہے کہ جہاں وہ ایک سورما، شجاع، بہترین سوار، ضیغم سپاہ اور پہلوان تھے ع - آن درکمین معرکه چون اژدہائی قوس- وہاں وہ ایک صاحب قلم مشیر سلطنت، آصف دوراں اور بزرجمہر زمانہ بھی تھے - مزید تعریف انکی کی جا چکی ہے - اب اس مرثیے کی ایک بیت کی طرف آپکی توجہ مبذول کرانا چاہونگا۔

کو آصف زمان و نظیر بزر جمہر
وان رائی خورده دان و ضمیر بزرگ مہر

اس بیت میں رائی خوردان کا تجزیہ کیجئے - خورده دان مرکب توصیفی - بمعنی مشیر کے ہیں جیسا کہ اس ترکیب یعنی خورده دان کو خود خسرو نے غرۃالکمال کے دیباچے میں بمعنی مشیر استعمال کیا

ہے ۔ ملاحظہ ہو خسرو کا جملہ حاشیئے میں * رائی موصوف ہے ۔ اس سے یہی نتیجہ اخذ کیا جائیگا کہ یہاں رائی ہندی زبان کا ہے جسکے معنے راجہ کے ہیں ۔ معنی اسکے ہونگے وہ رائے یا راجہ جو مشیر تھا ہمارے اس خیال کو مزید تقویت اس بیت سے بھی ملتی ہے کہ انکی موت پر جہاں ترکوں نے غم منایا وہاں رایان ہند نے] بھی انکا ماتم کیا ۔

رایان ہندی از غم تو ہمچو برہمن
سرہا برہنہ کردہ و حیران گریستہ

اور جب ان دونوں ابیات کے ساتھ ہم دیباچہ غرۃالکمال کے اس فقرے کو سامنے رکھتے ہیں کہ ”در کارآرائی مملکت ہمہ تن رائی بود“ تو ہمارے اس خیال کو مزید تقویت پہونچتی ہے کہ انکے خطاب کے آگے جو راوت کا لفظ تھا ” راوت عارض “ یا راوت عرض وہ بمعنی ایک راجہ شہزادے یا سردار کے تھا ۔ جیسے رائی فلاں ، راجہ فلاں اسطرح راوت عارض ڈاکٹر وحید مرزا کا خیال ہے کہ راوت عرض بمعنی عارض سپاہ کے استعمال ہواہے صحیح نہیں معلوم ہوتا ۔ اول تو راوت عرض کی ترکیب مہمل ہے ہاں راوت عارض کی ترکیب سنکرت اصول کے مطابق صحیح ہے اور اسکے معنی عارض سپاہ کے ہو سکتے ہیں لیکن جس زمانے کی یہ گفتگو ہے اس زمانے میں راوت ، عمومی حیثیت سے سپاہ یا لشکر کیلئے استعمال نہ ہوتا بلکہ بہادروں ، سورماؤں یا مقدم اور سردار کے لئے استعمال ہوتا تھا ۔ اور اسکی متعدد مثالیں ہیں ۔ خسرو کی یہ بیت ملاحظہ ہو ۔

---

* جز ممدوح محمود را کہ در سلک مادحان او بودہ ام محمدت نکردہ ام و بادشاہ زادہ کہ بنا بر اخلاص خدمت بتخلص آو التفاتی نمودہ ام و یا بزرگی را کہ ممدوح خردہ دان بزرگ داشت فرمودہ است ۔“ دیباچہ غرۃ الکمال ۔ مطبوعہ ۔ صفحہ ۲۵

سپاه و راوت و رانا ز حد بیش
پیاده خود چه گویم از عدد بیش *

اس بیت میں راوت کو رانا کے ساتھ متحد کیا گیا ھے۔ اور سپاہ و پیادہ کو اس سے قدرے ممیز کیا گیا ھے —

مزید مثالیں ملاحظه هوں۔ بمعنی راجه مقدم یا سردار کے

" سواران لشکر را درپئے مقدمان لدردیو تاختن فرموده بود و به چوگان ابرو اشارت رانده که هر کجا راوتے سرباز پیش آید سرش گوئی سازند " §

" راوتان، رائی۔ چنان از پیکان زهرآلود گزیده شده بودند که از سهم زدگی می خواستند در سوراخ مور در روند " ¶

" راوتان جنگی باهمه سنگ گران خود را درا فلاخن بلا نهاده بودند " †

که راوتان را بیرهٔ تنبول باید داد تاجان سپاری کنند " £

شمالی هند میں ترکوں کے غلبے سے پہلے بالعموم راجپوتوں کی حکومت تھی۔ اور تمام مورخین نے اسے هندو سوسائٹی کا ایک نقص قرار دیا ھے کہ جنگی مہمات میں حصہ لینے کی ذمہ داری بھی تمامتر انہی کی تھی۔ راجپوت هی حکومت کرتے اور محاربہ آرائی کی خدمت بھی انہیں کے ذمے تھی۔ چنانچہ راجپوت ہی حاکم اور راجپوت

---

* دول رانی خضر خاں علیگڑھ ایڈیشن۔ صفحہ ۶۵

§ خزاین الفتوح۔ مرتبہ۔ ڈاکٹر وحید مرزا۔ صفحہ ۸۹

¶ ایضاً صفحہ ۸۱

† ایضاً صفحہ ۸۳

£ ایضاً صفحہ ۱۳۸

ہی سورما ہوتے - وہی کسی مہم کو سر کرنے کیلئے بیڑہ پان اٹھاتے ، اسلئے بعد کی صدیوں میں راوت بمعنی لشکر اور سپاہ کے معنوں میں بھی استمال ہوا ھے - کیونکہ لشکر وسپاہ انہیں پر مشتمل ھوتی تھی لیکن یہ بات کہ راوت کا لفظ پہلے راجپوتوں ہی کیلئے استعمال ھوتا - اس وقت متحقق ھوگی جبکہ کسی ماخذ سے اسکو ثابت کیا جائے- اس سلسلے میں جہاں ایک طرف لسانیات سے مدد لیجائیگی وہاں دوسری طرف تاریخی حوالوں سے بھی - پہلے ہم تاریخی حوالوں کی طرف رجوع کرتے ہیں - اس زمانے کی جتنی بھی تاریخی اور ادبی کتابیں ہیں ان میں کہیں بھی راجپوت کا لفظ استعمال نہیں ہوا ھے - ہر جگہ یہی راوت کا لفظ ملتا ھے - اس خیال کی تائید سید سلیمان ندوی اور حافظ محمود شیرانی دونوں کرتے ہیں - سید سلیمان حیات شبلی میں نو مسلم راجپوتوں کا ذکر کرتے ہوئے اپنے اس خیال کا اظہار کرتے ہیں کہ راوت کا لفظ پہلے راجپوتوں کیلئے بولا جاتا تھا - اب کہیں کہیں بولا جاتا ھے -*
حافظ محمود شیرانی اپنے مقالے " آٹھویں اور نویں صدی ہجری کی فارسی تالیفات سے اردو زبان کے وجود کے ثبوت "

میں راوت کو بریکٹ میں راجپوت لکھا ھے - † اور راوت کے یہی معنی مولوی محمد اسمعیل مولف قرآن السعدین (علی گڑھ ایڈیشن) نے لکھے ہیں '' راوت قومے ست در ھند کہ آنرا راجپوت گویند " ¶ اب دیکھنا ھے کہ ان تین معتبر بزرگوں کی یہ رائے کہاں تک صحیح ھے کہ راوت کا لفظ پہلے راجپوت کیلئے استعمال ہوتا تھا -

تاریخ فخر الدین مبارک شاہ میں ایک جگہ راتگاں بمعنی

---

* حیات شبلی - صفحہ ۵۱

† مقالات حافظ محمود شیرانی حصہ اول - مطبوعہ - مجلس ترقی اردو صفحہ ۸۵

¶ قران السعدین علی گڑھ ایڈیشن ص - ۳٦ - حاشیہ از مولوی اسماعیل -

راوتان لکھا ہوا ملتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ راتگان نہ ہو۔ دو نقطے غلطی سے پڑگئے ہوں اور وہ رانگان ہو۔ لیکین ڈینس راس کے مرتبہ نسخے میں اسیطرح دونقطوں کیساتھ چھپا ہوا ہے۔ فخرالدین قطب الدین ایبک کے لشکر کی تشکیل سے متعلق لکھتا ہے " وعدل رابران جملہ بنا نہاد کہ باچندان لشکر درضمن رایات عالیہ بودند از ترک و غوری و خراسانی و خلجی و حشم ہندوستان از راتگان و تکران * ٹھاکراں)۔

اگر یہ لفظ " راتگان " ہے نہ کہ " رانگان " تو اسے راوتان کی ایک بگڑی صورت تصور کی جا سکتی ہے اور اسکا مفہوم بھی ہو گا کہ راوت اور ٹھاکر فوج میں بھرتی کئے جاتے۔ ٹھاکر، ہندی زبان میں بھی ہے اور قدیم التائی ترکی زبان میں بھی۔ دونوں جگہ ایک ہی معنی ہیں، مالک، رب، زمیندار۔ ہندوستان میں بالعموم راجپوت زمینداروں کو کہتے ہیں، اور ٹھاکر بمعنی رب کے بھی استعمال ہوتے ہیں، چنانچہ روات بھی اسی قبیل کا لفظ ہے۔

منہاج سراج، رنتنبھور کے راجہ باہر دیو سے الغ خان (بلبن) گی جنگ کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے " تمامت آن لشکر رائی باہر دیو را اگرچہ بس انبوہ و با سلاح واسپ (خیارو راوتان نامدار) بودند منہزم گرد انید " **

" راوتان نامدار " کا فقرہ بتاتا ہے، انکا شمار مقدم اور سرداروں میں کیا جاتا مگر ایلیٹ ڈاؤسن نے اسکا ترجمہ لفظ ہیرو سے کیا ہے جو صحیح نہیں ہے۔

تاریخ فیروز شاہی کا مولف ضیاء الدین برنی لکھتا ہے

---

* تاریخ فخر الدین مبارکشاہ مرورودی المعروف بہ فخر مدبر۔ مرتبہ ڈینیسن راس مطبوعہ لندن صفحہ ۳۳

** طبقات ناصری ج۔ دوم، صفحہ ۲۲ نسخۂ حبیبی۔

” ودر لشکر ملک چھجو راوت و پانک ہندوستانی مانند مور و ملخ گرد آمده بود و راوتاں و پائکان معروف از پیش ملک چھجو بیره، تبول بر گرفته بودندو دعوی کرده که چتر سلطان جلال الدین خواهم زد۔ *

پائیک پیادہ کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔ اور یہی معنی یہاں بھی ہیں لیکن بہت سے پائیک نامی گرامی پہلوان بھی تھے چنانچہ راوتاں کا مفہوم یہاں پر بہادر راجپوتوں سے ہے یا ان راجپوت سرداروں سے ہے جو ملک چھجو کے لشکر میں جمع ہوگئے تھے۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل عبارت سے واضح ہوگا۔

„ ورائے رنتنبھور با راوتان و مقدمان معروف و زن و بچه ایشان حصاری شد „ §

اب خسرو کی مثنوی دول رانی و خضر خاں سے کچھ اقتباسات ملاحظہ ہوں۔ ان سے اس امر کا قطعی فیصلہ ہوجائیگا کہ راوت، راجپوت کیلئے بولتے تھے۔

از آں پس شه بدولت شد روانه
برسم گشت برسمت سمانه ¶
بدانجا بود رائی سخت بازو
گسسته سنگ رایاں را ترازو
درشت اهرمنی نامش ستلدیو
همش راوت بفرماں همش میو †

---

* تاریخ فیروز شاہی، مؤلفہ سید احمد خاں مطبوعہ ۱۸۶۲ صفحہ ۱۸۲

§ ایضاً صفحہ ۲۱۳

¶ جگہ کا نام۔

† میو۔ قوم کا نام۔

میو یا میواتی، جنہیں دلی کے لوگ حقارت سے میوڑا بھی کہتے تھے، ایک مشہور معروف جنگجو قوم ہے جو ہریانے کے علاقے میں بیشتر آباد تھی۔ چنانچہ آخری بیت کا یہ مفہوم ہے۔ کہ راجہ ستلدیو کے زیر فرمان اس علاقے کے تمام میو اور راوت یعنی راجپوت تھے۔

اس سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ اس زمانے میں راجپوت کیلئے راوت ہی کا لفظ استعمال ہوتا۔ کیونکہ یہاں راوت کو میو کی طرح ایک قوم بتایا گیا ہے اور چونکہ وہی بشتر زمیندار اور راجے مہا راجے ہوتے اور انہیں کا لشکر بھی ہوتا اسلئے راوت کے کئی معنی پیدا ہوگئے۔

اب ہم لفظ راوت کا لسانی تجزیہ کرینگے لیکن اس سے پہلے یہ بتانا ضروری ہے کہ راجپوت کسی ایک نسلی گردہ کا نام نہیں ہے جیسا کہ یہ لفظ خود بتاتا ہے کہ اسکے لغوی معنی شاہزادے کے ہیں راج + پوت۔ یہ ہندو معاشرت کا تحفہ ہے کہ اُس نے مختلف پیشے کے لوگوں کو قوم میں تبدیل کردیا۔ پیشہ ورانہ ناموں نے قومیت کا روپ دھار لیا۔ مثلاً دھنیا، جولاہہ، علیٰ ہذا القیاس۔ اسکا سبب یہ ہے کہ چونکہ ہندو سوسائٹی ایک جامد اور بند سوسائٹی تھی، پیشہ ور لوگوں کو اپنے اپنے پیشے کو بدلنے کی اجازت نہ تھی۔ وہ مجبوراً نسل بعد نسل اپنے آبائی پیشے پر قائم رہتے، اس تسلسل روایات کی وجہہ سے انہیں ایک جات یا قوم تصور کر لیا جاتا۔ چنانچہ ایسا ہی راجپوتوں کے ساتھ ہوا، انہیں حکمراں قوم تسلیم کرلیا گیا۔ ورنہ راجپوت نام کا کوئی نسلی گروہ نہیں ہے۔ مختلف نسلی گروہ کے لوگ راجپوت کہلاتے، اور جو قبیلے راجپوت نہ ہوتے وہ حکمراں بننے کے بعد راجپوت کہلاے مثلاً بندیل کھنڈ کے چنڈال حکمراں بنکر اپنے کو راجپوت کہنے لگے تھے (ٹود) چنانچہ راجپوت قبیلوں سے متعلق بعض دلچسپ باتیں جیمس ٹوڈ نے اپنی کتاب Annals and Antiquities of Rajasthan* میں لکھی ہیں۔ وہ

---

* مطبوعہ لندن ۱۹۱۴ - ص ۱۷۴

لکھتا ھے کہ راجپوت چھتیس قبیلوں میں منقسم ہیں ، اور ان قبیلوں کی تاریخ کے متعلق یہ دلچسپ بات دیکھنے میں آئی ھے کہ جب راجپوتوں کا کوئی ایک قبیلہ دوسرے قبیلے سے ھار جاتا ھے تو وہ اپنا شاھی خطاب بھی اسکے حوالے کردیتا ھے۔ مثلاً منڈور کے پری ھارا راجپوتوں نے اپنا خطاب رانا کا ، کسی جنگ میں مفتوح ھو کر میواڑ کے شاھزادوں کو دیدیا جنوں نے اسے چھوڑ کر اس سے ایک قدیم تر خطاب راول اختیار کرلیا ۔ چنانچہ اس قبیل کے جتنے الفاظ ہیں ، رائی ، راؤ ، راجہ ، راجیہ ، راول رانا ۔ وغیرہ سب ھم معنی ہیں ۔ رانا کی تانیث رانی ھے جو راجہ کے ساتھ بھی استعمال ھوتی ھے راجہ رانی ۔ اور ان سارے الفاظ کا بنیادی ماخذ قدیم مصری زبان کا لفظ را ھے جسکے معنی بادشاہ کے ہیں۔ اوراسی سے انگریزی زبان کا Roy بھی ھے ۔ اب ھم راوت کی طرف متوجہ ھوتے ہیں جسکی اصل صورت رائے + پوت ھے اوراسکی دوسری صورت راج + پوت ھے کیونکہ 'ی' جیم سے اور جیم 'ی' سے بدل جاتی ھے ۔

یوں تو راوت کا لفظ گجراتی ، مرھٹی، ھندی اور اُردو ان ساری زبانوں میں ملتا ھے اور کم و بیش ایک ھی قسم کے معنوں میں استعمال ھوتا ھے ۔ کہیں سردار ، اور راجہ کے معنوں میں تو کہیں ، سوار ۔ بہادر ، سپاھی اور لشکری کے معنوں میں ۔ مصحفی کا ایک شعر ملاحظہ ھو ۔

ترے مژگاں کی راوت چڑھ گئی جب اُن پہ لڑنے کو
پڑی پونا کے اندر کھلبلی سارا دکن بگڑا

چنانچہ یہ لفظ فرھنگ آصفیہ ، نوراللغات میں موجود ھے ۔ اور فارسی کے لغات میں سے غیاث اللغات میں بھی ملتا ھے جہاں اس کے معنی سردار اور مہتر کے دئے ھوئے ہیں ، لیکن ان لغات میں نہ تو اس کی شکلیات سے بحث کی گئی ھے اور نہ اس کے ماخذ معلوم کرنے کی کوشش کی گئی ھے ۔ مگر جان ٹی پلیٹس نے اس کے ماخذ اور شکلیات سے متعلق بھی کچھ اشارے اپنی لغت اُردو ، ھندی اور انگریزی میں کئے ہیں ۔

وہ راوت کی تین صورتیں بتاتا ھے۔ ایک یہی واؤ معروف سے جہاں واؤ حرف سالم ھے یعنی راوت اس کی دوسری صورتیں یہ ہیں۔ ایک واؤ مجہول سے جہاں واؤ کی حیثیت حرف علت کی ھے اور اسے کھینچ کرپڑھا جائے جیسے रायुत رایوت، اس سے هلکی صورت रायुत رایوت ھے۔ ان تینوں صورتوں میں اس لفظ کے دو ریشے یا اجزائے ترکیبی ہیں۔ ایک را یا رائی اور دوسرا وت یا یوت "را" یا رائی آزاد ریشہ ھے معنی اس کے بادشاہ، راجہ کے ہیں، لیکن وت بستہ ریشہ ھے اس کے کوئی آزاد معنی نہیں ہیں۔ اس کے برعکس یوت پوت کی بدلی ہوئی صورت ھے۔ اور اس کی اصل صورت رائی پوت قرار دی جاسکتی ھے۔

چونکہ عربی زبان میں پ کا حرف نہیں ھے اسلئے معلوم ہوتا ھے پوت کی پ اولا ب سے اور پھر بعد میں و سے بدل گئی۔ اور رائی پوت سے یہ لفظ رایوت اور پھر راوت بن گیا۔

ایک ہندی لغت نالندا و شال ساگر میں۔ راوت کے پانچ معنی دیئے ہوئے ہیں۔ چھوٹا راجہ، ویر، بہادر، سردار، سیناپتی۔ لیکن چونکہ اس میں اسکی شکلیات (مار فو لو جی) اور حروف تہجی سے بحث نہیں کی گئی ھے اسلئے اسکو صرف نظر کر رھا ھوں کیونکہ کم و بیش یہ معنی تو اردو اور فارسی لغات میں بھی دے ہوئے ہیں۔ ان ساری باتوں کو سمیٹتے ہوئے میں جس نتیجے پر پہونچا ہوں وہ یہ ھے کہ اصلا یہ لفظ رائی + پوت، متبادل راج + پوت تھا۔ اور پھر اسی سے راوت یا راوت بن گیا معلوم ایسا ہوتا ھے کہ خسرو کے عہد میں بعض الفاظ سے بعض حرف کو گرا دینے کا کوئی خاص رواج تھا۔ مثلا خسرو اور انکے معاصر سر جو ندی کو سرؤ، جمنا کو جون لکھتے ہیں اور امیر خسرو نے ملک خسرو کی ہندو قوم برادو کو براؤ لکھا ھے۔ اسطرح کی صوتیاتی تبدیلیوں کے کیا اسباب تھے، اسپر تحقیق کئے جانے کی ضرورت ھے۔ یہاں تو صرف یہ بتانا مقصود ھے کہ راوت اصلا راج پوت یا رائے پوت ہی تھا۔ اور چونکہ راجپوت

بہادر اور سورما ہوتے ، جان کی بازی لگاتے، اور لشکر میں بالعموم انہیں کو بھرتی کیا جاتا اس لئے اسکے ثانوی معنی سردار لشکر ، بہادر ، سورما کے پیدا ہوتے گئے ، اسیطرح چونکہ بیشتر علاقوں میں وہی زمیندار ، راجہ وغیرہ ہوتے اسلئے مقدم ، یا سردار کے معنوں میں اس لفظ کو استعمال کیا جاتا ۔

جہانتک کہ خسرو کے نانا صاحب دیوان عرض ممالک دہلی (طبقات ناصری) کو راوت عارض (خسرو) یا راوت عرض (برنی) کہنے کا تعلق ہے ۔ انہیں راوت عارض یا راوت عرض اسلئے نہ کہا جاتا کہ وہ راوتوں کے عارض (Inspector General) تھے کیونکہ اس طرح کا کوئی محکمہ یا دیوان سلاطین دہلی کے عہد میں نہ تھا ۔ مزید یہ کہ خسرو کے زمانے میں راوت کا لفظ عمومیت کیساتھ لشکر اور سپاہ کے معنوں میں استعمال نہ ہوتا ۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو خسرو کو ''راوتان جنگی''* اور ''راوتان ہندو ابی سوار''** لکھنے کی ضرورت پیش نہ ہوتی ۔ اور نہ یہ مصرعہ لکھتے جسے اوپر نقل کیا گیا ہے ع ہمنش راوت بفرماں ہمش میو ۔ کیونکہ اس مصرعے میں راوت کا لفظ بمعنی ایک قوم کے استعمال ہوا ہے مفہوم یہ کہ اس طرف کے تمام راجپوت اور میو اسکے زیر فرمان تھے ۔

چنانچہ اب یہ بات آسانی سے کہی جاسکتی ہے کہ عماد الملک کو راوت اس لئے کہتے کہ وہ اصلاً راجپوت تھے اور چونکہ خسرو نے انہیں رائے کے لقب سے بھی یاد کیا ہے یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ وہ یا تو راجپوتوں کے کسی حکمراں خاندان سے تعلق رکھتے ۔ یا اسیر ہونے سے پہلے خود کسی علاقے کے راجہ یا Chieftain تھے ۔ اور ان کا یہ خاندانی خطاب راوت ، شاہی ملازمت کے دوران بھی استعمال ہوتا رہا ۔ اسلام قبول کرنے سے پہلے ان کا نام کیا تھا اس کا کچھ اشارہ خسرو نے عماد الملک کے مرثیئے میں مہیا کیا ہے ۔ لیکن میں خود اس کی

---

* خزاین الفتوح ۔ مرتبۂ ڈاکٹر وحید مرزا ۔ ص ۸۴

** ایضاً

نشاندھی نہ کروں گا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد ان کا نام غالباً عماد الدین تھا، جیسا کہ خسرو انہیں گاہ گاہ عماد اور عمادی کے نام سے یاد کرتے ہیں، اس سلسلے میں اعجاز خسروی کا بھی مطالعہ کیا جاسکتا ھے۔ ممکن ھے اسی عماد الدین سے ان کا خطاب شاھی عماد الملک ھوا ھو، یا عماد الملک سے عماد الدین کا نام تجویز کیا گیا ھو۔ دونوں صورتیں ھوسکتی ہیں۔ ورنہ متعارف خطاب اس زمانے کا عمدۃ الملک ھے جو ھم معنی ھے عماد الملک کے۔ ان اشارات کے بعد میں آگے بڑھتاھوں۔ ضروری نہیں کہ ساری باتیں میں خود ھی متحقق کروں، کچھ دوسروں کے لئے بھی چھوڑنا چاھیئے۔

ھمیں یہ نہیں معلوم کہ خسرو کے نانا راوت عارض کس جنگ میں اسیر ھوکر شاھی ملازمت میں داخل ھوئے۔ اور نہ یہ معلوم ھے کہ وہ کہاں کے رھنے والے تھے۔ لیکن جو کچھ کہ خسرو نے ان کے مرثیئے میں انکی گونا گوں صفات کا ذکر کیا ھے اس سے یہ پتہ چلتا ھے کہ وہ ایک سورما، بہترین سوار، پہلوان، راوت ژوبین زن ھی نہیں بلکہ صاحب قلم بھی تھے۔ ان کی حیثیت دربار شاھی میں، ایک دستور، ایک مشیر، کی بھی تھی۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ھے کہ وہ سنسکرت اور ھندوی زبان سے خوب واقف تھے، اور کیا عجب جو ستر سال کی مدت خدمت گزاری میں انہوں نے فارسی زبان پر بھی عبور حاصل کر لیا ھو۔ اور انکے تدبر اور فراست کا پتہ تو اس سے چلتا ھے کہ وہ ستر سال تک ایک ہی عہدے پر فائز رھے اور کوئی بھی سلطان انہیں اپنی جگہ سے نہ ھٹا سکا حالانکہ وہ ھندی الاصل تھے اور ان کے خلاف بھی سازشیں چلتی رھی ھونگی۔

خسرو نے یہ بھی لکھا ھے کہ وہ ترکوں کے دین کے محافظ تھے اور نفاذ شرع رسول میں ھمیشہ کوشاں رھتے۔ ان کی داد و دھش کی داستان جو خسرو نے بیان کی ھے وہ مبالغے سے خالی نہیں، مگر برنی نے بھی کچھ کم ان کی داد و دھش سے متعلق نہیں لکھا ھے۔

قطع نظر اس داد و دہش کے جو وہ اپنے دیوان کے ملازمین کے ساتھ روا رکھتے ، ہر سال سینکڑوں لوگوں کو خلعتیں ، انعام و اکرام دیا کرتے ، اور ان کے دسترخوان پر بے شمار آدمی کھانا کھایا کرتے ، اور صرف پان شربت کی خدمت گزاری پر ساٹھ غلام حاضر خدمت رہا کرتے برنی انکی دینداری کی بھی تعریف کرتا ہے '' انہوں نے بہت سے گاؤں خیرات و صدقات کے لئے وقف کردیئے تھے ، چنانچہ آج تک کہ ان کی وفات کو کئی قرن گزر چکے ہیں انکا وقف کیا ہوا گاؤں باقی ہے اور اس کی آمدنی مستحقین پر خرچ ہوتی ہے ان کی روح کو ثواب پہونچانے کے لئے کھانا دیا جاتا ہے اور ختم قرآن پڑھا جاتا ہے ۔ *

میں نے اس مضمون کے شروع میں یہ بات کہی تھی کہ صرف دور حاضر کے بعض بعض مصنفین نے خسرو کے نانا عماد الملک کے ہندی الاصل ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے ۔ کیونکہ جہاں تک کہ دور متقدمین اور دور متوسطین کے تذکرہ نگاروں کا تعلق ہے ان میں سے کسی نے اس طرف اشارہ نہیں کیا ہے کہ خسرو کے نانا عماد الملک ہندی الاصل تھے ۔ اس سے اگر کوئی شخص مستثنیٰ ہے تو وہ علی شیر نوائی ہیں ۔ وہ اپنی ایک تصنیف '' مقامات " میں تحریر کرتے ہیں ۔

'' وہ جس نے شہر گنجہ میں (اشارہ نظامی گنجوی کی طرف ہے) اپنا خزانہ دبایا اور ہر خزانے کا منہ بند کر گئے اور اونچے ٹیلے بنادئے یا وہ (جو) ہندوستان میں زن ہندو کے بطن سے پیدا ہوا اور ان ٹیلوں پر محل تعمیر کر گیا (یہ اشارہ خسرو کی طرف ہے) ۔ دونوں میں سے کس کی راہ چلوں ۔ سرچا کہ محلوں کے گردا گرد شہر بسانا چاہئے ۔ وہیں گل و گلزار کرنا چاہیئے ۔" **

---

* تاریخ فیروز شاہی اردو ترجمہ ۔ ص ۲۰۰

** یہ ترجمہ مقامات کا ظ ' انصاری کا کیا ہوا ہے ۔ اور انکے ایک مضمون '' امیر خسرو کے غیر ملکی قدر دان " سے ماخوذ ہے جو آجکل (دہلی) کے امیر خسرو نمبر ۱۹۷۵ء میں شایع ہوا ہے ۔

امیر خسرو دہلوی کا مولد دہلی تھا نہ کہ پٹیالی

امیر خسرو سے متعلق جہاں بہت سے افسانے گڑھے گئے، ایک افسانہ یہ بھی وضع کرلیا گیا کہ وہ پٹیالی میں پیدا ہوئے تھے - چنانچہ راویان رنگیں بیاں یوں تحریر کرتے ہیں کہ ''چوں پدرش امیر سیف الدین لاچین بہ ہند افتاد در قصبهٔ پٹیالی از توابع دہلی رنگ اقامت ریخت و دختر عمادالملک کہ از امرائے عصر بود در حبالهٔ نکاح در آورد و امیر خسرو از بطن او در پٹیالی متولد شد -'' † مگر خزانهٔ عامرہ تو بہت بعد کی تصنیف ہے، سب سے پہلے اس افسانے کو جہانتک میں دریافت کرسکا ہوں حامد فضل اللہ جلالی نے سیرالعارفین میں تصنیف کیا وہ لکھتے ہیں کہ '' تولد او در قصبهٔ مومن آباد است کہ اورا قصبهٔ پٹیالی گویند بکنارگنگ واقع است ''- * اسکے بعد وہ لکھتے ہیں جسکا ترجمہ یہ ہے کہ ''جب امیر سیف الدین نے شہادت پائی تو امیر خسرو نو سال کے تھے - ان کے نانا ادب ** عرض جو عمادالملک کے خطاب سے مشہور تھے اور جنکی توصیف خسرو نے غرۃ الکمال کے دیباچے میں

---

† خزانہ عامرہ، مطبوعہ نولکشور ص - ۲۹ -

* سیرالعارفین - مطبوعہ ۱۳۱۱ھ ص - ۶۵ -

** یہ خرابی ہے راوت عرض کی -

کی ہے اور جو ایک ولی اللہ تھے۔ انہوں نے خسرو کی تربیت کی۔ جب خسرو پانچ سال کے ہوئے تو وہ مومن آباد سے دالخلافہ دھلی میں لائے گئے § اس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ جب خسرو کے والد ہندوستان میں وارد ہوئے تو وہ اولاً قصبۂ پٹیالی میں متوطن و متاہل ہوئے اور وہیں خسرو کی پیدایش ہوئی - اور جب خسرو پانچ سال کے ہوئے تو ان کے والد دھلی میں آئے اور سب سے پہلا کام یہ کیا کہ شیخ نظام الدین اولیاء کے مرید ہوئے اور خسرو کو بھی مرید کرایا - بہرحال یہ افسانہ خواہ سیرالعارفین سے پھوٹا ہو، یا اس سے قبل کے کسی تذکرے سے جو آج دستیاب نہیں ہے دو الگ الگ واقعات کو جوڑنے سے پیدا ہوا ہے۔ ایک وہ واقعہ جو اصلاً سیرالاولیاء سے نقل کیا جاتا ہے کہ جب خسرو پیدا ہوئے تو ان کے والد امیر سیف الدین لاچین انہیں کپڑے میں لپیٹ کر اپنے کسی ہمسایہ مجذوب ولیٔ نعمت کے پاس لے گئے، تاکہ وہ انکے حق میں کوئی دعائے خیر کرسکے۔ امیر خورد نے یہ واقعہ اپنے والد کی زبانی نقل کیا ہے۔ لیکن یہ واقع کہاں کا ہے، کس جگھ خسرو پیدا ہوئے تھے۔ اس میں ان باتوں کا ذکر نہیں ہے - اور نہ یہ لکھا ہوا ہے کہ جب انکے والد وارد ھندوستان ہوئے تو وہ پٹیالی میں متوطن اور متاہل ہوئے۔

دوسرا واقعہ جو سیرالاولیا سے نقل کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ جب شیخ نظام الدین اولیاء معزالدین کیقباد کے زمانے میں شہر دھلی کی روز بروز گرتی ہوئی اخلاقی حالت سے عاجز آگئے اور یہ محسوس کرنے لگے کہ اب اس شہر میں ایمان کو محفوظ رکھنا ممکن نہیں تو انہوں نے غیاث پور میں سکونت اختیار کرنے سے پہلے ایکبار اس خیال کا اظہار کیا کہ کبھی کبھی میں یہ سوچتا ہوں کہ پٹیالی چلا جاؤں جہاں ان دنوں ترک (یعنی امیر خسرو) رہ رہا ہے۔ * چنانچہ ان دونوں الگ الگ

---

§ سیرالعارفین مطبوعہ ص - ٦٥

* اس واقعے کو فوائیدالفواد میں بھی تحریر کیا گیا ہے۔

واقعات کو جوڑ کر لوگوں نے یہ بات وضع کرلی کہ خسرو کے والد پٹیالی میں سکونت پذیر تھے اور وہیں خسرو کی پیدایش ہوئی - لیکن چونکہ اس افسانے میں حقیقت کا خون بھی دیباچۂ غرۃ الکمال کی ایک عبارت کی غلط تفہیم سے ڈالا گیا ھے۔ اس لئے سب سے پہلے میں اسی عبارت کو زیر بحث لاؤنگا -

خسرو غرۃ الکمال کے دیباچے میں اپنی سرگزشت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جب سلطان محمد والیٔ ملتان، میدان جنگ میں شہید ہوئے تو ناپاک مغل یا تتاری، مجھے گرفتار کرکے اپنے ساتھ لے گئے۔ مگر وہ بہت جلد رہا ھوکر ملتان لوٹ آئے۔ اور پھر وھاں سے دلی اپنی والدہ ماجدہ سے ملنے آئے۔ کچھ دنوں دلی میں قیام کرکے وہ پٹیالی چلے گئے - جہاں انکی والدہ کے کوئی عزیز اور خود خسرو کے چند اعزا رہتے تھے۔ وہاں انہوں نے کچھ مدت قیام کیا، لیکن چونکہ وہ نظام الملک کی چیرہ دستی اور مخاصمت سے اپنے کو وھاں محفوظ اور مصئون نہیں سمجہتے تھے اسلئے وہاں سے بالا بالا حاتم خان کی پناہ میں اودھ چلے گئے جہاں انہوں نے دو سال تک قیام کیا - اس سیاق و سباق میں اب خسرو کی عبارت ملاحظ ھو۔ چونکہ اس عبارت میں انہوں نے دہلی کو اسکے لقب قبتہ الاسلام سے یاد کیا ھے اسلئے یہ بتانا بھی ضروری ھے کہ ہمارے بہت سے مورخین بہت دنوں تک منارۂ قطب کے پاس کی جامع مسجد قوت الاسلام کو قبۃ الاسلام لکھتے رہے ہیں اور وہ اس حقیقت سے بے خبر تھے کہ قبۃ الاسلام دھلی کا لقب تھا نہ کہ مذکورہ مسجد کا نام - چنانچہ خسرو اپنی مثنوی قرآن السعدین میں ''صفت حضرت دہلی کہ سواد اعظم است'' کے باب میں یوں سخن سنج ہیں -

گر شنود قصۂ ایں بوستان
مکہ شود طالف ہندوستان

قبۂ اسلام شدہ در جہان
بستۂ او قبۂ ہفت آسمان *

چنانچہ خسرو نے متعدد جگہوں میں حضرت دھلی کو قبۃالاسلام ھی کے لقب سے یاد کیا ھے - اور شہر دھلی کا نام نہیں لیا ھے - اب اس تشریح کے بعد وہ عبارت ملاحظہ ھو -

''در آن کانون بلا (مراد اس جنگ سے ھے جو سلطان محمد شہید والیٔ ملتان کی کافر مغلوں سے ہوئی تھی اور جس جنگ میں امیر خسرو کو گرفتار کر کے تاتاری کچھ دور دریائے بیاس تک لے گئے تھے) سرانیز رشتۂ دامن گیر شد (دیباچۂ غرۃالکمال کے مطبوعہ نسخے میں یہ جملہ قدرے مختلف ھے - در آں کانون بلا سرانیز رشتۂ کافراں گلو گیرشد) اما چوں رشتۂ عمرم خدائی دراز دادہ بود خلاص یافتم و آن شہر بلا را لا زدم، و بتماشائی قبۃ الاسلام (حضرت دھلی کا لقب) آمدم وزیر قدم مادر، بہشتی شدم - اورا خود حالے کہ چشمہا برمن اُفتاد - جوئے شیرش از اشفاق رواں شد -

بہشت زیر قدمہائے مادر ست مدام
دو جوئے شیر رواں بیں از اُو نشان بہشت

ترجمہ - یہ ترجمہ لفظی نہیں بلکہ مطلب کی وضاحت کے نقطۂ نظر سے کیا گیا ھے -

اس مصیبت میں تتاری مجھے بھی گرفتار کر کے لے گئے - چونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے عمر دراز بخشی تھی - مجھے اس مصیبت سے گلو خلاصی ملی اور میں اس مصیبت کے شہر یعنی ملتان کو خیر باد کہکر دھلی آیا اور اپنی والدہ ماجدہ کے قدموں میں سر ڈال کر، سعادت دارین حاصل کی - ادھر میری والدہ کا یہ حال تھا کہ جوں ھی انکی نظر مجھ

---

* قران السعدین - علی گڑھ - ص ۲۹

پر پڑی ، فرط محبت سے جوئے شیر رواں ہو گئی -

کوئی بھی صاحب نظر اس عبارت سے یہ نتیجہ اخذ نہ کریگا کہ انکی والدہ دلی میں نہیں بلکہ پٹیالی میں رہتی تھیں - اور وہ دلی سے پٹیالی اپنی والدہ سے ملنے کیلئے گئے - لیکن بعض حضرات نے یہی نتیجہ اس سے اخذ کیا ھے - اور حسب دلخواہ اسکے بعد کے جملوں میں اپنے تذکروں میں نقل کرتے ہوئے تحریف سے کام لیا ھے - تحریف کا حال تو میں بعد میں لکھونگا - فی‌الحال تو دیباچۂ غرۃ الکمال سے اسکے بعد کے جملے پیش کر رہا ہوں -

'' چند گاہ بدیدار عزیز مادر و عزیزان دیگر در قلعۂ مومن پور عرف بتیالی (پٹیالی) بر لب آب گنگ روزگار خوش گزارہ می کردم - '' *

یہ عبارت دیباچۂ غرۃ الکمال کے مطبوعہ نسخے میں بھی ھے اور ان ساری کلیات خسرو کے نسخوں میں جنکا حوالہ میں نے سے اس کتاب میں دیا ھے - لیکن یہاں میں دیوان غرۃ الکمال کے ایک ایسے مخطوطے کا حوالہ دے رہا ہو جو مرزا لعل بیگ ، مولف ثمرات القدس کی ملکیت میں تھا - اور جس پر اسکے ہاتھ کی لکھی ہوئی یہ تحریر ھے کہ میں نے یہ نسخہ سنہ ۱۰۰۰ ہجری میں حاصل کیا اور اس وقت حسن اتفاق سے، ایم لعل بیگ کے ثمرات القدس کا ایک مستند مخطوط اور غرۃ الکمال کا مذکورہ نسخہ یہ دونوں کراچی نیشنل میوزیم میں موجود ہیں - † لیکن جب مرزا لعل بیگ دیباچۂ غرۃ الکمال سے خسرو کی وہ عبارت اپنے تذکرے ثمرات القدس میں نقل کرتا ھے تو خسرو کے مذکورہ بالا جملے میں یہ تحریف کردیتا ھے -

---

* دیباچۂ غرۃ الکمال مخطوطہ - نیشنل میوزیم کراچی -

† غرۃ الکمال مملوکہ - ایم لعل بیگ - جو شہزادہ مراد کا میر بخشی تھا - اس مخطوطے کو ایک نامکمل کلیات ہی سمجھنا چاہئے کیونکہ اس میں بقیہ نقیہ کے علاوہ چند نادر مثنویاں بھی ہیں -

'' چندگاہ بدیدار مادرش عزیزو عزیزان دیگر در قلعۂ موسن پور عرف پٹیالی بر لب آب گنگ روزگارے خوش می گزرا نید '' *

خسرو کے جملے کی یہ تحریف اس امر کا ثبوت ہے کہ مرزا لعل بیگ مولف ثمرات القدس خسرو کی عبارت کو سمجھنے سے قاصر رہا۔ وہ قبۃ الاسلام کو سمجھ نہیں پایا اور یہ نتیجہ اخذ کیا کہ وہ اپنی والدہ سے ملنے پٹیالی گئے۔ یہ مفہوم بالکل غلط ہے خسرو کی والدہ مستقلاً دلی میں رہتی تھیں۔ اور اس بات کے مزید ثبوت میں آگے مہیا کروں گا۔ فی الحال تو یہ کہنا ہے کہ وہ دلی ھی میں اپنی والدہ ماجدہ سے ملے اور پٹیالی اپنی والدہ کے کسی عزیز اور اپنے دوسرے اعزا سے ملنے کیلئے گئے نہ کہ اپنی والدہ سے ملنے کیلئے۔

خسرو نے '' بدیدار عزیز مادر '' لکھا ہے نہ کہ '' بدیدار مادر عزیز '' دونوں فقروں میں جو فرق ہے وہ واضح ہے فارسی سے ایک ناواقف شخص بھی یہ مطلب نکالے گا کہ وہ اپنی والدہ سے ملنے پٹیالی گئے۔

بہر حال خسرو کی محولہ بالا عبارت کی اسی غلط تفہیم سے بہت سے لوگوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ چونکہ خسرو کی والدہ پٹیالی میں رہتی تھیں اسلئے خسرو یقیناً وہیں پیدا ہوئے ہونگے۔ اب یہ دیکھئے ثمرات القدس کا یہ مولف جسکے تذکرے کا اتنا چرچا ہے کیونکر مختلف ماخذ سے غلط باتیں اخذ کرکے خسرو کی کہانی مرتب کرتا ہے۔

اُنچہ بایں فقیر رسیدہ، اینست۔ وے (خسرو) از مقبولان وہ محبوبان حضرت سلطان المشایخ شیخ نظام الدین بودہ و مصحف دار وے '' خسرو کب شیخ نظام الدین کے مصحف دار رہے ہیں اس نے ایک یہ نیا شگوفہ چھوڑا۔ اسکے بعد سیرالاولیاء سے غلط نقل کرتا ہے۔ سیرالاولیاء میں کہیں بھی یہ نہیں لکھا ہوا ہے کہ خسرو پٹیالی میں پیدا ہوئے۔

---

* ثمرات القدس مخطوطہ نیشنل میوزیم کراچی۔ ص ۲۹۳-۲۹۶

لیکن وہ بیدھڑک سیرالاولیا کے حوالے سے لکھتا ہے کہ خسرو پٹیالی میں پیدا ہوئے ''در سیرالاولیاء می آرد کہ چوں وے (خسرو) در قصبۂ پٹیالی کہ از قصبات مشہور ہند است، متولد گردید پدرش سیف الدین لاچین در پیراہن پیچیدہ پیش مجذوبے کہ در جوارخانۂ وے می بود پیش وے بنہاد۔'' ''و ہم در سیرالاولیاء می آرد۔ چوں امیر در پٹیالی متولد گردید و سن شریفش بہ پنج سالگی رسید پدروے از آنجا بدہلی آورد و در خدمت سلطان علاء الدین خلجی بداشت۔ چوں بہفت سالہ شد مرید شیخ نظام الدین گردید۔'' *

اس نے جو یہ دونوں باتیں سیرالاولیاء منسوب سے کی ہیں بلکل بے بنیاد ہیں۔ سیرالاولیا میں یہ باتیں نہیں لکھی ہوئی ہیں۔

اب ایسی ہی ایک اور غلط بیانی مطلوب الطالبین سے ¶ ملاحظ ہو۔

''نقل است از کتاب سیرالاولیاء آنروز کہ امیر خسرو متولد گشت پدرش امیر سیف الدین کہ ترک لاچین بود اورا در جامۂ پیچیدہ پیش دیوانہ صاحب دیوانہ کہ در ہمسائیگی وے سکونت داشت فرو بردے ....'' اسکے فوراً بعد یہ جملہ لکھتا ہے۔ ولادت وے در قصبۂ مومن آباد عرف پٹیالی برکنارہ آب گنگ است اما نشو و نما در دھلی یافت''

کوئی بھی پڑھنے والا مطلوب الطالبین کی اس عبارت سے یہی مفہوم اخذ کرے گا کہ یہ ساری عبارت سیرالاولیا سے نقل کی گئی ہے۔ اور مولف سیرالاولیاء نے یہ بات لکھی ہے۔ کہ خسرو پٹیالی میں پیدا ہوئے۔ لیکن میں یہ بات پہلے بتا چکا ہوں کہ سیرالاولیاء میں کسی بھی حکایت اور قصے کے حوالے سے یہ بات لکھی ہوئی نہیں ملتی ہے کہ وہ پٹیالی میں پیدا ہوئے۔ بلکہ اس کے برعکس یہ لکھا ہوا ہے کہ خسرو کے

---

* ثمرات القدس۔ از ایم لعل مخطوطہ نیشنل میوزم کراچی ص۔ ۲۹۴-۲۹۶

¶ مطلوب الطالبین۔ از محمد بلاق محظوط۔ نیشنل میوزیم کراچی ص۔ ۲۳۵۔

نانا عماد الملک کی ایک کوٹھی دھلی میں تھی، جہاں کچھ دنوں شیخ نظام الدین نے سلطان بلبن کے زمانے میں وہاں قیام کیا۔ اور خسرو کا مکان اس زمانے میں نمک سرائے میں تھا۔ *

ان چند اقتباسات سے یہ بات بالکل واضع ہو جاتی ھے کہ اس افسانے کی تخلیق کہ خسرو پٹیالی میں پیدا ہوئے دو غلط باتوں سے ہوئی ھے۔ ایک یہ کہ سیرالاولیا میں جو واقہ کہ خسرو کے والد کا خسرو کو لیکر کسی مجذوب کے پاس لے جانے کا لکھا گیا ھے۔ اس میں اسکا ذکر نہیں ھے کہ یہ واقعہ کہاں کا ھے۔ لیکن چونکہ غرۃ الکمال کے دیباچہ کی مذکورہ عبارت سے بر بنائے نقص تفہیم لوگوں نے غلط نتیجہ نکالا کہ خسرو کی والدہ پٹیالی میں رہتی تھیں اور خسرو پٹیالی اپنی والدہ سے ملنے کیلئے گئے تھے۔ اس لئے ان دونوں باتوں کو جوڑ کر یہ افسانہ تراش لیا گیا کہ خسرو پٹیالی میں پیدا ہوئے اور اس کو سیرالاولیاء کی اس حکایت میں جذب کر دیا گیا جو خسرو کو مجذوب کے پاس لے جانے کی ھے۔ رہ گئی یہ بات کہ خسرو کے والہ ہندوستان میں وارد ہونے کے بعد پٹیالی میں سکونت پذیر ہوئے وہ اس طرح غلط ھے کہ خسرو کے والد کو سلطان التتمش نے خریدا تھا۔ انکے پٹیالی میں سکونت پذیر ہونے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ھے۔ اور عمادالملک تو مستقلاً بشغل ملازمت ستر سال تک دلی ہی میں مقیم رھے اب میں اس حکایت کے تاریخی پہلوؤں کی طرف آپکی توجہہ مبذول کرنا چاہوگا۔

امیر خسرو کا سال پیدائش ۶۵۱ هجری یا اس سے ایک سال پہلے یا بعد کا ھے۔ § اس زمانے میں قلعہ مومن پور وجود میں بھی نہیں آیا تھا۔ اور سارا وہ علاقہ جس میں پٹالی واقع ھے جیسا کہ برنی لکھتا ھے بہت ھی سرکش قسم کے ھندو راجپوتوں سے آباد تھا۔ چنانچہ بلبن نے

---

* سیرالاولیاء اردو ترجمہ ص۔ ۹۶۔

§ لیکن بیشتر لوگوں کا اتفاق ۶۵۱ هجری پر ھے۔

اپنے عہد سلطنت کے اوائل میں سومن پور کا قلعہ اسی لئے تعمیر کرایا کہ اس علاقے کے سرکش ہندو راجپوتوں کو مطیع اور فرمانبردار رکھا جائے ۔ اور کسی بھی مورخ نے دور اور نزدیک اس بات کا ذکر نہیں کیا ہے کہ تعمیر قلعہ کے پہلے وہاں مسلمان بھی آباد تھے ۔ چنانچہ اس گاؤں کا نام سومن پور تعمیر قلعہ کے بعد پڑا ۔ اس قلعے میں جسے قلعۂ سومن پور کہتے افغان لشکریوں کو متعین کیا گیا تا کہ وہ اس علاقے کے باغی اور سرکش راجپوتوں کی سرکوبی کرتے رہیں ۔ اب یہ دیکھئے کہ برنی اس علاقے کے لوگوں اور قلعہ سومن پور کی تعمیر سے متعلق کیا لکھتا ہے ۔

"میں نے معتمد راویوں سے سنا ہے کہ سلطان بلبن اسی سال کے آخر میں جبکہ وہ تخت پر بیٹھا تھا (٦٦٤ ہجری) حوالیٔ دهلی کے جنگلات کو صاف کرانے اور اُن میواتیوں کا قلع قمع کرنے میں جنکے فساد کو سلطان التتمش کی وفات کے بعد کسی نے ختم کرنے کی کوشش نہیں کی تھی مشغول ہوا ۔ میواتیوں کو ختم کرنے اور جنگلات صاف کرانے کے بعد سلطان بلبن نے دوآبہ کی ولایتوں کے اقطاع سمجھدار لوگوں کو دیئے ۔ دوآبہ کی مہم سے فراغت حاصل کرنے کے بعد سلطان بلبن ہندوستان جانے والے راستوں کو محفوظ رکھنے کیلئے دو مرتبہ شہر سے باہر آیا اور کنپل اور پٹیالی کے حدود میں داخل ہو کر چھ ماہ تک اس علاقے میں اس نے مفسدوں اور سرکشوں کو تہ تیغ کیا اور بے دریغ سروایا ۔ اور ہندوستان جانے کا راستہ صاف کردیا ۔ کنپل ، پتیالی اور بھوج پور میں قلعے اور مسجدیں بنوائیں اور یہ تینوں قلعے افغان سرداروں کے سپرد کئے ۔* اور یہی بات یحیٰ ابن احمد السهرندی نے تاریخ مبارکشاهی میں لکھی ہے ۔

ہماں سال (٦٦٤ ہجری) بجانب کویادگر (کذا) عزیمت فرمودہ و

---

* تاریخ فیروز شاہی اردو ترجمہ ص ۔ ١١٧-١٢٠

فسدۂ آں دیار را مالش دادہ باز گشت - بعد ازاں بر سمت کوهپایۂ سنتور تاخت ، بعدۂ طرف حوالی عزیمت کرد ۔ بعد چند گاہ دیگر عزیمت هندوستان کرد (دوآبہ) چوں بر لب آب گنگ رسید حصار پتیالی و بھوج پور بنا فرمود ۔*

ان دونوں مورخوں کے حوالے سے یہ بات متحقق ہوتی ہے کہ بلبن نے پٹیالی میں قلعہ ۶۶۴ ھجری اور ۶۶۶ ھجری کے درمیان تعمیر کروایا ۔ اور اسے افغان سرداروں کے حوالے کیا ظاہر ہے کہ اس زمانے میں وہاں مسلمان بزمرۂ لشکری و تابع لشکری آباد ہوئے ہونگے اور انہیں کی ضرورت کے تحت اندرون قلعہ مسجد بھی تعمیر کروائی ۔ چنانچہ اس کے بعد ھی اس گاؤں کا نام مومن پور اور اس قلعے کا نام قلعۂ مومن پور پڑا ہوگا ۔ خسرو خود اس قلعے میں بزمرۂ سواران اپنے عہد جوانی میں متعین تھے انہوں نے اس پتیالی کا جو مذمت نامہ لکھا ہے اس کا ذکر میں اسی مضمون میں آگے کے صفحات میں کرونگا اور اس وقت لوگوں پر یہ بات صحیح طور سے منکشف ہوگی کہ پتیالی خسرو کا مولد نہیں تھا ۔ لیکن چونکہ میں آہستہ آہستہ اس بصیرت افروز منظر کی طرف بڑھنا چاہتا ہوں کیونکہ دوسروں کے بیانات کی تردید بھی مقصود ہے اس لئے ذرا اس قصے کو اور طول دینا چاہتا ہوں ۔ کیونکہ صحیح معنوں میں اسی وقت اس افسانے کو ہمیشہ کے لئے دفن کیا جاسکتا ہے ۔

اس افسانے کا ایک دلچسپ پہلو یہ ہے کہ جن تذکرہ نگاروں نے یہ لکھا کہ خسرو پٹیالی میں پیدا ہوئے ، یا یہ کہ ان کے والد پٹیالی میں سکونت پذیر ہوئے اور جب خسرو پانچ برس کے ہوئے تو انکے والد دہلی آئے انکے افسانے کو تو خوب ہوا دی گئی چنانچہ براعظم ہند و پاک میں آج ہر شخص یہی لکھتا ہوا نظر آتا ہے کہ خسرو پٹیالی میں پیدا ہوئے ۔

---

* تاریخ مبارک شاہی ایشیاٹک سوسایٹی بنگال ۱۹۳۱ - ص - ۴۰ ۔

مگر جن تذکرہ نگاروں نے یہ لکھا کہ انکے والد دہلی میں سکونت پذیر ہوئے یا یہ کہ خسرو دہلی میں پیدا ہوئے ان کو نہ صرف یکسر نظر انداز کیا گیا ۔ بلکہ انکی تردید میں افسانۂ پٹیالی کو نہایت آب و تاب کے ساتھ بیان کیا گیا ۔ اس اشتہاری مہم میں مارہرہ اور علی گڑھ کے لوگ پیش پیش رہے ہیں ۔ مگر افسوس کہ ایک دہلوی بزرگ بھی انکے شریک سفر نظر آتے ہیں ۔

خسرو کے والد کے وطن اصل کے تعین سے متعلق تو ڈاکٹر وحید مرزا نے دولتشاہ سمر قندی کے بیان کی اس قدر پرزور وکالت کی ہے کہ اگر وہ غریب خود اپنی وکالت کرتا تو اتنے دلائل و براہین مہیا نہ کر پاتا جتنے کہ ڈاکٹر صاحب نے مہیا کئے ہیں سوال یہ کہ ہے اگر خسرو کے والد کے وطن اصل سے متعلق دولتشاہ کا بیان صحیح ہے تو پھر انکے نقل وطن سے متعلق اسکا بیان کیوں غلط ہے ۔ دولتشاہ سمرقندی لکھتا ہے ۔

(پدر امیر خسرو) ''بدیار ہند افتادہ بہ دہلی مقام گرفتہ''۔¶

ڈاکٹر وحید مرزا اس دولتشاہ سمر قندی کا ساتھ اس مقام پر چھوڑ دیتے ہیں اور جلدی سے کئی صدیاں پھلانگتے ہوئے دارا شکوہ کے تذکرے سفینۃ الاولیاء کے حوالے سے یہ لکھتے ہیں کہ امیر سیف الدین پٹیالی میں آباد ہوئے* اور پھر اس سے چار صفحات آگے § یہ تحریر کرتے ہیں کہ امیر خسرو پٹیالی میں پیدا ہوئے اور حاشیے میں یہ لکھتے ہیں کہ والہ داغستانی یہ لکھتا ہے کہ امیر خسرو اپنے والد کے ساتھ آئے ۔ یہ سراسر غلط ہے کیونکہ خسرو نے اپنا مولد ہندوستان بتایا ہے ع ہست مرا مولد وماویٰ وطن یہ صحیح ہے کہ خسرو نے

¶ تذکرہ دولتشاہ سمرقندی نسخہ محمد عباسی تہران ۔

* Life works of Amir Khusrue Page 13.

§ ایضاً صفحہ ۱۷ ۔

اپنا مولد ہندوستان بتایا ہے لیکن یہ تو نہیں لکھا ہے کہ میرا مولد پٹیالی ہے۔ کیا دلی ہندوستان میں نہیں ہے۔ اور کیا این زمین کا اشارہ دلی کی طرف نہیں ہے۔

آنست یکے کیں زمیں از دور زمن   ہست مرا مولد و ماویٰ و وطن *

کیا خسرو نے کہیں اسکی تشریح کی ہے کہ این زمیں کا اشارہ دلی کی طرف نہیں بلکہ پٹیالی کی طرف ہے اور کیا قطب الدین خلجی کا دارالخلافہ پٹیالی تھا کہ این زمیں کو اسکی طرف راجع کیا جائے۔

بہرحال علی قلی والہ داغستانی کی وہ حکایت خسرو سنئے جسپر شبلی اور ڈاکٹر وحید مرزا دونوں اسقدر برہم ہوئے۔ وہ لکھتا ہے۔ اصل امیر از اتراک است۔ (وہ یہ نہیں لکھتا ہے کہ وہ قبیلۂ لاچین کے ترک تھے) پدرش کہ مسمیٰ بہ سیف شمسی بودہ (اس نے خسرو کے والد کا نام سیف الدین محمود نہیں لکھا ہے) یہانتک تو وہ ٹھیک لکھتا ہے لیکن اسکے آگے ایک نیا قصہ سناتا ہے۔ "با پدر خود از نواحیٔ غزنین آمدہ گویند والدہ اش باو حاملہ بود۔ بہر حال تولد امیر خسرو در دہلی شدہ۔ و ظاہرا قول اول اصح باشد † والہ داغستانی یہ نہیں لکھتا ہے کہ خسرو دہلی میں پیدا نہیں ہوئے۔ بلکہ یہ لکھتا ہے کہ انکے والد نواحیٔ غزنین سے ہندوستان میں آئے اور خسرو بطن مادر میں تھے جب انکے والد وارد ہندوستان ہوئے۔ ظاہر ہے کہ اسکا یہ قول غلط ہے مگر اسکا یہ کہنا غلط نہیں کہ "بہر حال خسرو دہلی میں پیدا ہوئے"۔ پھر ڈاکٹر صاحب اور علامہ شبلی کو

---

* مثنوی نہ سپہر۔

† ریاض الشعراء مخطوطہ نیشنل میوزیم کراچی شمارہ ۱۲۱-۱۲۲ ص- ۲۳۶

خفگی کیوں - کیا اس لئے کہ وہ خسرو کی پیدائش پٹیالی کی نہیں بتاتا ہے -

مولف میخانہ * مخزن اخبار § کے حوالے سے لکھتا ہے کہ خسرو کے والد اپنے بھائیوں سے لڑ کر اولاً نواح بلخ میں آئے اور کچھ دنوں وہاں قیام کرکے غوربند کہ ''قصبہ ٔ از اعمال کابل است'' وہاں آئے اور وہیں ''توطن اختیار کیا اور خسرو وہیں پیدا ہوئے - ''مولف مخزن اخبار در تالیف خود آوردہ کہ تولد خسرو در آں موضع واقع شد''

کیا میخانے کا مولف اس لایق نہیں ہے کہ اسکی کھنچائی کیجائے معلوم نہیں اسے ان دو بزرگوں نے کیوں بخش دیا اگر کابلیوں کو اس کا پتہ چل جائے کہ کسی تذکرے میں یہ بھی لکھا ہے کہ خسرو توابع کابل کے غوربند میں پیدا ہوئے تو وہ بیدل کی طرح خسرو کو بھی ہتھیانے کی کوشش کریں گے -

اب آئیے ایک آخری نظر ان تذکروں پر پھر ڈال لیں جنھوں نے یہ لکھا ہے کہ خسرو مومن‌آباد قصبہ پٹیالی میں پیدا ہوئے - جلالی (سیرالعارفین ¶ عہد ہمایوں) '' تولد او (خسرو) در قصبۂ مومن آباد است کہ اورا قصبۂ پٹیالی می گویند'' جلالی کی پیروی ملا محمد قاسم هندو شاہ تاریخ فرشتہ میں † کرتا ہے - امیر خسرو در قصبۂ مومن آباد کہ دریں عصر بہ پٹیالی شہرت دارد تولد یافت'' اسی بات کو غلام علی آزاد بلگرامی خزانہ عامرہ £ میں دھراتے ہیں - '' امیر خسرو از بطن او (دختر عماد الملک)

---

* مرتبہ ٔ محمد شفیع مطبوعہ ۱۹۲۶ع ص- ۶۰

از ملا عبدالنبی قزوینی صفحہ ۳

§ یہ تذکرہ اب ناپاید ہے -

¶ مطبوعہ - رضوی پریس دھلی ص- ۶۵

† تاریخ فرشتہ نولکشور ص- ۳۰۲

£ مطبوعہ نولکشور ص- ۲۰۹

در پٹیالی متولد شد " اور پھر یہی جملہ دارا شکوہ کی سفینتہ الاولیاء* میں ہے ۔ " مولد ایشاں مومن آباد است کہ مشہور بہ پٹیالی است از توابع سنبھل است " اور یہ سلسلۂ نقل قائم رہتا ہے ۔ شیر علی خاں لودی مراۃ الخیال§ میں لکھتے ہیں ۔ " ولادتش در ۶۵۱ ہجری در پرگنہ پٹیالی مضاف بدارالخلافۂ دھلی واقع شدہ " مولف نتائج الافکار¶ انہیں باتوں کو دھراتا ہے ۔ " امیر سیف الدین — در قصبۂ پٹیالی کہ از توابع دارالخلافہ دھلی ست اقامت انداختہ ، دختر عمادالملک را کہ از امرائے نامدار بودہ بحبالۂ نکاح در آورد و امیر خسرو از بطن وے در ۶۵۱ ہجری متولد گشتہ ۔ "†

ان سارے تذکرہ نگاروں میں سب سے متقدم حامد بن فضل اللہ جلالی ہیں جنہوں نے اپنا تذکرہ سیرالعارفین عہد ہمایوں میں مرتب کیا انہیں نے سب سے پہلے خسرو کے پٹیالی میں پیدا ہونے کی حکایت لکھی اس سے پہلے کے کسی بھی تذکرے میں یہ حکایت نہیں ملتی ہے ۔ دولتشاہ سمرقندی امیر خسرو کے والد کو متوطن دھلی بتاتا ہے ۔ اور اس سے متعلق کچھ نہیں لکھا ہے کہ خسرو کہاں پیدا ہوئے ۔ اس سلسلے میں جامی اور سلطان حسین بایقرا دونوں خاموش ہیں پھر یہ کیونکر مانا جائے کہ جلالی کی بیان ہوئی حکایت صحیح ہو سکتی ہے بالخصوص اس وقت جبکہ خسرو کھلے حرفوں یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ میرا " وطن اصل " دلی ہے ۔ حوالہ آگے ملاحظہ ہو ۔

ہم یہ بات سیرالاولیاء کے حوالے سے لکھ چکے ہیں کہ جن دنوں میں کہ شیخ نظام الدین اجودھن سے دوبارہ دلی تشریف لائے ہیں

---

* مطبوعہ نولکشور ص ۔ ۲۰۹

§ مطبوعہ نولکشور ص ۔ ۹۸

¶ مخطوطہ نیشنل میوزیم کراچی ص ۔ ۶۵

† مخطوطہ نیشنل میوزیم کراچی ۔ ص ۔ ۱۳۰

تو انہوں نے کچھ دنوں عمادالملک کی حویلی میں قیام کیا ۔ اور اسی کتاب کے حوالے سے ہم یہ بھی لکھ چکے ہیں کہ خسرو کا بھی گھر ۔ وہیں دہلی میں سرائے نمک میں تھا * اور یہ بات بلبن کے عہد سلطنت کی ہے ۔ چنانچہ جب خسرو سلطان محمد کی شہادت کے بعد ملتان سے دلی آئے ہیں ۔ تو اپنی والدہ کے قدموں میں وہیں سعادت دارین حاصل کی ۔ اسکے یہ معنی ہیں کہ انکی والدہ مستقلاً دلی میں رہتی تھیں ۔ اور خسرو کے دیگر اعزا مثلاً انکے چھوٹے بھائی قتلغ حسام الدین بھی وہیں رہتے تھے ۔ اور متاہل ہونے کے بعد بھی خسرو مع اپنے اہل و عیال کے دہلی ہی میں رہتے تھے ۔ لیکن سوال تو یہاں خسرو کے مولد کا ہے نہ کہ اس بات کا کہ خسرو کہاں رہتے تھے ۔ مثلاً اگر کوئی بچہ سفر میں پیدا ہوا ہے تو یہ کہا جائیگا کہ وہ فلاں جگہ عالم سفر میں پیدا ہوا تھا لیکن چونکہ وہ حضرات جو خسرو کا مولد پٹیالی بتاتے ہیں وہ یہ نہیں کہتے ہیں کہ وہ ازروئے حادثہ پٹیالی میں پیدا ہوئے بلکہ یہ بتاتے ہیں کہ خسرو کے والد اولاً پٹیالی میں سکونت پذیر ہوئے تھے اور جب خسرو پانچ برس کے ہوئے تو وہ انکو لیکر دلی آئے ۔ اسی کے ساتھ ساتھ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ انکی والدہ پٹیالی میں رہتی تھیں اور جب خسرو ملتان سے آئے تو وہ پٹیالی میں اپنی والدہ سے ملنے گئے ۔ چنانچہ اس سیاق و سباق میں یہ بتانا ضروری تھا کہ خسرو کے والد اور انکی والدہ کہاں رہتی تھیں اور جبکہ یہ متحقق ہے کہ خسرو کی والدہ اور انکے والد اور نانا مستقلاً دلی میں رہتے تھے ۔ تو پھر اس بات کو سمجھنے میں دشواری نہ ہونی چاہتے کہ جب خسرو دلی کو اپنا "وطن اصل" قرار دیتے ہیں تو اسکا مفہوم کیا ہے ۔ وطن اصل اگر مولد و منشا نہیں تو پھر اور کیا ہوتا ہے ۔

خسرو اپنی مثنوی قران السعدین میں حاتم خان کی ملازمت کے

---

* سیرالاولیاء ۔ مطبوعہ اردو ترجمہ ص ۔ ۹۶

سلسلے میں اپنے اودھ میں دو سال تک قیام کرنے اور اپنی والدہ ماجدہ سے جدائی کا غم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں ۔

در اودھ ہم برد لطفے چناں   کیست کہ از لطف بتابد عناں
غربت از احسانش چنانم گزشت   کم وطن اصل فراموش گشت
در اودھ از بخشش او تا دوسال   ہیچ غم و نالہ نبود از منال
من زپئے شرم خداوند خویش   رفتہ ز جائے خود و پیوند خویش
ما در من پیر زن سبحہ سنج   ماندہ بہ دہلی ز فراقم برنج *

ان اشعار سے دو باتوں کی تردید ہوتی ہے ایک اس بات کی کہ خسرو پٹیالی اپنی والدہ سے ملنے گئے تھے ۔ خسرو نظام الملک کے خوف سے بالا بالا پٹیالی سے اودھ میں حاتم خان کی پناہ میں گئے تھے اور وہ مسلسل دو سال تک اپنی والدہ کے دیدار سے محروم رہے ، اگر ان کی والدہ کی سکونت پٹیالی میں ہوتی تو وہ یہ شعر کیونکر لکھتے ۔

مادر من پیر زن سبحہ سنج   ماندہ بہ دہلی زفراقم برنج

اور دوسری اس بات کی تردید ہوتی ہے کہ پٹیالی انکا مولد تھا اور انہوں نے اپنی زندگی کے پانچ سال وہاں گزارے تھے ۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ دلی کو اپنا ” وطن اصل “ قرار نہ دیتے ۔

غربت از احسانش چنا نم گزشت   کم وطن اصل فراموش گشت

(ترجمہ ۔ حاتم خان نے اودھ میں میرے ساتھ اتنے احسانات کئے اور میں نے اودھ میں اتنی اچھی زندگی بسر کی کہ میں اپنے وطن اصل یعنی دھلی کو بھول گیا) ۔

قارئین کرام اپنے دل میں کہتے ہونگے کہ اب اس کی بات میں کچھ کچھ وزن پیدا ہو چلا ہے ۔ کیونکہ جب خسرو دلی کو اپنا وطن

---

* مثنوی قران السعدین مطبوعہ علی گڑھ ۔ ص ۔ ۲۲۱

اصل قرار دیتے ہیں تو وہی ان کا مولد ہوگا۔ کیونکہ وہ دلی کو وطن نہیں بلکہ وطن اصل لکھتے ہیں لیکن نہیں میں ابھی اس میں اور وزن پیدا کرونگا۔ اگر خسرو پٹیالی میں پیدا ہوئے ہوتے، جسکا کوئی امکان نہیں کیونکہ جس زمانے میں کہ خسرو پیدا ہوئے پٹیالی میں مسلمان آباد ہی نہیں ہوئے تھے وہاں مسلمانوں کی آبادی کا سلسلہ تو قلعۂ مومن پور کی تعمیر کے بعد سے شروع ہوتا ہے اور قلعے کی تعمیر ۶۶۳ اور ۶۶۶ع کے درمیان ہوئی لیکن چونکہ میرے پاس مسلمانوں کی آبادکاری کا کوئی چارٹ یا سروے نہیں ہے اسلئے میں اسے نظر انداز کرتے ہوئے یہ بات سامنے لانا چاہونگا کہ اگر خسرو نے اپنی ابتدائی زندگی کے چار پانچ سال پٹیالی میں گزارے ہوتے اور ان کی پیدایش وہی کی ہوتی تو وہ پٹیالی کی مذمت اتنے سخت الفاظ میں نہ کرتے جتنی کہ انہوں نے اپنی ایک مثنوی میں کی ہے۔

یہ مثنوی جو خسرو کے دیوان تحفة الصغر میں ہے۔ بہت ہی کمیاب ہے کیونکہ یہ ان کی کلیات کے ہر نسخے میں نہیں ہے خاص خاص نسخوں میں ہے اور وہ بھی اس فرق کے ساتھ کہ اسکی ابیات کی تعداد یکساں نہیں ہے، بہر حال چونکہ یہ مثنوی بہت ہی کمیاب ہے اسلئے اس تک رسائی بہت کم لوگوں کو حاصل ہوئی۔ حاجی علی احمد اسیر جنکا مرتب کیا ہوا نسخۂ شیرین خسرو علی گڑھ سے شایع ہوا تھا انہوں نے اپنے دیباچے میں اس کی صرف دو ابیات پیش کی تھیں لیکن اس سے غلط نتائج نکالے۔ اس مثنوی میں قلعہ مومن پور عرف پٹیالی کی بڑی مذمت کی گئی ہے جہاں خسرو کو ایک ماہ بہ سلسلۂ ملازمت لشکر شاہی ٹھہرنا پڑا تھا۔ مزید یہ کے اس میں واشگاف الفاظ میں دلی کو اپنا مولد اور مسکن بتایا گیا ہے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ حاجی علی احمد اسیر کو پوری مثنوی دیکھنے کو نہ ملی۔ یا یہ کہ انپر پٹیالی کے افسانے کا اتنا غلبہ تھا کہ وہ اس افسانے سے اپنے کو آزاد نہ کرسکے۔ اس مثنوی کے چند اشعار ڈاکٹر وحید مرزا نے اپنی کتاب

لایف اینڈ ورکس آف امیر خسرو* میں انگریزی میں ترجمہ کرکے پیش کئے ہیں لیکن بہت ہی شعوری طور سے اس مثنوی کے عنوان اور اسکے مشمولات سے بے بہرہ رکھنے کی کوشش کی ہے اسکا اندازہ اول تو اس امر سے ہوتا ہے کہ مثنوی کا عنوان جلی حرفوں میں " شکایت نامۂ موضع پٹیالی" لکھا ہوا اور انڈیا آفس لائبریری کے جس خطی نسخۂ کلیات خسرو شمارہ نمبر ۱۱۸۷ ف ۵۰ تا ۵۳ کے حوالے سے انہوں نے وہ اشعار انگریزی میں ترجمہ کئے ہیں۔ اس شمارہ کی کلیات میں بھی یہ بیت لکھی ہوئی ملتی ہے۔

گر نہ ایں از قضائے یزدانیست پٹیالی چہ جائے سلطانیست

مگر اس دہری وضاحت کے بعد وہ اپنے قارئین کو اس طرح گمراہ کرتے ہیں کہ اس مثنوی کے محل وقوع پر پردہ ڈالکر وہ یہ لکھتے ہیں کہ جن دنوں خسرو سلطان محمد شہید والیٔ ملتان کے ملازم تھے۔ انہیں شمالی مغربی سرحدی علاقے کے بعض ایسے قلعوں میں جانا پڑتا جہاں افغان لشکری متعین تھے۔

ملاحظہ ہو ڈاکٹر صاحب کی عبارت۔

"The poet had, moreover, to accompany the prince (Sultan Mohammad Shaheed) in his compaigns against the Mongols to several other more unpleasant and dreary places to the outlying fortresses on the frontier, garrisoned by the rough Afghans. During his sojourn in one of these fortresses, he wrote a long letter to Ikhtiyaruddin in which he bewails his separation from Delhi and the hardships, he had to endure."

اسکے بعد انہوں نے اس مثنوی کی چند ابیات کا ترجمہ انگریزی

---

* Life and works of Amir Khusro Page 51.

میں پیش کیا ہے ۔ ڈاکٹر صاحب کی اس عبارت سے ہر شخص یہی نتیجہ نکالے گا کہ جس قلعے کے افغانوں کی اس مثنوی میں مذمت کی گئی ہے وہ قلعہ کہیں شمالی مغربی سرحد کے علاقے میں واقع تھا ۔ اور اس واقعے کا تعلق اس زمانے سے ہے جبکہ خسرو سلطان محمد شہید کی ملازمت میں تھے ۔ مگر مثنوی میں واضح طور سے پٹیالی کے قلعے کا ذکر ہے اور وہیں کے افغان لشکریوں کی مذمت کی گئی ہے اور وہاں کے قیام سے متعلق خسرو نے اپنی زبوں حالی کا ذکر کیا ہے ۔ اور پھر دلی سے جدائی کا وہ نوحہ اور وہاں کی رنگینیوں کا وہ سارا ذکر ہے جسکا ترجمہ انگریزی میں ڈاکٹر وحید مرزا نے اس مثنوی سے کیا ہے ۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ڈاکٹر وحید مرزا نے یہ بات ہم سے کیوں چھپائی کہ اس مثنوی کا تعلق قلعہٴ مومن پور عرف پٹیالی کے قیام سے ہے اور ہماری توجہ کو سرحد کے کسی علاقے کی طرف منعطف کر دی ۔ کیا اس لئے کہ جس مخطوطے سے انہوں نے اس منظوم خط کا حوالہ دیا ہے اس میں پٹیالی والی بیت نہیں ہے ۔ اگر ایسا ہوتا تو مجھے کوئی اعتراض نہ ہوتا لیکن جبکہ اس مخطوطے میں بھی جسکا حوالہ ڈاکٹر صاحب نے دیا ہے پٹیالی والی بیت بھی موجود ہے تو پھر اس حقیقت کو چھپانے کا کیا مقصد ہو سکتا ہے ۔ اسکا ایک ہی جواب ہے کہ چونکہ ڈاکٹر صاحب اپنی کتاب لائف اینڈ ورکس آف امیر خسرو میں سفینۃ الاولیاء کے حوالے سے یہ بات لکھ چکے تھے کہ خسرو پٹیالی میں پیدا ہوئے تھے ، اس لئے انہیں یہ شرم دامنگیر ہوئی کہ اگر میں یہ لکھوں کہ اس مثنوی کا تعلق قلعہ مومن پور عرف پٹیالی کی زندگی سے ہے تو پھر اس بیت کو جسمیں پٹیالی کی مذمت کی گئی ہے کیونکر چھپاؤنگا ۔

گر نہ ایں از قضائے یزدانیست   پٹیالی چہ جائے سلطا نیست

کیونکہ کوئی بھی شخص اپنے مولد کو اسقدر تحقیر سے یاد نہ

کریگا۔ اور پھر اس بیت کے فوراً بعد یہ بیت ملتی ہے جس میں دلی کو اپنا مولد بھی بتایا گیا ہے۔

جائے من بود قبتہ الاسلام
قبلۂ خسروان ہفت اقلام

ڈاکٹر صاحب نے '' جائے من '' کا ترجمہ انگریزی میں '' My abode '' کیا ہے۔ یہ ان کا اپنا تخیل ہے۔ بہر حال مجھے انکے ترجمے سے سروکار نہیں اس امر سے تعلق ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے دانستہ اس مثنوی کی اطلاعات ہم سے چھپائے رکھی اور دانستہ ہمارے ذہن کو پٹیالی سے دور، شمالی مغربی سرحد کے کسی قلعے کی طرف منعطف کر دیا۔

لیکن کبتک کوئی حقیقت کو چھپائے رکھ سکتا ہے، عہد ہمایوں سے لیکر دور حاضر تک ہمیں اس غلط فہمی میں مبتلا رکھا گیا کہ خسرو پٹیالی میں پیدا ہوئے تھے۔ اب اس پٹیالی کی پائمالی کا نقشہ آپ اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے۔

ڈاکٹر صاحب نے اس مثنوی کا ترجمہ جس کلیات خسرو شمارہ نمبر ۱۱۸۷ (انڈیا آفیس لائبریری) سے کیا ہے۔ اس میں یہ بیت لکھی ہے۔ ؎

من کہ از زمرۂ سوارنم
از تہی دستی، اشک بارانم

اسلئے اسکا امکان ہے کہ ڈاکٹر صاحب کو شاید یہ دشواری ہوئی ہو کہ خسرو پٹیالی میں کیونکر آئے۔ لیکن مسئلہ یہ نہیں کہ خسرو پٹیالی کیونکر پہنچ گئے تھے بلکہ یہ ہے کہ اس مثنوی میں جس قلعے کے افغانوں کی برائی لکھی گئی ہے وہ قلعہ مومن پور عرف پٹیالی کا تھا اور اسکی وضاحت اس نسخے میں بھی ہے جسکا حوالہ ڈاکٹر وحید مرزا نے دیا ہے۔

بہر حال اب میں اس مثنوی سے متعلق پوری اطلاعات آپکے سامنے

رکھ رہا ہوں اس مثنوی میں جملہ ابیات ۱۳۳ ہیں ، لیکن یہ جملہ ابیات انڈیا آفس لائبریری میں موجود صرف ایک کلیات خسرو شمارہ نمبر ۱۱۸۸ میں ہیں۔ بقیہ دو کلیات خسرو شمارہ ۱۱۸۷، اور شمارہ ۱۰۸۹ میں اس کی ابیات کم ہیں۔ چونکہ زیادہ ابیات مکمل صورت میں شمارہ نمبر ۱۱۸۸ ہی میں ہیں اسلئے میں نے اسکو وہیں سے نقل کرنا مناسب سمجھا ہے۔

مثنوی کا عنوان ہے۔ ”شکایت نامهٔ موسنپور پٹیالی“ *

بیت سلسلہ واضح نہیں ہے۔ اسلئے صرف صورت نقل کر رہا ہوں۔

بنگر علو مثنوی را گوییا بچرخ
صد فرقتاں بر آمده یا صد دو پیکر است

وزن۔ فاعلاتن مفاعلن فعلن۔

مثنوی شروع هوتی هے ان ابیات سے۔

ہے ہے اے تیرہ رائے نورانی   وی سیہ کار سبز بنشانی
چند از ایں سرکشی و بد سازی   کینہ جوئی و وحشت آغازی
میرسد از تو بے گمان و یقین   حرکتہا با آسمان و زمین
کینہا در جہاں فزوں از تو   مہرو الم بطشت خوں از تو

آسمان کی اس فتنہ پروری اور مفسدہ پردازی کے خلاف شکایت کئی ابیات تک جاری رہتی ھے۔ اس کے بعد وہ کہتے ہیں۔

---

* کلیات خسرو۔ انڈیا آفس لائبریری شمارہ ۱۱۸۸ دیوان تحفۃ الصغر کی آخری نظم۔ ف B ۴۶ تا A ۵۱۔
ترقمیه ۹۳۳ هجری

کر نه ایں از قضائی یزدانیست   پٹیالی چه جائے سلطانیست
یوسف اما نفیر (بستانی)   ورچه افتاده ام ز کنعانی
جائے من بود قبۃ السلام   قبله خسروان ہفت اقلام
دہلی آں تو امان جنت پاک   نسخت عرش بر جریدهٔ خاک
نه فلک سایه گستر سر اُو   ہفت اقلیم حلقه بر در او
قصر ہائے بر آسمان برده   سایه بر آفتاب گسترده
که درون دو چشم نورافزائی   سردم دیده را نماند جایٔ *
بحر صد چشمه در نظارهٔ او   سہر (سنجوق کذا) از منارهٔ اُو
کلہش در بلند پروازی   کرده با زلف مه رسن بازی
در سخن گویم از سواد ریاض   پرده از دیدها شود به بیاض
صبحدم کز بیاض اثر دارد   نسخۂ زان سواد تر دارد
سبزها از گلاب دامن تر   چشمہائی ز دیده روشن تر
آبہائی روان و خوش جو حیات   جیفهٔ جون شیر درمیان نبات
حوض سلطان ز روشنائی و رنگ   سیم محلول ریخته است بسنگ
آب و همچودیده پرز خیال   نا یب کوثر و مشوب زلال
عاقلاں چشم انورش گویند   بلکه حسن مصورش گویند
بوستانہاز (بوستاناں) † پر   لعل رویاں سفته گوش چودر
درچمن از نوایٔ رود و رباب   سبزہا سست وچشمہا در خواب
روز بر هر طرف تماشائی   شب بدی در کنار رعنائی

خسرو نے مذکورہ بالا اقتباس کی آخری بیت میں شہر کی عمومی کیفیت کو بیان کیا ہے - کہ دن کو تماشائیوں کا ھجوم اور رات کو کسی حسینہ کی ہم آغوشی - نہ کہ اپنی ذات سے متعلق یہ کہا ہے کہ میرا دن سیر و تماشے میں کٹتا اور رات کسی حسینہ کی آغوش میں - مگر ڈاکٹر وحید مرزا

---

* اس سے پہلے کی بیت چھوڑ دی ہے کیونکہ وہ صحیح طور سے پڑھی نہ جا سکی-

† واضح نہیں ہے -

نے اسکا ترجمہ انکی ذات کی نسبت سے کر دیا ہے ملاحظہ ہو انکا ترجمہ

My days passed there in seeing new sights on all sides and the nights in enjoying the company of a fair one''*

اور پھر اس ترجمے کے اختتام پر لکھتے ہیں کہ اس بیت سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقت خسرو شادی شدہ ہو چکے تھے - گویا ہر رات کسی حسینہ کے ساتھ بسر کرنے کے لئے شادی شدہ ہونا ۔ ڈاکٹر صاحب کے نزدیک ضروری ہے ۔ اس نشان بلوغت کا کیا کہنا -

بہر حال اب اسکے آگے کی ابیات ملا حظہ ہوں ۔

بار بودم بر آنجناں و بستاں   ماندہ ام مست اسیر خارستاں
قلعہٴ چوں شور آتش لاخ   ہر کجا تنگیٴ در دست فراخ
محنت آبادی از خراباں پر   و زدد و دام چو بیاباں پر

اب یہاں سے ۲۳ ابیات چھوڑ کر وہاں سے اسکا اغاز کرتا ہوں جہاں اس قلعے میں متعین افغانوں کی مذمت شروع ہوتی ہے یہاں یہ بات مدنظر رہے کہ جب سلطان بلبن نے ۶۶۶ ھجری میں مومن پور کا قلعہ تعمیر کروایا تھا ۔ اور اسے ایک مضبوط چوکی شورش پسند راجپوتوں کی سرکوبی کیلئے بنایا تھا تو اس قلعے میں اس نے افغان سردار متعین کئے تھے ۔ چنانچہ اس وقت سے وہاں افغانیوں کا ایک لشکر متعین تھا - انہیں افغانیوں کی مذمت یہاں خسرو نے کی ہے ۔

چونکہ راحت برائے افغانست   درچنیں قلعہ جائے افغانست
نی چہ افغاں کہ دیو مردم گیر   دیو از افغان آں خراں بنفیر
سر بمانند پشتوارہٴ کاہ ¶   ریش شاں ہمچو شانہٴ جولاہ

---

* Life and Works of Amir Khusro Page 51

¶ ڈاکٹر وحید مرزا نے پشتوارہ کا ترجمہ Sack سے کیا ہے جو صحیح نہیں ہے - پشتوارہ کے معنی ہیں گٹھا ۔ پشتوارۂ کاہ کے معنی ہیں گھاس کا گٹھا ۔

لک لکانی گرسنہ ترز عقاب   سر فرو بردہ ہمچو بوم خراب
زاغ ساں کہ خورند در کفتار   بادشہ ہائے باز شارک دار
بازبانے چو تیر خانہ ساز   چوں کماں گرو (بہ)؟ سنگ انداز
عاقلی گفت کز سپہر کبود   چون بیامد زبان خلق فرود
ہر چہ بشنید از زبان دانا   بہ ستر آمد گروہ افغاناں
از زبانہا نبود شاں بہرہ   بہرآں آب کشتی شاں (زہرہ)
چوں زبان بود کام شاں ناکام   دست برداشتند از پئے کام

چونکہ ڈاکٹر وحید مرزا نے اپنی کتاب ”لائف اینڈ ورکس آف امیر خسرو میں اس مثنوی کے صرف انہیں ابیات کا ترجمہ کیا ہے میں بھی اسے یہیں ختم کررہا ہوں کیونکہ میں تو صرف یہ ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ جس مثنوی کو وہ اختیارالدین کے نام ایک منظوم خط بتاتے ہیں، وہ یہی مثنوی موسوم بہ شکایت نامۂ موہن پور پٹیالی ہے۔ اس میں شبہہ نہیں کہ اس مثنوی کے آخر میں اختیارالدین کو مخاطب کیا گیا ہے۔ لیکن اسکی اصل ہیت اس سے کہیں زیادہ ہے اس میں قلعہ موہن پور عرف پٹیالی میں متعین افغان لشکریوں کی جہاں مذمت کی گئی ہے وہاں پٹیالی کی بھی مذمت کی گئی ہے کیونکہ خسرو نے جو یہاں بزمرۂ سواراں ایک ماہ کیلئے متعین کئے گئے تھے بڑی سختیاں جھیلیں۔

من دریں حصن برکشیدہ بماہ   سالے ایں دیدہ ام زروز تباہ
کہ اگر ذرۂ نہند بکوہ   کوہ آید زبار آں بستوہ
اگر از بعد انتظار دراز   غلۂ بازری رسید فراز
چو جو مخلوط کردہ بر گندم   تن جو (کہ کذا) کندہ چوں گندم
من کہ از زمرۂ سوارا نم   از تہی دستی اشک بارا نم

یہ واقعہ کس زمانے کا ہے اسکا تعین بھی اسی مثنوی کی بعض ابیات سے کیا جا سکتا ہے۔ جب ایک دن سپہ سالار نظر آیا اور لشکریوں نے اس سے اپنی تنگئی معاش کی شکایات کی تو اس نے یہ جواب دیا۔

کانچه شه می دهد بمازرو سیم   میخورد سیف دیں و خواجه حکیم
کار می گردد از نظام تمام   که خیانت گری بروست تمام

اس مثنوی میں انہوں نے دلی کو یاد کرتے ہوئے اپنے ماموں محمد محمود اور بختیار الدین امیر شکرہ دار کو بھی سلام بھیجا ہے۔

بشگفد دل ببوئے آں دیار   چوں گل سوری از نسیم بہار
انگہی همتم کند پرواز   سوئے آں همدمان بنده نواز
اول از نور دیدهٔ مقصود   بو المحامد محمد محمود
دویم آں بختیار شکره دار   که در انشکار گاه، گاه شکار
همتش در بلند پروازی   که کسی چرخ را دهد بازی
وانچه برسر نهند فرمانم   کنم از دیدهٔ سر نگردانم

آخر میں یہ ابیات ہیں۔

یک زماں رو باختیار رهی   ببر ایں قصه یادگار رهی
بس بده یادگار مولایش   قصه بر درش و بوسه برپایش
که ز حال (رهی) شد وآگاه   شاه با افسر ستاره سپاه
اختر دولت اختیار الدین   مفخر جرخ و اختیار زمیں

میں نے جس موضوع کے سلسلے میں اس مثنوی سے استفادہ کرنا چاہا ہے، اس موضوع کے تعلق سے اسکے صرف یہ چند اشعار اہم ہیں۔

گر نه ایں از قضائی یزدانیست   پتیالی چه جائے سلطانیست
یوسف اما نفیر (بستانی)   ورچه افتاده ام ز کنعانی

جائے من بود قبته الاسلام قبلۂ خسروان ہفت اقلام
دہلی آں تو امان جنت پاک نسخت عرش بر جریدۂ خاک

اور میرا مقصد انہیں چند اشعارکو پیش کرنا تھا ۔ لیکن یہ دکھلانے کے لئے کہ کیونکر لوگوں نے حقیقت پر پردہ ڈالنے کی کوشش میں اس مثنوی کے اصل متن کو ہماری آنکھوں سے اوجھل رکھا ۔ اور اپنے اس مقصد کے حصول کے لئے کیسی کیسی تدبیریں اختیار کیں ۔ کسی نے یہ کوشش کی کہ صرف پٹیالی والی بیت لکھدو دلی کا ذکر نہ کرو ۔ کسی نے یہ جتن کئے کہ یوسف کنعانی کی تشبیہ چھپا دو ، '' جائے من '' کا ترجمہ خانۂ من کر دو ۔ اور دلی کا نام نہ لو ۔ غرض کہ ایک سے ایک تدبیر کی گئی کہ کسی طرح یہ افسایہ سرنے نہ پائے کہ خسرو کے والد پٹیالی میں متوطن ہوئے ، اور خسرو وہیں پیدا ہوئے اور جب وہ پانچ سال کے ہوئے تو اُن کے والد پٹیالی سے ہجرت کر کے دلی آئے ۔ اور یہ سب کس لئے؟ صرف اس پاسداری میں ، کہ یہ بات فلاں فلاں تذکرہ نگاروں نے ، اور فرشتہ ایسے مورخ نے لکھی ہے ۔ لیکن ان کے نزدیک کوئی وزن حضرت خواجہ خسرو رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا نہیں ہے ۔ صدیوں بعد آنے والے تذکرہ نگار جو لکھیں وہ تو صحیح ہے اور خود امیر خسرو جو لکھیں وہ غلط ہے ۔ کیا اسے خسرو دوستی پر محمول کیا جائیگا ۔ بہر حال اب جبکہ متعلقہ اشعار بھی سامنے آگئے ہیں کیا اس کا فیصلہ مسلمہ طور سے کیا جاسکتا ہے کہ خسرو دلی میں پیدا ہوئے تھے ؟ کیا یوسف کا کنعاں سے جدا ہونا ایک شعری تصور نہیں ہے ۔ کیا یہ مصرعہ ع جائے من بود قبۃ الاسلام ۔ کمزور نہیں ہے ''جائے'' یہ کیا لفظ ہے ۔ جائے بمعنی مسکن بھی ہوسکتا ہے ۔ بمعنی مولد کیونکر ہوگا ۔ اچھا یہ تسلیم کہ خسرو کا مولد پٹیالی نہیں تھا ۔ لیکن یہ ثابت کرنے کیلئے کہ خسرو کا مولد بھی دہلی ہی تھا کچھ اور شواہد کی ضرورت ہے ۔ یوسف کا کنعان سے دور ہونا یہ سب استعارہ ہے ۔ کوئی ٹھوس ثبوت مہیا کرو ۔ ہم '' وطن اصل '' کو بھی نہیں مانتے ۔

اس ہٹ دھرمی کے جواب میں، تو میں صرف دو ہی باتیں کرسکتا ہوں۔ یا تو کوتوال شہر کا وہ رجسٹر نکال لاؤں جس میں پیدائش درج کی جاتی تھی یا پھر خسرو کی والدہ ماجدہ یا انکے والد ماجد یا ان کے نانا عمادالملک کا کوئی بیان پیش کروں۔ اسپر میرے ایک دوست نے یہ کہا کہ نہیں اتنی دور جانے کی ضرورت نہیں۔ اگر تم کوئی ایسا شعر پیش کرسکو جس میں خسرو نے یہ کہا ہو کہ میرا خمیر دلی کی خاک سے اُٹھا تھا تو ہم لوگ ہتھیار ڈالدینگے اور پھر پٹیالی کا نام نہ لیں گے۔ اب جبکہ فیصلہ اسی ایک بات پر ٹھہرا تو پھر وہ شعر بھی پیش کر رہا ہوں۔

خسرو کا ایک نعتیہ قصیدہ انکے دیوان وسط الحیات میں ہے۔ اس قصیدہ کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

رهے سی و ده ساله شد در ثنایت   نگفتست ار در یکی ایں ثنارا
نجات از درت جویم و (جاء ایست)   از ایں رہ کو جائیست دیگر بمارا
چو سلطانی آمد گدائے در تو   تو سلطانی از در سراں ایں گدا را
اگرچه سفالست از خاک دہلی   بروکار ریحان لطف و رضا را †

کیا یہ مصرعہ اگرچہ سفالست از خاک دہلی۔ ببانگ دھل اسکا اعلان نہیں کر رہا ہے کہ خسرو کا خمیر خاک دہلی سے اٹھا تھا۔ کیا اس خاک دھلی پر بھی خاک ڈالی جا سکتی ہے۔ اور اگر نہیں تو پھر ایک دوسرے قصیدے کے چند اور اشعار ملاحظہ ہوں۔

من که در گلزار معنی نو نوای، میزنم
باغ جاں را از نفس باد صبائی میزنم

---

† کلیات خسرو۔ برٹش میوزیم اضافی شمارہ ۲۱،۱۰۴ دیوان وسط الحیات ف۔ ۷۰

خسروم بر بادشاہان سخن فرمانروا
تخت خود بر فرق، ہر فرمانروائی میزنم
جائی من دہلی کہ ہر حرفم سواد اعظم است
طبل دارالملک اندر روستائی میزنم *

اب آخر میں ایک اقتباس دور حاضر کے ایک مصنف عباس اقبال کی تصنیف تاریخ مغول ایران (جلد اول) سے دے رہا ہوں۔ جس ایک چھوٹی سی بات کو ثابت کرنے کیلئے میں نے اس قدر کھکیڑ اُٹھایا ہے۔ انہوں نے اپنے ایک جملے میں بغیر کسی حجت و تکرار اور حوالے کے لکھدیا ہے۔

"خسرو، پسرش (پسر سیف الدین) در سال ۶۵۱ هجری در دہلی تولد یافتہ است۔ ¶

---

* کلیات امیر خسرو برٹش میوزیم شمارہ اضافی ۲۱،۱۰۴۔
دیوان وسط الحیات ف۔ ۷۹ تا ۸۲
قصیدہ موسوم بہ عالم العلم۔

¶ تاریخ مغول ایران جلد اول از عباس اقبال چاپ دوم۔ تہران ص۔ ۶۵۱

امیر خسرو کی زندگی کا ایک تاریخی خاکہ

امیر خسرو کا خاندانی ماحول

امیر خسرو ایک ترک ہندوستانی تھے، ان کی والدہ راوت عرض (عارض) عمادالملک کی بیٹی تھیں جو اصلاً ایک راجپوت سردار تھے۔ راوت عرض عمادالملک بندگان شمسی میں سے تھے، اور عارض ممالک کے عہدے پر بقول برنی باسٹھ سال اور بقول خسرو ستر سال فائز رہے ترکوں کی طرح راجپوت سرداروں کا بھی باز سے شکار کھیلنا ایک محبوب مشغلہ تھا۔ * چنانچہ برنی لکھتا ہے کہ اولاً وہ التتمش کی خدمت میں عرض شکرہ کے عہدے پر (امیر شکار) ساسور ہوئے تھے۔ عصامی † لکھتا ہے کہ جب سلطان التتمش نے ٦٢٩ هجری میں (طبقات ناصری) رنتنبھور کا وہ مشہور قلعہ فتح کیا، جسے اس سے پہلے ستر بادشاہ تسخیر کرنے میں ناکامیاب رہے تھے تو سلطان نے انہیں اس قلعے کا نگراں مقرر کیا۔ §

---

* A Cultural History of India by Lane Pool.

† فتوح السلاطین۔

§ اس قلعے کو قطب الدین فتح کرچکا تھا لیکن وہ پھر مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گیا تھا (تاریخ فخرالدین مبارک شاہ)

سپه راند در جانب رنتبهور*   که کم بد چناں حصن در پیچ دور
چوں شه را بدست آمد آں حصن هم   سوئی تخت راند ز آنجا حشم
دراں حصن راوت عرض را گزاشت   برو فوجی از سر کشاں وا گزاشت

سلطان التتمش کی وفات (۶۳۲ ھجری) کے بعد اسکے جانشینوں کے دور حکومت میں، راوت عرض تا زیست یعنی ۶۷۱ ھجری تک مستقل دیوان عرض ممالک دہلی کے عہدے پر فائز رہے، اور بلبن کے عہد میں تو وہ اپنے دیوان عرض کے امور میں مطلق العنان تھے لیکن اس دبدبے اور وقار کے باوجود اور اس امر کے باوجود بھی کہ انکی بلبن سے گہری دوستی سلطان التتمش کے زمانے ہی سے تھی ان کی نشست بلبن کے دربار میں ترک خوانین و ملوک کے بعد مقرر کی گئی تھی۔ یہ امتیاز ان کے ساتھ، ہندی الاصل ہونے کی وجھہ سے کیا جاتا۔ لیکن بجز اس ایک امتیاز کے بلبن انکی عزت و حشمت کا پورا لحاظ رکھتا۔ خسرو لکھتے ہیں کہ انکی حیثیت مشیر سلطنت کی تھی اور ہر موقعے پر جہاں امور سلطنت کا کوئی نازک مسئلہ پیش ہوتا، انہیں بہ حیثیت مشیر خلوت خاص میں طلب کیا جاتا۔ (طبقات ناصری اور تاریخ فیروز شاہی) انکی داد و دہش، تزک و احتشام کی داستان برنی اور خسرو دونوں نے بیان کی ھے۔ ان کے دسترخوان پر سینکڑوں آدمی ہر روز کھانا کھاتے اور ہر سال وہ اپنے عملے کو خلعت بخشتے، پان اس کثرت سے کھاتے، اور کھلاتے کہ پچاس ساٹھ غلام صرف اسی خدمت پر مامور تھے کہ وہ ہر وقت پان کی گلوریاں حاضر خدمت کیا کریں، وہ صاحب علم تھے اور انکے علم پر اژدھے کی تصویر بنی ھوتی۔ انکے زیر علم دو سو ترک غلام، دو ہزار ہندو غلام اور دس ہزار سوار ہوتے (خسرو) اس سے اس بات کا اندازہ بھی کیا جا سکتا ھے کہ اس زمانے کی شاہی فوج میں بھی بیشتر غلام ہوتے۔ خواہ وہ ترک ہوں، افغان ھوں یا رومی یا ہندو ہوں۔ چنانچہ علاءالدین خلجی کے زمانے میں غلاموں کی یہ تعداد اسقدر

---

* صحیح تلفظ رنتنبھور ھے (طبقات ناصری)

زیادہ بڑھ گئی تھی کہ بہت سے مورخین نے ، زوال سلطنت کا باعث اسی ادارۂ غلامی کو قرار دیا ہے۔ بہر حال یہ راوت عماد الملک جو ایک ساونت اور ویر تھے ، جنھوں نے سیکڑوں سورماؤں کو تہ تیغ کیا ، اور ایک سے ایک پہلوان کو اپنے نیزے سے چھید کر رکھدیا ، جو میدان جنگ میں ''اژدہائے قوس'' کی طرح حملہ زن ہوتے، صاحب قلم بھی تھے۔ سنسکرت ، ہندی اور فارسی میں بھی دستگاہ رکھتے تھے ، انکی تین منزلہ حویلی متصل قلعہ دہلی دروازہ مندہ پل کے پاس تھی۔ جہاں کچھ دنوں شیخ نظام الدین اولیاء نے بھی قیام کیا تھا (سیرالاولیاء) وہ بڑے متشرع اور شرع رسول کے نفاذ کرنے والے ایک دیندار شخص تھے کئی گاؤں خیرات کے لئے وقف کر رکھے تھے ، چنانچہ ان کی وفات کے بعد سالہا سال تک غربا میں کھانا تقسیم کیا جاتا اور ختم قرآن کرایا جاتا۔ وہ غالباً سانولے رنگ کے تھے * اور بود و باش کا انداز راجپوتی شان کا تھا ، کانوں میں موتی پروے بالے لٹکے ہوتے (خسرو)۔ بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ شعراء اور دانشوروں کا وظیفہ بھی انہیں کے دیوان سے تقسیم ہوتا ، † کیا عجب جو محفل مشاعرہ ، اور موسیقی کی بزم بھی ان کے گھر پر منعقد ہوا کرتی رہی ہو۔ خسرو ایک ایسے باکمال اور اور باوقار ہستی کا نواسا تھا ، خسرو کو اپنی والدہ ماجدہ سے غیر معمولی محبت تھی۔ اور انکی والدہ کو جو محبت خسرو سے تھی اسکا اندازہ تو خسرو کے اس جملے ہی سے کیا جا سکتا ہے۔ ''بہ تماشائے قبة السلام

---

* خسرو ہندوستانیوں کے سیاہ رنگ کا ہر جگھ دفاع کرتے ہیں۔

ہند را اے مدعی طعنۂ بتاریکی مزن
ز انکه اندر ظلمت او آب حیوان مدغم است
گر سیه گوید کسی ہندوستان را عیب نیست
جمله عالم آوستا شد وآں سواد اعظم است

قطعه غرة الکمال - ۳۲۲ کلیات خسرو شمارہ ۱۰۴،۲۱

† مگر اسکی کوئی سند نہیں ھے۔

(حضرت دہلی کا لقب) آمدم و زیر قدم مادر بہشتی شدم - اورا خود حالی که چشمہا برمن اُفتاد و جوئی شیرش از اشفاق رواں شد ۔"*

خسرو نے اپنی والدہ ماجدہ کے بارے میں زیادہ نہیں لکھا ھے کیونکہ اس زمانے کا یہ دستور تھا کہ ماں، بہن، بیٹی اور بیوی کے بارے میں یا تو بالکل نہ لکھتے یا بہت کم لکھتے - چنانچہ آج ہمیں یہ بھی نہیں معلوم کہ خسرو کی شادی کہاں ہوئی - بہر حال اتنا اندازہ تو کیا جاسکتا ہے کہ چونکہ مسلمان اُمراء کے گھرانوں میں لڑکیوں کو بھی ابتدائی تعلیم دی جاتی اس لئے انکی والدہ بھی کچھ نہ کچھ پڑھی لکھی رہی ہونگی - انکی مادری زبان تو ھندی تھی لیکن چونکہ ایک ترک امیر سے بیاھی گئیں تھیں، اور پورا ماحول امارت اور درباری کا تھا اسلئے انکی شناسائی کچھ فارسی اور ترکی سے بھی رہی ھو گی - میں نے یہ بات اس لئے لکھی ھے کہ کیا عجب جو خسرو کی تعلیم و تربیت میں بھی انکی والدہ کی توجہ کو بھی دخل رہا ھو - خسرو نے اپنی والدہ ماجدہ کے انتقال پر جو مرثیہ لکھا ھے اس سے اس بات کا اندازہ ھوتا ھے کہ انہیں خسرو کی تعلیم و تربیت کا بڑا خیال رھتا اور شفیق ماں کی طرح انہیں نصحیتیں کیا کرتیں ۔ اس مرثیے کے چند اشعار ملاحظہ ھوں ۔

هر جا که زپایٔ تو غباریست
ما را ز بهشت یادگاریست
شیر ازهٔ جز و من ز تقدیر
آمیختهٔ خون تست با شیر
مهری که بشیر شد فراهم
تاجان نرود کجا شود کم
زانجا که نوازشت فزوں بود
گستاخئی من زحد بروں بود
آزرده دلم زکردهٔ خویش
کا زرده شدی زمن زحد بیش
زاں بی ادبی که بیش کردم
اینک زفراق زخم خوردم

---

* دیباچۂ غرة الکمال ۔

ذات تو که حصن جان من بود   پشت من و پشتبان من بود
رفتی وز پشت من توان رفت   بی پشت شدم چوپشتبان رفت
نام تو ز نقش دولت انباز   هم دولت بنده بود و هم ناز
با ناز نماند دولتم جفت   ناز از کی کنم چو دولتم خفت
روزی که لب تو در سخن بود   پند تو صلاح کار من بود
امروز هم بمهر و پیوند   خاموشیٔ تو همی دهد پند
لیکن سخن تو گر بود هوش   از هوش توان شنید نه از گوش
زانجا که به زندگانیٔ خوب   بودی رقمی ز غیر مغضوب *

خسرو کے والد، کا ترکی نام لاچین تھا، یه نام ترکوں کے درمیان عام تھا، اس نام کے بہت سے نامی گرامی ترک تاریخ میں گزرے ہیں، اور میں ان میں سے کچھ کا حواله دے چکا ہوں - لاچین کے لغوی معنی تو سفید باز، شہباز کے ھیں، لیکن لاچین دلیر آدمی کو بھی کہتے ھیں - لاچین نام کا کوئی قبیله تھا که نہیں، اسکے بارے میں بھی لکھ چکا ہوں که ترکی زبان کی ایک مستند لغت ''لغت چغتائی و ترکیٔ عثمانی" † میں اسکی نشاندھی کی گئی ہے، که ترکوں کے قبیلے کی کوئی شاخ زمانۂ قدیم میں اس نام کی تھی - اور چونکه ترکوں کے قبیلوں کے نام بالعموم سردار قبیله کے نام پر ھوتے، اسلئے وهاں بھی اسکی حیثیت اسم علم ھی کی تھی - بہر حال جہانتک که دیوان لغات ترک، (محمود کاشغری) اور جامع التواریخ از رشید الدین فضل الله - ان دو کتابوں کا تعلق ھے جن میں بے شمار ترک قبائل کے نام دئے ھوئے لاچین نام کے کسی قبیلے کا ذکر نہیں ملتا ھے - ہاں ایک الجین قبیلے کا ذکر ھے لیکن اسے مغلوں کا قبیله بتایا گیا ھے (جامع التواریخ) -

مزید یه که چونکه خسرو نے تحفة الصغر کے دیباچے میں اپنے

---

* مثنوی لیلیٰ مجنون مطبوعه ماسکو ۱۹۶۵ء صفحه ۲۶۳-۲۶۸

† از شیخ سلیمان آفندی مطبوعه استانبول -

والد کا نام لاچین بتایا ہے اور اعجاز خسروی میں ایک جگہ واضح طور سے اپنے کو خسرو ابن لاچین لکھا ہے اسلئے اس میں شبہہ نہیں رہتا ھے کہ سیف الدین شمسی کے نام سے مشہور ہونے سے پہلے انہیں لاچین ھی کہا جاتا تھا ، جسطرح کہ اور دوسرے ترک غلاموں کا ترکی نام بھی ھے ۔ مثلاً طغرل اور سنقر وغیرہ ۔ کہ ان لفظوں کے معنی بھی باز کے ہیں اسی طرح سیف الدین شمسی کا بھی ایک ترکی نام لاچین تھا ، جو ان کا خاندانی نام بھی ہو سکتا ھے ۔ لیکن امیر خسرو نے اپنے نام (خسرو) کی نسبت سے کہ اسکے معنی بادشاہ کے ھیں ، انہوں نے لاچین کو اس لئے زندہ رکھا کہ اسکے ایک مجازی معنی غلام کے بھی ہیں چنانچہ جب وہ اپنے کو خسرو لاچین لکھتے تو اس بلاغت کو ھمیشہ مدنظر رکھتے کہ جہاں لاچین انکے والد کا ترکی نام تھا، وہاں سلطان التمش کے غلام ہونے کی وجہ سے لاچین بمعنی غلام کہا جا سکتا تھا ۔ یہ بلاغت اس عبارت میں خاص طور سے ملحوظ رکھی گئی ھے ۔ اما بعد فان مرقوفک القدیم (آپکا قدیم بندہ) خسرو ابن لاچین یعرف باندیم ۔"

چونکہ خسرو کے تذکرہ نگاروں کو اس کا علم نہ تھا کہ وہ بندگان شمسی میں سے تھے ۔ اسلئے ان کا احوال معرض خفا میں رہ گیا ، اور بر بنائے قیاس بہت سے افسانے گھڑ لئے گئے ، کسی نے کہا انکے والد کا نام محمود تھا ، اور لاچین انکے قبیلے کا نام تھا ، تو کسی نے خسرو کے ماموں محمود کے نام کو خسرو کے والد سیف الدین کے نام سے جوڑ کر سیف الدین محمود کر دیا کسی نے انہیں امیر بلخ ، امیر غزنین قرار دیا ، تو کسی نے انہیں امیر ہزارۂ لاچین بتایا اور انکا اصلی وطن ماوراءالنہر کے شہر کش کو قرار دیا ۔ کسی نے یہ لکھا کہ وہ پٹیالی میں آباد ہوئے اور بہ سلسلہ ملازمت دہلی میں اس وقت منتقل ہوئے جب خسرو پانچ برس کے تھے یعنی ۶۵۵ ہجری میں ، تو کسی نے یہ لکھا کہ وہ ایک خدا رسیدہ بزرگ تھے ۔ یہ ساری افسانہ طرازیاں اس لئے کی گئیں کہ کبھی کسی نے اس صدی سے پہلے خسرو کے تمام کلام اور تمام تصنیفات کا جائزہ نہ لیا ۔

اور جن لوگوں کو تحفۃ الصغر اور غرۃالکمال کے دیباچوں کے دیکھنے کا موقع ملا وہ یہ سمجھنے سے قاصر رہے کہ یہ ''سلطانی' شمسی'' کیا بلا ہے، وہ اس بات سے ناواقف تھے کہ سلطانی نام کا ایک سکہ تھا جو دو درم یا ایک جیتل کے برابر تھا اور سلطان التتمش نے انہیں اسی درم سلطانی سے، کسی تاجر سے خریدا تھا، اس بات کی توثیق کہ سلطانی نام کا ایک سکہ تھا، خسرو کے ایک شعر سے بھی ہوتی ہے جو انکے مجموعہ تحفۃ الصغر میں ہے خسرو کا ایک تخلص سلطانی تھا وہ اس سے فائیدہ اٹھاتے ہوئے غزل کے ایک مقطع میں کہتے ہیں۔

ضربت غم می خورم سلطانی آسا تا مگر
قبلۂ جاں روزی آں رخسار گلناری کنم*

اس امر کی مزید تصدیق کہ سلطانی نام کا سکہ سلطان التتمش کے زمانے میں رائج تھا، راورٹی کے اس انگریزی ترجمے سے بھی ہوتی ہے جو اس نے طبقات ناصری کے کئی قدیم مخطوطوں کو سامنے رکھکر کیا تھا۔ منہاج سراج، تمر خان قمرالدین قیران بگ، بندۂ التمش کے بارے میں لکھتا ہے کہ سلطان نے اسے پچاس ہزار درم سلطانی سے خریدا تھا**

چنانچہ ان باتوں سے ناواقفیت ہی کی بنا پر ڈاکٹر وحید مرزا، نے اپنی کتاب لائف اینڈ ورکس آف امیر خسرو میں لکھا کہ ایک جگہ خسرو نے اپنے والد کا نام سلطانی' شمسی بتایا ہے۔ اور دوسرے بزرگوں نے اپنی عدم واقفیت کو چھپانے کیلئے اسکے ذکر ہی سے اغماز برتا۔ ظاہر ہے کہ جب یہ بنیادی بات ہی لوگوں کے سامنے نہ ہوگی کہ امیر خسرو کے والد بندگان شمسی میں سے تھے، تو پھر اس سے متعلق تحقیق کا دروازہ کیونکر کھل سکتا تھا، پھر تو وہی دولتشاہ سمرقندی اور تاریخ فرشتہ کے غلط بیانات ہی کو منطقی ثابت کرنے کی کوششیں کیجائیگی۔ میں نے یہ

---

* کلیات غزلیات خسرو۔ مطبوعہ لاہور ۱۹۷۵

** حوالہ ماقبل کے صفحات میں دیا جاچکا ہے۔

چند کلمات جملہ معترضہ کے طور پر اس لئے لکھے ھیں کہ میں جو باتیں امیر خسرو کے والد کے احوال کے بارے میں لکھرھا ھوں وہ بالکل نئی ھیں لیکن خسرو کے اپنے بیانات پر مبنی ہیں ۔

خسرو کے والد امیر سیف الدین شمسی ولایت بالا کے ایک ترک تھے ۔ ولایت بالا کا اطلاق ختا و ختن کے علاقے پر بھی ھو سکتا ھے اور ماوراءالنہر سے لیکر پورے دشت قپچاق کے علاقے پر ، چونکہ اس موضوع پر بحث میں اس کتاب کے پہلے باب میں کر چکا ھوں ۔ اوراب اُن باتوں کے دھرانے سے کوئی فائدہ نہیں ۔ اس لئے یہاں صرف وھی باتیں ان کے بارے میں لکھوں گا جو متحقق ہیں ۔ ان کے والد کا ترکی نام لاچین تھا ، مگر وہ مشہور سیف الدین شمسی کے نام سے تھے ۔ محمود انکے نام کا کوئی جزو نہ تھا ۔ انہیں سلطان التتمش نے کسی تاجر سے درم سلطانی خریدا تھا ، جو بیرونی ممالک میں زر مبادلہ کی حیثیت سے اس وقت زیادہ مقبول تھا ، سلطان التتمش نے انہیں مختلف مہمات جنگی پر بھیجا ۔ کیونکہ وہ بڑے بہادر تھے اور صف شکنی میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے ۔ چنانچہ خسرو کا تو یہ کہنا ھے کہ سلطان التتمش نے انہیں کے زور بازو سے اپنی سلطنت قائم کی ، اگر یہ بات متحقق ھوجاتی ھے کہ منہاج سراج نے طبقات ناصری میں جس ملک سیف الدین شمسی کا ترجمہ لکھا ھے ۔ وہ خسرو ھی کے والد سیف الدین شمسی ہیں تو پھر انکی پوری زندگی کی حکایت ھمارے سامنے آجاتی ھے ۔ لیکن چونکہ یہ مسئلہ نازک ھے ، اور اس تحقیق سے بھی وابستہ ھے کہ خسرو کے والد ختائی ترک تھے یا قپچاقی جس کے بارے میں فی الحال کوئی دوٹک رائے نہیں دیجاسکتی ھے اس لئے میں نے دوسروں کی صوابدید کیلئے اس مسئلے کو کھلا رکھا ھے ۔ اور یہاں صرف وھی باتیں لکھ رھا ھوں جو خسرو کے اپنے بیانات سے مترشح ھوتی ہیں ۔ سلطان التتمش نے انہیں منصب امارت پر فائز کیا ۔ وہ کڑا مانک پور میں مقطع بھی تھے اور اپنی دینداری کے لئے بہت مشہور تھے ۔ سلطان شمس الدین کی وفات (۶۳۳ ھجری)

کے بعد، اس کے ورثا میں سے سلطان ناصر الدین محمود کے عہد سلطنت میں وہ کسی اہم عہدے پر فائز تھے اور کفار سے جنگ کرتے ہوئے ۶۵۹ ہجری میں شہادت پائی، ہر چند کہ خسرو نے انہیں از روئے انکساری اُمی لکھا ہے لیکن اسی کے ساتھ ساتھ یہ جملہ بھی لکھا ہے کہ ”جو کچھ کہ مجھ سے ظاہر ہوا ہے وہ انہیں کی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ انہیں وہ ابر سے اور اپنے کو اس کے ایک قطرے سے تشبیہ دیتے ہیں۔ خسرو کے والد کی شادی راوت عماد الملک کی بیٹی سے ہوئی تھی، جو ایک نو مسلم راجپوت تھے۔ برنی نے انہیں بندگان شمسی میں سے بتلایا ہے۔ خسرو کے کئی بھائی اور کئی بہنیں تھیں (اعجاز خسروی) لیکن ان میں سے ہمیں خسرو کے ایک چھوٹے بھائی قتلغ کا علم ہے جن کا خطاب شاہی حسام الدین تھا، وہ اپنے والد کی طرح بہادر اور سورما تھے۔ انکا انتقال ۶۹۸ ہجری میں ہوا۔

اس امیر کبیر گھرانے میں خسرو ۶۵۱ ہجری میں بمقام دہلی پیدا ہوئے۔* والدین نے انکا نام خسرو رکھا اور وہ اسی نام سے مشہور ہوئے۔ بعض تذکروں میں خسرو کی کنیت ابوالحسن لکھی گئی ہے جو تمامتر غلط ہے کیونکہ انکے کسی بھی بیٹے کا نام حسن نہیں تھا، اور نہ یہ انکا نام تھا۔ انہیں تذکروں میں خسرو کا خطاب شاہی یمین الدین بھی لکھا گیا ہے۔ لیکن اسکی بھی کوئی تصدیق نہ تو خسرو کے کسی بیان سے ہوتی ہے اور نہ انکے کسی معاصر کے بیان سے۔ سیر الاولیاء کے حوالے سے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ انکے والدین نے انکے نام کے آگے محمد کا اضافہ برکت کے لئے کردیا تھا۔ مولف سیر الاولیاء لکھتا ہے۔ ”میں نے ایک مرتبہ سلطان المشایخ کی زبان مبارک سے سنا کہ آج رات مجھے کہا گیا ہے خسرو درویشوں کا نام نہیں، اس کا نام محمد کا سہ لیس رکھنا چاہئے“ §

---

* حوالہ تیسرے باب میں دیا جاچکا ہے۔

§ سیر الاولیاء۔ اردو ترجمہ مطبوعہ۔ ص ۲۶۳

مگر یہ روایت ضعیف معلوم ہوتی ہے کیونکہ اسی سیر الاولیاء میں یہ حکایت بھی ملتی ہے کہ ''ایک دفعہ سلطان المشائخ کی مجلس میں کھانا لایا گیا ۔ جب کھانا کھا چکے تو امیر خسرو نے ایک پیالے کو چاٹنا شروع کیا ۔ سلطان المشائخ نے فرمایا یہ کیا کرتے ہو ۔ عرض کیا کہ ایک بزرگ تھے ، خواجہ لیس ۔ وہ خود بھی اپنے تئیں کاسہ لیس کہا کرتے ۔'' * سلطان التتمش کے زمانے میں ایک بزرگ خواجہ نصیر الدین کاسہ لیس تھے (طبقات ناصری حصہ اول ، نسخہٴ حبیبی ، احوال التتمش ، حاشیہ) ممکن ہے خسرو کا اشارہ انہیں خواجہ لیس کی طرف ہو ۔ اگر انکے شیخ نے خسرو کا نام محمد کاسہ لیس تجویز کیا ہوتا تو پھر وہ خسرو کے طنز کو پی گئے ہوتے ۔ اور یہ پوچھنے کی ضرورت پیش نہ آتی کہ یہ کیا کر رہے ہو ۔ مزید یہ کہ خود خسرو نے اپنے نام کے آگے محمد کہیں نہیں لکھا ہے ۔ انکا نام خسرو تھا اور خسرو ہی تخلص بھی تھا ۔ ہاں تحفۃ الصغر کے دیباچے میں انہوں نے یہ بات لکھی ہے کہ اس نسبت سے کہ میرے والد کو سلطان التتمش نے درم سلطانی سے خریدا تھا ، میں نے خواجہ عزالدین کے مشورے پر اپنا تخلص سلطانی بھی رائج کیا ۔ چنانچہ تحفۃ الصغر کی کئی غزلوں اور منظومات میں آج بھی ان کا یہ تخلص ملتا ہے ۔ مگر معلوم ایسا ہوتا ہے کہ بعد کے زمانے میں بجز ان جگہوں کے جہاں کوئی مناسبت لفظی یا معنوی سلطانی کیساتھ ہے بیشتر جگہوں میں اپنا تخلص سلطانی سے خسرو کردیا ہے ۔ معنوی اور لفظی نسبت سے جن چند اشعار میں اپنے تخلص سلطانی کو برقرار رکھا ہے وہ یہ ہیں ۔

(۱) ضربت غم می خورم سلطانی آساتا مگر
قبلہٴ جان روزے آن رخسار گلناری کنم
(۲) خہ کہ درعہد تو سلطان سخن
خسرو لا چین سلطانی شدست

---

* ایضاً ۔ ص ۔ ۳۷۴

(۳) گر نہ ایں ازقضائے یزدانیست
پٹیالی چہ جائے سلطانیست *
(۴) چوں سلطانی آمد گدائے در تو
تو سلطانی ازدر مراں ایں گدارا §

اس سے یہ نتیجہ نہ نکالا جائے کہ صرف انہیں چند اشعار میں انھوں نے سلطانی تخلص قائم رکھا ہے۔ تحفۃالصغر کی کئی ایسی غزلوں میں بھی سلطانی تخلص ملتا ہے۔ جہاں کوئی نسبت لفظی یا معنوی نہیں بھی ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظ ہو (کلیات غزلیات خسرو مطبوعہ لاہور ۱۹۷۵ء)۔ ¶

خسرو کے نابغۂ روزگار ہونے کے آثار، تین چار سال کی عمر ہی میں ظاہر ہوگئے تھے۔ اسکا اندازہ انکے اس جملے سے ہوتا ہے کہ ابھی میرے دودھ کے دانت گر ہی رہے تھے کہ میں نے کلام موزوں کرنا شروع کردیا تھا۔ (دیباچۂ غرۃ الکمال) انکے اس بیان کی صحت اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ انھوں نے جو یہ رباعی چار انمل بے جوڑ لفظوں کی خواجہ عزالدین کی فرمائش پر کہی تھی۔

ہر موئے کہ در زلف خم آں صنم است
صدبیضۂ عنبریں برآں موئے ضم است
چوں تیر مداں راست دلش را زیرا
چوں خرپزہ دندانش درون شکم است

اُس وقت انکی عمر چھ سات سال کی تھی جیسا کہ انکی اس عبارت

---

* مثنوی۔ شکایت نامۂ مومن پور پٹیالی۔ کلیات خسرو انڈیا آفس لائبریری شمارہ ۱۱۸۸

§ اسکا پورا حوالہ تیسرے باب میں دیا چکا ہے۔

¶ وسط الحیات کلیات شمارہ ۲۱،۱۰۴ - ف - ۷۰

سے واضع ہوتا ہے۔

"پدرم بہ تحصیل مکتبت می فرستاد و من قافیہ را تکرار می کردم۔ استاد سعد الدین محمد عرف بقاضی خطاط علیہ الرحتہ کاتب را بہ تعلیم خط می خواند و من در خط بیت می نو شتم" *

خسرو آٹھ سال کے تھے † کہ انکے والد کا انتقال ہوگیا۔ اسکے بعد انکے نانا عمادالملک نے الکی پرورش کی۔ "آں کریم درکنف پرورش می نمود تا پرورده شدم" (دیباچۂ غرۃ الکمال) اس سے اس امر کا اندازہ ہوتا ہے کہ خسرو کی والدہ ماجدہ بھی اپنے والد کے گھر میں منتقل ہوگئی تھیں۔ خسرو کو اس داغ یتیمی کا بڑا غم تھا۔ جیسا کہ انکے اس شعر سے ظاہر ھوتا ہے۔

سیف از سرم برفت و دل من دونیم ماند
دریائے خوں رواں شد و درم یتیم ماند

ایک غلط فہمی کا ازالہ

خسرو کے ایک چھوٹے بھائی حسام الدین قتلغ کا ذکر کرچکا ہوں اور جو مرثیہ انہوں نے اپنی والدہ ماجدہ اور اپنے چھوٹے بھائی حسام الدین کا ملا کر لکھا ہے (لیلیٰ مجنوں) اس کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ حسام الدین کے علاوہ انکے کئی بھائی تھے۔ ملاحظہ ہوں یہ ابیات۔

دانم کہ تو در بہشت جاوید   رخشندہ تری زماہ و خورشید
چونست بر تو ہمسر من   فرزند تو، ¶ برادر من
قتلغ کہ سرا ز حق تبارک   بودست چو نام خود مبارک

---

* دیباچہ تحفۃ الصغر۔ کلیات خسرو شمارہ ۱۰۴، ۲۱

† کلیات خسرو انڈیا آفس شمارہ ۱۱۸۷

¶ تو کا اشارہ والدہ کی طرف ہے۔

ازاوج وفا کبوتر پاک   ہم کابک من زبرج افلاک
نی نی غلطم که در سواری   شاہین * دلاور شکاری
در معرکه اژھادھا ** نظیری   در مستئ بادہ شیر گیری
آئین غزا تمام کردہ   دولت لقبش حسام کردہ
در حمله درست چوں پدر شیر   نی ہمچو من شکسته تیر
ازخواب تو در برادراں تاب   خوش کردہ تو با برادراں خواب

چنانچه یه امر تو مسلم ہے که انکے کئی بھائی تھے - اس کا اظہار انہوں نے اپنے بیٹے رکن الدین حاجی کے مرثیے میں بھی کیا ہے (نہایت الکمال) مگر انہوں نے کہیں بھی یه نہیں لکھا ہے که انکے کوئی بھائی بڑے یا چھوٹے عزالدین علیشاہ نام کے تھے - یه غلط فہمی جمالی مولف سیرالعارفین کو علاء الدین علیشاہ کے نام کے التباس سے ہوئی - جنھیں خسرو نے اپنے دیوان غرۃالکمال کے دیباچے میں برادر کہکر یاد کیا ہے -

'بزرگانے که من گدا ، ایں خردۂ چندرا ' از درویزۂ درہائے ایشاں یافته ام ایشا نند - که یکے از آنہا مولانا شہاب الدین الحق ، آں شہاب ثاقب که در لطافت طبع آتش پارہ ایست و دردل شب روشن ، روش او از انوار غیب خبر آرد و صد هزار انجمن را گرم دارد تا جہانی از او مقتبس گردد - دوم قاضی سراج الملت که نور سراج اُمتی از زبان او بطاق فلک سر کشیدہ است و بروج سمارا روشن گردانید - اورا سراج نتواں گفت بلکه قمرمنیرتواں خواند - سرم برادر تاج الدین زاہد که میان پادشاہان سخن آں سر آمدہ را فرق مسلم است - اگر اخوان موافق آں یوسف لقارا بہزار جاں بہا کنند همچناں با شد که یوسف را به هفت درم قلب خریدہ با شند - و

---

* شاهین کا اشارہ لاچین کی طرف ہے جسکے لغوی معنی شاهین کے هیں -

** اژدها نظیری کا اشارہ عماد الملک کی طرف ہے - جنکے علم پر اژدہے کی تصویر بنی ہوئی تھی -

چہارم برادر علاء الدین علیشاہ نَزلَ القابُ الکُمّلِ من السّماء وعلیٰ لقبہُ علی السماء۔ دوستے موافق و واقف و منصف کہ نہ روئے من نگاهدارد و نہ پشت بانصاف کند۔ از آنجا کہ راستیٔ قلم اوست* در صحیفہ من کذاب جز رقم راستی نکند۔ زہی علی کہ صدق زبانش از خلق محمدی حکایت می کند۔**

اس عبارت میں علاء الدین علیشاہ کاتب کو خسرو نے اپنا دوست بتایا ھے اور برادر کا لفظ اسی طرح تعظیماً استعمال کیا ہے جسطرح انہوں نے تاج الدین زاہد کو برادر کہکر یاد کیا ھے۔

انہیں وہ ایک ”دوستے موافق و واقف و منصف“ لکھتے ھیں نہ کہ اپنا برادر حقیقی۔ یہ علی شاہ یا علی شہ جنکا پورا نام علاء الدین تھا۔ ایک کاتب ھی نہ تھے بلکہ اپنے زمانے کے بہت بڑے عالم و فاضل تھے۔ چنانچہ اسی عبارت میں جسکا حوالہ میں نے اوپر دیا ھے یہ مزید کلمات انکی توصیف میں ملتے ھین۔ ”اگر دانا نیستم، داناشناس ھستم ایں حبیب را کہ در عقد حساب آوردہ ام عقیدہ دارم کہ در دانش عربی و پارسی چناں اند کہ از عرب تا پارس امثال ایں اماثل نیابند و در دادن انصاف چنانکہ انصاف تواں دادن۔ شبۂ خطائی کہ در دل ایشاں بگزشتہ بہ بندہ بگزرانیدہ و از سر آن بگزشتہ با اصلاح بنوشتہ“

محوالۂ بالا عبارت میں جس علاالدین علی شاہ کو خسرو نے اپنا دوست اور حبیب گردانا ہے وہ انہیں عربی اور پارسی زبان کا عدیم المثال عالم قرار دیتے ھیں اور اس بات پر زور دیکر لکھتے ھیں کہ میرے کلام میں جس کسی بات کی صحت میں انکو شبہ ھوتا وہ مجھے اس سے مطلع کرتے اور اسکو درگزر کرتے ھوئے دیوان میں اصلاح کے ساتھ

---

* علاء الدین علیشاہ کاتب تھے اور انہوں نے خسرو کے دیوان کی کتابت کی تھی۔

** دیباچۂ غرۃ الکمال کلیات شمارہ ۲۱,۱۰۴ برٹش میوزیم۔

لکھتے - خسرو کی اس عبارت سے بعض تذکرہ نگاروں نے دو غلط نتائج اخذ کئے ھیں ایک یہ کہ لفظ برادر سے دھوکا کھاتے ھوئے علیشاہ کو خسرو کا بھائی گردانا ، اور جس عقیدت سے ان کا نام لیا گیا ھے اسکی بنیاد پر انہیں انکا برادر کلاں تصور کیا - اور انکا نام اپنے تذکروں میں علاءالدین لکھنے کے بجائے عزالدین لکھا جو سہو کتابت بھی ھو سکتا ھے - دوسرا غلط نتیجہ یہ اخذ کیا کہ انکی حیثیت خسرو کے ایک استاد کی بتائی اور یہ جملہ لکھا کہ خسرو جو شعر بھی کہتے اسے انکی اصلاح کے بغیر کسی کو نہ سناتے -

چونکہ سب سے پہلے جمالی ھی نے اپنے تذکرے سیر العارفین میں یہ بات لکھی ھے کہ عزالدین علیشاہ خسرو کے بڑے بھائی تھے - اس لئے میں پہلے انہیں کے ترجمۂ خسرو سے چند جملے پیش کر رھا ھوں - جمالی لکھتے ھیں -

نقل است از مولانا سراج الدین پدر حمید قلندر کہ روزے درشان خواجہ خسرو و حضرت شیخ نظام الملت فرمودند - اے ترک من از وجود خود برنجم و لیکن از تو ہرگز نرنجم و برادر بزرگ خدمت خواجہ خسرو کہ اعزالدین علی شاہ نام داشت فوق الحد منظور و محبوب حضرت شیخ مشار الیہ بودہ است - چنانچہ خواجہ حسن در کتاب فوائید الفواد او را و حضرت شیخ نصیر الدین محمود مریدان پاک نہاد را یک اعتقاد نبشتہ است و حضرت شیخ و خواجہ اعزالدین علی شاہ را مکرر بہ تشریف خلعت خاص خود مشرف ساختہ اند - وہ خدمت خواجہ خسرو - ہر شعرے کہ می گفت تا در نظر او نمی برد بیروں نمی اورد - "*

جمالی نے اپنے اس ترجمے میں جو حوالہ فوائدالفواد کا دیا ھے وہ بلکل غلط ھے - خواجہ حسن نے کوئی ذکر اعزالدین علی شاہ یا علاءالدین علی شاہ کا نہیں کیا ھے - اور اس پوری کتاب میں شیخ

---

* سیر العارفین از جمالی مطبوعہ - ص - ۶۵، ۶۶ -

نصیرالدین محمود کا ذکر ایک بار اور امیر خسرو کا ذکر ایک بار آیا ہے۔ اور ان جگھوں میں کہیں بھی وہ باتیں نہیں لکھی ہوئی ہیں جنکا حوالہ شیخ جمالی نے دیا ہے۔ یہ حوالہ سراسر غلط ہے۔ لیکن چونکہ جمالی کے تذکرے کو تقدم زمانی حاصل تھا (یہ تذکرہ عہد ہمایوں میں لکھا گیا) اس لئے اس تذکرے سے استفادہ کرنے والے سارے تذکرہ نگاروں نے انکی پیروی میں اعزالدین علی شاہ کو خسرو کا بڑا بھائی لکھا ہے۔

مولف میخانہ، "مخزن اخبار" کے حوالے سے لکھتا ہے۔ کہ خسرو کابل کے قریب غور کے موضع میں پیدا ہوئے ان کے والد امیر محمود نے انکا نام ابوالحسن رکھا اور لقب یمین الدین (پیدا ہوتے ہی باپ نے کنیت اور لقب دونوں عطا کر دئے) جب خسرو پانچ سال کے ہوئے تو چنگیز خان نے کابل کی جانب رخ کیا (چنگیز کی وفات سنہ ۶۱۹ یا ۶۲۰ هجری میں واقع ہوئی اور خسرو ۶۵۱ هجری میں پیدا ہوئے) انکے والد امیر محمود نے جان کے خوف سے فرار کرکے ہندوستان کی طرف رخ کیا اور سلطان محمد تغلق کی خدمت میں مشرف ہوئے اس کے بعد کا جملہ یہ ہے "بعد از وفات امیر محمود والیٔ دهلی (محمد تغلق شاہ) برادران او (خسرو) را خطابہا نہاد۔ برادر بزرگش علی شاہ با عزالدین ملقب ساخت" *

اور یہی غلط بات تاریخ فرشتہ کا مولف ہندو شاہ بھی لکھتا ہے کہ اعزالدین علیشاہ خسرو کے "برادر کلاں" تھے ** اور انکے والد کی عمر وفات کے وقت وہی پچاس سال لکھی ہے جو مولف میخانہ نے مخزن الاخبار کے حوالے سے لکھی ہے۔

ہمیں ڈاکٹر وحید مرزا سے یہ توقع تھی کہ جو غلط بات کہ جمالی نے فوائد الفواد سے منسوب کرکے لکھی ہے وہ اسکی

---

* میخانہ۔ مرتبہٴ محمد شفیع۔ ص ۶۰-۶۲۔

** تاریخ فرشتہ فارسی نولکشور ص۔ ۲۰۲۔

چھان بین کرتے۔ کم از کم ایکبار فوائد الفواد کا مطالعہ ہی کرلیتے لیکن انہوں نے تو اس کتاب سے یکسر استفادہ ہی نہیں کیا ھے وہی بات اپنے مقالے ”لایف اینڈ ورکس آف امیر خسرو“ میں دھرا دی ھے جو تذکرہ نگار لکھتے رہے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب بغیر کسی حوالے کے لکھتے ہیں۔

> "Of the other two sons (of saifuddin) Izzuddin Ali Shah also later distinguished himself as a scholar" *

اور پھر لفظ اسکالر پر نشان حوالہ دیتے ہوئے حاشیئے میں لکھتے ہیں کہ خسرو نے انہیں اپنے دیباچہ‘ غرۃ الکمال میں عربی اور فارسی کا بہت بڑا عالم بتایا ھے۔ (ڈاکٹر صاحب نے یہاں صفحات کا حوالہ دینا بھی پسند نہیں کیا ھے)

ڈاکٹر صاحب نے حاشیہ میں جو یہ نوٹ دیا ھے اس کا مفہوم یہی لیا جایگا کہ خسرو نے خود اپنے بھائی کا نام اعزالدین علیشاہ لکھا ھے لیکن ہم نے جو اقتباس غرۃ الکمال کے دیباچے سے دیا ھے۔ اس میں خسرو نے اپنے ایک بزرگ دوست علاء الدین علی شاہ کو برادر کے لفظ سے مخاطب کیا ھے اور انہیں عربی اور فارسی کا عالم بتایا ھے نہ کہ اپنے کسی برادر حقیقی اعزالدین علی شاہ کو۔ اور اس پورے دیباچے میں بجز علاء الدین علیشاہ کے کسی اور علی شاہ کا ذکر نہیں ھے۔ اور نہ خسرو کی کسی اور تصنیف میں خواہ وہ نثر میں ہو یا نظم میں کسی اعزالدین علی شاہ کا ذکر ھے۔ † اسکے برعکس علاء الدین علیشاہ کا ذکر خسرو نے متعدد جگہوں میں کیا ھے۔

جب جلال الدین خلجی نے ملک چھجو کے خلاف لشکر کشی کی

---

* Life and works of Amir Khusroe Page 19

† خسرو کے ایک بیٹے کا نام عزالدین مبارک تھا۔ انھوں نے اپنے مثنوی دول رانی و خضرخان میں ان کے نام ایک نصیحت نامہ لکھا ھے۔

ہے اور بدایوں کی طرف ۶۹۰ ھجری میں گیا ہے تو خسرو بھی اسکے ہمرکاب تھے۔ چنانچہ انہوں نے ایک قصیدے میں جو ۶۹۰ ھجری کا لکھا ہوا ہے۔

ششصد و نود این نکته را برون دادم
بشرح حالت خویش از درون پر غوغا

اپنے متعلقین سے دور ہونے کا جہاں اظہار غم کیا ہے وہاں اپنے تین احباب، تاج الدین زاھد، شہاب الدین اور علاء الدین علی شاہ کاتب کو برادران رضا کے القاب سے یاد کرتے ہوئے پیام محبت بہ دست صبا بھیجا ہے۔ اس قصیدے میں اپنے برادر خورد حسام الدین قتلغ کو بھی یاد کیا ہے۔ ع دگر برادر خوردم حسام الدین قتلغ۔

کجا ست تاج سرمن برا درم زا ھد   که از سرم نشده دور از خلاءو ملا
بروا ے صبا زمن بنده بندگی برسان   برآں برادر* و دیگر برادران رضا¶
یکے سپہر دقایق شہاب دین کز صدق   مراست علم که اوراست فضل برفضلا
دگرعلی شهه کاتب علالقب که شد ست   ز نام عالی او عین آں لقب بالا†

اس قصیدے میں بھی انہیں تین احباب کا ذکر ہے جنکا نام ہمیں غرة الکمال کے دیباچے میں ملتا ہے۔ یعنی تاج الدین زاھد۔ شہاب الدین اور علاء الدین علی شاہ کاتب " دگر علی شهه کاتب علا لقب " کا اشارہ واضع طور سے انکے نام علاء الدین کی طرف ہے۔

یہ دونوں داخلی شہادتیں جو میں نے پیش کی ہیں اس حکایت

---

* برادر کا اشارہ حسام الدین قتلغ کی طرف ہے جنکا ذکر اوپر کی بیت میں کیا ہے۔

¶ دیگر بردران رضا کی تفصیل بعد کی ابیات میں ہے۔

† وسط الحیات کلیات خسرو شمارہ ۲۱،۱۰۴ - ف- ۱۰۴ تا ۱۰۷ -

کی تکذیب کرتی ہیں کہ خسرو کے کوئی بھائی عزالدین علی شاہ تھے ۔ علاء الدین عایشاہ ھی کو بعض تذکرہ نگاروں نے عزالدین علی شاہ لکھا ھے اور لفظ برادر سے دھوکا کھاتے ھوئے انہیں خسرو کا بڑا بھائی گردانا ھے - چنانچہ مذکورہ کتاب کے آخری حصے میں ڈاکٹر وحید مرزا کو بھی یہ احساس ھوا کہ جس اعزالدین علی شاہ کو خسرو کے تذکرہ نگار انکا بھائی قرار دیتے ہیں ۔ وہ اصل میں علاء الدین علی شاہ کاتب ہیں ۔ اور یہ غلط فہمی بر بنائے التباس نام ھوئی ھے ۔ یہ احساس ڈاکٹرصاحب کو اس وقت ھوا جب انہوں نے خسرو کے دیوان غرۃ الکمال پر ایک علحدہ نوٹ لکھا ھے - (ملاحظہ ھو انکی کتاب لایف اینڈ ورکس آف امیر خسرو کلکتہ ایڈیشن صفحات ۱۹۱) یہاں اسکی وضاحت میں انہوں نے جو کچھ حاشیئے میں تحریر کیا ھے میں صرف اسے نقل کر رھا ھوں ۔

> “From this fact (the fact of addressing him as “my brother”) and the similarity of the two names Alauddin has been confused with Izzuddin by some biographers see shibli, II 123, Rieu II 609 seq. Re Ghurratul Kamal.”*

مگر جب ڈاکٹر وحید مرزا کو اس غلط فہمی کا احساس ھوگیا تھا تو انہیں اسکی روشنی میں اپنے اس بیان کی بھی اصلاح کر دینی چاھئے تھی جہاں انہوں نے خود اعز الدین علی شاہ کو خسرو کا بھائی قرار دیا ہے - اگر ڈاکٹر صاحب نے یہ زحمت گوارا کی ھوتی اور غرۃ الکمال کے دیباچے کے حوالے سے اپنے قارئین کو گمراہ نہ کیا ھوتا تو مجھے ان صفحات کے لکھنے کی چنداں ضرورت پیش نہ آتی ۔

اگر شبلی کا یہ جملہ غلط ھے " بہر حال سیف الدین کے

** Life & works of Amir Khusroe Callcutta Edition 1935 Marginal notes on Page 191

تین بیٹے تھے - اعزالدین علی شاہ ، حسام الدین اور امیر خسرو"* تو پھر ڈاکٹر وحید مرزا کا بھی یہ جملہ غلط ہے کہ سیف الدین کے تین بیٹے تھے - اعزالدین علی شاہ ، حسام الدین اور خسرو اور پھر اسکے بعد کا یہ جملہ بھی غلط ہے کہ ان میں سے اعزالدین علی شاہ عربی اور فارسی کے بہت بڑے عالم تھے - (صفحہ ۱۹) - کیونکہ خسرو نے کہیں بھی کسی اعزالدین علی شاہ کا نام نہیں لیا ہے اور نہ کسی معاصر مورخ یا تذکرہ نگار نے خسرو کی نسبت سے اس شخصیت کی نشاندھی کی ہے - یہ تذکرہ نگاروں کا اپنا اختراع ہے اور غرۃ الکمال کے دیباچے کے غلط مطالعے کا نتیجہ ہے -

خسرو کی شعری تربیت

ہم نے خسرو کو انکے مکتب میں چھوڑا تھا جبکہ وہ خوشخطی کی تعلیم حاصل کر رہے تھے - اور جب ان کے بھائیوں کا ذکر چلا تو ہم انکے مکتب سے بہت دور نکل آئے کچھ اپنی بے راہ روی سے نہیں بلکہ تذکرہ نگاروں کی چیرہ دستی سے - حالی نے اردو کے شعراء متاخرین کی غزلوں کو ناپاک دفتر کا نام دیا ہے - لیکن ہم نے پرانے تذکرہ نگاروں کے حق میں کوئی ایسا لفظ استعمال نہیں کیا ہے - مسئلہ انکو احتیاط سے چھونے کا ہے - کیونکہ وہ نقل نویس تھے نہ کہ محقق - بہر حال اب خسرو کی طرف پھر رجوع کر رہے ہیں -

خسرو ابھی بارہ سال کے تھے کہ انہیں انوری، سنائی اور خاقانی کا کلام ازبر ہوگیا تھا - انہیں خاقانی کے کلام کو سمجھنے میں دشواری ہوتی کیونکہ اس کی لغات مشکل تھیں - تاہم ان کے ذوق شاعری کی تربیت انہیں اساتذہ کے کلام سے ہوئی ، بالخصوص انوری اور سنائی ، خاقانی کی پیروی میں بھی انہوں نے مشق سخن کی لیکن آسان الفاظ استعمال کئے - انکے کلام کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے ظہیر الدین فاریابی

---

* شعرالعجم حصہ دوم ص- ۸۳ تاج بک ڈپو لاہور

کی بھی تقلید کی - اور بعض قصائد اسکی زمین میں بھی لکھے - جہانتک کہ شعراء متاخرین کا تعلق ہے کمال اسمعیل اسپہانی اور سعدی کا اثر خاص طور سے نظر آتا ہے - چنانچہ وہ لکھتے ہیں - ”بر طرز استاداں بر تقدم و بہ تاخر دریں دفتر (تحفتہ الصغر) رقمے ہست اما چوں داغ حیات بر سر ایں اوراق ابتر است ایں را مجموع نتواں خواند بحد (اشقات کذا) انراہم -

زشت من خوبست اگر رائی تو خواست
کا بتر طفلاں کند استاد راست *

ایسا کیوں ہے کہ خسرو اس زمانے میں ہر استاد کے پیچھے دوڑتے رہے -

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر ایک تیز رو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

اسکا سبب انہوں نے یہ بیان کیا ہے کہ مجھے کوئی ناموراستاد ایسا نہیں ملا جو میرے ذوق کی رہنمائی کر سکتا اور میرے جوہر کو مجھ پر ظاہر کر سکتا -

”آہوئے مشکبار قلمم را از سواد خطا باز آوردی و مشک مرا کہ در پوست آہو بود، پوست باز کردہ بمن نمودے † -“

مگر جب ”آغاز خط“ کا نمود ہوا - غالباً یہ بات برس پندرہ یا سولہ کے سن کی ہوگی، وہ شعر کی باریکیوں سے واقف ہوئے - اور پھر ایسی غزلیں کہنے لگے جو آب حیات سے بھی زیادہ رواں تر ہوتیں - اس زمانے میں انہوں نے ایک بزرگ مفتیٔ الا نام، مقتدائی ایام، صدرالشریعۃ معزالدین غریفی سے بھی استفادہ کیا جو ان دنوں زندہ تھے (دیباچہ

---

* دیباچۂ تحفۃ الصغر شمارہ ۱۰۳،۲۹

† ایضاً

وسط الحیات) - اس زمانے میں وہ گاہ گاہ کوئی قطع اپنے معاصران کی تنقید میں بھی کہتے - '' و گاہ قطع را بہ تیغ زبان بہ معاصران میزدم " (دیباچہ وسط الحیات) بہر حال اس زمانے میں جو انکی نوجوانی کا زمانہ ہے انکی غزلوں میں سعدی اور کمال اسماعیل اصفہانی کا اثر نمایاں طور سے ملتا ہے - کمال اسماعیل اصفہانی بنیادی حیثیت سے قصیدہ گو تھا لیکن اس نے غزلوں میں بھی کچھ جدتیں، لب و رخسار اور زلف وخال کے استعاروں کے استعمال سے کی تھیں - بہر حال غزلوں میں سعدی کا اثر نمایاں ہے- قصائد میں انوری اور سنائی کا اثر خاص طور سے نظر آتا ہے - پند و موعظت کی باتیں انہیں شعراء کے انداز میں کہی ہیں - اس میں خاقانی کے نام کا بھی اضافہ کیا جا سکتا ہے - چونکہ غزل میں وہ صوفیانہ رنگ کو پسند نہ کرتے اس لئے اُن کی غزلیں پندو موعظت سے عاری، عاشقانہ رنگ کی ہوتیں جس میں یا تو محبوب کے سراپا یا پھر معاملات عشق کو نظم کرتے-

خسرو کی یہ نواجونی بڑی پر شور تھی - جب تک ان کے نانا عمادالملک زندہ تھے وہ فکر معاش سے آزاد تھے - ان کا مستقل شغل شعر گوئی اور دوست احباب کی رنگین صحبتوں سے لطف اٹھانا تھا -

انکی اس جوانی کی کچھ جھلکیاں انکے اس منظوم خط میں بھی ملتی ہیں جو انہوں نے تاج الدین زاہد کو اودھ سے لکھا تھا - گزرے ہوئے دنوں کی یاد دلاتے ہوئے وہ تاج الدین زاہد کو یوں مخاطب کرتے ہیں-

کو آں بو فا بہم نشستن دل در طرب و نشاط بستن
گہ دادن در نظم جو نوش از درج دھن بحلقہ گوش
گاھے بہ بدیہہ دل آویز سفتن گہرے بخامہ تیز
گاھے غزلے جو آب گفتن گاھے سخن شراب گفتن
گہ جام نشاط نوش کردن گہ زخمۂ تر بگوش کردن*

---

* غرة الکمال - نیشنل میوزیم - کراچی -

اس رنگینیٔ حیات کی ایک جھلک انکی اس مثنوی میں بھی ملتی ھے جو شکایت نامۂ موسنپور عرف پتیالی کے عنوان سے ھے یہ مثنوی انہوں نے اس وقت لکھی تھی جبکہ وہ ملک اختیارالدین کے ملازم کی حیثیت سے بزمرۂ سواران قلعه سوسن پور میں متعین تھے - اس وقت خسرو کی عمر بیس اکیس سال سے زیادہ کی نہ تھی - اس مثنوی سے دو ابیات ملاحظه ھوں -

در چمن از نوائے رود و رباب   سبزھا مست و چشمہا در خواب
روز بر ھر طرف تماشائیٔ   شب بدی در کنار رعنائیٔ ¶

جوانی کے یہ خسرو بڑھاپے کے خسرو سے بالکل مختلف تھے - خسرو غالب کی طرح اپنی ذات، اپنے کردار کو ھر جگہ بے نقاب کرتے ھیں - انہوں نے اپنی زندگی کی کسی بات کو بھی چھپایا نہیں ھے انکی طبیعت میں جو ایک معصومیت اور چھل کا مادہ تھا - وہ انہیں اپنی ذات کی نقاب کشائی اور صاف گوئی پر آمادہ رکھتا - اس میں انکی کچھ ظریفانہ طبیعت کو بھی دخل تھا - جوانی میں انکی صحبت بالعموم ظرفا کے ساتھ رھتی -

من کہ میلم بہ صحبت ظرفاست   با چنین قوم پست باید و خواست†

بھر حال یہ انکے اسی میلان طبع کا نتیجہ ھے کہ انہوں نے اپنی زندگی پر پردہ ڈالنے کی کوشش نہیں کی ھے - اپنی تمام سیہ کاریوں کا ذکر کیا ھے - بقیہ نقیہ کے دیباچے میں لکھتے ھیں -

واگر زمن سیاہ روی سزائے آں ھستم کہ آں نامہ (نامۂ شاعری) درگرد نم ببندند و روئے سیاہ کردہ در عرصۂ عرصات بگر دانند - وا نگاہ برندم بہ سینہ خانۂ آتش تا نامہ و من ھر دو یکبار بسوزیم" - *

¶ کلیات امیر خسرو - انڈیا آفس شمارہ ۱۱۸۸

† مثنوی موسوم بہ شکایت نامۂ موسن پور عرف پٹیالی -

* کلیات خسرو ۴۰۱۹۲ دیباچۂ بقیہ نقیہ - ف ۲۳۳

حقیقت یہ ہے کہ یہاں انہوں نے اپنے جس نامۂ سیاہ کا ذکر کیا ہے وہ انکے وہ قصائید ہیں جو انہوں نے سلاطین کی مدح میں کہے ہیں۔ وہ اپنی اس شاعری کو کذب نامہ اور اپنے کو اسکی نسبت سے کذاب کہتے بہر حال اس موضوع پر ہم اس وقت کچھ کہیں گے جبکہ انکے بڑھاپے کا ذکر کریں گے - فی الحال تو ہم بیس بائیس سال کے جوان سال خسرو کی گفتگو کر رہے ہیں -

خسرو بیس سال کے تھے کہ انکے نانا عماد الملک کا انتقال ہو گیا اس سانحے کے بعد اگر اسے سانحے کا نام دیا جاسکتا ہے کیونکہ انکا انتقال ایک سو تیرہ سال کی عمر میں ہوا - خسرو کو فکر معاش دامنگیر ہوئی - خسرو کے والد نے کچھ نہ کچھ اثاثہ تو ضرور چھوڑا ہو گا - خسرو کے اس جملے سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ جن دنوں انکے والد کڑہ مانک کے اقطاع کے حاکم تھے انہوں نے کچھ جائیداد وہاں بنا لی تھی - مگر وہاں کے نادہند اور شورش پسند کسانوں سے محصول جمع کرنا بڑا مشکل کام تھا - بہر حال وہاں کے اقطاع خسرو کو دئیے گئے تھے - ” اقطاع مقطع سیفی بمن وا نمودند “ (جواہر خسروی - حوالہ دیا جا چکا ہے) - بظاہر یہ بات عجیب سی معلوم ہوتی ہے کہ سیفی کے اقطاع خسرو کو دئیے گئے - کیونکہ اقطاع خدمات کے صلے میں ہوتے اور مقطع کی وفات کے بعد وہ سلطان وقت کی تحویل میں چلے جاتے - مگر ضیاءالدین برنی کی تاریخ فیروز شاہی سے یہ علم ہوتا ہے کہ چونکہ سلطان التمش کی وفات کے بعد حکومت غیر مستحکم ہوگئی تھی اسلئے بہت سے اقطاع داروں نے اپنے اپنے اقطاع میں جاگیریں بنا لی تھیں اور یہ کہتے تھے کہ یہ زمینیں تو ہمیں سلطان نے انعام و اکرام میں دی ہیں - چنانچہ اسی صورت حال سے نمٹنے کے لئے سلطان بلبن نے یہ فرمان جاری کیا کہ ان سارے والیان اقطاع سے جو فوجی خدمات کے صلے میں اب کسی مقطع کے حاکم نہیں رہے ہیں ان سے زمینیں واپس لے لی جائیں - اس پر بڑا احتجاج ہوا اور امیرالامرا فخرالدین کوتوال کی سفارش پر بلبن نے اپنا یہ فرمان واپس

لے لیا (تاریخ فیروز شاھی) چنانچہ اس صورت حال کے پیش نظر خسرو کا بیان اپنی جگہ پر صحیح معلوم ھوتا ہے لیکن چونکہ دلی سے کڑا مانک پور بہت دور تھا اور محصولات کی وصول یابی مشکل تھی اسلئے خسرو نے ملازمت کی سوچی۔ اس زمانے میں امیر زادوں کے لئے جو بالعموم ترک زادے ھوتے ایک ھی کیرئر کھلا ھوتا کہ وہ کسی امیر یا ملک کے فوجی دستے میں بہ حیثیت ایک سوار ملازم ھوجائیں۔ خسرو نے بھی یہی راستہ اختیار کیا اور انہوں نے اپنے کو ملک کشلؤ خان عرف ملک چھجو' ابن کشلی خاں کے دامن دولت سے وابستہ کیا۔ خسرو اسکے یہاں دو سال ملازم رہے، لیکن ابتدائی ملازمت انکی ''بزمرۂ سواراں'' تھی۔ خسرو نے جو مثنوی، شکایت نامہ موسن پور عرف پٹیالی لکھی ھے اس سے یہی بات ظاھر ھوتی ہے کہ وہ وھاں ایک ماہ کے لئے بزمرۂ سواراں متعین تھے۔

منکہ از جملۂ سوارانم   از تہی دست، اشک بارانم۔

یہ زمانہ خسرو پر بڑا سخت گزرا، اس قلعے کی ملازمت سے نجات پانے ھی کے بعد وہ ملک چھجو کے ندیم بنے ھونگے کیونکہ یہی شغل انکی طبیعت کے مناسب تھا۔ لیکن اس شغل میں بھی انہیں اپنے ملک کے ھمرکاب ھوکر میدان جنگ میں بھی جانا پڑتا۔ اور اس جگہ شاعری نہیں بلکہ تلوار کے جوھر دکھانے ھوتے۔ یہ ساری باتیں اس بات کو واضح کرنے کے لئے لکھ رھا ھوں کہ خسرو کو آداب حرب کی بھی مکمل تعلیم دی گئی تھی اور انہیں شہزادوں اور سلاطین کے ھمراہ میدان جنگ میں مسلح ھوکر جانا پڑتا تھا۔ اس چیز کی طرف اشارہ خسرو نے اپنی ایک مثنوی موسوم بہ عرض حال میں بھی کیا ہے۔ جس میں سلطان علاءالدین کو مخاطب کر کے یہ کہا ہے کہ میں ایک شاعر ھی نہیں بلکہ ھمرکاب شاہ کی حیثیت سے مجھے اپنی تلوار کے جوھر بھی میدان جنگ میں دکھانے ھوتے ھیں۔

نانے که سراز شهر یار ست   آن حق منست و اجر کار ست
تا در سفر و حضر همه گاه   باشم برکاب دولت شاه *

ملک چھجو کون تھا ؟

خسرو کے تمام سوانح نگاروں نے بجز ایک صباح الدین عبدالرحمن کے ¶ ملک چھجو کو ملک علاء الدین کشلی خاں کے ساتھ متحد کیا ہے یہ سراسر غلط ہے کیونکہ خسرو نے واضح طور سے ملک چھجو کو کشلو خاں ابن کشلی خاں لکھا ہے اور اس کے مدح میں جو قصاید لکھے ہیں ان میں کشلو خاں ابن کشلی خاں کو اختیارالدولہ و الدین یا اختیارالدین کے لقب سے یاد کیا ہے۔ پہلے خسرو کی عبارت اور ان کے قصائد سے حوالے ملاحظہ ہوں پھر اسکے بعد ان کے تذکرہ نگاروں کی غلط فہمی کا ذکر ہوگا۔

"بعد ازاں (عماد الملک کی وفات کے بعد) تعلق بفتراک دولت خان معظم کشلو خاں بعرف چھجو کردم —— بقدر دو سال قصیدۂ چند حالی که (حولی؟) دیگراں تواں گفت با انبساط پیش کش آن بساط کردم —— تا روزی شهزادۂ خورد بغرا خاں بزرگی فرمود و در خانۂ خان معظم کشلو خاں بن کشلی خاں که ابن عم او بود مهمان آمد" †

اس عبارت میں یہ بات واضح طور سے لکھی گئی ہے کہ کشلو خاں عرف چھجو، بغرا خاں کے چچا ملک کشلی خاں سیف الدین ایبک سلطانی کا بیٹا تھا جو سلطان بلبن کا چھوٹا بھائی تھا (طبقات ناصری) ۔ چنانچہ

---

* مثنوی عرض حال ۔ نامکمل کلیات خسرو مخطوطہ نیشنل میوزیم کراچی ۔

¶ بزم مملوکیہ از صباح الدین عبدالرحمن ۔

† دیباچہ غرۃ الکمال کلیات خسرو شمارہ ۲۱۴۱۰۳ ۔

برنی نے بھی ملک چھجو کو برادر زادۂ سلطان بلبن لکھا ہے - چنانچہ ملک چھجو کی ابنیت کا مسئلہ تو واضح ھے مگر خسرو کے بعض تذکرہ نگاروں نے ملک چھجو کو ملک علاءالدین کشلی خاں ابن کشلی خاں کے ساتھ خلط ملط کردیا ہے - اور یہ جاننے سے قاصر رہے ھیں کہ سیف الدین ایبک سلطانی کشلی خاں کے دو بیٹے تھے ایک علاءالدین کشلی خاں اور دوسرا اختیارالدین کشلو خاں عرف چھجو -

منہاج سراج طبقات ناصری میں لکھتا ھے کہ جب ملک کشلی خان سیف الدین ایبک سلطانی کی وفات ماہ رجب ۶۵۸ ھجری میں ھوئی تو امیر حاجبی کا شغل اسکے بیٹے علاءالدین محمد کو تفویض ھوا - *

اس ملک علاءالدین محمد کا ترجمہ ضیاءالدین برنی نے اپنی تاریخ فیروز شاھی میں خاصی تفصیل سے دیا ہے اور اسکے جود و سخا کی بڑی تعریف کی ھے - اس نے انکا شمار ملوک بلبن میں کیا ھے اور اس کی موت پر اظہار غم کیا ھے اس کے بعد سے اس نے اسکا ذکر ترک کر دیا ھے اور معزالدین کیقباد کے دائرے ملوک میں اسکا نام نہیں لیا ھے اور نہ کسی اور مورخ نے اس کے بعد کے زمانے میں اسکا ذکر کیا ھے - اس کے برعکس ملک کشلو خان عرف ملک چھجو کا ذکر بڑی تفصیل سے سلطان معزالدین کیقباد اور سلطان جلال الدین خلجی کے عہد سلطنت میں کیا گیا ہے - جبکہ جلال الدین خلجی سے اسکی جنگ ھوئی تھی اور سلطان جلال الدین نے اسے مقید کرکے ملتان بھیج دیا تھا - اب یہ دیکھئے کہ تاریخ فیروز شاھی کا مولف ضیاءالدین برنی کیونکر ان دونوں شہزادوں یعنی ملک علاءالدین محمد کشلی خان اور ملک اختیارالدین کشلو خان عرف چھجو کے فرق کو واضح کرتا ھے -

" بعض بندگان شمسی ، جنکا شمار خانان کبار میں ھوتا تھا اپنے بیٹوں کا نام محمد رکھے ھوئے تھے - اُن میں سے جو محمد نام کے حامل تھے -

---

* طبقات ناصری نسخہ حبیبی جلد اول ص - ۳۵۵

ہر ایک کسی نہ کسی فضیلت کی وجہ سے لوگوں میں مشہور ہوا مثلاً محمد کشلو خان جس کا فن تیراندازی میں خراسان اور ہندوستان میں جواب نہ تھا - اور (دوسرا) محمد کشلی خان جسکو ملک علاءالدین کہتے تھے سخاوت میں دوسرا حاتم طائی تھا - "*

اسکے یہ معنی ہوئے کہ علاءالدین محمد ابن کشلی خان محمد کشلی خان کے نام سے مشہور تھا نہ کہ ملک کشلو خان کے نام سے - اور ملک کشلو خان عرف چھجو جسکا پورا نام برنی نے دائرہ ملوک معزالدین کیقباد میں ملک اختیارالدین چھجو لکھا ہے - † علاءالدین کشلی خان کا بھائی تھا - کیونکہ اس ملک اختیارالدین عرف چھجو کو بھی برنی نے برادر زادۂ سلطان بلبن لکھا ہے - §

یہاں یہ بات واضع ہوجاتی ہے کہ ملک اختیارالدین عرف چھجو ہی خسرو کا پہلا مربی تھا - اور وہ برادر زادۂ سلطان بلبن تھا - ترکی زبان میں کشلو اور کشلی ایک ہی معنی کے حامل ہیں اور یہ عین ممکن ہے کہ خسرو نے خان معظم کشلی خان عرف چھجو لکھا ہو اور وہ سہو کتابت سے کشلو خان عرف چھجو ہوگیا ہوگا - کیونکہ سیف الدین ایبک کشلی خان کی نسبت سے اسکا نام بھی کشلی ہی ہونا چاہئے - مگر اگر کشلی کو کشلو لکھا جائے تو اس سے کوئی سہو معنی میں پیدا نہیں ہوتا ہے - یہاں اصل مسئلہ یہ نہیں ہے کہ وہ کشلو خان کے لقب سے مشہور تھا یا کشلی خان کے لقب سے بلکہ یہ ہے کہ ملک چھجو ابن کشلی خان کا نام اختیارالدین محمد تھا یا علاءالدین محمد - خسرو نے ملک چھجو کی مدح میں کئی قصائید لکھے ہیں - ان قصائید سے چند ابیات ملاحظ ہوں جہاں واضح طور سے اسے اختیارالدین محمد ، اور

---

* تاریخ فیروز شاہی اردو ترجمہ ص - ۱۳۲

† تاریخ فیروز شاہی ص - ۲۱۳

§ ایضاً ص - ۲۷۳ -

ایک جگھ اختیارالدین محمود کے نام سے مخاطب کیا گیا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسکا اصل نام محمود محمد یا محمد محمود تھا اور خطاب شاہی اختیارالدین تھا - اب متعلقہ اشعار ملاحظ ہوں ۔

(۱) اختیار دول آں شہ کے جہاں را جانست
روشنست کہ چراغ دل کشلیخان است §
(۲) شہنشاہ اختیارالدین محمد شاہ کشلیخان
کہ گشت از زادن ہمتائی اُو اختر استرون
(۳) سپہر مرتبہ محمود شاہ کشلیخان
کہ بخت بر دراو بندہ چوں ایاز آمد †

اس وضاحت کے بعد اس میں کوئی شبہ نہیں رہتا ہے کہ ملک چھجو کا نام اختیارالدین محمد تھا - اور وہ ملک علاءالدین محمد سے مختلف تھا ۔

مگر ڈاکٹر وحید مرزا امیر خسرو کے قصیدے سے استفادہ کرنے کے بجائے خسرو کے اس مربی ملک چھجو کا نام بغیر کسی حوالے کے علاءالدین کشلی خان باربک بتاتے ہیں ۔

> “ he enrolled himself in the Cortege of the brilliant Malik Chajju Allauddin Kishli Khan, The chief chamberlain. ” *

اس سلسلے میں دو باتیں ذہن نشین کرنے کی ہیں ۔ ایک تو یہ جیسا کہ برنی لکھتا ہے کہ علاءالدین محمد کشلی خان اپنی سخاوت میں دوسرا حاتم طائی تھا اور اختیارالدین محمد کشلی خان اپنی

---

§ وسط الحیات کلیات خسرو ۔ شمارہ ۲۱۰۱۰۳ ف ۱۲۹

† ایضاً ۔ وسط الحیات ۔

* Life & Works of Amir Khusroe Page 36.

تیرافگنی میں خراسان اور ہند میں کوئی جواب نہ رکھتا تھا - چنانچہ جس محولہ بالا قصیدے میں یہ بیت ہے۔

سپہر مرتبہ محمود شاہ کشلیخان   کہ بخت بردر اُوبندہ چوں ایاز آمد

اسی قصیدے میں اسکی تیرافگنی کے شہرت سے متعلق یہ بیت بھی ہے۔

خدنگ تیر تو پہلوی چرخ بشگافت
چوں چنگ شیر کہ بر گردن کراز آمد

دوسری بات یہ اہم ہے کہ خسرو نے کوئی قصیدہ علاء الدین محمد کشلی خان کی مدح میں نہیں کہا ہے - اگر وہ اسکے ملازم ہوتے تو اسکی مدح میں ضرور کوئی نہ کوئی قصیدہ کہتے - اسکے برعکس خسرو خود تحریر کرتے ہیں کہ میں نے کئی قصائید ملک چھجو کی مدح میں کہے ہیں - اب یہ قضیہ یہیں پر ختم ہوتا ہے -

خسرو لکھتے ہیں کہ میں ملک چھجو کے یہاں دو سال رہا۔ ایک دن اتفاق سے ملک بغرا خان اسکے گھر مہمان ہوا۔ اسکے ہمراہ اسکے دو ندیم شاعر شمس الدین دبیر او ر قاضی اثیر بھی تھے جب رات کے وقت بعد ضیافت شعر و شاعری کی محفل گرم ہوئی تو میں نے بھی اپنا کلام اس زور شور کیساتھ پیش کیا کہ ان شعراء کی نوبت نہ آنے دی۔ ''ایشاں را نوبتی نمی دادم'' بغرا خان خسرو کے کلام سے اتنا متاثر ہوا کہ اس نے ایک طبق بھر کے چاندی کے سکے خسرو کو انعام میں دئے اسپر خسرو لکھتے ہیں ملک چھجو چیں بہ جبیں ہوا کیونکہ وہ بڑا غیور تھا اوراس نے میرے اس انعام قبول کرنے کے عمل کو سخت نا پسند کیا۔ میں نے بعد میں بہت صلح صفائی چاہی لیکن اس کے دل سے کدورت دور نہ ہوئی۔ اس سے میرے دل میں یہ خوف سمایا کہ کہیں وہ مجھ سے انتقام نہ لے۔ چنانچہ اس خوف سے میں اسکے یہاں سے فرار کرکے

سیدھا سامانہ چلا گیا جہاں کا حاکم بغرا خان تھا ۔ وہ مجھ سے واقف تو ہو ھی چکا تھا جب کچھ لوگوں نے میری آزادہ روی کی تعریف کی تو وہ میرا گرویدہ ہوگیا اور اپنا ندیم بنا لیا ۔ تاریخ اس سلسلے میں خاموش ھے کہ خسرو کس جگہ سے بھاگ کر سامانہ گئے اور ملک چھجو اس وقت کس جگھ کا حاکم تھا ۔ میں نے تاریخ کی بہت ورق گردانی کی لیکن پتہ نہ چلا ۔ اندازہ یہ ھے کہ ملک چھجو اس وقت سنام میں تھا ۔ اور چونکہ اس وقت تک سنام اور سامانہ متحد تھے ، انکی شقیں علاحدہ نہیں ھوئی تھیں اور سامانہ صدر مقام تھا ۔ اسلئے ملک چھجو کی حیثیت ملک بغرا خان کے ایک تابع ملک کی تھی ۔ خسرو نے اسی لئے ملک بغرا خان کی پناہ ڈھونڈی تھی کہ ملک چھجو اس سے معترض نہ ھوسکے گا ۔

خسرو شہزادہ بغراخاں کے دربار میں

ھمیں اس کا علم نہیں کہ امیر خسرو نے ملک چھجو کی ملازمت کس سنہ میں اختیار کی ۔ لیکن چونکہ یہ بات انہوں نے خود لکھی ھے کہ میں نے اپنے نانا عمادالملک کی وفات کے بعد ملک چھجو کی ملازمت اختیار کی اس لئے اندازے سے یہ بات کہی جا سکتی ھے کہ انہوں نے ۶۷۲ یا ۶۷۳ ھجری میں یہ ملازمت اختیار کی ھوگی ۔ کیونکہ انکے نانا کا انتقال ۶۷۱ یا ۶۷۲ ھجری میں ھوا تھا ۔ اس زمانے میں بغرا خاں کو سامانہ کا اقطاع مل چکا تھا (تاریخ فیروز شاھی) چنانچہ بغرا خاں کے دربار سے منسلک ھونے کی تاریخ کم و بیش ۶۷۵ ھجری قرار دی جا سکتی ھے ۔ کیونکہ خسرو ملک چھجو کے یہاں دو سال تک رہے تھے خسرو نے یہ نہیں لکھا ھے کہ وہ بغرا خاں کے یہاں کتنے سال ملازم رہے ۔ صرف یہ لکھا ھے کہ میں اسکے دربار میں دن دونی رات چوگنی ترقی کر رہا تھا کہ ناگاہ سلطان بلبن نے طغرل کی سرکوبی کے لئے لشکر کشی کی ۔ برنی نے کوئی سنہ طغرل کی سرکشی اور سلطان بلبن کی روانگیٔ لکھنوتی کا نہیں لکھا ھے ۔ ساری باتیں اندازے سے لکھتا چلا

گیا ہے - لیکن ایک تاریخ ایسی ہے جس سے ہم اسکا تعین کرسکتے ہیں که سلطان بلبن لکھنوتی کس سال میں گیا - خسرو سلطان محمد والیٔ ملتان کے دربار میں پانچ سال رہے ، سلطان محمد کی شہادت ۲۹ ذی الحجہ ۸۸۳ ہجری میں واقع ہوئی ہے - اس اعتبار سے خسرو اس کے دربار سے ۶۷۹ ہجری کے اوائل میں وابستہ ہوئے ہونگے - اسکے یہ معنی ہوئے که سلطان بلبن نے طغرل کے خلاف لشکرکشی ۶۷۷ ہجری میں کی کیونکه ایک سال لشکر شاہی کے لکھنوتی پہونچنے اور پھر اتنی ہی مدت واپس ہونے میں لگی ہوگی - خسرو بغرا خاں کے ملازم کی حیثیت سے اس لشکر شاہی کے ساتھ لکھنوتی گئے - وہ لکھتے ہیں که "مدت یک سال راہ میبردم ہنوز راہ را مقطع نه بود" (دیباچهٔ غرۃ الکمال) - اسکے یہ معنی ہوئے که اتنی ہی مدت واپس آنے میں لگی ہوگی - اور جب خسرو لشکر شاہی کے ہمراہ دلی لوٹے ہیں تو انکی ملاقات سلطان محمد والیٔ ملتان سے ہوئی ہے جو بغرا خاں کے استقبال کے لئے دلی آیا ہوا تھا - اس اعتبار سے خسرو بغرا خاں کے ملازم کم و بیش چار سال تک رہے -

امیر حسن علاء سنجری اور امیر خسرو کے تعلقات - ایک دلچسپ انکشاف

جب بغرا خاں لکھنوتی گیا ہے تو اسکے ہمراہ جہاں امیر خسرو تھے وہاں بغرا خاں کے تین اور ندیم شعراء تھے - ایک شمس الدین دبیر، دوسرے قاضی اثیر اور تیسرے امیر حسن علاء سجزی - لیکن خسرو نے کہیں بھی امیر حسن علاء سجزی کا نام نہیں لیا ہے - صرف شمس الدین دبیر اور قاضی اثیر کا نام لیا ہے اور یہ لکھا ہے که ان لوگوں نے مجھے لکھنوتی میں بہت روکنا چاہا لیکن میں اپنے اعزا کی جدائی کی وجہ سے نہیں رکا اور لشکر شاہی کے ہمراہ دلی چلا آیا - سوال یہ ہے که امیر خسرو نے امیر حسن علاء سجزی کا نام لینے سے پرہیز کیوں

کیا ؟ کیا اس لئے کہ ان دونوں کے تعلقات کشیدہ تھے ؟ لیکن قبل اس کے کہ اس قسم کا کوئی نتیجہ اخذ کیا جائے پہلے امیر حسن علاء سجزی کا بیان ملاحظہ ہو۔ وہ اپنی کتاب فوائید الفواد میں لکھتے ہیں کہ ایک دن شیخ نظام الدین اولیاء سے میری گفتگو شمس الدین دبیر کے اخلاق کے بارے میں ہوئی (اسکا پس منظر یہ ہے کہ شمس دبیر کو ملازمت بغرا خاں کے یہاں شیخ نظام الدین کی دعاؤں سے ملی تھی لیکن ملازمت ملنے کے بعد انہوں نے شیخ کی طرف رخ نہیں کیا) امیر حسن لکھتے ہیں کہ میں نے اس گفتگو کے دوران یہ کہا کہ میری ان سے قرابت داری ہے اس پر شیخ نے استفسار کیا کہ کیا تم ایک دوسرے کے ساتھ رہ چکے ہو، اسکا جواب خود حسن کے الفاظ میں ملاحظہ ہو۔ ''بندہ گفت آری ، در آں سال کہ سلطان غیاث الدین (بلبن) بہ لکھنوتی رفت در آں لشکر بندہ و اوہم در اثناء راہ چہ کشتی و چہ خشکی یکجا می شدیم'' * اسکے یہ معنی ہوئے کہ امیر حسن علاء سنجری بھی بغرا خاں کے ملازم تھے۔ اور وہ بھی اسکے ساتھ لکھنوتی گئے تھے لیکن خسرو نے انکے ذکر کو یکسر نظر انداز کردیا ہے۔ یہ معاصرانہ چشمک نہیں تو اور کیا ہے۔

اس حقیقت کے انکشاف سے ضیاء الدین برنی کا یہ بیان درست نظر آتا ہے کہ میرے توسط سے امیر خسرو اور امیر حسن علاء سجزی کے تعلقات عہد علائی میں استوار ہوئے تھے۔ '' از محبت من و میان ایشان ہر دو استاد قرابتے شد و در خانہائے یکدیگر آمد و شد کردن گرفتند ''۔ §

خسرو نے غرۃ الکمال کے دیباچہ میں اپنے حریفان محفل کا خاصا تذکرہ کیا ہے اور اگر بین السطور پر نظر رکھی جائے تو یہ معلوم ہوتا

---

* فوائید الفواد۔ ص۔ ۲۲۰

§ تاریخ فیروز شاہی فارسی۔ مرتبہ سر سید احمد خان

ہے کہ خسرو اور ان کے معاصر شعراء کے درمیان خاصی چشمک تھی اور آج جس دوری سے ہم خواجہ خسرو رحمتہ اللہ علیہ کو دیکھتے ہیں اور جس عقیدت اور احترام سے ان کا نام لیتے ہیں۔ انکے معاصر شعراء ان کو نہ تو اس دوری سے دیکھتے اور نہ اس احترام و عقیدت کا اظہار کرتے جسکا ہم کرتے ہیں۔ وہ خسرو کو اپنے ایک معاصر شاعر کی حیثیت سے دیکھتے اور انکے کلام کی خامی اور کمزوری پر تنقید بھی کرتے چنانچہ اسکے رد عمل میں خسرو بھی اپنے قطعات میں جیسا کہ انھوں نے خود لکھا ہے۔ اپنے معاصر شعراء پر تنقیدیں کرتے وہ انھیں اپنے خرمن کا خوشہ چیں کہتے اور کہیں کہیں تو ان کا لب و لہجہ خاصا معاندانہ ہو جاتا۔ اسکی کچھ جھلکیاں ملاحظہ ہوں۔

در کمال من آنکہ نقصان گفت ہست نقصان حال ابتراو
بد نگویند نظم خسرو گوید آنکس بدست گوہر او
ہر کہ در سوئے آفتاب بیند خاکی انداخت بر سر او*

نثر میں اُس سب و شتم کی صورت ان الفاظ میں ملاخط ہو۔

"غالب خاصیت شعراء آنست کہ ہر نظمی رواں در قید تصنیف تواند آورد و از دقیقہائی سخن اند کی تواند (سفت) خود را از جملہ پختہ کاراں داند و گویندگاں دیگر را لا زند و مستثنیٰ داند الا خود را و بہ بدگوئی نیکو گویاں زبان دراز کند و با آنکہ بداند کہ کج می گوید البتہ بہ راستی رضا ندہد۔" §

نظر چہ صرف کنی بیہدہ بعیب کساں
تو نیزداری عیب و کساں نظر دارند
ہماں نظر بخود انداز و عیب خود را بیں
کہ تاز تو نظر عیب جملہ بر دارند

---

* دیباچۂ غرۃ الکمال مطبوعہ۔ ص۔ ۷۷

§ ایضاً ص۔ ۷۹

''چندین حلوائی دمیده انفاس و کاسهٔ (پخت) دماغ که از دیگ سودا بکفچگیر قلم برون آورده ام از برایٔ آنست که تهی دیدگان معانی را چشم پر شود و از نون دوات و الف کلک تانی نادرست پخته کرده تا وجع جوع و فاقهٔ جهل ایشانرا اشباعی باشد - این لذت اگر کسی را برسد بلکه این نعمت را از هیچ کس دریغ نیست -

لقمه ز خوان من خورند و هم مرا گویند بد
ای مسلمانان فغان زین جمله کافر نعمتان *

هر سخن نیکو که از من شنوند از آن خود می گویند و هر بدی که خود می گویند ازان من میگویند و همان بدگفت ایشان گواهی میدهد بر نیکو گفت -" £

فریاد از کلته زبانان ¶ نیم کله که زبان تصنیف ایشان در کهٔ تیغ کل† لسانی بریده است - در استفراغهائی من به بهانهٔ آشنائی در می آیند و دزدی آشکارا می کنند - در سفینهٔ رخنهٔ می افگند - ایشان می شوند - و سفینهٔ پر آب خود بلکه جمله سفینهائی سوداگران این بحور را غصب می کنند -

"یاُخذ ُکلَّ َسفِینۃٍ َغصباً"- گوهر مرا پیش من بر می چیند ومن از ایشان مهره می چینم زیرا که می دانم که لالی بزرگست و دردهان ایشان نخواهد گنجید -

دزد من اند جمله، داند کسی که داند   کاندر کف گدایان گوهر نهان نماند§

---

* ایضاً - ص - ۸۳

£ ایضاً ص - ۸۳

¶ کلتہ زبان - جو ٹھیک سے بول نہ سکے - جسکے بولنے میں کوئی کمزوری ہو -

† بمعنی کند

§ ایضاً - ص- ۸۳

یہ جو چند جملے میں نے خسرو کی تحریر سے، معاصرانہ چشمک سے متعلق پیش کئے ہیں اُن سے خسرو کے مزاج اور تحمل کو بخوبی سمجھا جاسکتا ھے - دنیا جانتی ھے کہ انکے سب سے بڑے حریف امیر حسن علاء سجزی تھے - اور ان جملوں میں امیر حسن کو کئی جگہ نشانہ بنایا گیا ھے مگر اس کم گو شاعر نے ایک ھی قطعہ میں ساری کسر نکال لی ھے طنز ھو تو اتنا لطیف اور اتنا مستور -

خسرو از راہ کرم بہ پذیرد   اُنچہ من بندہ حسن می گویم
سخنم چوں سخن خسرو نیست   سخن اینست کہ من می گویم*

اس قطعہ کے طنز کو سمجھنے کیلئے حسن کے چند اور اشعار ملاحظہ ھوں -

اے حسن اغیار را ھرگز نہ بینی طبع راست
راست ست ایں زاغ را ھرگز نروید پر سفید £

ایں طرز شیوۂ حسن ست ورنہ پیش ازایں
چندیں شکر بعرصۂ ھندوستان نبود ¶

حسن گلے ز گلستان سعدی آوردہ ست
کہ اھل معنی گلچیں از آں گلستانند †

اگرچہ بادہ نایابست لیکن جملہ مشتاقان
ز گفتار حسن مستند، گفتار ایں چنیں باید§

ھر زمانے حسن ز کشتیٔ بزم
بحرے اندر کشیدہ ھمچو نہنگ

---

* دیوان حسن سجزی - مطبوعۂ حیدرآباد - صفحہ ۳۱۲

£ ایضاً -

¶ ایضاً صفحہ ۱۷۲

† ایضاً صفحہ ۹۳

§ ایضاً ص ۱۳۹

خسرو کے بعض سوانح نگار اپنے اس دعوے کے ثبوت میں کہ امیر خسرو کو امیر حسن دہلوی کے کلام سے بڑی عقیدت تھی خسرو کا ایک شعر جو نیچے درج ہے ، بڑے شد و مد کے ساتھ پیش کرتے آئے ہیں لیکن کبھی یہ معلوم کرنے کی کوشش نہ کی کہ جس شعر کو وہ نقل کر رہے ہیں ' اسکی صورت کلیات خسرو کے بیشتر نسخوں میں وہی ہے جس صورت میں کہ وہ اسے پیش کرتے ہیں یا کہ اس سے مختلف ہے ۔ مزید براں یہ کہ انہوں نے کبھی یہ جاننے کی زحمت گوارا نہ کی کہ آیا امیر خسرو نے امیر حسن کا کہیں اور بھی ذکر کیا ہے کہ نہیں اور نہ یہ معلوم کرنے کی کوشش کی اس بیت مذکورہ میں ''اسرار حدیث'' کا جو فقرہ استعمال ہوا ہے اس سے امیر حسن علاء سجزی کے کلام سے کوئی ربط بھی ہے کہ نہیں ۔ بہر حال فی الحال میں اس شعر کی اسی صورت سے بحث کرونگا جس صورت میں کہ اسے نقل کیا جاتا ھے اور اس میں شبہہ نہیں کہ کلیات دواوین و عناصر خسرو مطبوعۂ نولکشور میں وہ شعر اسی صورت میں لکھا گیا ہے جس صورت میں خسرو کے سوانح نگار اسے نقل کرتے ہیں ۔ وہ شعر یہ ہے ۔

خسروا شعر تو اسرار حدیث است مگر
کز سخنہائے توام بوئے حسن می آید

فارسی کے شعراء متقدمین ، متاخرین اور خسرو کے معاصر شعراء میں حسن تخلص کے کئی شاعر گزرے ہیں ۔ ایسی صورت میں اس بات کو متعین کرنے کے لئے کہ محولۂ بالا شعر میں جس حسن کا ذکر کیا گیا ہے وہ امیر حسن علاء سجزی ہیں نہ کہ کوئی دوسرے حسن ، دو تین باتوں کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے ۔ ایک تو یہ کہ آیا کسی حسن نام یا تخلص کے شاعر کا ذکر خسرو نے کسی اور جگہ میں بھی کیا ھے کہ نہیں اور اگر کیا ہے تو وہ کون حسن ہیں ۔ اور انکا ذکر کن شعراء کے ساتھ اور کس سیاق و سباق میں کیا گیا ہے ۔ دوسرے یہ کہ اگر اس شعر میں اشارہ امیر حسن دہلوی کی طرف ھے تو انکے کلام کا

تعلق ''اسرار حدیث'' سے کتنا اور کسقدر ہے۔

کیا اسقدر ہے کہ انکے کلام کو ''اسرار حدیث'' کا نام دیا جا سکتا ہے اگر ایسا نہیں ہے تو پھر ہمیں کسی ایسے حسن کو تلاش کرنا ہوگا جسکا کلام اسرار حدیث کا حامل ہو۔

اس تشخص کے سلسلے میں پہلے میں اس بات کو لے رہا ہوں کہ آیا امیر خسرو نے کسی اور جگہ بھی امیر حسن علاء سجزی کا ذکر کیا ہے خواہ وہ ذکر پورے نام سے ہو یا صرف تخلص سے۔ جب میں نے اسپر غور کیا تو معلوم ہوا کہ امیر خسرو نے امیر حسن علاء سجزی کا ذکر اپنے کسی بھی دیباچے میں نہیں کیا ہے۔ اور جہاں کہیں بھی انہوں نے اپنے معاصر شعراء پر طنز کیا ہے اس میں انکو شامل اس طرح کیا ہے کہ انہوں نے انکو مستثنیٰ نہیں کیا ہے میں یہ جملہ لکھ ہی رہا تھا کہ ڈاکٹر وحید مرزا کی کتاب بول اُٹھی کہ ہر چند کہ یہ بات صحیح ہے کہ ان دونوں کے درمیان معاصرانہ چشمک تھی اور یہ بات بھی صحیح ہے کہ جہاں جہاں انہوں نے اپنے معاصر شعراء پر حملے کئے ہیں وہاں حسن کو مستثنیٰ بھی نہیں کیا ہے۔ اور اس طرح یہ بات کہی جا سکتی ہے۔ کہ انہوں نے انکو بھی اپنے طنز میں لپیٹ لیا ہے۔ مگر یہ کہنا درست نہیں ہے کہ انہوں نے اپنے کسی دیوان کے دیباچہ میں یا کسی اور نثری تحریر میں انکا نام نہیں لیا ہے۔ کیونکہ ڈاکٹر وحید مرزا لکھتے ہیں کہ ''امیر خسرو نے غرۃالکمال کے دیباچے میں ایک جگہ حسن دہلوی کا ذکر کیا ہے اور انہیں ممتاز شاعر گردانا ہے'' اور وہ حوالہ یہ ہے۔

"At one place only in his Depacha of Gurratul Kamal, Khusroe mentions Hasan's name as a poet of Distinction." *

---

* Life & works of Amir Khusroe Page 50.

اور اس ایک جگھ کا حواله غرة الکمال کے دیباچے سے ڈاکٹر وحید مرزا نے یه دیا ہے۔

''و اگر معزیٔ بے مغز را برائے لفظ و حسن معنی احسن تحسین می فرمائید، معنی و لفظ سید حسن و نظامی و ظهیر را مطالعه باید کرد۔''

ڈاکٹر وحید مرزا نے عبارت تو غرة الکمال کے دیباچے سے صحیح نقل کی ہے۔ لیکن انهوں نے اس پر غور نہیں کیا که وہاں واضح طور سے سید حسن لکھا ہوا اور ان کا نام نظامی اور ظہیر فاریابی کے ساتھ لیا گیا ہے۔ یه سید حسن غزنوی ہیں جو پانچویں صدی ہجری کے اواخر اور چھٹی صدی ہجری کے اوائل کے مشہور اور مستند شاعر گزرے ہیں (متوفی سنه ۵۳۵ هجری) دولتشاه سمرقندی نے انکا ترجمه اپنے تذکرة الشعراء میں قدرے تفصیل سے لکھا ہے۔ سید حسن غزنوی کا پورا نام سید اشرف حسن الحسینی تھا۔ اور تخلص حسن تھا اور چونکه وه غزنین میں رہتے تھے اسلئے حسن غزنوی کے لقب سے مشہور ہیں۔ انکی شہرت اور کمال فن کا حال دولتشاه سمرقندی کے الفاظ میں ملاحظه ہو۔

بزرگوار و فاضل و دانشمند و اہل دل بوده، قصیدهٔ فخریه را او می گوید و شعراء بعضے جواب آں گفته اند از اکابر مثل مجیر بیلقانی و کمال الدین اسماعیل از متاخران، آذری نیز گفته اما قبل از سید حسن کسے مثل این قصیده نگفته است۔

داند جہاں که قرۂ عین پیمبرم
شایستهٔ میوهٔ دل زہراؑ و حیدرم*

اول تو ڈاکٹر صاحب کو یه سوچنا تھا که امیر حسن علاء

---

* تذکرة الشعراء دولتشاه۔ سمرقندی۔ مطبوعهٔ لاہور ۱۹۳۹
ص۔ ۶۴۔

سجزی * کا ذکر نظامی گنجوی اور ظہیر فاریابی کیساتھ خسرو کیونکر کرسکتے تھے۔ کیا خسرو خود امیر حسن علاء سجزی سے کم تھے جو ان کا رتبہ اسقدر بڑھاتے۔ مگر معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کو اس بات کا علم نہ تھا کہ امیر حسن علاء سجزی جنہیں امیر حسن دہلوی، خواجہ حسن دہلوی کہا جاتا ہے شیخ تھے نہ کہ سید وہ امیر حسن دہلوی یا خواجہ حسن دہلوی کہلاتے ہیں نہ کہ سید حسن یا میر حسن۔ خواجہ خسرو کے ہمعصر امیر حسن سجزی جنکے ذکر کے سلسلے میں ڈاکٹر صاحب نے یہ اقتباس پیش کیا ہے شیخ تھے۔ اسکی وضاحت خواجہ حسن دہلوی نے اپنی ایک نظم میں کی ہے۔

قرشی الاصل ہاشمی نسبم　　کز ہوایش برآمد ایں شجرم §

امیر حسن علاء سجزی قریشی تھے نہ کہ سید، انہوں نے کبھی نہ تو خود اپنے کو سید لکھا ہے اور نہ کسی انکے معاصر تذکرہ نگار نے انہیں سید حسن لکھا ہے۔ صوفیاء کی بزم میں وہ خواجہ حسن، مورخین کے صفحات میں امیر حسن اور شعراء کی بزم میں وہ حسن کے تخلص سے مشہور ہیں، انہوں نے ٥٥ سال کی عمر میں حضرت نظام الدین اولیاء کی خدمت میں بیعت کی۔ اس وقت سے انکے کلام میں کہیں کہیں کچھ عارفانہ رنگ جگہ پانے لگتا ہے ورنہ اس سے پہلے کا ان کا کلام بیشتر عاشقانہ اور اگر آپ اجازت دیں تو فاسقانہ بھی ہے انکے کلام کو ''اسرار خدا'' اور ''اسرار حدیث'' سے کیا نسبت۔ چنانچہ خسرو کے اس شعر میں اگر یہ شعر صحیح طور سے نقل ہوا ہے۔

---

* ڈاکٹر وحید مرزا نے خواجہ حسن دہلوی کا نام نجم الدین حسن سنجری لکھا ہے۔ یہ بالکل غلط ہے انکا اصل نام امیر حسن علاء تھا اور چونکہ انکے بزرگوں کا تعلق مقام سجز سے تھا اسئے سجزی کہلاتے نہ کہ سنجری۔

§ دیوان حسن دہلوی مطبوعہ حیدر آباد ص- ٥١٦

خسروا شعر تو اسرار حدیث است، مگر
کز سخنہائے توام بوئے حسن می آید

اسکا اشارہ حسن دہلوی کی طرف نہیں بلکہ سید حسن غزنوی کی طرف ہے جنکے کلام سے خسرو کسی وقت متاثر تھے۔ کیونکہ سید حسن کا تمامتر کلام عارفانہ ہے۔ اور انکی تقلید کمال اسماعیل اصفہانی نے بھی کی ہے۔ اور اگر اب بھی یہ اصرار ہو کہ نہیں یہ شعر حسن دہلوی ہی کے کلام کی طرف اشارہ کرتا ہے تو اس شعر کی ایک دوسری صورت پیش خدمت ہے ابھی حال ہی میں خسرو کی غزلیات کی جو کلیات لاہور سے شائع ہوئی ہے اس میں یہ شعر یوں درج ہے۔

خسروا شعر تو اسرار خدا نیست مگر
کز سخنہائے توام بوئے حسن می آید *

اگر مرتب کلیات نے یہ شعر صحیح نقل کیا ہے تو پھر اس شعر میں خواجہ حسن دہلوی کے کلام پر پھبتی کسی گئی ہے۔ حاصل اس گفتگو کا یہ ہے کہ جو داستان محبت امیر خسرو اور امیر حسن علاء سجزی کی گھڑی گئی ہے اور جسکو مولف تاریخ فرشتہ نے اس آب تاب کیسا تہ بیان کیا ہے وہ تمامتر غلط ہے اور ایک سفاکانہ طنز ہے ان دونوں کے اس رویے پر کہ وہ ایک دوسرے کو اپنی اپنی بے اعتنائی اور خاموشی سے قتل کرنا چاہتے تھے۔ ان دونوں کا ساتھ، بغراخان کے یہاں، سلطان محمد شہید کے یہاں، جلال الدین خلجی اور علاء الدین خلجی کے دربار میں رہا حتیٰ کہ وہ خانقاہ شیخ نظام الدین میں بھی ساتھ اٹھے بیٹھے لیکن انہوں نے ایک درسرے کا نام لینے سے پرہیز کیا۔ وضع احتیاط ہو تو ایسی اور جب کبھی زبان کھولی اور ذکر یار چلا تو اس طنز کے ساتھ۔

خسرو از راہ کرم بپذیرد   انچہ من بندہ حسن می گویم
سخنم چوں سخن خسرونیست   سخن اینست کہ من می گویم

---

* کلیات غزلیات خسرو مطبوعہ پیکیجز لمیٹڈ لاہور ١٩٧٥ء

پہلے مصرعے میں حسن نے خسرو کا لفظ اپنے ممدوح اور مربی کیلئے استعمال کیا ہے اور تیسرے مصرعے میں خسرو امیر خسرو کیلئے استعمال ہوا ہے۔ اسکا مفہوم یہ ہے کہ یہ میرے سلطان کی عنایت اور کرم ہے جو وہ مجھ ناچیز کے کلام کو پسند کرتا ہے۔ شاید اس لئے کہ میرا کلام خسرو کے کلام کے مانند نہیں ہے۔ شاعری اسے کہتے ہیں جو میں کہتا ہوں۔

چونکہ امیر خسرو کے تذکرہ نگار حسن کے اس قطعہ کے مفہوم کو سمجھنے سے قاصر رہے کیونکہ وہ پہلے مصرعے میں لفظ خسرو کو نسبت امیر خسرو سے دیتے رہے۔ اسلئے وہ اپنے خیال میں اس قطعہ کو امیر خسرو کی ستایش پر محمول کرتے رہے اس سے بڑھکر اور ستم ظریفی کیا ہوسکتی ہے۔ چنانچہ امیر خسرو کا یہ شعر بھی اگر وہ صحیح نقل ہوا ہے اسی طنز لطیف کا ایک جواب ہے۔

خسروا شعر تو اسرار خدا نیست مگر
کز سخنہا ئے توام بوئے حسن می آید

خسرو سلطان محمد شہید کے دربار میں

اب اس قصے کو یہیں پر ختم کرتا ہوں اور بغرا خان کے دربار سے سلطان محمد شہید والیٔ ملتان کے دربار کی طرف سفر کرتا ہوں۔

خسرو لکھتے ہیں کہ لکھنوتی میں شمس الدین دبیر اور قاضی اثیر نے مجھے بہت روکنا چاہا لیکن مجھے اپنے اعزا کی جدائی ستا رہی تھی اور میں سلطان بلبن کے لشکر شاہی کے ہمراہ دلی لوٹ آیا۔

”اما فراق عزیزانم گریباں گیر بود۔ بضرورت یوسف وار از آن چاہ زندان سوئے مصر جامع روان گشتم و در سایۂ علم ظل الٰہی در شہر پیوستم هم در آن شهور خان بزرگ که قان ملک از فتح دمریله در رسید و آوازۂ سخنم برو رسیده بود، خواست تا از میوۂ پختۂ سخنم بر سد چندا نکه به (من)

بود پیش بردم و بمجلس خانهٔ خاص قبول بشرف تشریف وصله موصولی گشتم و کمر بندگی بر میان بستم و کلاه ندیمی برسر نهادم - پنج سال دیگر آب مولتان را ازبحور لطائیف خوانی آب دادم "*

یہ واقعہ سنہ ۶۷۹ ہجری کا ہے - خسرو اس شہزادے کے ہمراہ ملتان گئے جہاں انہوں نے پانچ سال تک قیام کیا - ظاہر ہے کہ اس پانچ سال کی مدت میں وہ دلی آتے جاتے رہے ہونگے - کیونکہ " فراق عزیزانم" کا فقرہ بتاتا ہے کہ اب انہیں صرف والدہ ہی کی جدائی نہیں بلکہ کچھ اور متعلقین کی جدائی بھی ستاتی تھی - غالباً اس زمانے میں وہ متاہل ہو چکے تھے - ضیاء الدین برنی لکھتا ہے کہ سلطان محمد کے دربار سے امیر حسن علاء سجزی بھی وابستہ ہو گئے تھے اور دونوں ایک ہی زمانے میں ملتان میں مقیم تھے لیکن اس نے یہ کہیں نہیں لکھا ہے کہ امیر خسرو سلطان محمد کے مصحف دار اور امیر حسن دواتدار تھے - یہ بات مولف تاریخ فرشتہ کی لکھی ہوئی ہے خسرو نے اپنے کو اسکا ندیم بتایا ہے اور یہی صحیح ہے - اور امیر حسن تو اسقدر خاموش ہیں کہ اگر انکا ایک مرثیہ نثر میں لکھا ہوا سلطان محمد کی شہادت کے موقع کا نہ ہوتا تو یہ معلوم کرنا بھی مشکل ہو جاتا ہے کہ وہ اسکے دربار سے وابستہ تھے - § کیونکہ حسن کے دیوان میں کوئی قصیدہ سلطان محمد کی مدح میں نہیں ملتا ہے - انکے بیشتر قصائید علاءالدین خلجی کی مدح میں لکھے ہوئے ملتے ہیں - بہر حال جہانتک کہ خسرو کا تعلق ہے انکے کئی قصائید سلطان محمد کی مدح میں لکھے ہوئے ملتے ہیں - جس زمانے میں خسرو ملتان میں مقیم تھے، سلطان محمد کے تعلق سے یہ حکایت بدایونی اور فرشتہ دونوں نے بیان کی ہے کہ سلطان نے سعدی شیرازی کو اپنے دربار میں مدعو کیا لیکن شیخ سعدی نے اپنی کبرسنی کا عذر پیش کیا تاہم اسکی دلدہی کے لئے اپنے ہاتھ کا لکھا

---

* کلیات خسرو برٹش میوزیم - شمارہ ۲۱،۱۰۳ ف - ۱۸۳
و دیباچۂ غرة الکمال مطبوعہ دہلی - ص - ۷۲-۷۳

§ مذکورہ مرثیہ ملا عبدالقادر بدایونی کی منتخب التواریخ میں نقل ہوا ہے -

ہوا ایک مجموعۂ کلام اور ایک رقعہ اس مضمون کا بھیجا کہ خسرو کی تربیت کرنی چاہیئے - مگر خود خسرو نے یا برنی نے اس واقعہ کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے - یہ ممکن ہے کہ انہوں نے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا کوئی مجموعۂ کلام بھیجا ہو لیکن خسرو کی تربیت سے متعلق جس رقعے کا ذکر کیا گیا ہے اسکے امکانات کم ہیں ، کیونکہ اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو خسرو جو پیروسعدی تھے اسکا ذکر ضرور کرتے - ثانیا یہ بات بھی قابل غور ہے کہ خود شیخ سعدی کے لئے امیر حسن اور امیر خسرو کے درمیان وجہ امتیاز کا کوئی جواز نہ تھا کیونکہ خسرو کو طوطیٔ ہند اور امیر حسن کو سعدیٔ ہند کہا جاتا بہرحال چونکہ اس واقعے کا کوئی ذکر معاصر تاریخ میں نہیں ہے اس لئے اس پر خیال آرائی بے سود ہے -

پانچ سال کی مدت کافی طویل ہوتی ہے ، لیکن افسوس کہ ہمیں خسرو کے اس زمانے کے حالات کا کچھ زیادہ علم نہیں- چونکہ دیباچۂ غرۃ الکمال کے مطبوعہ نسخے میں '' پنج سال دیگر '' کے بجائے پنج آب مولتان لکھا ہوا ہے - اس لئے اس پانچ سال کی مدت کو خسرو کی تحریر کے حوالے سے واضح کرنا ضروری ہے -

'' کمر بندگی بر میان بر بستم و کلاہ ندیمی بر سر نہادم - پنج سال دیگر آب مولتان را از بحور لطایف خوانی آب دادم -''* اس پانچ سال کی مدت میں خسرو نے متعدد قصائید سلطان محمد کی مدح میں کہے ہیں جو انکے دیوان وسط الحیات میں موجود ہیں - اسکے علاوہ انہوں نے اس زمانے میں کچھ ایسے قصائید بھی لکھے جو موعظت وحکمت کے حامل ہیں - اس زمانے کی غزلیں بھی وسط الحیات میں موجود ہیں -

اس زمانے میں خسرو کی شاعری نے خاصی ترقی کی ہے- اور اگر انکے دیوان وسط الحیات کا مطالعہ غور سے کیا جائے تو اس زمانے کے انکے کچھ سوانحی حالات بھی مل سکتے ہیں - لیکن سب سے زیادہ اہم واقعہ اس زمانے کا سلطان محمد کے میدان جنگ میں شہادت پانے اور خسرو کے گرفتار کیئے جانے کا ہے -

---

* کلیات خسرو - برٹش میوزیم شمارہ ۲۱,۱۰۴ ف ۱۸۴

تتاری یا مغل شمال مغرب سے حملہ تو کیا ھی کرتے تھے ۔ ایک ایسا ھی حملہ تمر خان کی سرکردگی میں ۶۸۳ ھجری کے اواخر میں ھوا۔ سلطان محمد جو والی ملتان اور دیبال پور تھا وہ تمر خان کی سرکوبی کیلئے آگے بڑھا خسرو اسکے ھم رکاب تھے ۔ اور کیا عجب جو امیر حسن بھی ھمرکاب رھے ھوں کیونکہ انہوں نے بھی چشم دید واقعات لکھے ہیں * بالاخر دونوں کی فوج لاھور کے قریب راوی کے کنارے صف آرا ھوئی دن جمعہ کا تھا اور تاریخ ۳۰ ویں ذی الحج ۶۸۳ ھجری کی تھی۔

جمعہ بودو سلخ ذی الحج کہ بود آں کار زار
آخر ہشتاد و سہ، اغاز ہشتاد و چار **

اور جنگ کا تعین امیر حسن علاء سجزی ان الفاظ میں کرتے ہیں ۔ ” در حدود باغ سریر؟ بر کرانہء آب لاھور§ (دریائے راوی)۔ بھر حال یہ جنگ صبح سے شروع ھوئی اور شام تک جاری رھی ۔ شام کو غروب آفتاب کے وقت ناگاہ ایک تیر سلطان محمد کو ایسا لگا کہ وہ میدان جنگ ھی میں جان بحق ھو گیا ۔ اس سے فوج میں ابتری پھیل گئی ۔ ظاھر ہے کہ اسی ابتری میں امیر خسرو بھی گرفتار ھوئے ھونگے بدایونی لکھتا ھے کہ امیر حسن بھی گرفتار ھوئے لیکں انہوں نے خود اپنے نثری مرثیے میں نہ تو اپنی گرفتاری کا ذکر کیا ھے اور نہ خسرو کی گرفتاری کا۔ پردہ داری ھو تو ایسی ۔ بھر حال جہانتک کہ خسرو کی گرفتاری کا تعلق ھے اسکا قصہ خود خسرو کی زبان سے سنیئے ۔ خسرو نے اپنی اس گرفتاری اور پھر رھا ھونے کا حال جھاں اپنے ایک قصیدے حکم الحکم (وسط الحیات) میں لکھا ھے وھاں اپنی مثنوی دول رانی اور خضر خان میں بھی بیان کیا ھے ۔ اور ان دونوں کو ملا کر پڑھنے ھی سے پوری تصویر سامنے آتی ھے ۔

---

* بحوالہ منتخب التوریخ

** ترکیب بند ۔ مرثیہ' سلطان محمد ۔ کلیات خسرو شمارہ م۱۰۹۱،۲ ف ۔ ۱۳۹-۱۳۲

§ دیوان حسن مرتبہ' محوی ۔

پہلے ایک اقتباس ''دول رانی و خضر خان'' سے ملاحظہ ہو۔

در ایامی که این نفس بد آموز　　گرفتار مغل شد دور از امروز
بیابان می دویدم ریگ بر ریگ　　زبس گرما سرم جوشید چون دیگ
من و با من چون من تشنه سوارے　　رسیدیم از رہ اندر جوئے بارے
من از چه نفط* جانم بود در تاب　　ندا دم نفط خود را روغن از آب
لبی تر کردم و تر شده جگر ہم　　سکونت یافت لختے جان درہم
فتاد آن تشنه و زان تشنه تر رخش　　که بخش جان بردزآن آب جان بخش
ہم او سیراب شد وہم مرکبش سیر　　نشد دردادن جان ہر دو را دیر §

مفہوم اسکا یہ ھے کہ آج سے دور جس زمانے میں کہ ناپاک مغل مجھے گرفتار کرکے لے گئے۔ وہ مجھے راستے بھر دوڑاتے رہے، گرمی اپنے شباب پر تھی۔ میرا سر گرمی کی شدت سے دیگ کی طرح کھولنے لگا اور بیابان و صحرا میں دوڑتے دوڑتے میرے پاؤں میں چھالے پڑگئے جتنا میں پیاسا تھا اتنا ہی پیاسا وہ سوار بھی تھا جو مجھے گرفتار کرکے اپنے گھوڑے کے آگے آگے دوڑاتا ہوا لیجا رہا تھا۔ اسی اثنا میں ایک چشمہ نظر آیا۔ وہ گھوڑے سے اتر کر اپنی پیاس بجھانے لگا اور اپنے گھوڑے کو بھی دریا میں ڈال دیا۔ چنانچہ ان دونوں نے خوب سیر ہوکر پانی پیا۔ خسرو لکھتے ہیں کہ میں نے مصلحت اس میں دیکھی کہ اپنے جلتے ہوئے چھالوں پر پانی سے روغن نہ ڈالوں۔ چنانچہ انہوں نے کچھ اپنے لب تر کئے اور کچھ جگر کو ٹھنڈک پہنچائی مگر زیادہ پانی پینے سے پرہیز کیا۔ چنانچہ خسرو تو زندہ صحیح سلامت رہے لیکن وہ دونوں یعنی مغل سردار اور اسکا گھوڑا وہیں زمین پر ڈھیر ہوگئے خسرو نے اسی واقعہ کو اپنے قصیدے حکم الحکم میں قدرے مختلف انداز میں بیان کیا ھے اس میں تفصیل زیادہ ھے۔ لیکن نفس مضمون اتنا ہی ھے۔ اس قصیدے سے

---

* نفط بمعنی چھالا۔

§ مثنوی دول رانی خضر خان مطبوعہ۔ علی گڑھ ص۔ ۳۶۔

بھی ایک اقتباس ملاحظہ ہو۔

اسیر گشتم و زہم آنکه خون ریزد
نمی نماند ز خون در تن ضعیف و نزار
چو آب بی سرو پا دویدم و چون حباب
ہزار آبله در پا ز رفتن بسیار
ز پایہائی من از آبله جدا پوست
چنانکه باز شود در زہائے پایے افرار
ز رنج سخت شده جان چو قبضهٔ شمشیر
ز ضعف چوب شده تن چو دستهٔ چقمار
دمی نماند ———؟ زبودن تشنه
دفی شده شکم من ز ماندن ناهار
برہنه مانده تنی چون درخت ماه خزان
ہزار پاره چو گل از خراش خار آزار
بگریه مردمک دیده قطرہا می ریخت
چنانکه بگسلد از گردن عروسی هار
فرو نهٔ که مرا پیش کرده ره می برد
نشسته بر فرسے چون پلنگ بر کہسار
کشاده از دہنش نکہتی چو بوئے بغل
فتاده بر زنخش سبلتے چو موئ زهار
زماندگی قدمی گر بماند ———؟
گہے طغانه کشیدے بخشم وگہه تکهار
ہمی ز دم دم سرد و بدل ہمی گفتم
کزیں بلا نتوانم که جاں برم زنہار
ہزار شکر خداوند مرا که داد خلاص
نه دل ز تیر شگاف و نه تن ز تیغ فگار*

---

* قصیده حکم الحکم کلیات خسرو شماره م۱،۱۰۲ - ف - ۲۶-۲۷

اس قصیدے کے مطالعے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خسرو کو اس قرونہ نے خاصی دور دڑایا - اتنی دور کہ انکے پیر کے چھالے انکے پیر سے جدا ہوکر زمین پر گرنے لگے اور ان کے جسم پر کوئی کپڑا باقی نہ رہ گیا - وہ روتے جاتے اور دوڑتے جاتے - امیر حسن علاء سجزی نے سلطان حسین کی شہادت کی گھڑی غروب آفتاب کے قریب لکھی ہے میرا خیال ہے کہ خاصے دن رہے یہ واقعہ رونما ہوا، یا ممکن ہے کہ خسرو جنگ کرتے ہوئے سلطان محمد کے شہید ہونے سے پہلے ہی گرفتار ہوگئے ہوں -

بہر حال اس جنگ میں مسلمانوں کو بڑی شکست اٹھانی پڑی جیسا کہ خسرو اسی قصیدے میں لکھتے ہیں -

چنیں بداں کہ ز امسال در حد مولتان
شکست میمنهٔ مومن از کف کفار

اگر اس جنگ میں مسلمانوں کو بڑی ہزیمت اٹھانی پڑی جیسا کہ برنی بھی اسکی تائید کرتا ہے تو پھر تتاری بھاگے کیوں، ملتان اور دیپال پور پر قبضہ کیوں نہیں کیا - اسپر مورخین نے روشنی نہیں ڈالی ہے - امیر حسن علاء سجزی نے تو مصاف جنگ کو آب لاہور قرار دیا ہے لیکن تاریخ مبارک شاہی کا مولف ملتان کے قرب و جوار کو بتاتا ہے - اور یہی بات خسرو بھی لکھتے ہیں - حد ملتان کا فقرہ اسکی وضاحت کرتا ہے - خسرو کا بیان امیر حسن کے بیان سے اصحح ہے کیونکہ امیر حسن کی موجودگی مشتبہ ہے - بہرحال یہ نہیں معلوم کہ اس مصاف جنگ سے خسرو کا کافر صیاد انکو کتنی دور دوڑا کر لے گیا لیکن انہوں نے اپنی جو حالت بیان کی ہے اس سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ خاصی دور سرحد کی طرف لے گیا - لیکن خسرو کے اس بیان سے اس افسانے کی تردید ہوتی ہے کہ مغل انہیں بلخ لے گئے تھے - کیونکہ اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو خسرو اسکا ذکر ضرور کرتے بہر حال اس قرونہ کے

فتراک اور رسی سے رہا ہو کر خسرو گرتے پڑتے ملتان پہونچے اور وہاں کچھ دنوں قیام کرکے دلی کا قصد کیا ۔ خسرو کی والدہ نے جب یہ خبر سنی ہوگی کہ خسرو گرفتار ہوگئے تو انپر کیا بیتی ہوگی ۔ چنانچہ جب خسرو وہاں سے دہلی پہونچے ہیں اور اپنی والدہ ماجدہ کے قدموں میں سر ڈالکر سعادت دارین حاصل کی تو اس موقع کی ایک ہلکی سی تصویر انہوں نے پیش کی ہے ۔ ”درآں کانون بلا مرا نیز رشتۂ بلا دامن گیر شد اما چوں رشتۂ عمرم خدائے دراز دادہ بود خلاص یافتم و آں شہر بلا (ملتان) را لا زدم وبہ تماشائی قبتہ الاسلام (حضرت دہلی کا لقب) آمدم وزیر قدم مادر بہشتی شدم ۔ او را خود حالی کہ چشمہا برمن افتاد جوئے شیرش از اشفاق رواں شد“ *

اس زمانے میں جبکہ سلطان محمد کی شہادت کے بعد خسرو اپنی والدہ ماجدہ کی زیارت کیلئے دلی پہونچے تو سلطان بلبن زندہ تھا ۔ اس نے ملتان کا والی سلطان محمد کے بیٹے کیخسرو کو بنادیا تھا اور خود سلطان محمد کے غم میں نڈھال، سفر آخرت کی تیاریاں کر رہا تھا اس نے بغرا خاں کو بلوایا اور اسکو بہت آمادہ کرنا چاہا کہ وہ تاج و تخت سنبھالے لیکن اسے بنگالہ کی فضا اس قدر راس آچکی تھی کہ وہ کسی طرح تیار نہ ہوا اور اپنے باپ کی مرضی کے بغیر دو تین مہینے دلی میں قیام کرنے کے بعد لکھنوتی واپس چلا گیا (تاریخ فیروز شاہی) بلبن اس زمانے میں مسلسل بیمار رہنے لگا تھا چنانچہ اسکا انتقال ۶۸۶ ہجری میں ہوا اور اسکی موت کے فوراً بعد نظام الملک اور دوسرے وزراء نے بغرا خاں کے بیٹے معزالدین کیقباد کو تخت شاہی پر بٹھا دیا ۔

بر سرشاں شاہ جواں بخت زاد تا جور پاک گہر کیقباد
کرد چو درشش صدو ہشتا دوشش بر سر خود تاج جد خویش خود §

---

* کلیات خسرو شمارہ ۱۰۳، ۲۱۹ ف ۔ ۱۸۳

§ مثنوی قران السعدین ص ۔ ۳۵ علی گڑھ ایڈیشن

خسرو ماہ محرم ۶۸۴ هجری میں ملتان سے دلی آئے ہیں اور کیقباد تخت شاہی پر ۶۸۶ هجری میں بیٹھا ہے - اس دوسال میں خسرو نے کسی کی بھی ملازمت نہ کی - وہ بیشتر دھلی میں اپنی والدہ کے پاس رہے ، انہیں ایام میں انہوں نے دو مرثیے سلطان محمد شہید کے لکھے - اور بلبن کے دربار میں پڑھکر سنایا لیکن کوئی نسبت سلطان بلبن کے دربار سے پیدا نہ کی کیونکہ نظام الملک جو اس زمانے میں بڑا اقتدار حاصل کئے ہوئے تھا ، خسرو سے مخاصمت رکھتا تھا - چنانچہ سال ڈیڑھ سال دلی میں قیام کرنے کے بعد وہ ”چند گاہ“ کمائے پٹیالی چلے گئے جہاں انکی والدہ کے کوئی عزیز اور خسرو کے دوسرے اعزا رهتے تھے - خسرو وھیں پٹیالی میں تھے کہ بلبن کے وفات پانے اور معزالدین کقیباد کے تخت نشین ہونے کی خبر انہیں ملی - اور پھر اسکے فوراً بعد معز الدین کیقباد کے دربار سے خسرو کے بلائے جانے کا فرمان بھی انہیں وهیں پٹیالی میں ملا - اب انہیں دلی کا رخ کرنا چاھیے تھا - لیکن خسرو نے یہ راستہ اختیار نہیں کیا کیونکہ وہ نظام الملک سے اسقدر خوفزدہ تھے کہ بادشاہ کے دربار میں جانا تو کجا وہ اپنی جان بچانے کی فکر میں تھے - وہ کسی ایسے شہزادے کی پناہ ڈھونڈ رہے تھے جو انکو نظام الملک کی چیرہ دستیوں سے امان دے سکتا - چنانچہ وہ پٹیالی سے بالا بالا اپنی والدہ سے ملے بغیر جو دلی میں مستقلاً رهتی تھیں - اودھ میں حاتم خاں کے یہاں چلے گئے اور اسکی ملازمت اختیار کرلی - اور اس وقت تک دلی نہیں لوٹے جبتک کہ اس واقعے کے دو سال کے بعد نظام الملک کا خاتمہ نہیں ہو گیا - نظام الملک کی موت کی خبر سنتے ہی امیر خسرو بیتابانہ دلی لوٹے ہیں -

چونکہ خسرو کے تذکرہ نگاروں نے خسرو کی زندگی کے ان چار سال کے سوانح کو صحت کے ساتھ بیان نہیں کیا ہے اسلئے ضرورت ہے کہ اس کی کچھ تفصیل پیش کی جائے -

خسرو لکھتے ہیں کہ میں دلی سے چند ماہ کے لئے اپنی والدہ کے

ایک عزیز اور دیگر اعزا سے ملنے پٹیالی گیا۔ اسکو ان کے تذکرہ نگاروں نے یوں لکھا ھےکہ وہ اپنی والدہ سے ملنے پٹیالی گئے۔ مگر خسرو کا جملہ یہ ھے۔

'' چند گاہ بدیدار عزیز مادر و عزیزان دیگر در قلعۂ موسن پور عرف پٹیالی بر لب آب گنگ روزگار خوش گزارہ می کردم۔ دریں میاں ناگاہ سلطان عادل سلطان غیاث الدین طبل رحیل فرو کوفت و علم دولت معزی بر سر آفتاب سایہ گسترد۔ بندہ را طلب فرمود۔ در آں ایام ملک نظام الدین داد بک عاقلۂ ملک و علاقۂ تخت بود و بہ سببے (اس سبب کو انہوں نے ظاہر نہیں کیا ھے) از من خاکی پر غبار۔ گفتم نباید عقیلۂ انگیزد، احتراز حرز خویش ساختم و در سایۂ ابر دست حاتم خاں پناہ جستم و از آں کف دریا موج چنداں کشتیٔ (زر) یافتم۔ کہ اگر آنرا بادبان هباء منشورا نکشادمی یا انکہ لنگر کردمی زادگان من توانستندی کہ عمرے بآب روی بکراں برندی۔ ــــــــ یکچندے کلاہ ندیمی را در خدمت او بر سر کردم تا ناگاہ مجلس نظامی بہ بوستان فردوسی جایٔ خوش کرد درحال بمنادیۂ کیقبادی معزی شدم و تقرب تمام حاصل گشت۔''*

اس عبارت سے یہ بات بالکل واضح ہوتی ھے کہ جب معزالدین کیقباد تخت شاھی پر بیٹھا ھے تو اس نے خسرو کے لئے فرمان طلبی بھیجا۔ خسرو کی تو ہمیشہ سے یہ خواہش تھی کہ کسی طرح سلطان دہلی کے ندیم بنیں، اور شہزادوں کی ملازمت کرنے کا راز بھی یہی تھا کہ وہ انکے توسط سے سلطان دہلی کے دربار میں پہونچنا چاھتے تھے۔ چنانچہ خسرو، بادشاہ کی اس پیشکش کو کبھی بھی صرف نظر نہ کرتے اگر انہیں نظام الملک کی طرف سے خطرہ نہ ہوتا۔ چنانچہ انہوں نے بادشاہ کی ملازمت اختیار کرنے کے بجائے حاتم خاں کی ملازمت مجبوراً

---

* کلیات خسرو۔ شمارہ ۲،۱۰۴ دیباچۂ غرۃ الکمال۔ ف۔ ۱۸۳
و دیباچۂ غرۃ الکمال مخطوطہ نیشنل میوزیم کراچی
و دیباچہ غرۃ الکمال کلیات خسرو انڈیا آفس شمارہ ۱۱۸۶

اختیار کی ۔ نظام الملک کی دراز دستی اور چیرہ دستی سے بچنے کے لئے کیونکہ وہ مستقلاً اپنی راہ سے ان لوگوں کو ہٹا رہا تھا جو اس کے حصول مقاصد میں مزاحم ہو سکتے تھے ۔ خسرو بھی اسکی فہرست پر چڑھے ہوئے تھے اسی لئے انہیں حاتم خاں کی پناہ کی ضرورت پڑی ۔

”در سایہ ابر دست حاتم خاں پناہ جستم ۔“

خسرو نے یہ بات واضح طور سے لکھی ھے کہ چونکہ ملک نظام الدین کسی سبب سے ان سے عداوت رکھتا تھا اس لئے اسکے غضب سے بچنے کے لئے انہوں نے حاتم خاں کی پناہ ڈھونڈھی تھی ۔ اور یہ بات بھی واضح کی ہے کہ جب تک کہ ”مجلس نظامی بہ بوستان فردوسی جائے خوش نکرد“ ۔ یعنی جبتک کہ نظام الملک فردوس نشیں نہیں ہوئے میں نے دلی کا رخ نہیں کیا ۔ لیکن خسرو کے تذکرہ نگار ان اشارات کو سمجھنے سے قاصر رہے ۔ بہرحال امیر خسرو حاتم خاں کے ہمرکاب ہوکر دو سال اور چند ماہ تک اودھ میں رہے ہیں ۔ اور اگر اس دو سال چند ماہ کی مدت میں اس ”چند گاہ“ کا اضافہ کر دیا جائے جو ان کے قیام پٹیالی کا ھے تو یہ کہا جاسکتا ھے وہ ڈھائی سال تک اپنی والدہ ماجدہ سے جدا رہے * چنانچہ جب وہ اس طویل مدت کے بعد دلی پہونچے ہیں تو انکی والدہ ماجدہ کے شوق دیدار اور اضطراب کا عالم کچھ اس سے بھی سوا تھا جبکہ امیر خسرو ملتان میں تھے ۔ اس ملاقات کی کیفیت تو انہوں نے ان الفاظ میں بیان کی تھی ”جوئے شیرش از اشفاق رواں شد“ مگر اس بار کی کیفیت کو اس سے قوی تر الفاظ میں بیان کیا ھے ۔

---

* ڈاکٹر وحید مرزا نے قران السعدین کی ایک غزل کے اس مطلع سے

سخت دشوار است تنہا ماندن از دلدار خویش
با کے گویم حال تنہا ماندن دشوار خویش

یہ نتیجہ اخذ کیا ھے کہ وہ اس وقت شادی شدہ تھے ۔ گویا محبوبہ صرف بیوی ہی ہوسکتی ھے ۔

مادر من خستہ' تیمار من   چوں نظر افگند بدیدار من
بردہ ز روئے شفقت بر گرفت   اشک فشاناں ببرم درگرفت*

خسرو نے اپنی مثنوی قران السعدین میں لکھا ھے کہ جس وقت سلطان معزالدین کیقباد نے حاتم خان کو والیٔ اودھ باقاعدہ متعین کیا ہے، وہ اس سے قبل سے دوسال تک اسکے ملازم کی حیثیت سے اودھ میں مقیم تھے۔ یہاں یہ بات بتانی ضروری ھے کہ سلطان بلبن نے اپنی زندگی ہی میں حاتم خان کو ملک شہاب الدین کی جگہ اودھ کا مقطع نامزد کیا تھا اور وہ اس وقت سے اودھ کی دیکھ بھال کر رھا تھا۔ (تاریخ مبارک شاھی۔ ص ۴۱) لیکن باقاعدہ والی اودھ کا عہدہ، اور خان دوران کا خطاب سلطان معزالدین کیقباد نے اس وقت دیا جبکہ وہ اپنے باپ بغرا خان سے اودھ میں ملنے کے بعد دلی لوٹ رہا تھا اور حاتم خان کا لشکر بمع خسرو اسکے ھمراہ تھا۔ جب اسکا لشکر لوٹتے وقت کنپتور کے مقام پر پہونچا ھے تو سلطان کیقباد نے قیام کیا اور حاتم خان کو باقاعدہ والیٔ اودھ بنایا۔ اس موقع پر خسرو لکھتے ہیں۔

با علم فتح دراں راہ دور   سایہ فشاں شد بہ حد کنپتور
خان جہاں حاتم مفلس نواز   گشت با قطاع اودھ سرفراز
من کہ بدم چاکر او پیش ازآں   کرد کرم زانچہ کہ بد بیش ازآں
باز چناں بخشش چاکر فریب   بندہ شدم لازمہ' آں رکیب
در اودھ ھم برد لطفے چناں   کیست کہ از لطف بتابد عناں
غربت از احسانش چنانم گزشت   کم وطن اصل فراموش گشت
دراودھ ازبخشش او تا دو سال   ہیچ غم و نالہ نبود از منال
من زپئے شرم خدا وند خویش   رفتہ زجائے خود و پیوند خویش
مادر من پیر زن سبحہ سنج   ماندہ بہ دھلی زفراقم بہ رنج §

---

* قران السعدین ص۔ ۲۲۲، ۲۲۳۔ علی گڑھ ایڈیشن۔

§ ایضاً ص ۲۲۱

اس مکمل وضاحت کے باوجود قران السعدین (علی گڑھ ایڈیشن) کے مولف سید حسن برنی لکھتے ھیں کہ "دربار معزی میں باریاب ھونے سے پیشتر خسرو اودھ میں چھ مہینے رہے ھیں۔"* اس غلط فہمی اور ھٹ دھرمی کا کوئی جواب ھے۔ خسرو نے انہیں دنوں اودھ سے ایک منظوم خط (بنام تاج الدین زاھد) ۱۶ ویں رجب سہ شنبہ بوقت شب سنہ ۶۸۷ ھجری میں لکھا ھے۔ اس خط میں انہوں نے اپنی دلی سے جدائی کا غم کیا ھے اور وھاں کی پرانی باتوں کو یاد کیا ھے۔ اس خط کا حوالہ دیا جاچکا ھے۔ چنانچہ اسی سال خسرو ذیقعد کے مہینے میں دلی پہنچے ھیں۔

یک مہ کامل بہ کشیدم عناں   راہ چنیں بود و کشش آں چناں
ہمچو مہ عید خوش و شاد بہر   در مہ ذیقعد رسیدم بشہر£

اور پھر اس کے دو روز کے بعد فرمان شاھی ملازمت کا موصول ھوتا ھے۔

حاجبی آمد بشتابندگی   داد نویدم بہ صف بندگی
خاستم و برگ شدن ساختم   تحفتی تازہ بپر داختم
داد باحسان رہے بر درم   جامگئی خاص ودو بدرہ درم
یافتم اندر محل اختصاص   مرتبہ درسلک ندیمان خاص†

اب قبل اس کے کہ ھم امیر خسرو کو دربار معزی میں پیش کریں یہ بتانا چاھیں گے کہ حاتم خان کون تھا۔ کیوں کہ اس کے بارے میں کسی نے بھی ابھی تک تحقیق نہیں کی ھے۔

---

* ایضاً۔ ص۔ ۵۴

£ ایضاً۔ ص۔ ۲۲۲

† ایضاً۔ ص۔ ۲۲۳

حاتم خان پر ایک نوٹ۔

برنی نے حاتم خاں کو بلبن کا ''مولا زادہ'' لکھا ہے۔ مگر اسکی کوئی وضاحت نہیں کی ہے کہ وہ مولا کون تھا۔ چونکہ عربی زبان میں مولا دو متضاد معنوں میں استعمال ہوتا ہے یعنی آقا اور غلام دونوں معنوں میں اس لئے تاریخ فیروز شاہی کے اُردو مترجم نے ''مولا زادہ'' کا ترجمہ غلام زادہ کر دیا ہے، اور یہ معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی کہ حاتم خاں کے باپ کا کیا نام تھا، اور نہ اسنے کوئی سروکار اس امر سے رکھا کہ آیا فارسی اور ترکی زبان میں مولا بول کر غلام کا مفہوم ادا کرتےبھی ہیں کہ نہیں۔ فارسی زبان میں مولا کی جمع موالی تو غلام کے معنی میں استعمال ہوتی ہے لیکن بہ صیغۂ واحد مولا بمعنی غلام کے استعمال نہیں ہوتا ہے۔ اور نہ یہ لفظ ترکی زبان میں بمعنی غلام استعمال ہوتا ہے۔ لغت چغتائی و ترکیٔ عثمانی میں اس لفظ کے دو معنی دئے ہوئے ہیں ایک بمعنی آقا اور دوسرے بمعنی اخوند۔ یعنی استاد۔ چنانچہ اگر کسی نے بلبن کی زبان سے حاتم خاں کے بارے میں مولا زادہ کا لفظ سنا ہوگا تو ان دو مفاہیم میں سے کوئی ایک مفہوم ہو سکتا ہے۔ ایک آقا زادہ اور دوسرا اخوند زادہ۔ ھمارے اس خیال کو مزید تقویت اس بات سے ملتی ہے کہ خسرو نے یہ بات واضح طور سے لکھی ہے کہ انہوں نے بجز شاہزادوں کے کسی کی مدح نہیں لکھی ہے اور اگر لکھی ہے تو ان شاہزادوں کے ممدوح یعنی سلاطین کی ''بندہ خسرو اگرچہ ہمہ وقت استناد بمسند پشتبانان ملک داشتہ است و ہمیشہ ہمنشیں و ہم زانوئے شاہزادگان بود* —— '' اور پھر آگے چل کر لکھتے ہیں ''جز ممدوح محمود (بغرا خاں) را کہ در سلک مادحان او بودہ ام مدحت نکردہ ام و بادشاہزادہ کہ بنا بر اخلاص خدمت بتخلص او التفاتی نمودہ ام و با بزرگی را کہ ممدوح خوردہ دان بزرگ داشت فرمودہ است''† جہاں تک کہ حاتم خاں کا تعلق ہے۔ وہ بھی شہزادہ تھا۔ اسکو خسرو نے علی بن ایبک سلطانی کے

---

* دیباچۂ غرۃ الکمال مطبوعہ۔ ۷۴

† ایضاً۔ ص ۷۵

خطاب سے یاد کیا ہے۔ اور سلطانی کا خطاب صرف شاہی خاندان کے افراد کے ساتھ لگایا جاتا تھا۔ اور اس شہزادہ حاتم خاں کی بزرگی اور جلال کا یہ عالم تھا کہ بقول برنی جلال الدین خلجی کہا کرتا کہ جس زمانے میں کہ حاتم خاں بلبن کا سرجاندار تھا ہم دونوں بھائی اس تمنا میں رہتے کہ حاتم خاں ہمارے سلام کا جواب دیدے"۔ (تاریخ فیروز شاہی اردو ترجمہ۔ ص۔ ۲۹۱)

اس حاتم خاں کو ڈاکٹر وحید مرزا نے بلبن کا "کزن" لکھا ہے*۔ لیکن انہوں نے اس کا کوئی حوالہ نہیں دیا ہے۔ انگریزی زبان کا یہ لفظ "کزن" چچا زاد، خالہ زاد، ماموں زاد، پھوپھی زاد ان میں سے کسی بھی بھائی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ قیاس یہ بتاتا ہے کہ ڈاکٹر وحید مرزا نے اسے بلبن کا چچا زاد بھائی قرار دیا ہے۔ بلبن کا ایک چچا زاد بھائی شیر خاں سنقر تھا۔ جسکو بلبن نے زہر دیکر مار ڈالا تھا کیونکہ اُس کی طاقت اور جبروت سے اسکو خدشہ تھا اگر حاتم خاں شیر خاں کا بھائی ہوتا تو بلبن اسکی طرف سے بھی مشتبہ ہوتا۔ اسلئے قیاس یہ بتاتا ہے کہ وہ شیر خاں کا بھائی نہیں۔ بلکہ بلبن کے خاندان کے کسی اور شخص کا بیٹا تھا بلبن کے کئی اعزاء اسکی کامیابی دیکھکر دلی میں جمع ہو گئے تھے۔ ایک عزالدین بلبن کشلو خاں المعروف بہ بلبن کلاں † اور دوسرا ملک عزیزالدین بلبن یوزبک جسکو سنہ ۶۵۷ ہجری میں لکھنوتی کا مقطع بنایا گیا تھا ¶ اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ خود خسرو اس حاتم خاں کے بارے میں اپنے قصائد میں کیا اطلاعات بہم پہونچاتے ہیں۔ خسرو نے حاتم خاں کی مدح میں جو قصائد لکھے ہیں اس میں انہوں نے حاتم خاں کو علی بن ایبک سلطانی کے لقب سے یاد کیا ہے۔ وسط الحیات میں ایک قصیدہ واضح طور سے حاتم خاں کی مدح میں ہے اسکے چند اشعار

---

* Life & Works of Amir Khusroe, Page 28

† طبقات ناصری جلد دوم۔ ص۔ ۳۶

¶ طبقات ناصری جلد دوم۔ صفحہ ۷۸

ملاحظہ ہوں۔

بیت سلسلہ۔ این مدح حاتمیست کہ احسان وجود اُو
بیش از مبالغت بد و چیزے کم از محال۔
وزن - مفاعلن، فصلاتن، مفاعلن فعلن

یہ قصیدہ اس وقت کہا گیا تھا جب حاتم خاں کو اودھ کی ولایت مفوض ہوئی تھی۔

خجستہ باد خداوند را ولایت نو
فراز چرخ کشیدن طراز رایت نو
ستودہ خان معظم گزیدہ حاتم خاں
کہ شد خطاب نوش* رتبت ولایت نو
سر ملوک جہاں اختیار دولت کرد
زمانہ از کرمش ہر زماں ولایت نو
علی ایبک کز ذوالفقار تیغ کنند
ہمہ ضلالت ہندوستان ہدایت نو
چوں زندہ شد بزبانت حکایت عالم
بزیست حاتم طائی بریں حکایت نو£

یہاں واضع طور سے حاتم خاں کو علی ابن ایبک بتایا گیا ہے۔ دوسرے قصیدے میں ان کی یہی ولدیت ہے۔

نایب سلطان اعظم اختیار دین و داد
بختاری کش زاختر اختیار آمد خطاب
حیدر ثانی علی بن ایبک کز ذوالفقار
یافت از ہر دو خیبر کلید فتح باب†

---

* خان جہاں۔

£ غرۃ الکمال کلیات شمارہ ۲۱،۱۰۴ - ف - ۲۸۰

† غرۃ الکمال کلیات شمارہ ۲۱،۱۰۴ - ف - ۲۷۳

اعجاز خسروی میں ایک خط بنام نجمہ الملۃ والدین ہے۔ اس خط میں علی بن ایبک کو علی بن ایبک سلطانی لکھا گیا ھے ''خداوند ملک الملوک الشرق و قطب ارکان الممالک اختیار الحق والدین۔ علی ایبک سلطانی۔''* اور غرۃ الکمال میں ایک قصیدہ ھے جسکا عنوان ھے ''اختیار الدولہ علی بن ایبک سیف الدولہ باربک''۔§ اسکے یہ معنی ہوئے کہ امیر علی المعروف بہ حاتم خان کے والد کا پورا لقب سیف الدولہ باربک ایبک سلطانی تھا۔ اس سے ایک التباس الملک کشلی خان سیف الدین ایبک سلطانی ملک الحجاب کا پیدا ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ نہ تو خود خسرو نے حاتم خان کو ابن کشلی خان لکھا ہے اور نہ کسی اور مورخ نے اس امر کی تصدیق کی ھے کہ حاتم خان بھی کشل خان کا بیٹا تھا اس لئے اس سیف الدولہ باربک ایبک سلطانی کے تشخص کا کام ہنوز باقی ھے۔

لیکن ایک قصیدے سے اتنا ضرور واضح ہوتا ھے۔ کہ علی بن ایبک سلطانی المعروف بہ حاتم خان، جسکا خطاب شاہی اختیار الدولہ والدین تھا۔

چراغ چشم جہاں اختیار دولت و دیں
کہ یافت از او چشم روزگار چراغ
جہان روشن دولت علی بن ایبک
کہ ہست در دلش از نور کردگار چراغ†

وہ ایک شاہزادہ تھا۔ اور برنی کا فقرہ ''مولا زادہ'' اتنا گمراہ کن نہیں جتنا کہ تاریخ فیروز شاہی کے اُردو مترجم کا ترجمہ ''غلام زادہ'' گمراہ کن ھے۔ اسکے شاہزادہ ہونے کے ثبوت میں یہ اشعار ہیں۔

---

* اعجاز خسروی رسالۂ خامسہ۔

§ انڈیا آفس کلیات خسرو شمارہ ۱۱۸۶۔

† وسط الحیات کلیات خسرو شمارہ ۲۱،۱۰۳ - ف - ۹۳ -

صبحدم کز خواب خیزد آفتاب زرفشاں
آب رویٔ خود کند از خاک شاہ کامراں
نور چشم سلطنت بل چشمۂ نور جلال
دودۂ شمع ممالک بلکہ شمع دود ماں
اختیارالحق بحق مختار شاہاں کامدست
آفتاب و رایٔ او در ضبط عالم تواں
نام بیروں بردہ بود از دہر حاتم در سخا
نام اُو برخاست چوں بنشست ایں حاتم نشاں*

یہاں یہ بات بھی مدنظر رہے کہ چونکہ کشلی خاں عرف ملک چھجو ابن سیف الدین ایبک سلطانی ملک الحجاب کشلی خاں، برادر زادۂ سلطان بلبن کا بھی لقب شاہی اختیارالدولہ والدین تھا۔

اختیار دول آں شہ کہ جہانرا جانست
روشنست این کہ چراغ دل کشلیخان است

اسلئے بڑے احتیاط سے دونوں سے متعلق قصائد کی نشاندہی کرنی چاہئے اور جب تک علی بن ایبک یا حاتم خان کا ذکر نہ ہو صرف اختیارالدین یا اختیارالدولہ والدین کے تخاطب کی وجہ سے اُسے حاتم خان سے منسوب کرنا نہ چاہئے۔

حاتم خان نے خسرو کو ایک گھوڑا عطا کیا تھا، چنانچہ خسرو نے اس گھوڑے کی زبانی، اپنی کچھ عرضداشت ایک نہایت ہی ظریفانہ انداز میں حاتم خاں کو ایک نظم میں پیش کی ہے۔ اس نظم کا نام ہے اسپ نامہ۔ برنی نے اپنی کتاب تاریخ فیروز شاہی میں جہاں حاتم خاں کا ترجمہ لکھا ہے وہاں خسرو کی اس نظم سے بھی چند اشعار حاتم خان کی مدح میں نقل کئے ہیں۔ مگر عجیب معاملہ ہے کہ وہ حاتم خان

---

* تحفۃ الصغر کلیات خسرو شمارہ ۲۱،۱۰۳- ف ۱۳ -

کو ہر جگہ ملک امیر علی سر جاندار لکھتا ہے۔ اسکے برعکس خسرو نے اسی اسپ نامہ میں حاتم خاں کو سر جاندار کے خطاب سے نہیں بلکہ وکیل در، وکیل مطلق شاہ کے خطاب سے یاد کیا ہے۔ کیا اس سے یہ باور کیا جائے کہ برنی کی معلومات حاتم خان کے بارے میں ناقص تھیں۔ ملاحظہ ہوں خسرو کے اشعار۔

شاہ عہد اختیار دولت و دیں
آفتاب شرف بہ خانۂ زیں
ہم علی نام و ہم بہ شیر دلی
شیر دلدل سوار ہمچو علی
در دولت وکیل مطلق شاہ
نوبتے (بر) درت سپید و سیاہ

ابر کرم اختیار دولت   زر گوہر و در نثار دولت
والا علی ابن ایبک آں شاہ   کز غیب شدہ است رایش آگاہ
فرزانہ وکیل درکہ از تیغ   اطراف جہاں گرفت چوں میغ
گردن شکن سراں بشمشیر   ہم شیر فگن برزم و ہم شیر*

امیر خسرو معزالدین کیقباد اور جلال الدین خلجی کے دربار میں

برنی لکھتا ہے کہ جس زمانے میں نظام الملک کا کام تمام کیا گیا۔ اس وقت جلال الدین فیروز شاہ خلجی سامانہ کا نایب اور دربار کا سر جاندار تھا۔ اس کو سامانہ سے بلوایا گیا۔ اور عارض ممالک بناکر برن کے اقطاع اس کے سپرد کردیئے گئے۔ اور شایست (شایستہ) خاں کا خطاب بھی اس کو عطا کیا گیا۔

ہم یہ بات لکھ چکے ہیں کہ خسرو حاتم خاں کے یہاں سے

---

* اسپ نامہ - نامکمل کلیات خسرو مخطوطہ نیشنل میوزیم کراچی۔

رخصت ہوکر دلی اس وقت آئے ہیں جبکہ نظام الملک اس دنیا سے اُٹھ چکے تھے - خسرو اودھ سے ذی القعد ۶۸۷ ہجری میں دلی لوٹتے ہیں۔ اُس وقت جلال الدین فیروز شاہ کو عارض الممالک دہلی کا عہدہ اور شایستہ خاں کا خطاب دیا جاچکا تھا - دلی آنے کے دو دن بعد خسرو معز الدین کیقباد کے ملازم ہوئے اور مثنوی قران السعدین کی تخلیق میں چھ سات مہینے تک مصروف رہے ، ماہ رمضان ۶۸۸ھ میں مثنوی مکمل کرلی - لیکن سلطان معز الدین کیقباد کے دربار سے خاطر خواہ انعام و اکرام نہ ملنے کی وجہ سے اس کی ملازمت سے سخت بد دل ہوئے - یہ وہ زمانہ تھا جبکہ سلطان صاحب فراش ہوگیا - کثرت عیاشی سے وہ برگ خزاں دیدہ کے مانند ہوگیا - جب اس کی صحت کی طرف سے لوگوں کو مایوسی ہوگئی تو بندگان بلبنی امراء اور ملوک نے اس پر اتفاق کیا کہ اس کے خرد سال بیٹے شمس الدین کیکاؤس کو حرم سے نکال کر تخت پر بٹھانا چاہئے اور اس کا ایک نایب مقرر کیا جائے۔* ترک امراء یہ نیابت اپنے درمیان رکھنا چاہتے تھے اور جلال الدین فیروز شاہ خلجی کو جسے وہ اپنے سے کمتر سمجھتے اور جو اس وقت عارض ممالک دہلی تھا اپنے راستے سے ہٹانا چاہتے تھے - لیکن اس کشمکش میں کامیابی جلال الدین خلجی کو ہوئی نہ کہ بلبنی ترک امراء کو- برنی نے یہ نہیں لکھا ہے کہ آیا جلال الدین خلجی جس کو شایستہ خان یا شایستی خان کا خطاب دیا گیا تھا اس نے بہ حیثیت نایب ملک بھی اختیار سنبھالا کہ نہیں - مگر خسرو کے ایک جملے سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ جلال الدین تخت شاہی پر بیٹھنے سے پہلے ، کچھ دنوں تک نایب ملک بھی تھا - خسرو کا جملہ یہ ہے -

” ناگاہ ساقی دور شیرینش (اش کا اشارہ معز الدین کیقباد کی طرف ہے) چشایند کہ ازاں شراب ، چشم باز نکرد - قرۃ العین او شمس الدین بر سریر پادشاہی طلوع و شایستی خان والا (جلال الدین فیروز شاہ) کہ

---

* تاریخ فیروز شاہی -

در فیروزی آسمانے بود به پشتبانی او را در کنار گرفت - بندہ خسرو بعطاردیٔ آں آسمان پیروزی کمر جوزا بر میان چست کرد و ندیم حضرت با عزت پیروز شاہی گشت ۔ از سرسبزی بخت بندہ رایت پیروزۂ پیروز شاہی بچتر سیاہ بدل گشت ۔ و از کرم ذوالجلال جل جلالہ سریر سلطنت رابقدم رفعت پایہ بلند گردانید و اوازۂ خطبۂ جلال جلالا را بہ منبر نہ پایۂ فلک بگزرانید "۔ *

جس زمانے کا یہ واقعہ ھے برنی اس زمانے میں پانچ چھ سال کا بچہ تھا ۔ ظاہر ھے کہ اس زمانے کی باتوں کو خسرو سے بہتر کون بتا سکتا ھے جو اس وقت دلی میں تھے اور ابھی جلال الدین فیروز شاہ ملقب بہ شایستہ خاں (تاریخ مبارک شاہی) یا شایستی خاں (خسرو) شمس الدین کیکاؤس کا نایب ہی تھا کہ خسرو اس کے دامن دولت سے وابستہ ہوچکے تھے ۔ خسرو نے جو کچھ اوپر لکھا ھے اس کی توثیق تاریخ مبارک شاہی سے بھی ہوتی ھے ۔ جب شمس الدین کیکاؤس کو ترک امراء حرم سے نکال کر لائے اور تخت شاہی پر بٹھایا تو اس خرد سال بچے کی نیابت کا سوال پیدا ہوا ۔ اس پر خاصی جھڑپ ہوئی ۔ ''آنگاہ شایست خاں روئے بجانب ملک چھجو آوردہ گفت - شاہزادہ (شمس الدین) شمارا محل فرزند است (ملک چھجو اس شہزادے کا نانا تھا) او بادشاہ شود شما نایب ملک شود ۔§ اس پر ملک چھجو نے کہا کہ نہیں نیابت کا کام تو سنبھال مجھے توکڑہ کا اقطاع دیدے - چنانچہ ادھر اس نے ملک چھجو کو کڑہ کا اقطاع دے کر روانہ کیا ادھر اس نے خود نیابت سنبھالی ۔ اور وہ اس عہدے پر محرم ۶۸۹ ھجری سے ربیع الاخر ۶۸۹ ھجری تک یعنی تین ماہ چند روز تک ماسور رہا ۔ (تاریخ مبارک شاہی) جب معزالدین کیقباد کو جو بستر مرگ پر دم توڑ رہا تھا ، مار کر اس کی لاش کو دریا میں پھینک دیا گیا تو جلال الدین خلجی باقاعدہ تخت

---

* دیباچۂ غرۃ الکمال کلیات خسرو شمارہ ۱۰۴، ۲۱

§ تاریخ مبارک شاہی یحییٰ السھوندی - صفحہ ۵۸

شاہی پر بیٹھا ہے -

برنی اسکے تخت شاہی پر بیٹھنے کا سال ۶۸۸ ہجری لکھتا ہے جو بالکل غلط ہے ، یحیٰ السھوندی مولف تاریخ مبارک شاہی ربیع الآخر ۶۸۹ ہجری لکھتا ہے اور خسرو ۳ جمادی الآخر ۶۸۹ ہجری لکھتے ہیں ، چونکہ خسرو جلال الدین فیروز شاہ کے دامن دولت سے اسکے نایب ملک ہونے کے زمانے ہی سے وابستہ ہوچکے تھے اس لئے ان کا بیان ان سب سے زیادہ مستند ہے - اسکے یہ معنی ہوئے کہ خسرو نے معزالدین کیقباد کی زندگی ہی میں اُس سے کبیدہ خاطر ہو کر اپنے کو جلال الدین فیروز شاہ خلجی کے دامن دولت سے وابستہ کر لیا تھا - خسرو سیاست زمانہ کے بہت بڑے نباض تھے یہ بات انہوں نے پہلے ہی بھانپ لی تھی کہ معزالدین کیقباد کے بعد چتر سلطانی کس کے سر پر جلوہ گر ہونے والا ہے - چنانچہ یہ بات سلطان جلال الدین کے احوال میں برنی نے بھی لکھی ہے کہ "امیر خسرو کو جو شعراء متقدمین اور متاخرین کے سردار تھے سلطان جلال الدین نے اس وقت نوازا اور نہایت عزت و احترام کے ساتھ اپنے پاس بلا لیا جبکہ وہ عارض ممالک تھا ——— جب وہ بادشاہ ہوا تو امیر خسرو اسکے مقربین بارگاہ میں شامل ہوگئے - مصحف داری کی خدمت انکے سپرد کی گئی اور جو خلعت بڑے ملوک کو دیا جاتا تھا وہی خلعت مع سفید کمر بند کے امیر خسرو کو دیا جاتی -"* برنی نے جو یہ لکھا ہے کہ جلال الدین خلجی نے خسرو کا وظیفہ بارہ سو تنکا مقرر کیا - وہ اس زمانے کی بات ہے جبکہ وہ عارض ممالک دہلی تھا اور ابھی وہ سلطان دہلی نہیں بنا تھا - جب سلطان جلال الدین خلجی تخت شاہی پر بیٹھا ہے اور امیر خسرو نے مصحف داری کا عہدہ سنبھالا ہے - اور انہیں خلعت و امارت سے سرفراز کیا گیا ہے تو اس وقت کے وظیفے اور اکرام و انعامات کا حال کچھ خسرو ہی کی زبانی سنیئے - اور برنی کے لکھے ہوئے بارہ سو تنکے کو بالکل

---

* ایضاً ص - ۳۰۵

فراموش کر دیجیئے " بندہ خسرو اگرچہ ہمہ وقت استناد بمسند پشتبانان ملک داشتہ است و ہمیشہ ہمنشیں و ہم زانوئ شاہزادگان بود اما براوج ناموری بر کشیدۂ تربیت و مرحمت ایں پادشاہ رحیم و کریم کہ اعلم السلاطین است و از پادشاہان متقدم و متاخر کسی از ایں نوع سخن داں نبود و نبود ۔ سخنداں در دانش شعر است چنانچہ حقیقت سخن بندہ است بحقیقت ہم بدانست و ہم باندازۂ استحقاق عاطفت مبذول فرمود ۔ از کمال نوالے کہ در حق اہل کمال، خصوصاً در حق من ناقص ارزانی داشت ۔ اگر وصف کنم در مبالغت شعر نگنجد ۔ فلک راکہ دشمن کاملان است از غایت تحیر دوران آورد ۔ خواست کہ در غلطد اما ہم بر کرم او تکیہ کرد و آنگاہ پائ راست توانست نہاد ۔

از بخشش و بخشایش آں شاہ بمجلس
عالم ہمہ رو تازہ چو نو روز جلالیست*

سلطان جلال الدین جب معزالدین کیقباد کا قصہ پاک کر کے ۳ جمادی الثانی سنہ ۶۸۹ ہجری میں تخت شاہی پر بیٹھا ھے تو اس کی عمر خاصی ہو چکی تھی اسکے کئی جوان بیٹے تھے جو بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہوئے لیکن اس کہولت اور اس پروپیگنڈے کے باوجود کہ وہ بڑا نیکدل اور خدا ترس تھا ۔ اسکی محفل نشاط و طرب معزالدین کیقباد کی محفل نشاط و طرب سے کچھ کم رنگین نظر نہیں آتی ھے ۔ ہاں یہ ضرور ھے کہ نوجوان معزالدین کیقباد کو شعر و شاعری سے شغف کم اور عیش و نشاط سے شغف زیادہ تھا اور جلال الدین کو شعر و شاعری سے شغف بطور خاص تھا کیونکہ وہ خود بھی شاعر تھا ۔ اور اپنے دربار میں اس نے بہت سے شعراء کو یکجا کر لیا تھا ۔ ان شعراء میں امیر حسن علاء سجزی کا نام برنی نے نہیں لیا ھے مگر منتخب التواریخ میں حسن کا بھی نام لیا گیا ھے ۔ بہرحال جلال الدین کو کچھ شاعری ہی سے

---

* دیباچۂ غرة الکمال مطبوعہ ۔ ص ۔ ۷۴-۷۵

نہیں بلکہ محفل رقص و نغمہ کا بھی مذاق تھا - ہر طرح کے گوئیے سازندے اور رقاصائیں اسکی محفل میں ہوتیں - خسرو کے دن اسکی ندیمی میں بہت اچھے اور رنگین گزرے ہیں - اور جو بخل کہ معز الدین کیقباد نے اکرام و انعام کے سلسلے میں روا رکھا تھا - اسے جلال الدین نے دہ چند کرکے پورا کردیا - برنی جو ایک طرف بادشاہوں کو لمبی لمبی موغطت دیا کرتا ہے - وہ ان محفلوں کی تصویر بڑی لذت اور ذوق و شوق سے کھینچتا ہے اور اپنے بڑھاپے کا غم اور اپنے نا کردہ گناہوں کی حسرت کی داد بھی طلب کئے جاتا ہے - برنی نے جو مرقع امیر خسرو کا جلال الدین خلجی کے دربار میں پیش کیا ہے - اسکا ایک صفحہ ملاحظہ ہو -

’’ سلطان (جلال الدین) کی مجلس کے غزل خوان امیر خاصہ اور حمید راجہ تھے - ہر روز امیر خسرو اس مجلس میں نئی نئی غزلیں لاتے تھے - سلطان امیر خسرو کی غزلوں کا شیفتہ تھا اور انکو بہت زیادہ انعام دیتا تھا ، سلطان کی مجلس کے ساقی ہیبت خان کے بیٹے نظام خریط دار اور یالدز ساقیوں کے سردار تھے - یہ لوگ حسن و جمال اور کرشمہ سازی میں ایسے تھے کہ جو زاہد یا عابد انکو دیکھتا زنار باندھ لیتا -

سلطان کی مجلس کے مطربوں میں محمد شاہ چنگی (چنگ نواز) چنگ بجاتا ، فتوحا اور نصرت خاتون گانا گاتیں - انکی آواز پر پرندے ہوا سے نیچے اُتر آتے - یہ لڑکیاں خاص طور پر نصرت بی بی اور مہر افروز - (جو اپنے حسن اور خوبصورتی میں بے مثال تھیں) سلطان کی مجلس میں رقص کیا کرتیں - امیر خسرو جو سلطان کی مجلس کے ملک الندما تھے ان کم عمر لڑکوں اور نوجوانوں کی کرشمہ سازیوں پر نئی نئی اور تازہ بہ تازہ غزلیں کہکر لاتے - یہ غزلیں اس وقت گائی جاتیں - جبکہ ساقی نوشا نوش کی آوازیں لگاتے - امرد شوخی و طراری کرتے حسین اور خوبصورت عورتیں ناچ ناچ کر نازو ادا کیساتھ

خسرو کی غزلیں پڑھتی ہوتیں۔"*

اب ایک ایسے ہی موقع کی ایک غزل خسرو کے دیوان وسط الحیات سے ملاحظہ فرمائیے۔

اختصار کے مدنظر صرف دو تین اشعار پیش کر رہا ہوں۔

گرچہ ز خوئی نازکت سوختہ گشت جان من
سوئے تو می کشد ہنوز ایں دل ناتوان من
خواب نماند خلق را در ہمہ شہر از غمت
دور شنیدہ می شود در دل شب فغان من
شاہ جہاں جلال دیں آنکہ بہ یک اشارتش
دولت بیکرانہ شد محنت بیکران من §

لیکن خسرو کی توجہہ صرف اسی بزم نشاط پر نہ رہی انہوں نے جلال الدین کی مدح میں جہاں کئی قصائد کہے ہیں، وہاں اس کی فتوحات کا ایک فتح نامہ مسمیٰ بہ مفتاح الفتوح بھی لکھا ہے۔ جس میں جلال الدین خلجی کی ایک سال کی چار فتوحات کا ذکر ہے۔ اس فتح نامے میں ملک چھجو ابن کشلی خان کی بغاوت کے خلاف جلال الدین خلجی کی لشکر کشی کا حال خاص طور سے بیان کیا گیا ہے۔ اس بغاوت میں جیسا کہ برنی کا بیان ہے حاتم خان بھی ملک چھجو کے ساتھ مل گیا تھا۔

"دوسرے سال میں سلطان بلبن کے بھتیجے ملک چھجو نے کڑہ میں شاہی چتر لگایا اور اپنے نام کا خطبہ پڑھوایا۔ امیر علی سرجاندار بلبن کا مولیٰ زادہ تھا۔ اس کو حاتم خان کہتے تھے۔ وہ اودھ کا اقطاع رکھتا تھا وہ بھی اسکے ساتھ ہوگیا۔"†

---

* تاریخ فیروز شاہی ص۔ ۳۰۸ اردو ترجمہ۔

§ دیوان وسط الحیات۔

† تاریخ فیروز شاہی اردو ترجمہ صفحہ ۲۸۵۔

اور اسکی توثیق تاریخ مبارک شاہی سے بھی ہوتی ہے " در ماہ شعبان سنہ المذکور (۶۸۹ ہجری) ملک چھجو در کڑہ طغیانی و ر زید، امیر علی سرجاندار مقطع اودھ و امرائے ہندوستان باو یار شدند۔ " §

مگر ملا بدایونی کی منتخب التواریخ میں حاتم خاں کا ملک چھجو کے ساتھ ہونے کا بالتصریح کوئی ذکر نہیں ہے۔

" در شعبان سال دوم از جلوس (جلال الدین) ملک چھجو در کڑہ رفتہ سراز اطاعت پیچید و امراء غیاثی (غیاث الدین بلبن) کہ در آن حدود جاگیر داشتند باو متفق شدہ بہ بداؤں آمدہ آب گنگ از۔؟ گزشتہ عزیمت دہلی مصمم ساختند و راہ ملک چھجو می دیدند۔ و سلطان جلال الدین ، خانخاناں (محمود خانخاناں ۔ جلال الدین کا سب سے بڑا بیٹا) در دہلی گزاشتہ متوجہ دفع ایشاں شد۔ لشکر خود را از راہ کول و بداؤں رسید ۔ وارکلیخاں (منجھلا بیٹا) بجانب امروہہ بمقابل چھجو فرستاد ۔ ارکلیخاں بکنار آب رہپ کذا چند روز با مخالفاں جنگہائے مردانہ کرد۔ و دریں اثنا کساں پرم دیو راجہ کہ انرا کویلہ نیز می گفتند ملک چھجو را از تعاقب سلطان جلال الدین خبر داد۔ و رعبی عظیم در دل او انداختہ ترغیب بر گریختن کرد ۔ و از ہیبت سلطانی سر را از پانشناختہ شباشب روی بفرار نہاد۔ عاقبت بدست گواراں افتاد۔ وارکلیخان از آب (رہپ ؟) عبور کردہ پرم دیو را بجہنم فرستاد و تعاقب ملک چھجو نمودہ اورا و بعضی از امراء دیگر غیاثی را اسیر گرفتہ بجانب بہاری کسم کہ —؟ رفت و چوں ملک چھجو و دیگر امراء اسیر بلبنی را بہ بندو غل نزد سلطان بردند در حال نسبت قدیمی ایشاں را بیاد آوردہ از بند برکشید و بحمام فرستاد و خلعت فاخرہ پوشانیدہ با خود ہم پیالہ ساخت "*

---

§ تاریخ مبارک شاہی ۔ یحیٰ السہوندی ص۔ ۶۳ ۔

* منتخب التواریخ مخطوطہ ۔ نیشنل میوزیم کراچی ۔ (چونکہ اس مخطوطے کے صفحات پر نمبر نہیں پڑے ہیں اسلئے شمار صفحہ کا حوالہ نہیں دیا گیا)

اس تحریر میں امراء غیاثی کا لفظ موجود ہے لیکن بالتصریح یہ نہیں لکھا ہے کہ حاتم خان بھی ان میں شامل تھا - اس کے برعکس برنی نے امیر خسرو کے ایک زبانی بیان کے حوالے سے اُن امراء غیاثی کے نام بھی بتائے ہیں ، وہ لکھتا ہے " میں نے خسرو سے سنا ہے کہ باغی ملوک و امراء کو سلطان جلال الدین کے سامنے لایا گیا - سلطان نے دربار عام کیا - (بداؤں میں) اس وقت وہ مونڈھے پر بیٹھا تھا اور میں (خسرو) سلطان کے قریب ہی کھڑا تھا - کہ ملک امیر علی سر جاندار ، ملک الغچی ، ملک تاجور ، ملک (سیف الدین) اہجن - اور دوسرے بڑے امراء جنکی گردنوں میں دو شاخے پڑے ہوئے تھے اور ہاتھوں میں ہتھکڑیاں تھیں - "* اس کے بعد وہ ساری تفصیل ہے جو منتخب التواریخ میں ہے - اتنے بہت سے شواہد کی روشنی میں اسے تسلیم کرنا ہوگا کہ حاتم خان بھی ان اسیران غیاثی میں تھا - لیکن خسرو نے مفتاح الفتوح میں ایک جگہ بھی نہ تو حاتم خان کا نام لیا ہے اور نہ اُن دیگر امراء غیاثی کا جنکا نام کہ برنی نے لیا ہے - خسرو کی مفتاح الفتوح میں صرف ایک نام ملک چھجو کا آتا ہے جو اس بغاوت کا ہیرو تھا -

ہمہ کردند بہر بندگی جہد　　مگر میر کڑہ چھجوئی بد عہد§

اور اسیران غیاثی میں سے کسی دوسرے ملک کا نام نہیں لیا گیا ہے - ہاں اشارات ضرور ہیں - مزید کہ ملک چھجو کے بارے میں تو یہ کہا جاتا ہے کہ جس وقت ارکلی خان کو ملتان کی ولایت تفویض کی گئی ملک چھجو کو اسکی نگرانی میں ملتان بھیج دیا گیا - (برنی اور بدایونی) مگر اور دوسرے امراء کا کیا حشر ہوا - کیا ان سب کو رہا کردیا گیا یا یہ کہ ان میں سے بعض کو پھانسیاں دی گئیں - خسرو کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ سارے مسلمانوں کو رہا کردیا گیا اور

---

* تاریخ فیروز شاہی اردو ترجمہ - ص ۲۸۸ -

§ مفتاح الفتوح -

بعض بعض ہندو سرداروں کو پھانسی دی گئی - لیکن اسی مثنوی میں یہ بات بھی ملتی ہے کہ بعض اسراء کو برائے تشہیر ، کوتوال شہر کے بیٹے کے سپرد کیا گیا۔ جس نے انکو غالباً قرار واقعی سزا دی -

ز بہر مصلحت از آں اسیراں   گزیدہ کرد چندے از امیراں
بپور کوتوال شہر بسپرد   کہ بہر شہرگی در شہر شاں برد
بکشتند اہل خونش بے سکونی   کہ خونی را بود پاداش خونی*

بہر حال چونکہ اس مثنوی کی ابھی تک باقاعدہ تالیف نہیں ہوئی ہے اور مختلف نسخوں میں ابیات کا نظام یکساں نہیں ہے اسلئے اسکو احتیاط سے پڑھنے کی ضرورت ہے لیکن اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ اس مثنوی میں نہ تو حاتم خاں کا ذکر ہے اور نہ دوسرے اُمراء غیاثی کا - اس میں تو اس بات کا بھی ذکر نہیں ہے کہ ملک چھجو کو محافے میں بٹھا کر ارکلی خاں کی تحویل میں ملتان بھیج دیا گیا - (برنی) بداؤں کے اس دربار کا بھی ذکر نہیں ہے جسکی تصویر کشی برنی اور بدایونی دونوں نے نہایت پر تکلف انداز میں کی ہے - خسرو نے چند ابیات میں ہلکا سا اشارہ ان میں سے بعض کی جان بخشی کا اور بعض کو مقید کرنے کا کیا ہے -

شہ از ابرو گرہ را بند بکشاد   نوازش کردو جاں بخشیدو دل داد
بہ بست انرا کہ رایش مصلحت دید   دگر دل ماندگاں را جاں بہ بخشید§

اس مثنوی سے خاطر خواہ استفادہ ابھی تک مورخین نے نہیں کیا ہے - قطع نظر بعض تاریخی امور کے جنکی صحت یہاں ملتی ہے اس مثنوی کے بعض حصے اتنے سپاٹ نہیں ہیں جتنا کہ تصور کیا جاتا ہے جھاین کے راجہ کے محل اور اسکے اطراف کے مندروں کے حسن کی جو

---

* مفتاح الفتوح کلیات خسرو شمارہ۔ ۲۱،۱۰۳ برٹش میوزیم -

§ ایضاً -

تعریف اس مثنوی میں کی گئی ہے اس سے لطف کچھ پڑھنے والے ہی اُٹھا سکتے ہیں -

منقش خانۂ از سنگ خارا   بہشتی ہندواں را آشکارا
بصورت کاریٔ آں نقش چینی   تصور گم شدہ در نقش ہستی
نہ صورت کز قلم جانی کشیدہ   قلم بر صورت مانی کشیدہ*

مگر وہ محل اور مندر جس میں ایسے ایسے حسین نقش و نگار تھے فرمان شاہی سے گرا دئے گئے اور انکے نقوش مٹا دئے گئے -

بکہتر داد فرمان، شاہ آفاق   کہ محراب بتاں از بت شود طاق
زہر بتخانہ می آمد آواز   کہ آن محمود غازی زندہ شد باز§

خسرو نے جس وقت ملک چھجو کی ملازمت اختیار کی ہے، اسی وقت سے انکی یہ خواہش تھی کہ وہ کسی طرح سلطان کے دربار میں پہونچیں - چنانچہ اسی نیت سے انہوں نے بغرا خاں کا دامن پکڑا تھا مگر وہاں انکے کئی حریف تھے - امیر حسن کے علاوہ شمس الدین دبیر اور قاضی اثیر تھے جو آسمان شاعری کے درخشندہ ستارے تھے - جب دبیر اور اثیر بغراں خاں کے ساتھ لکھنوتی میں مقیم ہو گئے تو خسرو کے مد مقابل صرف حسن دلی میں رہ گئے - لیکن حسن کے دیوان میں نہ تو کوئی قصیدہ، بغرا خاں کی مدح میں ملتا ہے اور نہ سلطان محمد شہید کی مدح میں - معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ان کے کلام کا کچھ حصہ ضائع ہوگیا - ورنہ یہ ناممکن ہے کہ اسکے ندیم ہوکر انہوں نے قصائد نہ لکھے ہوں - اسیطرح ان کا کوئی قصیدہ نہ تو معزالدین کیقباد کی مدح میں ملتا ہے اور نہ سلطان جلال الدین کی مدح میں لیکن بدایونی اپنی کتاب منتخب التواریخ میں لکھتا ہے کہ حسن جلال الدین کے دربار سے وابستہ تھے - چنانچہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ جسطرح کہ سلطان محمد شہید کی مدح

---

* ایضاً

§ ایضاً

میں انکے کسی قصیدے کے نه ملنے کی بنیاد پر یه نہیں کہا جاسکتا ھے که وہ اسکے ملازم نه تھے (کیونکه ان سے منسوب ایک مرثیه نثر میں سلطان شہید کی شہادت پر منتخب التواریخ کے حوالے پیش کیا جاتا رہا ھے۔) اس لئے صرف قصائد کے نه ملنے کی بنیاد پر یه نہیں کہا جاسکتا ھے که وہ جلال الدین خلجی کے دربار سے وابسته نه تھے۔ (زیادہ سے زیادہ شبهه ظاهر کیا جاسکتا ھے۔) مگر اسکا کوئی سراغ نہیں ملتا ھے که حسن دهلوی معزالدین کیقباد کے دربار سے بھی وابسته تھے۔ خسرو نے اپنی مثنوی قران السعدین میں اپنے حریفوں کی نکته چینیوں کا اسقدر زیادہ ذکر کیا ھے که یه گمان گزرتا ھے که شاید حسن بھی وهاں موجود تھے۔ لیکن چونکه همارے پاس اسکا کوئی تاریخی ثبوت نہیں ھے اسلئے ان کی موجودگی کو ایک گمان محض تصور کرنا چاهئے۔ بهر حال میں تو یہاں تو صرف یه بات اُبھارنا چاهتا هوں که خسرو کی جو ایک دیرینه خواہش سلطان دهلی کے دربار سے منسلک ہونے کی تھی وہ معزالدین کیقباد کے زمانے میں بار آور ہوئی۔

مگر جب معزالدین کیقباد کے دربار میں، شاعروں اور فرومایه درباریوں کی سازش سے انہیں وہ انعام مثنوی قران السعدین کے صلے میں نه ملا جس کا ان سے وعدہ کیا گیا تھا۔ تو وہ سخت بد دل ہوئے۔ اور جو انعام که ان کو دیا گیا وہ بقول خسرو زاغ کی چونچ میں طوطی کا لقمه تھا۔

ہر سخنے کز رقمش یافت داغ طعمهٔ طوطی است بمنقار زاغ*
ہر ہمه دانند که چندیں گہر کس نه فشاند بدو وسه بدرهٔ زر†

چنانچه انہیں جس اکرام و انعام کی توقع سلطان دہلی کے دربار میں پہونچنے سے تھی، وہ سلطان جلال الدین کے دربار میں پہونچنے سے

---

* مثنوی قران السعدین۔ علی گڑھ ایڈیشن۔ ص۔ ۲۳۷

† ایضاً۔ ص۔ ۲۳۹

پہلے پوری نہ ہوئی ۔ سلطان جلال الدین نے واقعتاً ان کی ساری خواہشات پوری کیں ۔ انہیں امیر مصحف دار کا مرتبہ دیا ، اور ہر سال خلعت فاخرہ اور کمر بند سفید سے نوازتا ۔ اسکے علاوہ سینکڑوں موقعوں پر انعام و اکرام سے نوازتا ۔ ایک جگہ سلطان علاؤالدین کو مخاطب کر کے کہا ہے کہ عہد جلالی میں انہیں مدام ایک ہزار یا دس ہزار تنکۂ زر انعام میں ملا کرتا ۔

بود زا حسان جلالی و بہ دوام   تنکۂ زر مرا ہزار انعام
ہست از شاہ امید جانم   کہ مقرر شود آں فرمانم*

انعام و اکرام کی یہ بڑی رقم انہیں دربار جلالی سے غالباً اس لئے ملتی تھی کہ وہ نہ صرف ایک مربیٔ سخن وراں تھا بلکہ خود بھی شاعر تھا اور بڑا رنگین مزاج شاعر تھا جیسا کہ اس کی اس رباعی سے پتہ چلتا ہے ۔

آں زلف پریشانت ژولیدہ نمی خواہم
و آں رویٔ چوں گلنارت تفسیدہ نمی خواہم
بے پیرہنت خواہم یکشب بکنار آیٔ
ہاں بانگ بلند است ایں پوشیدہ نمی خواہم†

ظاہر ہے کہ جب سلطان خود اتنا رنگین مزاج تھا تو اس کے ندیم خاص کی گلفشانیوں کا کیا کہنا ۔ خسرو نے دل کھول کر ایک سے ایک عاشقانہ غزلیں اسی دور میں کہی ہیں ۔ حسن اتفاق سے اس کے دربار میں بہ یک وقت بہت سے نامور شعراء جمع ہو گئے تھے ۔ بدایونی نے اسکے دربار کے جن شعراء کے نام لکھے ہیں وہ یہ ہیں ”امیر حسن

---

* لائیف اینڈ ورکس امیر خسرو از ڈاکٹر وحید مرزا ص ۔ ۱۰۸ ۔ (حوالہ از کلیات خسرو شمارہ ۲۵۰،۸۷ ب ۔ م)

† ماخوذ از منتخب التواریخ (بدایونی) مخطوطہ ۔ نیشنل میوزیم کراچی

علاء سجزی، موید جاجرمی، امیر ارسلاں کاتبی، سعد منطقی، قاضی مغیث ہانسوی وغیرہ اور برنی نے عبید حکیم یا عبید شاعر کا نام بھی لکھا ہے۔ اس میں سے دو تین تو خسرو کے سخت نکتہ چیں تھے۔ چنانچہ خسرو نے بھی اپنے ان حریفوں کو زیر کرنے کے لئے اپنی شاعری کے جوہر کو خوب چمکانے کی کوشش کی۔ عاشقانہ غزلوں کی تخلیق کے لئے خسرو کی زندگی کا یہ بہترین دور تھا۔ خسرو کے تعلق سے عہد جلالی کی دو ایک باتیں مزید قابل توجہ ہیں۔ جب تک بلبنی ترک امراء برسر اقتدار رہے خسرو کا یہ فخر اپنی جگہ پر بجا تھا کہ انہوں نے صرف شہزادوں اور اُن کے ممدوح کے قصائد لکھے ہیں، لیکن جلالی عہد میں جبکہ بلبنی عہد کے ترک امراء کا کم و بیش خاتمہ ہوگیا۔ اور ہندوستان نژاد ملوک کا اختیار بڑھا تو خسرو نے ان ملوک کے بھی قصائد کہے ہیں جو شہزادے نہیں تھے مثلاً ملک نصرت سردواتدار، ملک فخرالدین وکیل در، الپ غازی بن اژدر ملک، ملک محمود بن حسین وغیرہ اور خلجی شہزادوں میں جلال الدین کے سب سے بڑے بیٹے ملک محمود خانخاناں کی وفات پر انہوں نے ایک پرزور مرثیہ کہا ہے۔ بتایا جاتا ہے ملک محمود خانخاناں سیدی مولیٰ کا معتقد تھا اور اسکے یہاں آیا جایا کرتا۔ چنانچہ سیدی مولیٰ کے قتل کے بعد محمود خانخاناں کو بھی غالباً ہلاک کردیا گیا۔ بدایونی لکھتا ہے کہ اسکی موت مشتبہ حالت میں واقع ہوئی۔ خسرو نے اسکی موت پر جو مرثیہ کہا اسکے ایک بند کا اقتباس منتخب التواریخ میں بھی دیا ہوا ہے۔ چونکہ خسرو کے بعض سوانح نگاروں نے یہ مرثیہ محمود ابن عماد الملک سے منسوب کیا ہے اسلئے اس کا ذکر ضروری تھا۔ یہ مرثیہ ترکیب بند ہے اس کے چار بند ہیں، ایک بند کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

نگین خاتم شاہی بہ کان سنگ شد پنہاں
دلم چو لعل خوں شد زاں سبب کآں رانمی بینم
شہ اینک بر سر تخت و بزرگاں صف زدہ ہر سو
ہمہ ہستند لیکن خانخاناں را نمی بینم

چوں دولت کور دیدم ، گفتمش خواہی بصر، گفتا
چه خواہم کرد چوں محمود سلطاں رانمی بینم *

خسرو نے جو یہ مرثیہ ملک محمود خانخاناں خلف جلال الدین خلجی کا لکھا ہے وہ اس مرثیہ سے مختلف ہے جو خسرو نے اپنے بیٹے محمود کا لکھا ہے۔ ملک محمود خانخاناں کا جو مرثیہ ہے اسکے پہلے بند کا مطلع یہ ہے۔

یا رب ایں تا چه شب آمد که مه من گم شد
چشم تاریک مرا ، دیدهٔ روشن گم شد

اسکے برعکس خسرو نے اپنے بیٹے محمود کا جو مرثیہ کہا ہے اسکے پہلے بند کا مطلع یہ ہے۔

امسال در زمانه غمی کاشکار شد
خرد و بزرگ از غم تو سوگوار شد †

یہ مرثیہ بھی چار بند کا ہے۔ اور چوتھے بند کی آخری بیت یہ ہے۔

نام نکو بس است حیات تمام او
محمود باد عاقبت او چو نام او

اس بیت میں جو نام کی تصریح ہے اسکے بعد نام سے متعلق غلط فہمی کی کوئی گنجائش نہیں رہتی ہے۔ میں اس سے پہلے کے صفحات میں بھی اسکی وضاحت کر چکا ہوں کہ انکے ایک بیٹے کا نام محمود تھا۔ لیکن ڈاکٹر وحید مرزا نے اپنی کتاب ”لائف اینڈ ورکس آف امیر خسرو“ میں یہ لکھا ہے

---

* کلیات خسرو برٹش میوزیم شمارہ ۲۱،۱۰۴ - ف - ۳۰۰ تا ۳۰۴ دیوان بقیهٔ نقیه۔

† ایضاً - ف ۳۹۴ دیوان بقیهٔ نقیه۔

کہ خسرو نے ایک مرثیہ اپنے بیٹے محمد کی وفات پر کہا ھے * یہ درست نہیں ھے ۔ جس بند سے میں نے مذکورہ بالا بیت پیش کی ھے وہ بند مکمل طور سے اس کتاب کے پہلے باب میں پیش کر چکا ھوں ۔ دوبارہ چند اشعار پیش کر رہا ھوں ۔

اے مردم دو چشم پدر در پدر ببیں
بسیار اگر نمی نگری یک نظر ببیں
بر تو رسید زخم و پدر خستہ شد از آں
جان پدر جراحت جان پدر ببیں

اس بند سے اسکا بھی علم ہوتا ھے کہ جسوقت انکے بیٹے محمود کا انتقال ہوا ھے اس وقت انکے دو بیٹے حیات تھے ۔

اے یوسفی کہ دور شدی از برادراں
از خون دیدہ جامۂ یعقوب تر ببیں
ہر لحظہ دو برادر دلسوز خویش را
از آب دیدہ سوختہ با چشم تر ببیں

اسی دیوان بقیۂ نقیہ میں ایک اور مرثیہ ھے جو خسرو نے اپنے کسی کم سن بچے کا کہا ھے ۔ اسکے پہلے بند کا مطلع یہ ھے ۔

یارب اندر دل خاک آں گل خنداں خونست
ماہ تابان من اندر شب ہجراں خونست ¶

اس مرثیے میں چھ بند ہیں ۔ آخری بند کا یہ شعر اس بات کی طرف اشارہ کرتا ھے کہ جس وقت ان کا انتقال ہوا ھے وہ بہت ہی کم سن تھے ۔

---

* Life & works of Amir Khusroe Page 162

¶ کلیات خسرو برٹش میوزیم شمارہ ۲۱,۱۰۴ ۔ ق ۳۰۱

طفل بودی ہنوزت سوئے بازی میل ست
بہر بازی بتہ سدرہ طرب جایٔ تو بود *

لیکن اسی زمانے میں جبکہ خسرو کی عمر چالیس سال سے متجاوز کرچکی تھی اور وہ پچاس کے پیٹے میں تھے انکی طبیعت صوفیانہ خیالات کی طرف مائل ہو گئی۔ اس کا اندازہ قران السعدین کے اس اختتامیہ سے ہوتا ہے جسے انہوں نے معزالدین کیقباد کی موت کے بعد لکھا تھا۔

چل شد و در پنجت آمد نشست پیش ببیں پیش کہ اُفتی بشست
نوبت توبہ ست گرانی مکن روئے بہ پیری ست جوانی مکن§

خسرو کی شیخ نظام الدین اولیاء سے عقیدت

چنانچہ یہ بات زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ انکی عقیدت شیخ نظام الدین اولیاء سے اسی زمانے میں زیادہ بڑھی ہے اور وہ توبہ کی طرف مائل ہوئے ہیں۔ جہانتک کہ ان کے اور شیخ نظام الدین اولیاء کے درمیان ذاتی مراسم اور تعلقات قلبی کا تعلق ہے اسکی تاریخ خاصی پرانی ہے۔ ہر چند کہ شیخ کی مدح میں ان کی کوئی نظم یا قصیدہ انکے دیوان تحفۃ الصغر میں نہیں ہے لیکن اس کے دیباچے میں انکا ذکر خیر کیا گیا ہے۔ اور پھر وسط الحیات کے دیوان میں جو خسرو کی ۳۲ سال کی عمر تک کا مجموعۂ کلام ہے، ایک قصیدہ شیخ کی مدح میں بھی ملتا ہے۔

اسکے علاوہ سلطان محمد شہید کی وفات کے بعد، جب وہ دلی سے

---

* ایضاً - ف ۳۰۱
لیکن مرتبین دیوان نے اس مرثیئے کے پہلے بند کو بہ تبدیلیٔ مقطع کلیات عناصر دواوین خسرو میں (نولکشور) بہ حیثیت ایک غزل کے شامل کردیا ہے۔ ص۔ ۸۳

§ قران السعدین - ص ۲۴۹

پٹیالی چند گاہ کیلئے گئے ہیں اور انہیں سلطان بلبن کی وفات کی خبر وہیں پٹیالی میں ملی ہے۔ اس زمانے میں خسرو کے مراسم شیخ نظام الدین اولیاء سے اتنے استوار ہوچکے تھے کہ غیاث پور میں سکونت منتقل کرنے سے پہلے شیخ نے ایک بار اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ دل چاہتا ہے کہ میں پٹیالی چلا جاؤں جہاں ان دنوں ترک مقیم ہے (فوائدالفواد) لیکن ان تعلقات و مراسم کی بنیاد پر یہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ وہ شیخ کے باقاعدہ مرید ہوچکے تھے۔ کیونکہ انکی دو مثنویوں، یعنی قران السعدین اور مفتاح الفتوح میں شیخ کی مدح میں اشعار نہیں ملتے ہیں۔ اسلئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ خسرو کی عقیدت شیخ میں وہ شدت اور گہرائی جو علاء الدین خلجی کے عہد میں پیدا ہوئی ہے، اس سے پہلے کے زمانے میں نہ تھی۔ رہ گئی یہ بات کہ انکے صوفیانہ خیالات، مسلک عشق کے نہ کہ ترک دنیا کے تحفۃ الصغر کی غزلوں اور قصائد میں بھی ملتے ہیں تو اس کا سبب یہ نہیں ہے کہ وہ اس وقت شیخ نظام الدین اولیاء کے مرید ہوچکے تھے بلکہ یہ ہے کہ اول تو انکے والد صوفیوں کے معتقد تھے جیسا کہ خسرو کے اس جملے سے پتہ چلتا ہے "از روئے عقبیٰ صاحب ولایت" دوسرے یہ کہ وہ جن شعراء فارسی کے کلام سے متاثر تھے اور جن کی پیروی وہ اپنی شاعری میں کر رہے تھے اُن میں سے بیشتر کا کلام متصوفانہ تھا۔ سنائی، نظامی، حسن غزنوی، متقدمین میں اور سعدی اور کمال اسمعیل اصفہانی متاخرین میں، ان سب کا کلام متصوفانہ تھا۔ چنانچہ مضامین تصوف سے انکا رشتہ ادبی بھی تھا اسکا اندازہ اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ انکے ابتدائی دور کے کلام یعنی تحفۃ الصغر کی غزلوں میں بھی عارفانہ رنگ کی جھلکیاں ملتی ہیں جبکہ وہ شیخ نظام الدین سے زیادہ قریب نہیں ہوئے تھے۔ ایسا سعدی اور دوسرے متصوف شعراء کی پیروی کی وجہ سے تھا۔ مگر نہ اسقدر زیادہ کہ وہ رنگ غالب ہو۔ تحفۃالصغر کی غزلوں سے لیکر غرۃ الکمال کی غزلوں تک، ان کے تغزل کا غالب رنگ عاشقانہ ہے جس میں محبوب کے سراپا اور معاملات عشق کو نظم

کیا گیا ہے۔ یہاں غرۃ الکمال کی بعض بعض غزلوں میں قلندرانہ رنگ جو انکے کیش رندی سے ہم آہنگ تھا، نمایاں طور سے نظر آتا ہے۔ شاید اسکا سبب یہ ہو کہ جلال الدین خلجی کے عہد میں قلندروں کا زور بہت بڑھ گیا تھا۔ حیدری قلندر اسکے دربار میں مستقل آیا جایا کرتے۔ چنانچہ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ ایک حیدری قلندر مسمیٰ بحری ہی نے جلال الدین خلجی کے اشارے پر سیدی مولیٰ درویش کا کام تمام کیا۔ اس وقت قلندریوں کی ٹولی بادشاہ کے دربار میں موجود تھی۔

خسرو صوفی منش تھے۔ اس بات سے سبھی کو اتفاق ہے لیکن ان کی اس صوفیانہ طبیعت میں کئی موجیں تھیں۔ جن میں سے انکی قلندرانہ موج کو خاصی نمایاں جگھ حاصل تھی۔ قلندری رندی کے ساتھ ہم آہنگ ہے۔ قلندروں کی ٹولی خانقاہی زندگی کی مخالف اور پابندیٔ شریعت میں خاصی آزاد تھی۔ ایسی صورت میں ہمیں خسرو کے صوفیانہ خیالات کو صرف شیخ نظام الدین اولیاء ہی کے خیالات کے آئینے میں نہیں بلکہ اس سے آزاد ہوکر، خسرو کے اپنے قلندرانہ رنگ میں بھی دیکھنا چاہیئے۔ اس موقعے پر خسرو کا ایک قصیدہ جو انکے ذوق قلندری کا حامل ہے ملاحظہ ہو۔ یہ قصیدہ ابھی تک کسی مجموعے میں شایع نہیں ہوا ہے۔

بیت سلسلہ یا سرخی۔

ایں عشق نامۂ فتویٰ ذوق قلندر یست
تا از مئے مغانہ لبالب کند سفال

وزن۔ مفعول مفاعیل، مفاعیل مفاعیل۔

چونکہ یہ عشق نامہ خاصا طویل ہے اس کا انتخاب پیش کر رہا ہوں۔

ما عاشق دردیم و دوا را نشناسیم   ما تشنۂ دردیم و صفا را نشناسیم

همچو مغ میخانه ز خود را نشناسیم
همچو مغ خمخانه خرد را نشناسیم

مائیم و سر صدق و پلاس در مستان
سجادهٔ تزویر و ریا را نشناسیم

گر ساقیٔ بت روی دهد باده بمسجد
مستانه بنوشیم که جا را نشناسیم

با شاهد و میٔ بر سر بازار برآییم
کنج ورع و کویٔ ولا را نشناسیم

دیوانهٔ عشقیم گسسته رسن عقل
جز سلسلهٔ زلف دوتا را نشناسیم

زیبا بپرستیم اگر خود همه هندوست
میر ختن و ترک خطا را نشناسیم

بوسیم سفال سیه مئی بتبرک
سنگ سیه و کوه صفا را نشناسیم

لبیک زنان گرد بت و بتکده گردیم
احرام حج و راه منا را نشناسیم

نقدی که در الاست ربودن بتوانیم
کان شکل گره بستن لا را نشناسیم

مستغرق خوابیم درین کوزهٔ خشخاش
شام اجل و صبح جزا را نشناسیم

ما ساکن ملک دگریم، آمده اینجا
این مرحلهٔ خوف و رجا را نشناسیم

در کنج خرابات هوا مست خرابیم
خود را بشناسیم و خدا را نشناسیم

در رستهٔ بازار ہوس تکیه* زنانیم
گنج ابد و نقد بقا را نشناسیم
در وادیٔ حیرت علت باد سموسیم
جولان گریٔ باد صبا را نشناسیم
مائیم و فقیری و سیه رویٔ کونین
رخسار سفید اُمرا را نشناسیم
در ظلم بسوزیم و زکس داد نخواہیم
عدل ملک و حکم قضا را نشناسیم
با زخم بسازیم و سلامت نه پسندیم
با درد بمیریم و دوا را نشناسیم
در دشت صحن خار کشیم از سر تسلیم
ریحان گل و برگ نوا را نشناسیم
یکرو به دو عالم به یکی داد بنازیم
شش پنج شما را و دغا را نشناسیم
پیش خرد از خشت خم آئینه بسازیم
ما آئینهٔ رویٔ نما را نشناسیم
ما عنصر و اجرام فلک را بسپاریم
ما معدن و حیوان و گیا را نشناسیم
از فلسفه و حکمت و تنجیم ندانیم
قانون و اشارات و شفا را نشناسیم
تشریح بیمانیٔ بدن را نه نگاریم
ترکیب و قوانین قویٰ را نشناسیم ¶

ایک اور قصیده اسی ذوق قلندری کا جس میں شیخ سے اظہار

---

* کلیات خسرو برٹش میوزیم شماره ۲۱٬۱۰۴ میں قبله ہے اور نیشنل میوزیم کے کلیات خسرو میں تکیه ہے۔

¶ کلیات خسرو شماره برٹش میوزیم شماره ۲۱٬۱۰۴ - ف ۲۲۵

عقیدت بھی کیا گیا ہے ملاحظہ ہو - خسرو کی شاعری میں جو باغیانہ نوائے لا ہے اسکو سمجھنے کے لئے انکے ایسے چند قصائد اور غزلوں کا مطالعہ ضروری ہے -

وزن = مفعول فاعلات مفاعیل فاعلات -

وقتست این خوابه به دیوان رہا کنیم
پرواز چوں فرشته باوج سما کنیم
اے صوفیان مست یکی رقص عاشقانه
تا این کبود کہنه بساط شما کنیم
مردانه وار بازی' لا را کنیم باز
دریائے چرخ تا بکران آشنا کنیم
خورشید وار چرخ زناں بر سماوویم
آخر نه ذره ایم که رقص از ہوا کنیم
دولت کمند ساخت ز سر رشته' نیاز
تا کنگرۂ حصار فلک زیر پا کنیم
از دست شوق دامن عصمت کنیم چاک
و آنرا در آفتاب قیامت لوا کنیم
بیدار شو دلا که نه خواہست رسم عشق
جز تکیه که بر کرم مصطفےٰ کنیم
دین محمدی که بحق رہنمائے تست
از جان و دل متابعت رہنما کنیم*

خسرو اور شیخ نظام الدین کے تعلقات کی تفصیل

ہم یه بات پہلے لکھ چکے ہیں که خسرو اور شیخ نظام الدین کے باہمی تعلقات بلبنی عہد سلطنت کے اواخر ہی میں استوار ہوچکے تھے- چنانچه

---

* غرة الکمال کلیات خسرو شماره ۲۱،۱۰۴ برٹش میوزیم - ف - ۲۱۴

جس زمانے میں کہ خسرو بلبن کی وفات سے چند ماہ پہلے پٹیالی میں تھے، تو شیخ نے انہیں ایک موقعے پر یاد کیا تھا (فوائدالفواد) - لیکن وہ سلطان المشایخ سے قریب تر سلطان جلال الدین خلجی کے عہد سلطنت میں ہوئے ہیں - اسکا پس منظر یہ ہے کہ غیاث پور سے جہاں شیخ نظام الدین مقیم تھے، شہر نو واقع کلو کھری بہت قریب تھا جہاں سلطان جلال الدین نے اپنا دربار جما لیا تھا - اندازہ یہ ہے کہ اسی زمانے میں خسرو کا شیخ کے یہاں آنا جانا بڑھا ہوگا - کیونکہ اس سے پہلے کے زمانے میں، وقفے وقفے سے خسرو بیشتر دلی سے باہر کے علاقوں میں بہ سلسلہ ملازمت رہا کرتے - خسرو کی عقیدت شیخ نظام الدین اولیاء سے صرف ایک صوفی ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ انکے ذاتی اوصاف کے باعث بھی تھی - وہ شعر و شاعری کے دلدادہ تھے اور خود بھی شعر کہتے - اور شاعری میں زلف و رخسار کی باتوں کو پسند کرتے - اور اسکی صوفیانہ توجیہہ بھی کرتے کہ ''زلف سے قرب چاہئے لیقربونا الی اللہ زلفی تاکہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک کردیں - رنگ سے جنت اور آنکھ سے نظر رحمت کا خیال کرے - ولتصنع علیٰ عینی - کفر کے معنی ڈھانپنا ہے - چونکہ زلف خال کو ڈھانپتی ہے اس واسطے اسے کافر کہتے ہیں - ع - کافر نشوی قلندری کار تو نیست -''* چنانچہ سیرالاولیاء میں لکھا ہوا ہے کہ خسرو نے شیخ نظام الدین اولیاء ہی کے کہنے سے اپنی شاعری میں زلف و رخسار کے استعاروں کو استعمال کرنا شروع کیا - † لیکن مجھے اسکا کوئی حوالہ خسرو کے یہاں نہیں ملا - اسکے علاوہ شیخ اپنے وقت کے ایک بہت بڑے عالم بھی تھے - زیور علم سے مکمل طور سے آراستہ تھے اور جو خوبیاں ان میں کردار کی تھیں وہ اظہر من الشمس ہیں - چنانچہ سلطان المشایخ کی درگاہ کسی زاہد خشک کی خانقاہ نہیں بلکہ ایک ایسے صاحب دل کی تربیت گاہ تھی جو ذوق نظارہ جمال کے ساتھ ساتھ ذوق گوش نغمہ بھی رکھتا تھا - انکا جماعت خانہ موسیقی کا ایک بہت بڑا

---

* سیر الاولیاء - اردو ترجمہ ص ۴۵۴

† ''ایک روز سلطان المشائخ نے فرمایا - صفاہانیوں کے طرز پر کہا کرو یعنی عشق انگیز ہو اور اس میں خط و خال اور زلف وغیرہ کا ذکر ہو''- ص- ۲۶۲

مرکز تھا، شہر بھر کے قوال انکے آستانے پر آتے اور نئی سے نئی راگنیاں ایجاد کرتے، شعراء اپنا کلام سناتے، اور داد سخن پاتے اور جب محفل سماع اپنے شباب پر ہوتی تو اھل حال رقص بھی کرتے۔

یہ ساری باتیں سیرالاولیاء میں لکھی ہوئی ہیں۔ خود شیخ کے رقص کرنے کی حکایت مولف سیر الاولیاء ان الفاظ میں بیان کرتا ھے۔ ''میں نے اپنے والد بزرگوار سے سنا ھے کہ ایک روز حضرت سلطان المشایخ دھلیز میں بیٹھے ہوئے تھے۔ صاحب نام قوال آپکے روبرو قوالی کر رہا تھا۔ آپ پر گریہ اور حالت غالب آئی۔ لیکن وھاں پر کوئی یار موجود نہ تھا جو رقص کرتا۔ اس واسطے حاضرین متفکر ھوگئے۔ اتنے میں ایک شخص باھر سے آیا اور آداب بجا لانے کے بعد رقص کرنے لگا۔ آپ بھی اسکی موافقت سے رقص کرنے لگے۔''* جہانتک کہ خسرو کے رقص کرنے کا تعلق ھے اس کی کیفیت اسی کتاب میں یوں بیان کی گئی ھے۔

''ایک دفعہ امیر خسرو ھاتھ اونچا کرکے رقص کر رھے تھے۔ حضرت سلطان المشائخ نے امیر خسرو کو پاس بلا کر کہا کہ تمھارا تعلق دنیا سے ھے۔ تمہیں ھاتھ اوپر کرکے رقص نہیں کرنا چاھئے۔ امیر خسرو نے ھاتھ سمیٹ لئے اور مٹھی بند کرکے رقص شروع کیا۔ میں نے بارھا امیر خسرو کو اسی حالت میں دیکھا ھے کہ مٹھی بند کرکے رقص کیا کرتے۔'' §

چنانچہ یہ جماعت خانۂ شیخ مولف سیرالاولیاء کے الفاظ میں ایک تربیت گاہ تھی ان لوگوں کیلئے جو ذوق شاعری، ذوق نغمہ اور ذوق رقص عاشقانہ رکھتے۔ ''دنیا، جہان کے بے نظیر شاعر، اور دلپذیر ندیم، لطیفہ گو

---

* سیر الاولیاء ۔ ص ۔ ۳۷۰

§ ایضاً ۔ ص ۔ ۳۶۶

جوان سب آنجناب کے آستانے پر سر رکھے رہتے۔ اور آپ کی برکت سے ہر شخص اپنے کام میں لیاقت کے مطابق اپنے سینے میں ذوق کا احساس کرتا۔ خوش آواز قوال جو آپ کے ملازم تھے اور شہر کے تمام قوال اس بادشاہ عشق کی لطافت طبع کو مدنظر رکھتے ہوئے علم موسیقی کے واضح بن گئے۔ چنانچہ دمبدم تازہ غزل اور نئے نئے راگ راگنیاں بناتے اور راگ کے علم کو اعلیٰ عروج پر پہنچاتے۔

خلق شادی کناں بہر سوئی   مطربان سماع بہر سوئی
زہرہ بنگر بدست دف کردہ   از خوشی خویش را صرف کردہ

یہ سب کچھ اسی محبت و ذوق کا نتیجہ تھا جو حضرت سلطان المشایخ کو حق تعالیٰ سے تھا۔" *

سلطان المشایخ کی یہ صحبت خسرو کے ذوق جمال کی تربیت میں بڑی ممد اور مددگار تھی۔ یہاں ترک دنیا نہیں بلکہ ترک حرص و آز تھی۔ یہاں محرومئی ذوق نظارہ اور لذت چشم و گوش نہیں بلکہ ان سب حواس کی تربیت مقصود تھی۔ سلطان المشایخ ایک صوفی ہی نہیں بلکہ شاعر بھی تھے اور جب ان پر فارسی کے اشعار کا اثر نہ ہوتا تو ہندوی دوہرے کی فرمایش کیا کرتے۔ افسوس کہ وہ دوہرے نقل نہیں کئے گئے۔

مرید، ارادت کیش کو کہتے ہیں اور صوفیاء کی اصطلاح میں اسے کہتے ہیں جو اپنے پیر کے عمل کی پیروی کرے شیخ نظام الدین خاص خاص کو اسکے زہدو تقویٰ کی بنا پر اپنا مرید بنایا نہ کرتے بلکہ ہرکس و ناکس کو خواہ وہ کتنا ہی گنہگار ہو مرید کرلیا کرتے کہ ایک احساس استغفار تو اس میں پیدا ہوگا۔ وہ توبہ توڑ کر پھر توبہ کرسکتا تھا۔ تجدید بیعت کا دروازہ ہمیشہ اُس کیلئے کھلا رہتا۔ چنانچہ انکے مرید ہونے کے لئے ان سے اعتقاد اور ارادت رکھنے کی ضرورت ہوتی نہ کہ انکے زہد و ورع کی پیروی، مولف سیر الاولیاء لکھتے ہیں کہ

---

* سیرالاولیاء اردو ترجمہ ص۔ ۴۶۹-۴۷۰

''سلطان المشایخ سے پوچھا گیا کہ اگر پیر اپنے مرید کے احوال کو اچھا نہ پائے لیکن اسکے عقیدے کو درست پائے تو مرید کو کچھ امید ہوسکتی ہے کہ نہیں۔ فرمایا ھوسکتی ہے۔ کیونکہ اس کام میں اصل احوال اعتقاد ہے۔''*

میں نے یہ چند باتیں سیر الاولیاء سے اس لئے نقل کی ہیں۔ تا کہ اس بات کا اندازہ ھو کہ شیخ نظام الدین کا جماعت خانہ ایک ادب گاہ جمالیات بھی تھا - اس زمانے کے کسی بھی ایسے شاعر کیلئے جو کچھ مذاق تصوف بھی رکھتا ہو، اسکی تربیت شاعری کیلئے اسکا اس درسگاہ سے گزرنا ضروری تھا۔ اس درسگاہ کی ہر محفل سماع، ایک محفل شعر و نغمہ، طرب گاہ وجدان تھی، ہر شئے سنگیت میں ڈھلی ہوئی، آہنگ حرف ھو یا پا کوبئی رقص- انکے عرفان سراله اور آگہی' بے خودی کا کیا کہنا۔ اُس آستاں کا ہر شاعر معرفت وحدت الوجود میں ڈوبا ھوا تھا۔ امیر حسن سجزی کہتے ہیں۔

من از جہاں بہ یکی شادم اے مسلمانان
جماعتی کہ دو گویند نا مسلمانند ¶
گر کسی را ہست در عالم کسے
مر حسن را ہر دو عالم اُوست اُو †

اور پھر اسی معرفت وحدت الوجود کی نسبت سے خسرو کا یہ ذوق حسن پرستی بھی تھا۔

گر من اسیر بت شدم ای زاہدا طعنہ مزن
کافر من گمراہ ہم وقتی مسلمان بودہ ام §

اس بارگاہ نظامی سے خسرو کا دور رہنا انکی کور ذوقی کا ثبوت

---

* ایضاً۔ ص - ۲۹۳

¶ دیوان حسن۔ ص - ۹۳

† ایضاً - ۳۲۸

§ دیوان نہایت الکمال مطبوعہ۔ دھلی - ص - ۱۷۲

ہوتا۔ پھر اس پر حجت کیا کہ وہ شیخ کے مرید کس زمانے میں ہوئے۔ وہ مرید سے زیادہ انکے مراد تھے۔ ''مرید مبتدی کو کہتے ہیں اور مراد منتہی کو۔ مرید وہ شخص ہے جو عبادت الہی میں مشغول ہوکر رنج و سختی برداشت کر رہا ہو اور مراد وہ جسے غیر مشقت کام کا حکم ہو۔ مرید استغنا کے درپے ہوتا ہے اور مرید پر سے ساری تکلیفات اٹھا کر اسے مرفہ الحال کیا جاتا ہے۔'' *

افضل الفوائید ایک جعلی کتاب ہے۔

افضل الفوائید جسے خسرو سے منسوب کیا جاتا ہے اس کا ذکر نہ تو کہیں سیرالاولیا میں ہے اور نہ کسی دوسری معاصر کتاب میں۔ اس کتاب کا نام بذات خود اسے بتاتا ہے کہ اسے خسرو کے کسی معتقد نے فوائیدالفواد سے افضل کرنے کی کوشش میں خود تصنیف کیا تھا بہر حال اس جعلی کتاب میں یہ بات کہی گئی ہے کہ خسرو نے ساٹھ سال کی عمر میں شیخ نظام الدین کے ہاتھوں بیعت کی۔ یہ بیان قطعی غلط ہے کیونکہ خسرو نے مطلع الانوار اڑتالیس سال کی عمر میں تصنیف کی اور اس میں شیخ کی مدح میں نظم موجود ہے اور اسکے بعد کی جتنی مثنویاں ہیں ان سب میں شیخ کی مدح کی گئی ہے اسکے علاوہ وسط الحیات اور غرۃالکمال میں شیخ کی مدح میں معرکۃالارا قصاید موجود ہیں رہ گئی تجدید بیعت کی بات تو اسکی ضرورت خسرو کو تھی ہی نہیں کیونکہ وہ مرید نہیں بلکہ مراد تھے۔ وہ اپنی امیری، مرفہ الحالی، بندگیٔ شاہ، اور اپنے صوفیانہ اعتقادات میں کوئی تضاد محسوس نہ کرتے۔ بقول کسے۔

کمر بخدمت سلطان ببند و صوفی باش۔

''ایک روز امیر خسرو سے سلطان المشایخ نے پوچھا۔ اے ترک † (وہ انہیں ترک کہکے اکثر مخاطب کیا کرتے۔) یاد الہی کا کیا حال

---

* سیرالاولیاء - ۲۸

† خسرو کا خطاب شیخ نے ترک اللہ کیا تھا۔ سیر الاولیاء ص - ۲۶۳

ہے۔ عرض کی مخدوم کبھی کبھی سحر کے وقت رونا غالب آتا ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ تھوڑا ظہور ہونے لگا ہے"* اس سے زیادہ شیخ کو اُن سے توقع بھی نہ تھی۔ خسرو کے ایک شعر سے بعض حضرات نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ شیخ نے خسرو کے دہن میں اپنا لعاب دہن دیا تھا مثنوی نہ سپہر میں شیخ کی مدح میں جو نظم ہے اس میں یہ شعر ملتا ہے۔

من ازوے لعاب دہن یافتم
کہ زین گونہ آب دہاں یافتم¶

لیکن اس کی تصدیق سیرالاولیاء یا کسی اور معاصر ملفوظات مثلاً فوائدالفواد سے نہیں ہوتی ہے۔ سیرالاولیاء میں جو بات اس سلسلے میں لکھی ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ "ایک دن خسرو سلطان المشایخ کی مدح میں قصیدہ کہکر لائے۔ اور انہیں سنایا شیخ نے فرمایا۔ کیا چاہتے ہو۔ چونکہ ان دنوں خسرو کو نظم لکھنے کا شوق تھا (نظم کا اشارہ مثنوی کی طرف ہے) انہوں نے عرض کی۔ شیریں سخنی۔ فرمایا کھاٹ تلے سے شکر کا تھال لیکر تھوڑی سی خود کھالو۔ باقی لوگوں میں تقسیم کردو"۔† معلوم ایسا ہوتا ہے کہ یہ واقعہ خمسہٴ نظامی کا جواب لکھنے سے کچھ دن پہلے کا ہے۔ کیونکہ اس سے پیشتر کی مثنوی قران السعدین میں شیخ کی مدح میں خسرو کی کوئی نظم نہیں ملتی ہے ہے۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ تصنیف قران السعدین کے وقت تک وہ شیخ نظام الدین سے بہت زیادہ قریب نہیں ہوئے تھے۔ اُن سے قربت اس کے بعد کے زمانے میں پیدا ہوئی ہے۔ اور اسکی توثیق اس طرح ہوتی ہے کہ جب خسرو کو قران السعدین لکھنے کے صلے میں خاطر خواہ انعام معزالدین کیقباد سے نہ ملا تو انکا دل تصوف کی طرف زیادہ مائل ہوگیا۔

---

* سیر الاولیاء ۔ ص ۔ ۲٦۳

¶ مثنوی نہ سپہر ۔ ص ۔ ۲۷

† سیر الاولیاء ۔ ص ۲٦۲

اس کا اظہار انہوں نے اپنی اسی مثنوی کے اختتامیہ میں کیا ہے جو معزالدین کیقباد کی وفات کے بعد جلال الدین خلجی کے عہد سلطنت میں لکھا گیا تھا۔ اسی زمانے میں انہیں یہ احساس بھی ہوا کہ ابھی وہ مثنوی نگاری کے فن میں بہت ہی خام ہیں۔ اور انہیں نظامی سے بہت کچھ سیکھنا ہے۔

ور ہوس مثنویت در دل ست
حل کنم ایں برتو کہ بس مشکل ست
در روشے کز نیاید مرو
گفت بدم مشنو و نیکو شنو
نظم نظامی بہ لطافت چو در
وز در او سر بسر آفاق پر
پختہ از او شد چو معانی تمام
خام بود پختن سودائے خام
بگزر از ایں خانہ کہ جائے تو نیست
دریں رہ باریک پائے تو نیست
سوز سخن را نہ بخاسی طلب
پختگیش ہم ز نظامی طلب *

ہم یہ بات اس سے قبل لکھ چکے ہیں کہ خسرو کے نزدیک معتقد شیخ ہونے کا یہ مفہوم کبھی بھی نہ تھا کہ وہ بندگی شاہ سے تایب ہوکر زاویہ نشیں ہوجائیں۔ اس تصوف کو نہ تو انہوں نے خود اپنے لئے پسند کیا اور نہ دوسروں کیلئے۔ حرص و آز کے ہیر کو سمیٹنا اور ترک دنیا اختیار کرنا دو مختلف چیزیں ہیں۔

انہوں نے اپنی طماع طبیعت کو لگام دینے کی بارہا کوشش کی ہے اور اپنے اس عزم کا بھی اظہار کیا ہے کہ اب میں زیادہ ہوس

---

* قران السعدین علی گڑھ ایڈیشن ص۔ ۲۳۷

نہیں کرونگا اور قناعت کو راہ دونگا (قرآن السعدین) لیکن ترک دنیا کا ارادہ کبھی بھی نہ کیا اور نہ اسے محمود جانا۔ اس موضوع پر کھل کر انہوں نے اپنے خیالات کا اظہار مطلع الانوار میں کیا ہے۔ جہاں صوفیان پشمینہ پوش کے ترک دنیا کو دام تزویر قرار دیا ہے۔ اور انکے ایسے فقر کو جس میں حصول زرکی مدام کوشش رہتی ہے تجارت بتایا ہے۔ ہمیں اس تصوف کی توقع خسرو سے رکھنی نہ چاہیے کیونکہ وہ تو اس ادارے کے ایک ناقد بھی تھے۔ لیکن تصوف کی جو عارفانہ اور تہذیب نفس کی قدریں ہیں وہ انکی طبیعت میں گھر کئے ہوئے تھیں اور انکی عقیدت شیخ سے انہیں مذکورہ اقدار کے باعث تھی جنکا وہ انہیں حامل تصور کرتے۔ مزید یہ کہ جہانتک کہ سلسلہ سہروردیہ کے صوفیاء کا تعلق ہے وہ خدمت شاہ کا خیرمقدم کرتے، اور بادشاہ کی مدد معاش پر تکیہ کرتے۔ چشتیہ سلسلے کے مشایخ بھی بادشاہوں کی فتوح کبھی کبھی قبول کرتے، خود شیخ نظام الدین اولیا نے بقول فرشتہ پانچ لاکھ تنکہ زر ملک خسروخاں کے ہاتھ سے اس وقت قبول کیا جب کہ وہ تخت شاہی پر جلوہ گر ہوا تھا۔ ان حالات کے پیش نظر خسرو، حصول رزق کی کوشش کو مستحسن قرار دیتے اور اس بھیک کو سخت ناپسند کرتے جسے صوفیاء نے فتوح، دست غیب وغیرہ کا نام دے رکھا تھا۔ مانا کہ وہ امراء سے حاصل کی ہوئی دولت کو غربا میں تقسیم کرتے یا اس سے ایک لنگرخانہ چلانے کی خدمت انجام دیتے لیکن اس گدائی کے جو برے اثرات معاشرے پر پڑ رہے تھے اس سے خسرو پوری طرح باخبر تھے۔ اور اسکی انہوں نے نشاندہی بھی کی ہے۔ اس سلسلے میں ہمیں یہ بھی فراموش نہ کرنا چاہیے کہ خسرو امیر ابن امیر تھے۔ ایک پورے کنبے کا رزق انکے اکتساب معاش سے وابستہ تھا۔ اور جس امیرانہ ماحول میں انہوں نے پرورش پائی تھی وہ انعام و اکرام اور جو دوسخا کا تھا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ جو کچھ کہ مجھے انعام و اکرام میں ملتا ہے اس میں دس گنا اضافہ کرکے میں سیکڑوں آدمیوں میں تقسیم کردیتا ہوں۔ اور میں جو یہ مدح خوانی

کرتا ہوں - یعنی ایک کذاب کا کردار ادا کرتا ہوں وہ کچھ اپنی ذات کیلئے نہیں بلکہ دوسروں کی خاطر ہے- میں کوئی مارگنج نہیں بلکہ گنج بخش ہوں- میں کوئی سگ خانہ نہیں کہ اکیلا کھاؤں - دوسروں کو کھلاتا ہوں-

نہ زپئے آں شد قلمم سحر سنج   کزپئے ایں مار نشینم بہ گنج
منکہ نہا دم سخن ز گنج پاک   گنج زر اندر نظرم چیست، خاک
گر دہدم تاجور سر بلند   در نتواں باز بہ دریا فگند
یک جوازیں فن چو بداماں نہم   دہ کنم آں را و بصد تن دہم
شیرم و رنج ازپئے یاراں برم   نے چوسگ خانہ کہ تنہا خورم*

بہرحال مدعا اس گفتگو کا یہ ہے کہ خسرو کا تصوف ترک دنیا کا نہیں بلکہ درویشیٔ دل کا تھا - اور انکی عقیدت شیخ نظام الدین سے کچھ اس بنیاد پر نہ تھی کہ منجملہ اور صوفیوں کے وہ بھی ایک صوفی تھے بلکہ انکے ذاتی اوصاف کی وجہ سے تھی - وہ ایک مرید سے زیادہ انکے دوست ، یار غار تھے ، وہ شیخ کے پاس کسی وقت بھی جاسکتے تھے انکی اس دوستی کو سیر اولیاء میں بھی ابھارا گیا ہے - شیخ کی حیثیت ایک ناقد سخن کی بھی تھی - انکی زبان سے نکلا ہوا ایک کلمۂ توصیف آدمی کو کہیں سے کہیں پہونچا دیتا - چنانچہ یہ فخر خسرو ہی کو حاصل ہوا جو انکی شاعری کی توصیف میں انہوں نے یہ دو اشعار کہے -

خسرو کہ بہ نظم و نثر مثلش کم خاست   ملکیت ملک سخن آں خسرو راست
ایں خسرو ماست ، ناصر خسرو نیست   زیرا کہ خدائے ناصر خسرو ماست§

شیخ نظام الدین اولیاء کے یہ خسرو جنہیں وہ ترک اللہ کے خطاب سے یاد کرتے اور جنکے سوز دل کی وہ اتنی قدر کرتے کہ

---

* قران السعدین علی گڑھ ایڈیشن ص - ۲۳۹

§ سیر اولیاء اردو ترجمہ - ص - ۲۶۴

اپنی بخشایش انکے سوز دل کے صلے میں ڈھونڈھتے، بہت سی ایسی اور خوبیوں کے بھی مالک تھے جنکے اظہار سے لوگ ابتک گریز کرتے آئے ہیں - انہوں نے اپنی مثنوی مفتاح الفتوح میں اپنے مربی ابردست حاتم خان کا نام تک نہ لیا جبکہ شواہد یہ بتاتے ہیں کہ وہ بھی ملک چھجو کے ساتھ بغاوت میں ماخوذ تھا اسکے نام نہ لینے کا غالباً یہی سبب ہوسکتا ہے کہ وہ اسکے خلاف کوئی کلمہ بد استعمال کرنا نہیں چاہتے تھے - اور اگر انہوں نے امیر کڑا کو چھجوئے بدعہد کہا تو ایسا اس لئے نہیں کہا کہ وہ خسرو سے کدورت رکھتا تھا بلکہ اس لئے کہ اس نے واقعتاً جلال الدین خلجی کے ساتھ بدعہدی کی تھی -

اس بات کو خسرو کے خلاف بڑی ہوا دی جاتی ہے کہ ادھر ایک بادشاہ گزرا نہیں اور دوسرا تخت شاہی پر بیٹھا نہیں کہ وہ اسکی مدح سرائی شروع کردیتے - مگر شاید ناقدین ایسا اس لئے کہتے ہیں کہ انہیں مسلمان بادشاہوں کی تاریخ کا علم نہیں - سلاطین دهلی میں سے کوئی بھی سلطان بجز ناصرالدین محمود کے ایسا نہیں گزرا ہے جو سفاک نہ رہا ہو اور جس نے اپنے حریفوں کو تہ تیغ نہ کیا ہو - اور سلطان بلبن کے بعد کے زمانے میں تو ہر سلطان دهلی اپنے پیش رو کو قتل کرکے تخت شاہی پر بیٹھا ہے - وہی جلال الدین خلجی جسکو لوگ رحمدل سمجھتے تھے اس نے بھی معزالدین کیقباد کا کام تمام کیا - اور جس علاءالدین خلجی دینداری کی تعریف کیجاتی ہے اس نے نہ صرف اپنے چچا اور خسرو کو فریب سے قتل کیا بلکہ بیس ہزار نو مسلم مغلوں کو بھی تہ تیغ کر ڈالا - اس ماحول میں خسرو کو اس سے کیا غرض کہ گاؤ آمد و خر رفت - وہ سب ایک ہی تھالی کے چٹے بٹے تھے سفاک اور ظالم - خسرو تخت شاہی کی مدح کرتے نہ کہ فلاں ابن فلاں کی -

اس بھیمانہ اور سازشی ماحول میں خسرو کو زندہ رہنے کیلئے ایک ماہر سیاست کا کردار ادا کرنا پڑتا - وہ جس بساط سیاست پر ندیمی کی خدمات انجام

دے رہے تھے اس میں ہمیشہ انکے اپنے پٹنے کا بھی خدشہ ہوتا چنانچہ بادشاہوں کے غیض و غضب سے کچھ بچنا ھی انکا کام نہ تھا بلکہ اس پر بھی نگاہ رکھنی ہوتی کہ سیاست کا جو رخ ہے، جو ریشہ دوانیاں اور سازشیں چل رہی ہیں انکے پیش نظر چتر شاہی کس کے سر پر سایہ فگن ہونے کو ہے۔ چنانچہ خسرو اپنی اسی سیاست سے اتنے بہت سے بادشاہوں کو جھیل گئے، ورنہ وہ کب کے گور میں قبلہ رو سوئے ہوتے۔ اسے انکی دانشمندی کہیے یا ابن الوقتی اسکا فیصلہ ذاتی رائے پر نہیں بلکہ تاریخی وجدان پر ہوگا۔ اس زمانے کی سیاست کسی اصول، کسی منشور، کسی جماعت کے سیاسی پروگرام کی نہ تھی بلکہ مطلق العنان بادشاہوں کی ملک گیری اور انکے حریفوں کی باھمی کشمکش کی تھی۔ یہ سیاست بذات خود کردار کش تھی۔ اس زمانے کے کس شیخ کا دامن مختلف قسم کے الزامات سے پاک تھا۔ بہر حال میرا کام خسرو کی طرف سے انکے کردار کی حمایت میں کوئی دفاع پیش کرنے کا نہیں بلکہ تاریخ کے عمل میں انکے کردار کو ظاہر کرنے کا ھے۔ ھمارے مورخین جو اخلاقی فیصلے بادشاھوں کے کردار کے بارے میں صادر کرتے رہتے ہیں، وہ کبھی تو انکے مظالم کا وجہہ جواز ڈھونڈھتے ہیں تو کبھی انکے مظالم کو اپنے مخصوص اخلاقی نقطۂ نظر سے پرکھتے ہیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ ان کا یہ طرز عمل صحیح ہے۔ تاریخ ایک طریق کار ھے اسکا پہیا ذاتی اغراض و مقاصد کی چیکٹ سے بھی گھومتا ھے۔ ترک دنیا تاریخ کے اسی طرز عمل کا ایک رد عمل تھا۔ اس میں شبہ نہیں کہ تاریخ کے اس طریق عمل کو انسانیت نواز بنانے کی کوشش بھی ساتھ ساتھ جاری ھے۔ لیکن جس دور سے متعلق ھم یہ گفتگو کر رہے ہیں۔ وہ بڑا بھیانک دور تھا۔ سیاسی طاقت کے سرکش گھوڑے کسی قسم کی لگام برداشت کرنے پر آمادہ نہ تھے۔ قاضی مغیث سر بہ گریباں کہ وہ علاء الدین خلجی کو کیونکر خلاف شرع کام کرنے سے روکے، اس سے بہتر تو خسرو ھی تھے جو چار کلمات تلقین و ھدایت کے شاھان سلف کے حوالے سے اپنی مثنویوں میں بادشاہوں کیلئے کہہ جاتے۔ اس سے زیادہ اس زمانے میں ممکن نہ تھا۔ بہر حال اب میں پھر اسی تاریخی عمل کی طرف لوٹ

رھا ھوں جس کے پھیٹے میں امیر خسرو پھنسے ھوئے نظر آتے ھیں ۔

امیر خسرو عماد الملک راوت عارض کے نواسے تھے ۔ خسرو نے انھیں آصف دوراں ، بزرجمہر روزگار کے القاب سے یاد کیا ھے اور ایک ایسا خوردہ داں یا مشیر بتایا ہے جسکی نظیر ملنی مشکل ھے ۔ اگر زیادہ نہیں تو کچھ تو انکا اثر خسرو میں آیا ہوگا بالخصوص ایسی صورت میں جبکہ انہوں نے بارہ تیرہ سال ان کی تربیت میں رہ کر گزارے تھے چنانچہ ھم یہ دیکھتے ہیں کہ عماد الملک کی تعلیم و تربیت خسرو پر رائیگان نہیں گئی ۔ عماد الملک نے اگر ستر سال نہیں تو باسٹھ سال تک تو ضرور ھی اپنے عہدے عرض ممالک دھلی پر فایز رہے ، اور سلطان شمس الدین التتمش کی وفات کے بعد معلوم نہیں کتنے چھوٹے بڑے سلاطین کو انہوں نے بھگتا اور اپنے عہدے اور وقار کو قایم رکھا ۔ خسرو انہیں کے نقش قدم پر چلے ۔ اور اسی ذھانت اور فطانت سے وہ بھی اپنے داؤ چلتے رھے ۔ انکے اس تدبر کا آغاز صحیح معنوں میں اس وقت سے ھوتا ھے جبکہ پٹیالی کے قیام میں انہوں نے سلطان معزالدین کے فرمان ملازمت کو نظر انداز کرتے ھوئے ، نظام الملک کی سیاست کے خوف سے راہ فرار اختیار کرکے حاتم خان کی پناہ ڈھونڈھی ۔ سلطان کی پیشکش کو رد کرنا کوئی معمولی کام نہ تھا ۔ انہوں نے اپنی کتنی حسرتوں کا خون کرکے یہ قدم اٹھایا ھوگا ۔ لیکن جوں ھی نظام الملک کا خاتمہ ہوا وہ دلی بیتابانہ دوڑے اور معزالدین کیقباد کے دربار سے وابستہ ھوئے ۔ خسرو نے مثنوی قران السعدین کے لکھنے میں بڑی محنت کی تھی چھه مہینے تک اسکے لکھنے میں اپنے کو وقف کردیا تھا ، لیکن اس مثنوی کی پذیرائی دربار معزی میں کچھ زیادہ نہیں ھوئی ، اس میں کچھ حاسدین کی سازشوں ھی کو دخل نہ تھا بلکہ اس بات کو بھی کہ مثنوی کے میدان میں خسرو کی یہ پہلی کوشش تھی اس میں زبان و بیان کی خامیاں بھی تھیں ۔ بہر حال جبکہ دربار معزی سے انعام و اکرام کے سلسلے میں انہیں سخت مایوسی ھوئی تو انکی نظر جلال الدین

خلجی پر خاص طور سے پڑی جو اس وقت عارض ممالک دہلی تھا۔ کیونکہ اس وقت دو ہی اشخاص ایسے تھے جو حصول سلطنت کا خواب دیکھ رہے تھے۔ ایک ملک چھجو جو معزالدین کیقباد کا خسر بھی تھا اور دوسرا جلال الدین خلجی جو اس وقت ایک بہت ہی با اثر ملک تھا۔ ظاہر ہے کہ خسرو ملک چھجو سے اپنے کو وابستہ نہیں کرسکتے تھے کیونکہ اس سے ان کے تعلقات پہلے ہی سے خراب ہوچکے تھے چنانچہ انکی نظر انتخاب جلال الدین خلجی پر پڑی اور ابھی معزالدین زندہ ہی تھا کہ انہوں نے آنے والے دور کی تصویر دیکھتے ہوئے اسکے در دولت سے اپنے کو وابستہ کرلیا۔ اگر جلال الدین خلجی ملک چھجو سے ہار جاتا تو پھر ہمارے شاعر خسرو کا اسکے عتاب سے بچنا مشکل تھا۔ خسرو نے ایسی ہی فراست جلال الدین خلجی کے عہد سلطنت میں بھی دکھائی، جلال الدین خلجی جب تخت شاہی پر بیٹھا ہے تو وہ خاصا بوڑھا ہوچکا تھا۔ وہ کسی وقت بھی راہی ملک عدم ہوسکتا تھا۔ چنانچہ خسرو نے پہلے ہی سے اسکے بڑے بیٹے محمود خانخاناں کو اپنا امید گاہ بنالیا تھا۔ اسکا اندازہ اس مرثیے سے ہوتا ہے جو انہوں نے محمود خانخاناں کی وفات پر لکھا ہے لیکن جب اسکا انتقال سلطان جلال الدین کی زندگی ہی میں ہوگیا، تو خسرو کو فکر دامنگیر ہوئی کہ نہ معلوم اب چتر شاہی کس کے سر پر جلوہ گر ہو۔ اس وقت دو آدمی بر سر میدان تھے۔ ایک ارکلیخاں جلال الدین خلجی کا بیٹا جو بڑا بہادر اور جوان مرد تھا اور دوسرا علاءالدین خلجی جو جلال الدین کا بھتیجا اور داماد تھا۔ خسرو کے لئے ان دونوں کے درمیان انتخاب کرنا تھا۔ مفتاح الفتوح کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ انکی نظر انتخاب ارکلی خاں ہی پر تھی۔ مگر جب جلال الدین خلجی کے انتقال کی خبر دلی میں پہونچی تو اسکی بیوی ملکۂ جہاں نے ارکلیخان کو تاج و تخت کا وارث بنانے کے بجائے اپنے ایک خورد سال بیٹے رکن الدین ابراہیم قدر خان کو تخت شاہی پر بٹھا دیا۔ اس پر ارکلیخان خفا ہوگیا اور وہ رکن الدین ابراہیم کی مدد کو ملتان سے دلی نہیں آیا۔ اس صوتحال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے علاءالدین ۲۲ ذی الحجہ سنہ ۶۹۵ ہجری میں تخت شاہی پر جلوہ افروز

ہوگیا - چونکہ علاء الدین خلجی نے دھوکے سے اپنے چچا کو مار کر تخت شاہی حاصل کیا تھا - اسلئے ابتدائی چند دنوں میں بہت سے ملوک و اُمراء اس سے کھنچے رہے اور وہ اس وقت تک اس کے ساتھ نہیں ہوئے جبتک کہ اس نے اپنے خزانے کا دروازہ ان پر کھول نہیں دیا - دیکھنا یہ ہے کہ خسرو کا رویہ اس موقعے پر کیا تھا ۔

خسرو نے اپنی سر گذشت صرف جلال الدین خلجی کے عہد سلطنت تک کی لکھی ہے - اس کے بعد کے زمانے کی زندگی کو غرۃ الکمال یا دوسرے دوائین کے دیباچوں میں بیان نہیں کیا ہے چنانچہ عہد علائی میں خسرو کی زندگی کو بیان کرنے کے لئے ان کی مختلف تصنیفات سے خوشہ چینی کرنی پڑتی ہے - ان کی کئی چھوٹی چھوٹی مثنویاں جو مختلف نسخوں میں منتشر ہیں، اس نقطہ نظر سے خاصی اہم ہیں کہ ان میں کہیں کہیں انکے سوانحی حالات بھی مل جاتے ہیں - مگر ان کی اس دور کی زندگی کو بیان کرنے میں ایک آسانی یہ ضرور ہے کہ اس دور کے تاریخی حالات کو ضیاء الدین برنی نے بہت تفصیل سے بیان کیا ہے اور چونکہ اس زمانے میں وہ جوان سال تھا اسلئے اس کے بیانات پر خاصا بھروسہ بھی کیا جاسکتا ہے ۔

امیر خسرو علاء الدین خلجی کے دربار میں

ضیاء الدین برنی عہد علائی کے اواخر میں اپنے کو خسرو اور امیر حسن کا دوست بتاتا ہے اور یہ دعویٰ کرتا ہے کہ چونکہ میں اُن دونوں کا مشترک دوست تھا اسلئے میری ھی وجہ سے اُن کے درمیان تعلقات ایسے ہوگئے کہ ایک دوسرے کے گھر آنا جانا ھوا - ایک دوسرا وجہ اشتراک ان دونوں سے اسکا یہ تھا کہ برنی بھی شیخ نظام الدین کا معتقد تھا اسلئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس نے اس دور کی زندگی سے متعلق جو کچھ خسرو کے بارے میں لکھا اس میں غلط بیانی کے امکانات نہ ہونے کے برابر ہیں - بہر حال برنی لکھتا ہے کہ ”امیر خسرو جیسا نادر عالم جو اگر محمود یا سنجر کے عہد میں

ہوتا تو ظاہر اور اغلب ہے کہ وہ اسکو ولایت اور اقطاع انعام میں دیتا اور اپنی مجلسوں میں عزت و احترام کا مقام عطا کرتا لیکن اُن کو (خسرو) اور دوسرے نادر شعراء اور فضلاء کو سلطان علاءالدین صرف ایک ہزار تنکے بطور مواجب دیتا تھا اور اپنے سامنے ان کو احترام و عزت کا مقام عطا نہیں کرتا تھا۔ اور انکی حشمت کا حق ادا نہیں کرتا تھا۔"*

برنی کا یہ بیان بالکل درست ہے کیونکہ اسکی تصدیق خود خسرو کے بیانات سے ہوتی ہے۔ علاءالدین جب تخت شاہی پر بیٹھا، تو اس نے بقوت زر فوری طور پر ہر ایک کے منھ کو بند کرنا چاہا۔ بڑے انعام و اکرام سے کام لیا۔ اسی زمانے میں اس نے ہاتھی کے وزن کے برابر زر امراء میں تقسیم کئے تھے جس کا حوالہ خسرو کی مثنوی نہ سپہر اور خزائن الفتوح میں ملتا ہے۔ لیکن یہ بات اسکے دل میں کھٹکتی رہی کہ اگر میں نے جلالی عہد کے ملوک و امراء کو ختم نہ کیا۔ اور اپنے وفادار ملوک و امراء کا ایک نیا گروہ پیدا نہ کیا تو وہ کسی وقت بھی مجھ سے دغا کرسکتے ہیں۔ چنانچہ اپنے سال جلوس کے دوسرے ہی سال میں جب کہ اسکی سلطنت کو کچھ قیام ہوا اُس نے ''اُن سارے جلالی ملوک کو جنھوں نے اپنے ولیٔ نعمت (سلطان جلال الدین) کو پیٹھ دکھلائی تھی اور علاءالدین سے منوں سونا، عہدے اور اقطاع حاصل کئے تھے، گرفتار کرکے تباہ و برباد کردیا۔" وہ لکھتا ہے کہ ''ان میں سے صرف تین بچ گئے تھے۔ ملک قطب الدین علوی، نصیرالدین، رانا شحنۂ پیل اور امیر جلالی کہ انکو کوئی گزند نہیں پہونچا۔"£ اس صورت حال سے خسرو بھی متاثر ہوئے کیونکہ وہ بھی جلال الدین کے ندیم خاص رہ چکے تھے۔

چنانچہ علاءالدین کے ابتدائی عہد حکومت میں خسرو کو بھی بڑی تکلیفیں اٹھانی پڑی ہیں۔ اس سے قبل خسرو کا تعلق ایسے شہزادوں اور سلاطین سے تھا جو اپنی دولت صرف کرنے میں ایمان رکھتے تھے اور جو

---

* تاریخ فیروز شاہی اردو ترجمہ ص۔ ۵۳۱

£ ص۔ ۳۷۵

اپنے جود و سخا سے ایک دوسرے پر سبقت لیجانا چاہتے تھے۔ اور اگر خسرو معزالدین کیقباد کے دربار سے زیادہ فیض یاب نہ ہوئے تو اس میں دو باتوں کو دخل تھا۔ ایک تو یہ کہ جب مثنوی کے پیش کرنے کا وقت آیا تو سلطان کیقباد بیمار تھا اور وہ اپنی اس بیماری سے جانبر نہ ہوا۔ ظاھر ھے کہ اس صورت میں درباریوں نے سازش کرکے خسرو کو خاطرخواہ انعام سے محروم رکھا بہر حال اسکی اشک شوئی جلال الدین کے عہد میں ہوگئی تھی مگر یہاں تو معاملہ ھی مختلف تھا۔ علاء الدین دولت کو سیاست کیلئے استعمال کرتا۔ وہ ایک غیر تعلیم یافتہ، بخیل، زر اندوزی کا حریص، سفاک، بدمزاج اور شقیٔ القلب انسان تھا۔ اسپر خسرو کے کلام نرم و نازک کا اثر ہونا بڑا مشکل تھا۔ چنانچہ عہد علائی کے اوائل میں تو وہ اس عہدے سے بھی محروم رہے جسپر وہ عہد جلالی میں فایز تھے یعنی شغل مصحف داری۔ چنانچہ ایک قطعہ میں انہوں نے سلطان علاءالدین سے شغل مصحف داری کے عطا کئے جانے کی درخواست کی ہے۔

اے شہنشاہی کہ گردوں رو بسویت کرد و گفت
بندۂ مستظہرم من از عطائی عام شاہ
خواہشم از ختم شاہاں شغل مصحف داریست
تابود حرز دعائم جوشن اندام شاہ
ہست مقصود انکہ باری دولتی حاصل کنم
خاصہ چوں دریافت بختم نوبت و ایام شاہ
انکہ شغل شہ دہد از سیم و زر تا عمر ہست
خوش بود چوں عمر شد چہ سودم از انعام شاہ
و آنچہ خسرو می دہد از شعر عمر جاوداں
زاں بخواہد ماند باقی تا قیامت نام شاہ *

خسرو کی یہ درخواست کسی قدر تاخیر کے ساتھ منظور تو ہوگئی

---

* بقیہ نقیہ۔ کلیات امیر خسرو۔ شمارہ ۲۱،۱۰۴ ص۔ ۳۱۴

اور انکو ایک ہزار تنکہ زر مواجب کی حیثیت سے ملنے لگا تھا۔ (برنی) مگر خسرو کی ایک مثنوی کے مطالعے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ انعام و اکرام کی راہ عہد علائی کے اولین چار سال میں بند رہی۔ اور ان چار برسوں میں انکی مالی اور اقتصادی حالت بڑی ابتر تھی۔ اس مثنوی کے مطالعے سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ بادشاہ دربار میں خسرو کی حاضری پر زور دیتا اور اصرار کرتا اور خسرو اس دلیل کو اپنی مدافعت میں پیش کرتے ہوئے کہ شاعری کیلئے فراغت اور وقت چاہئے۔ طرح طرح کی معذرت سے کام لیتے۔ خسرو کی اس مثنوی کا پہلا حصہ عرض حال پر مشتمل ہے اور اسکا عنوان ہے۔

ایں قصہ یاد نامہ من داں کہ بہر ایں
از بارگاہ شاہ ربودم بر نوال

اسکے بعد سے مثنوی کی ابتدا ہوتی ہے میں صرف منتخب اشعار پیش کروں گا۔ خسرو علاء الدین خلجی کے بھائی الماس بیگ المعروف بہ الغ خاں خاقان معظم کو مخاطب کر کے کہتے ہیں۔

بر رائے خدایگان عالم   خاقان سپہکش معظم
میداد عرض بندہ خسرو   حال خود از ایں عریضہ نو
کہ آں سال کہ سایۂ الٰہی   بنشست بہ تخت بادشاہی
فرمود مرا شہ زمانہ   فرمان جلوس در بیانہ
زاں نامہ فتح خانخاناں   بنواخت مرا چو مہربانان
ہم خلعت خاصۂ خودم داد   ہم تنکۂ و نقرہ پانصد داد

اسکے بعد علاء الدین کی طرف مخاطب ہوتے ہیں۔

افسوس ز چوں تو بادشاہی   محروم چو من سخن سرائی
نانے کہ مرا ز شہر یارست   آں حق منست و اجر کارست
تا در سفر و حضر ہمہ گاہ   باشم بہ رکاب دولت شاہ

لیکن چو بمدح تست رو یم   بی صلہ چگونہ نغز گو یم
آخر نہ نہانست سروران را   بذل ملکان سخن وران را
کانجا کہ در عطا کشادند   گنجے بقصیدہ‌ٔ بدادند
پیوستہ بحضرت فلک سائی   می بودم بندہ وار بر پائی
یکروز شہنشہ از سر خود   بر بندہ‌ٔ خویش مہربان بود
می گفت مرا بلفظ در پاش   کای مدح سرائی ملک، خوش باش
کز دولت ما بلند گردی   مستظہر و ارجمند گردی
چنداں دہمت خزینہ و گنج   کایمن شوی از کشیدن رنج
من بندہ بریں امید دلکش   بودم بامید تا کنوں خوش
بگزشت چہار سال از ایں حال   اقبال تو باد تا بصد سال
ایں وعدہ کہ بخشش توام داد   بیادت دادم اگر شد از یاد

اسکے فوراً بعد ایک دوسری مثنوی بادشاہ کو مخاطب کرتے ہوئے شروع ہوتی ہے جسکا عنوان ہے۔

ایں نظم غیر نیست کہ ”شہنامہ‌ٔ من“ ست
مرغ ار بہ پر زنی شد و سیمرغ از آں ژال

اس مثنوی میں خسرو نے جہاں اپنے روزانہ دربار میں حاضر نہ ہونے کی توجیہہ کی ہے اور معذرت چاہی ہے وہاں بادشاہ کو یہ بات بھی یاد دلائی ہے کہ سب سے پہلے میں نے ہی حضور والا کو تاج پوشی کی بشارت دی تھی، اور سریر آرائی کیلئے دعا کی تھی - کہا نہیں جا سکتا ہے کہ یہ دعا کسی قصیدہ کی صورت میں تھی یا زبانی۔ اس مثنوی کی ابیات سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سب زبانی تھا۔

ملاحظہ ہوں اس سلسلے کی ”شہنامہ‌ٔ من“ سے چند ابیات۔

دانم کہ از ایں گزر نباشد   قول چو توئی دگر نباشد
صد بندہ شد از تو آسماں گیر   یک بندہ‌ٔ دگر حساب آں گیر
علاء دین آں شاہ جم بارگاہ   کہ مشرق ستانست و مغرب پناہ

اسکے بعد اسکی فتوحات کا اور پھر دلی میں تخت شاہی پر بیٹھنے کا ذکر ہے۔

کشید از کڑہ تیغ فتح آختہ   بخصم افگنی رایت افراختہ
بدھلی سر افراز شد ناگہاں   بر آراست اورنگ شاھنشہاں
ھمہ خلق حیراں دریں نادرہ   کہ دھلی ستد چوں تواں‌ازکرہ
در افتاد شہری بگفت و شنود   کہ ھرگز چنیں بختیاری نبود
نہادند سر جملہ ارکان تخت   مگر میر تماں ز آشوب بخت

اس میر تماں یا تمن کی سرکوبی کیلئے الغ خاں (الماس بیگ) کے روانہ ھونے کا ذکر ہے۔ اور پھر اسکے بعد خسرو نے دربار شاہ میں مستعدی سے اپنے روزانہ حاضر نہ ھونے کی توجیہہ کی ہے۔ اور اس کے آخر میں انہوں نے اپنی بشارت اور دعائے سر برآرائی کو یاد دلایا ہے۔

شب و روز اگر من بدرگاہ شاہ   نمی دارم ھمیں شرط خدمت نگاہ
کمر بستہ پیش تو صد تاجدار   گدائے اگر نیست کمتر شمار
توانم کہ روز و شب و صبح و شام   ندارم تہی بندگی را مقام
ببزم اندروں سحر سازی کنم   کہ در رزم با تیغ بازی کنم

گرفتم کہ خود ھرچہ من گفتہ‌ام   بہ پاداش واجب دری سفتہ ام
چرا نایدت آخر آں در ضمیر   کہ من گفتم اول دعائے سریر
بملک تو کز آسمان درست   نہ من کردم آخر نداء نخست
مبارک زبانیٔ من بیں کہ بخت   بدرگاہ دھلی ترا داد بخت *

اس مثنوی کی منقولہ بالا ابیات سے ڈاکٹر وحید مرزا نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ خسرو نے علاء الدین کی تاجپوشی کے موقع پر کوئی

---

* ناسکمل کلیات خسرو (غرۃ الکمال و بقیہ نقیہ) نیشنل میوزیم کراچی۔ مملوکہ ایم لعل بیگ بدخشانی۔

قصیده لکھکر پیش کیا - لیکن یه خیال ان ابیات سے مترشح نہیں ہوتا ہے - قرائین یه بتاتے ہیں که انکی دعائے سریرآرائی زبانی تھی - اور تخت شاہی پر بیٹھنے سے پہلے انہوں نے وہ دعا کی تھی -

جہانتک که امیر خسرو کے دربار شاہ میں روزانه حاضری نه دینے کا معامله ھے - اسکا غالباً سبب یه تھا که وہ ان دنوں خمسهٔ نظامی کا جواب لکھنے میں مشغول تھے اور اتنی فرصت نه تھی که ہر روز دربار میں حاضر ہوتے اور ہاتھ باندھکر بادشاہ کے سامنے گھنٹوں کھڑے رہتے -* لیکن علاء الدین کے لئے یه توجیه ناقابل اعتنا تھی کیونکه وہ ایک سخت گیر بادشاہ تھا اور کسی قسم کی رو رعایت کو راہ نه دیتا - اسکے نتیجے میں خسرو کئی سال تک اس کے انعام و اکرام سے محروم رہے ، اور جو تنخواہ ایک ہزار تنکهٔ زر کی ان کی مقرر ہوئی تھی صرف اسی پر اکتفا کرنا ہوتا - لیکن چونکه امیر خسرو بڑے شاہ خرچ تھے ، انہیں اس زمانے میں بڑی تنگدستی کا سامنا کرنا پڑا - چنانچه اس مثنوی میں یه بات واضح طور سے انہوں نے لکھی ھے که جو کچھ که مجھے بطور مواجب ملتا ھے وہ میری خدمت کا صله ھے نه که انعام و اکرام کیونکه میں بادشاہ کے ساتھ سفر اور حضر میں رہتا ہوں - اور پھر اپنی تنگدستی کی شکایت اس بیت میں کی ھے -

چو من جادوئی را کشادے چنیں   دریغا جہاں را مرادے چنیں

انہیں ایام میں جبکه وہ خمسهٔ نظامی کا جواب لکھنے میں مشغول تھے - ایک ہی سال میں غالباً ماہ دو ماہ کے فصل سے دو بڑے صدمات انہیں به یک وقت اٹھانے پڑے - انکی والدهٔ ماجده اور انکے برادر خورد حسام الدین قتلغ دونوں ایک ہی سال میں الله کو پیارے ہوئے - چنانچه انہوں نے دونوں کا مرثیه ایک ہی نظم

---

* همه روز عمرم به خفتن گزشت   شب من در افسانه گفتن گزشت
(آئینهٔ سکندری)

میں لکھا ہے جو انکی مثنوی لیلیٰ مجنوں میں شامل ہے، چونکہ اس سے اقتباسات پہلے ہی دے چکا ہوں اسلئے اسے دہرانے کی یہاں چنداں ضرورت نہیں۔ انہوں نے مثنوی لیلیٰ مجنوں ۶۹۸ ہجری میں تصنیف کی۔

تاریخ ز ہجرت انچہ بگذشت   سالش نودست وششصد وہشت *

چنانچہ اس اعتبار سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ انکی والدہ ماجدہ اور انکے بھائی کا انتقال سنہ ۶۹۸ ہجری میں ہوا۔ کیونکہ انہوں نے مرثیۂ مذکور میں ''امسال'' کا لفظ استعمال کیا ہے۔

کامسال دو نور از اخترم رفت   ہم مادر و ہم برادرم رفت

یہ معلوم کرکے حیرت ہوتی ہے کہ انہوں نے پانچوں مثنویاں کم و بیش تین سال کے عرصے میں مکمل کر ڈالی تھیں۔ سنہ ۶۹۷ ہجری میں مطلع الانوار صرف دو ہفتے میں لکھ ڈالی تھی۔

از اثر اختر گردوں خرام   شد بہ دو ہفت ایں مہ کامل تمام
سال کہ از چرخ کہن گشت بود   از پس ششصد و نود و ہفت بود

شیریں فرہاد ۶۹۸ ہجری میں مکمل ہوئی۔

در آغاز رجب شد فرخ این فال
ز ہجرت ششصد و ہشت و نود سال

اور لیلیٰ مجنوں سنہ ۶۹۸ ہجری میں اور آئینہ سکندری ۶۹۹ ہجری میں۔

دریں دم کہ پایان ایں پیکر است   ز تاریخ ہفصد یکے کمترست

ہشت بہشت جو خمسۂ خسرو کی آخری مثنوی ہے اسے انہوں نے ۷۰۱ ہجری میں مکمل کیا۔

سال ہجرش یکے و ہفصد بود   کیں بنا برد سر بچرخ کبود

---

* لیلیٰ مجنوں - مطبوعۂ ماسکو ۱۹۶۵ ص - ۲۷۵

خسرو کی یہ پانچوں مثنویاں ، اس زمانے کی نو کلاسیکیت کی ایک مثال قائم کرتی ہیں - یہ شغل یورپ میں بھی تھا کہ اساتذہ کی کسی تصنیف کو بہ حیثیت ماڈل استعمال کرتے۔ اور اسپر اضافہ کرنے کی کوشش کرتے۔ کسی کی تصنیف کو ماڈل بنانا ھی اس امر کی دلیل ھے کہ وہ کلاسیکی قدر و قیمت کی حامل ھے۔ اور اسے بہ حیثیت ادب عالیہ تسلیم کرلیا گیا ھے - اس لئے یہ بات تو خود خسرو کے ذھن میں بھی نہ تھی کہ وہ نظامی سے بالا مارلے جائیں گے۔ نظامی کو تو وہ استاد تصور ہی کئے ھوئے تھے - نظامی کی برتری کا اعتراف خسرو نے اپنی کئی مثنویوں میں کیا ھے - مثنوی لیلیٰ مجنوں میں انہوں نے کھل کر اس موضوع پر گفتگو کی ھے۔

می خواست بسے دل ھوس باز   کز سحر قدیم نو کنم ساز
بیروں دھم از دم درونی   با جادوئی رفتہ ھم فسونی
از شیوهٔ خود رمیدہ گشتم   تسلیم بہاں جریدہ گشتم
چیدم بقلم نمونهٔ پیش   بردم ز میاں تکلف خویش
نقاش کہ پیکری نشاں کرد   دیگر نتواند آنچناں کرد
مانی کہ قلم زن خیالست   مانند نبشتنش محال است

اسکے بعد اپنے نکتہ چینوں سے مخاطب ھوتے ہیں۔

اے انکہ بہ مرا نہی نام   وز غورۂ خویش خوش کنی کام
گر ما ز ہنر تہی میانیم   باری تو بگوئی تا بدانیم
نبود چوں فسانهٔ تو نامی   بیہودہ چہ لافی از نظامی
گرزاں قدح آری آب خوردم   بے گفت تو اعتراف کردم
لیکن تو ھم ار بود متاعی   بکشا ز دوکان خود فقاعی
زندہ ست ، بمعنی اوستادم   ور نیست منش حیات دادم
سیداد چو نظم نامہ را پیچ   باقی نگذاشت بہر ما ہیچ
بحرے کہ بر آب او خسے نیست   محتاج ستایش کسے نیست

اس کے بعد اپنے اور نظامی کے حالات کا موازنہ کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ جو خوشحالی اور سکون انہیں نصیب تھا وہ مجھے کہاں حاصل ہے ۔ اور پھر اپنی زبوں حالی کو یوں بیان کیا ہے جس میں اپنے نکتہ چینوں اور حاسدوں کو بھی لتاڑا ہے ۔

مسکین من مستمند بے توش   از سوختگی چو دیگ در جوش
شب تا سحر و ز صبح تا شام   در گوشۂ غم نگیرم آرام
باشم ز برایٔ نفس خود رایٔ   پیش چو خودی ستادہ برپایٔ
تا خون نرود ز پایٔ بر سر   دستم نشود ز آب کس تر
مزدی کہ دہند منت داد   واں رنج کہ من برم ہمہ باد
چوں خر کہ علف کشد بزاری   ریزند جوش ولے بخواری
ممدوح خجستہ را کنم یاد   یا رغبت سینہ را دہم داد
سگ نیز برایٔ راحت خویش   شوید بزباں جراحت خویش
چوں من بسگی نمودم اقرار   تو شیری خویشتن نگہ دار
نی نی نہ سگم کہ شیر مردم   خاصہ کہ چنیں شکار کردم
ایں آہو شیر گیر من باد   ز آہو گیران عالم آزاد *

ظاہر ہے کہ ان پانچوں مثنویوں میں سوانحی حالات ضمنی حیثیت سے کہیں کہیں آگئے ہیں ۔ لیکن خسرو کے سماجی ماحول کو سمجھنے اور ان کے معتقدات سے باخبر ہونے کے لئے ان کا مطالعہ ضروری ہے اور اگر خسرو کی سماجی تنقید کا زور دیکھنا ہو تو مطلع الانوار کا مطالعہ ناگزیر اور لازمی ہے ۔ بہت سے لوگ اُسے پند و موعظت کی ایک کتاب سمجھ کر اس سے یونہی سرسری گزر جاتے ہیں ، اور زیادہ دلچسپی ان کی دوسری مثنویوں میں لیتے ہیں ۔ لیکن خسرو کے سوانح نگار کے لئے ان ساری مثنویوں کا مطالعہ ضروری ہے ۔

ہم یہ بات اس سے پہلے لکھ چکے ہیں کہ جب معزالدین کیقباد

---

* مثنوی لیلیٰ مجنوں ۔ مطبوعہ ماسکو ۔ ص ۔ ۲۸۵-۲۷۴

کے دربار سے خسرو کو اکرام و انعام حسب دلخواہ یا حسب وعدہ تصنیف ''قران السعدین'' کے صلے میں نہ ملا تو انھوں نے اپنے نفس پر بڑی لعن طعن کی۔

گل بچراگاہ ستوران* مبر   آینہ در مجلس کوران مبر
لیک از آں جا کہ طمع خوئی تست   ملک قناعت نہ بباز وئی تست
از تن گازر نتواں شست داغ   پر حوا صل§ نشود پر زاغ
بیہدہ باتو جدلے می کنم   در نہ کشائی تو ولے می زنم
ہرچہ د میدم بتو دو دے نداشت   پند بسے دادم و سودی نداشت†

خسرو کی یہ جنگ انکے نفس سے برابر جاری رہتی ہے۔ لیکن عہد جلالی میں انعام و اکرام کے پانے سے وہ کچھ دب سی جاتی ہے لیکن جب علائی عہد میں انکو متواتر چار سال تک انعام و اکرام کے سلسلے میں ناکامیوں کا منھ دیکھنا پڑا۔ اور دربار میں اس اعتبار سے ذلیل ہونا پڑا کہ ان کے مرتبے اور حشمت کا خیال نہ کیا جاتا اور انہیں بہ حیثیت ایک ادنیٰ ملازم کے بادشاہ کی خدمت میں صبح سے شام تک دست بستہ کھڑے رہنے پر مجبور کیا جاتا۔ (مثنوی لیلیٰ مجنوں) تو ایکبار انکا نفس پھر بیدار ہوا۔ اور پھراپنے پر لعن و طعن کرنے لگا۔ اس لعن و طعن کا مظاہرہ انکی مثنوی مطلع الانوار میں بہت ہی واضح طور سے دیکھنے کو ملتا ہے اور پھر اسی لعن طعن سے اُن میں وہ روحانی کروٹ شیخ نظام الدین اولیاء کی رہبری میں پیدا ہوتی ہے جسے مجازاً ان کے روحانی معراج کا نام دیا جا سکتا ہے۔

داد دلم بہمت عالی گرانی   کائی سگ بد زہرہ چہ ماندی بجای
کائی مگس گلخن از ایں جیفہ چند   مرغ فلک شو کہ بر آئی بلند

---

* معنی - جانور

§ ایک قسم کا پرند

† قران السعدین - ص - ۲۵۳

ہر چہ نہ سبحہ، ہدف است آں بدوز   ہرچہ نہ قبلہ، صنم است آں بسوز
پائے دل از راہ صناعت* بر آر   دست بتحریدۂ اطاعت بر آر
خیز کہ امشب نہ شب خفتن است   باکہ شبی قصۂ دل گفتن است†

اسکے بعد میان شب میں وہ اپنے ایک روحانی تجربے کا ذکر کرتے ہیں - جسے مجازاً ان کے روحانی معراج کا نام دیا جاسکتا ہے -

نیم شباں زاں عمل بے ریا   خاص شدم در حریم کبریا
چشم یقیں سرمۂ جاوید یافت   نقد عمل سکۂ امید یافت
ریختم ایں نقد فلک را بجیب   بانگ تقبلت بر آمد ز غیب
بر تو خسرو بہ ہوا شد ز پست   صبح بر دریوزہ بر آورد، دست§

رات کے اس روحانی تجربے کے بعد انہوں نے صبح کے وقت کے روحانی تجربے کو بھی بیان کیا ہے اور پھر اپنے شیخ کے ایک خواب اور اس کی تعبیر کا ذکر کیا ہے -£ خسرو کو جو عقیدت نظام الدین اولیاء سے اس زمانے میں پیدا ہوگئی تھی، وہ اس سے پہلے کے دور میں نظر نہیں آتی ہے - اس غلوئی عقیدت کا اظہار انہوں نے مطلع الانوار کی ان دو ابیات میں کیا ہے -

---

[*] صناعت - پیشہ - حرفہ - دنیاداری

[†] مطلع الانوار - مطبوعہ - ص - ۳۵

[§] مطلع الانوار - مطبوعہ - ص - ۳۷

[£] میرا قیاس ہے کہ خسرو سے جو یہ غزل منسوب ہے -

نمی دانم چہ منزل بود، شب جائے کہ من بودم
بہر سو رقص بسمل بود، شب جائے کہ من بودم

ان کے اسی روحانی تجربے کو بیان کرتی ہے - مگر چونکہ لوگ معترض ہوئے اس لئے اسکو اپنی کلیات میں شامل نہیں کیا اب اس کا ذکر صرف تذکروں میں ملتا ہے -

ناصیهٔ پیر نه تنها ست نور　　بلکه جهانیست ز نور حضور
ناصیهٔ پیر نه تنها ضیاست　　بلکه یکے از صفت کبریا ست

بہر حال اس تنگدستی کے زمانے میں جو ۶۹۵ ھجری سے لیکر ۶۹۹ ھجری یا اس سے کچھ زیادہ کا زمانہ ھے، ان کا دل طلب دنیا سے خاصا بھر گیا تھا - اور اس میں ان کے شیخ کی رھنمائی کو بھی دخل تھا - مگر اس راہ توکل اور قناعت سے قریب تر ھونے اور عقیدت شیخ کے یہ معنی نہ تھے کہ انھوں نے آنکھ بند کر کے اس ادارے کو تسلیم کر لیا تھا جسے صوفیوں نے قائم کر رکھا تھا - اگر تصوف ایک روحانی تجربے کی شےٴ ھے اور اس کا تعلق فرد کی نفسی یا روحانی کیفیات سے ھے تو اسکا بامعنی ھونا اسی وقت متصور کیا جاسکتا ھے جبکہ اسے افراد تک محدود رکھا جائے - کیونکہ صوفیاء اسے بھی تسلیم کرتے ہیں، کہ اس روحانی تجربے کیلئے توفیق ایزدی ضروری ھے - تجلیات الٰهی کا نزول ھر کس و نا کس پر نہیں ھوتا ھے - ع اس سعادت بزور بازو نیست -

مگر جب اس تحریک کو جو اصلاً علماء ظاھر کی آرتھو ڈاکسی کے کے خلاف ایک لبرل تحریک، اور ظاھری اعمال سے ماوراء اصلاح نفس، درستیٔ نیت اور تقرب الٰهی کے ذریعے مختلف مذاھب کے لوگوں کو ایک دوسرے سے قریب تر لانے اور ان کے دلوں میں نفرت کے بجائے محبت پیدا کرنے کی ایک تحریک تھی، ایک ادارے میں تبدیل کیا گیا تو اسکے بعض منفی رجحانات بھی پیدا ھوئے - دو رخیٔ حیات، تصوف کے پردے میں ھوس زر، اور مکر و فریب کی بھی راہیں کھل گیں - خسرو نے اس ادارے کے ان پہلوؤں کی کڑی تنقید کی ھے -

آه از این طائفهٔ زرق ساز　　آستنی کوته، و دست دراز
پشم سیه شان نه ز آگاهی است　　دام سیه از پیٔ ده ماهی است
زشت بود صوفی و میل زرش　　مویٔ نیٔ، کوه گران بر سرش

سوچه تراشی بسرت بار سخت   خود شوی اصلع چوگرانست رخت
دعویٰ فقر و عمل زر مدام   فقر کدا مست و تجارت کدام
رند مقامر که بود پاکباز   به ز عبادت گر باحرص و آز
عاشق زر، عاشق درگاه نیست   زانکه دوی در خوراین راه نیست
کسب زراز خود بشریعت بود   در روش فقر خدیعت بود *

جو شخص کہ صوفیوں کے مکر و فریب اور ریا کاریوں کا اتنا بڑا ناقد ہو وہ ضرور کچھ نہ کچھ اپنے نفس کا بھی احتساب کرتا رہا ہوگا۔ چنانچہ خسرو کی یہ اسی خود احتسابی کا نتیجہ ھے کہ انہوں نے اپنے نفس کی کمزوریوں پر پردہ ڈالنے کے بجائے انہیں خوب بے نقاب کیا ھے۔ اعتراف گناہ تزکیۂ نفس کا پہلا قدم ھے۔ چنانچہ جو ہوس زر کہ خسرو کے نفس میں تھی اور جس کے نتیجے میں انہوں نے ایک سے ایک بد کردار سلاطین کی مدح لکھی۔ اور جس کو وہ اپنی سیہ رویٔ اور کذب گوئی سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس کے خلاف وہ اپنے نفس سے ہمیشہ جنگ کرتے رھے۔ خواہ وہ اس میں کامیاب ہوئے ہوں یا نہ ہوئے ہوں۔ لیکن ان کی اس سیہ رویٔ کو جو ان کے کذب گوئی سے پیدا ہوئی ان کی عاشقی اور حسن پرستی کی بدنامی سے خلط ملط کرنا نہ چاھئے۔ کیونکہ عشق خواہ وہ حقیقی ہو یا مجازی، ان کے ادراک حقیقت اور تصور نجات کا رکن اعظم تھا، عشق ہی ان کا دین اور ان کا مسلک تھا، اسی عشق کے تاویلی نقطۂ نگاہ سے وہ اپنے تجربات کو پرکھتے اور بامعنی بناتے۔ ان کا یہ عشق بڑا باغیانہ تھا، ماسوا اللہ کے ہر شۓ کی نفی کرتا، اسے غیر حقیقی تصور کرتا، چونکہ صوفیانہ تصور احدیت فلسفۂ وحدت الوجود کے بغیر ابھرتا ہی نہیں ھے۔ اس لئے وہ بھی رمز انا الحق کو برسردار کہنے کا حوصلہ رکھتے تھے۔

سر الہی بتہ تیغ گویٔ   رمز انا الحق بسردار به £

---

* قران السعدین۔ ص۔ ۸۸،۸۹

£ قصیدہ نہایت الکمال مطبوعہ۔ ص۔ ۴۱

چنانچہ ان کے مسلک عشق میں رمز انا الحق کی تفسیر موجود ہے - لیکن چونکہ حسن حقیقی پردۂ مجاز میں اور خال یار اس کی زلف میں مستور ہے ، اس لئے وہ اُس کافر زلف کے بھی مدح خواں تھے - جو اُس حسن کو ڈھانپے ہوئے ہے - وہ حضرات جو ان رموز تصوف سے بے خبر ہیں وہ کیا جانیں کہ عشق مجازی کے پردے میں کیا ہے - عشق سوز ہے ، لوہے کو موم کرتا ہے - دل کو پاک و صفا ، نزول تجلیات اور دید حق کے لائق بناتا ہے - خواہ وہ عشق کسی حور شمایل سے ہو یا کسی غلمان صورت سے -

مرا از روئے خوباں قبلہ پیش است   مسلماناں ندانم کیں چہ کیش است

جس نے خسرو کی اس بات کو پایا ہو وہی ان کے فلسفۂ حسن و عشق کو سمجھ سکتا ہے - اس عشق کی وضاحت انہوں نے اپنی مثنوی مطلع الانوار میں کی ہے -

چوں تن آدمی بگل آراستند   خانۂ جاں بہر دل آراستند
آدمی آنست کہ دروے دل است   ورنہ علف خانۂ آب و گل است
دل نہ ہماں قطرۂ خونست و بس   کز خورد و آشام بر آرد نفس
دل اگر ایں مہرۂ آب وگل است   خرهم از اقبال تو صاحب دل است
لیک دل آں شد کہ ہوائے دروست   و ز طرفے بوئے وفائے در وست
زندگیٔ دل چہ بود سوز و داغ   مردہ بود ہرچہ نہ سوزد چراغ
مرد کہ درعشق زجاں فرد نیست   گر صف کافر شکند مرد نیست
دل کہ اسیر رخ رنگیں بود   موم شود گرچہ کہ سنگیں بود
نہ از ہوس است ایں ہمہ آشوب دل   ہست بتاں را مژۂ جاروب دل
گر نبود دیدۂ شہوت گرایٔ   چیست بہ از دیدن صنع خدایٔ
دیدن خوبانست بشہوت وبال   قند چوسیٔ گشت نباشد حلال
انکہ زحق پاکیٔ چشمش عطا است   منع ز رخسار بتانش خطا ست

ظاہر ہے کہ یہ حسن پرستی بے داغ نہیں ہوا کرتی - لیکن

کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہم خسرو کو ہمیشہ بہ نظر غیر ہی دیکھیں۔ زندگی کا کوئی بھی لطف ایسا نہ تھا جو خسرو نے اٹھایا نہ ہو لیکن عہد علائی میں کچھ مفلسی اور کچھ اثر شیخ کی وجہ سے وہ اپنی ماضی کی زندگی سے شرمندہ ہو چلے تھے بقول حسن۔

اے حسن توبہ آنگہ کردیٔ　کہ ترا طاقت گناہ نماند

خسرو کا بھی ایک شعر عہد علائی کا اس انداز کا ہے۔

کنوں یاد شراب و شاہد و مستی و قلاشی
گزشت است آنچہ خسرو را سرے بودی و سامانی*

چنانچہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ علائی عہد کے اواخر میں وہ ایک مستقیم الحال صوفی ہوچلے تھے۔ جیسا کہ برنی نے عہد علائی کے شعراء کا ذکر کرتے ہوئے ان کے بارے میں لکھا ہے ”وہ مستقیم الحال صوفی بھی تھے۔ وہ شیخ کے خاص مریدوں میں تھے اور میں نے اتنا عقیدتمند کوئی اور مرید نہ دیکھا۔ عشق و محبت سے ان کو پورا حصہ ملا تھا۔ صاحب سماع، اور صاحب حال و وجد تھے۔ گانے اور راگ وغیرہ کے ایجاد کرنے کے فن میں کمال رکھتے تھے۔ موزوں اور لطیف طبیعت سے جس فن کو بھی نسبت ہے اس میں ان کو اللہ تعالیٰ نے سر آمد روزگار پیدا کیا تھا۔“**

برنی نے عہد علائی کے ندما، شعراء، فضلا، اطبا، مورخ، کتاب خواں، غزل خواں اور صوفیاء وغیرہ کا خاصا ذکر کیا ہے۔ ان میں سے بعض افراد کے بارے میں قدرے تفصیل سے لکھا ہے اور بعض کے صرف نام گنوائے ہیں، مگر اس نے علائی دربار کے گانے والوں اور رقاصاؤں کا ذکر نہیں کیا ہے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ سلطان کے دربار میں ان کی کچھ کساد بازاری ہوگئی تھی۔ اس کساد بازاری کا سبب یہ تھا کہ اس نے سازشوں اور بغاوتوں کو روکنے کے لئے شراب نوشی کی محفلوں کی ممانعت

---

* دیوان بقیہ نقیہ۔

** تاریخ فیروز شاہی۔ ص ۵۲۲۔

کر رکھی تھی کیونکہ شراب نوشی کی محفلیں خاص طور سے سازشی گفتگو کا محل بن گئی تھیں اور چونکہ وہ بڑا سخت گیر تھا ، اس لئے امرا اپنے گھروں پر ایسی محفلیں قائم کرنے سے ڈرنے لگے تھے ۔ چنانچہ اس نے جو کچھ ازروئے مصلحت جہانبانی کیا اس کا ایک اثر یہ رونما ہوا کہ بعد ممانعت ، میخانے ویران اور خانقاہیں پر رونق ہونے لگیں ۔ برنی لکھتا ہے کہ اسی زمانے میں گنہگاروں کے لئے سلطان المشایخ نے اپنا دروازۂ بیعت کھول رکھا تھا ۔ امراء بڑی تعداد میں اپنے گناہوں کا اعتراف کرنے آستانۂ شیخ پر آتے ۔ اس سے اس زمانے کی راگ رنگ کی محفلوں پر اثر ضرور پڑا ہوگا ، لیکن ذوق موسیقی اور ذوق وجد ، جو ذوق رقص کا دوسرا نام ہے نہ تو کبھی دفن ہوا ہے اور نہ دفن ہوگا ۔ چنانچہ جب دربار میں اور امرا کے گھروں پر اس کا زور گھٹا تو خانقاہوں میں محفل سماع اور وجد کا ذوق بڑھا ۔ ایک سے ایک صاحب حال قوال اور گائک راگ راگنیاں شیخ کی محفل سماع میں ایجاد کرتے انہیں میں ہمارے خواجہ خسرو بھی تھے (برنی) اور چونکہ محفل سماع کا اصل مقصد حال تھا ، یعنی قربت الٰہی اس لئے عارفانہ ہندوی دوھرے بھی شیخ کی محفل سماع میں گائے جاتے اور کیا عجب جو خسرو نے بھی عارفانہ ہندوی دھرے اسی زمانے میں تصنیف کئے ہوں ۔

شیخ نظام الدین اولیاء کو پوربی راگ اسقدر زیادہ پسند تھا کہ وہ کہا کرتے کہ میں نے ''الست بربکم'' کی آواز اُسی راگ میں سنی تھی اور اس کا مزہ ابھی تک میرے گوش و ہوش میں ہے ۔ پوربی راگ سے ان کی یہ فریفتگی اس امر کا تقاضا کرتی کہ ہندوی دوھرے ان کی محفل سماع میں گائے جائیں ۔ جہاں تک کہ خسرو کا تعلق ہے برنی کا یہ بیان اپنی جگھ پر مستند ہے کہ انہوں نے بہت سے راگ اور راگنیاں ایجاد کیں ۔ رہ گیا خسرو کے ہندوی میں شعر کہنے کا مسئلہ تو یہ بات مسلم ہے کہ انہوں نے ہندوی زبان میں شعر کہے ،§ یہ

---

§ دیباچہ غرۃ الکمال

بات دوسری ہے کہ آیا ہندوی کا جو کلام ان سے منسوب کیا جاتا ہے وہ ان کا کلام ہے کہ نہیں۔ چونکہ میں نے اس کتاب میں ان کے ہندوی کلام سے متعلق ایک علیحدہ باب میں بحث کی ہے اس لئے یہاں اس کے ذکر کو چھوڑ رہا ہوں اور آپ کی توجہہ عہد علائی کے زمانے میں خسرو کی فارسی تخلیقات کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔

اس سے پہلے ہم یہ بات لکھ چکے ہیں کہ انہوں نے کیوں کر تین سال کی مدت میں اپنی پانچ مثنویاں خمسۂ نظامی کے جواب میں لکھ ڈالیں۔ مطلع الانوار (۶۹۸ ھجری) شیریں فرہاد (۶۹۸ ھجری) لیلیٰ مجنوں (۶۹۸ ھجری) آئینہ سکندری (۶۹۹ ھجری) اور ہشت بہشت (۷۰۱ ھجری) ان پانچ مثنویوں میں سے میں نے صرف مطلع الانوار سے اقتباسات اس غرض سے دیئے کہ یہ نظامی کی مثنوی مخزن الاسرار سے خاصی آزاد ہے۔ اس میں جہاں خسرو کے اپنے معتقدات ملتے ہیں وہاں وہ تنقید بھی ملتی ہے جو انہوں نے اپنے بعض معاصر اداروں پہ کی ہے، ان کی تنقید سے نہ تو صوفی بچے ہیں اور نہ علماء۔ بقیہ مثنویوں میں سوانحی حالات کم کم ملتے ہیں، لیلیٰ مجنوں میں انہوں نے اپنی والدہ ماجدہ اور اپنے چھوٹے بھائی حسام الدین قتلغ کا مرثیہ کہا ہے۔ اسی مثنوی میں انہوں نے اپنے ایک کمسن، بیٹے عین الدین خضر کو لمبی چوڑی نصیحت بھی کی ہے، اس نصیحت نامے کے بعض اشعار قابل توجہہ ہیں۔

اے چاردہ ماہہ٘ زر کانی ہم خضر و ہم آب زندگانی
اکنوں کہ نداری از خرد ساز می پروردت زمانہ در ناز
امید کہ چوں شوی خرد مند خالی نکنی درو نہ ایں پند
از چاردہ بگذرت چوسالت گردد مہ٘ چاردہ جمالت
بر نکتہ٘ عقل دست سائی بر گنج ہنر گرہ کشائی
پیوند ہنر طلب چو مرداں و زبے ہنراں عناں بگرداں
خضر از پئے آں نہا دمت نام کت عمر ابد بود سر انجام

علم آں باشدکہ رہ کند پاک   نے زرق مزوران * چالاک
چوں من نشوی کہ ہر زمانے   سازم بہ دروغ داستانے
ور ز اہل قلم شوی کراں گیر   بر نسبت جد، شوی کمانگیر
ناوک زنی و زرہ کشائی   ترکانہ ز مو گرہ کشائی ¶

اسیطرح شیریں فرہاد میں بھی انہوں نے ایک نصیحت نامہ اپنے بیٹے مسعود کو مخاطب کر کے لکھا ہے۔

الا اے مردم چشم گرامی   کہ چوں سعدفلک مسعود نامی
چوں آید پایہ' عمرت بہ دہ سال   زتو دہ گو نہ فرخ شد مرا حال £

آئینہ سکندری میں خسرو نے ایک نصیحت نامہ اپنے بیٹے رکن الدین حاجی کو مخاطب کر کے لکھا ہے۔ یہی وہ امیر حاجی پسر امیر خسرو تھے جو نظام الدین اولیا کی محفل سماع میں غزلخوانی کیا کرتے § اور جن کا مرثیہ خسرو نے نہایت الکمال میں لکھا ہے۔ لیکن اس مثنوی میں انکی عمر چار سال بتائی گئی ہے۔

کنوں کز چہارت فزوں نیست سال   چو سیارہ' خود نداری وبال
چو در چاردہ بدر گردی تمام   ز نقصان کامل نگہدار گام
خدائے کہ اُو مکہ و شام کرد   ترا حاجی از بہر آں نام کرد †

خسرو نے بہت ہی کھل کر خراج عقیدت نظامی کو اپنی مثنوی لیلیٰ مجنوں میں پیش کیا ہے۔ چنانچہ آئینہ سکندری میں بھی چند ابیات نظامی کی مدح میں لکھی ہیں۔ خسرو کی یہ مثنوی انکی پانچوں

---

* مزوران۔ معنی۔ مکار۔

¶ مثنوی لیلیٰ مجنوں مطبوعہ۔ ماسکو ص۔ ۴۸ تا ۶۴

£ شیریں فرہاد۔ علیگڑھ ایڈیشن ص۔ ۳۴۔

§ سیرالاولیاء۔ ص۔ ۳۷۴

† آئینہ' سکندری علی گڑھ ایڈیشن ص۔ ۳۴۔

مثنویوں میں بہت کمزور ہے۔ چنانچہ اسکا احساس انہیں بھی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ میرے حصے میں تو صرف تلچھٹ آئی ہے۔

کنوں بر سریر ہنر پروری　　کنم جلوهٔ ملک اسکندری
ز دانا ہر آں درکہ ناسفتہ ماند　　فشانم بنوعے کہ دانم فشاند
ہنر پرور گنج گویائے پیش　　کہ گنج ہنر داشت ز اندازہ بیش
نظر چوں بریں جام صہبا گماشت　　ستد صافی و درد برما گذاشت

خسرو نے جسطرح کئی اور جگہوں میں اپنے نفس پر نفرین کی ہے اسطرح اس مثنوی میں بھی اسکا اظہار کیا ہے اس سے ان کی نفسی کیفیات کا اندازہ اس عمر میں بخوبی کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ یہ بات بھی ابھرتی ہے کہ اس عمر میں شیخ نظام الدین اولیاء کے زیر اثر، انہوں نے عیش و عشرت کی بہت سی چیزوں کو ترک کر دیا تھا۔ ملاحظہ ہوں چند ابیات۔

بسے خواستم کیں تن ارجمند　　بزندان عصمت کنم شہر بند
نشینم بجائے کہ مردم کم ست　　کشم دامن از ہرکہ درعالم است
ولے چوں ندارم ز توفیق نور　　ز من کے شود ظلمت نفس دور
عنانم چناں در گرفتست دیو　　کہ نگزارد ار خود بر آرم غریو
ضمیرم بہ تشویش دیوان اسیر　　فرشتہ ز دیوان من نفیر
تن من کہ زندان جان کردہ اند　　شیاطین درو خانماں کردہ اند
دروں نفس دشمن سر افراختہ　　بروں سوئے شیطاں کمیں ساختہ
دروں سوئے شہوت گرائی کنم　　بروں دعویٔ پارسائی کنم
لبم شستہ ز الائش مئے دہن　　دلم ہمبراں مستیٔ خویشتن
تنم از شاہدان گشت کوتاہ دست　　نشاط نظر ہمچناں بت پرست
بہ پنجاہ نزدیکم آمد حیات　　ہنوزم نشد توبہ زیں ترہات
جوانیم تا رغبت انگیز بود　　بوصف بتاں خاطرم تیز بود
غزل را چناں جلوہ دادم بگام　　کہ بستم غزالان صحرا تمام

دریغا که دور جوانی گزشت
زمان مئے و کامرانی گزشت
چراغ طرب را فرو برد نور
نشاط حریفاں ز دل گشته دور
دل از رغبت عیش سیراب شد
مزاج از رعونت عناں تاب شد
فرو ماند آواز ساقی ز نوش
سلام صراحی بروں شد زگوش
خرد پخته شد ز آتش طبع پیر
هوس پختن خام رفت از ضمیر *

جسطرح مذکورہ بالا مثنویوں میں انہوں نے کئی پند نامے اپنے بیٹوں کو مخاطب کرکے لکھے ہیں، اسیطرح مثنوی ہشت بہشت میں جو اس سلسلے کی آخری مثنوی ہے انہوں نے ایک پند نامہ اپنی بیٹی عفیفہ کے نام بھی لکھا هے جس میں اس زمانے کے رسم و رواج کے مطابق اپنی بیٹی کو پردے کی سخت تاکید کی هے، موکے سے جھانکنے اور نامحرم اعزا و اقارب کے سامنے آنے سے منع کیا هے۔ اس میں شوہر پرستی کی بھی تعلیم دی گئی هے۔ اس مثنوی کے لکھتے وقت ان کی بیٹی عفیفہ کی عمر سات سال کی تھی۔

اے ز عفت فگندہ برقع نور
هم عفیفه بنام و هم مستور
سالت از هفت بر نرفته هنوز
روشن همچو ماه چارده روز §

مولانا شهاب الدین امام

جس زمانے میں کہ ملک جھجو نے جلال الدین خلجی کے خلاف علم بغاوت بلند کیا هے اور امیر خسرو جلال الدین خلجی کے لشکر کے ہمراہ اودھ کے علاقے میں گئے ہیں تو انہوں نے اس علاقے سے ایک مکتوب بصورت قصیدہ اپنے کسی دوست کو لکھا هے۔ جو خاصا طویل هے۔ اس قصیدے کا خطاب هے "مرقعدالروح" اور لکھا هوا ۶۹۰ هجری کا هے۔

ششصد و نود ایں نکته را بروں دادم
بشرح حالت خویش از دروں پر غوغا

---

* آئینهٔ سکندری مطبوعه علی گڑھ ص- ۲۸۰-۲۸۶

§ ہشت بہشت علی گڑھ ایڈیشن۔

خطاب مرقعدالروح کردش شاید
سموم محرق غم را ز ریح روح فزا
امیدست که گر عمر باشدم برسم
بزودی ، انشاء الله واحد ، به شما

دلی کو یاد کرتے ہوئے اس قصیدے میں انہوں نے اپنے تین بیٹوں ایک حقیقی بھائی اور چند احباء یعنی تاج الدین زاہد ، شہاب الدین اور علی شه کاتب کے نام لئے ہیں - ان تین بیٹوں میں سے صرف دو کے نام لکھے ہیں ، اور اپنے بھائی حسام الدین کو برادر خورد لکھا ہے اور تاج الدین زاہد ، شہاب الدین اور علی شه کاتب کو برادران رضاء قرار دیا ھے -

چونکه اس قصیدے سے اقتباس اس سے پہلے کے صفحات میں دے چکا ہوں اس لئے اسکے دہرانے کی چنداں ضرورت نہیں - صرف شہاب الدین سے متعلق دو ایک شعر نقل کررہا ہوں -

رو ای صبا زمن بنده بندگی برساں
بران برادرو دیگر برادران رضا
یکے سپہرو دقایق شہاب دیں کز صدق
مراست علم که اوراست فضل بر فضلا

برادران رضاء کا مطلب منھ بولے بھائی کا ھے - اس سے انکے تعلقات کا پته چلتا ھے که یه تینوں حضرات تاج الدین زاہد ، علاءالدین علی شه کاتب اور شہاب الدین انہیں کس قدر عزیز تھے - شہاب الدین کا ذکر بقیه تقیه میں شامل ایک قطعه میں بھی ھے - جس سے پته چلتا ھے که انکے دو بیٹے تھے ایک احمد اور ایک نوری -

شہاب الحق زہے ذات منیرت
بنور خویش چوں خورشید مستور

شهابی وز توزاد احمد و، نوری
بنا میزد زہے نور علیٰ نور *

خسرو نے انہیں شہاب الدین سے کسب فیض کرنے کا ذکر دیباچه، غرة الکمال میں کیا ہے -

''بزرگانے که من گدا ، ایں خردهٔ چندرا زدریوزهٔ درہائے ایشاں یافته ام—یکے ازآنہا مولانا شہاب الدین الحق آں شہاب ثاقب که در لطافت طبع آتش پاره ایست و دردل شب روشن ، روش اوازانوار غیب خبر آوردو صد ہزار انجمن راگرم دارد - تا جہانے ازاومقتبس گردد **

چونکه یه مولاناشہاب الدین الحق عربی زبان میں بھی شعر کہتے خسرو نے اسی دیباچه، غرة الکمال میں انکا ذکر دلی کے ان شعرء کے ضمن میں بھی کیا ہے جو فارسی کے علاوه عربی میں بھی شعر کہتے - اور انکی تعریف و توصیف میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے ہیں -

''یکے از آنہا برجیس فلک منزلت شہاب الملت و الدین—که اگر آں سلیمان ممالک سخن را، غریمت جمع کردن دیوان بودے ایں (چنیں؟) راجان از تن رفته درتن حاضر گردانیدے - وامراء القیس جوں قیس مجنوں گشتے - ہر شعربلند شہاب آسمانی است پر کواکب و خلقے دیوانه او - بعفے شیاطین انس سمع می نہند و استراقے می کنند - ازسرقه، ایشاں خدائے نگاه دارد "

خسرو نے غرةالکمال کا دیباچه ٦٩٣ هجری میں تحریر کیا - اس وقت یه شہاب الدین حیات تھے - انکا ذکر ہر جگه زمانه، حاضر میں کیا گیا ہے - مولانا شہاب الدین شیخ نظام الدین اولیاء کے مرید تھے اور

---

* بقیه نقیه - ص ٣٩٧ کلیات خسرو برٹش میوزیم شماره ١٠٣٠، ٢١

** دیباچه، غرة الکمال مطبوعه ص - ٨٥

ایضاً - ص - ٦٣

جب انکے مرید خاص خواجہ محمد نہ ہوتے تو یہ پیش امام کا فریضہ انجام دیتے - یہ بڑے خوش الحان قاری تھے - اور انکی خوش الحانی کا ذکر خسرو نے ہشت بہشت میں اس جگہ کیا ھے جہاں انہوں نے یہ بات لکھی ھے کہ مولانا شہاب الدین نے خمسۂ نظامی کے جواب میں میری پانچوں مثنویوں کو سطر بہ سطر پڑھا اور اسکی اصلاح کی -

چوں ازاو موج زد کلام احد
نفد البحر قبل ان تنفد *

چنانچہ انکے علم فضل، حسن قرآت، سماع سے دلچسپی اور اسکے فن سے واقفیت کی تمام باتیں سیرالاولیاء میں بھی لکھی ہوئی ہیں

"کان ذوق - سایۂ شوق، زاہد با کمال (بنور خویش چوں خورشید مستور- خسرو) یعنی مولانا شہاب الملت والدین حضرت سلطان المشایخ کے (نایب) امام تھے - آپ کی خوش الحانی اس درجے کی تھی کہ مسافر تو درکنار اُڑتے پرندے تھم جاتے - الغرض جب خواجہ محمد اجودھن چلے گئے تو مولانا شہاب الدین انکی جگہ نایب امام بنے - جب سلطان المشایخ کا وصال ہوگیا تو مولانا شہاب الدین دیوگیر چلے گئے - مولانا شہاب الدین سماع میں بدرجہ غایت ذوق حاصل کیا کرتے سماع کی باریکیوں سے بدرجۂ اولیٰ واقف تھے"

انہیں مولانا شہاب الدین امام کو خسرو نے ایک خط عربی زبان میں اعجاز خسروی میں لکھا ھے اور انہیں کی تعریف و توصیف اپنی مثنوی ہشت بہشت میں کی ھے - چنانچہ ثمرات القدس کے مولف مرزالعل بیگ بدخشانی نے خسرو کے مخاطب مولانا شہاب الدین کا تشخص انہیں

---

* ہشت بہشت مطبوعہ علی گڑھ - ص - ۲۲۶ - ۲۲۸

* سیر الاولیاء اردو ترجمہ - ص ۲۵۲ - ۲۵۳

مولانا شہاب دین پیش امام سے کیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ خسرو کو ان سے حد سے زیادہ عقیدت تھی اور وہ انکو اپنا کلام بھی دکھایا کرتے۔ ایم لعل بیگ کے معاصر محمد غوث شطاری مولف گلزار ابرار نے بھی واضح الفاظ میں یہ بات لکھی ہے کہ یہی مولانا شہاب الدین، جو شیخ نظام الدین اولیاء کے مرید اور پیش امام تھے' خسرو کے وہ ممدوح تھے جنکا ذکر ہشت بہشت میں کیا گیا ہے۔

”آپ سلطان نظام الدین اولیاء کے مرید تھے۔ ربانی کلام لفظاً اور معناً ازبر تھا۔ اور ایسی عمدہ طرز سے تلاوت فرماتے تھے کہ سننے والوں کو بزم کایم اللہی میں حاضر ہونے کا مزا آجاتا تھا۔ امیر خسرو کو اپکے ساتھ بہت دلبستگی اور عقیدت تھی۔ انہوں نے اپنے خمسے میں آپ کی بہت تعریف لکھی ہے اور یہ دو تین بیت اسی خمسے کی ہیں۔

چون از او موج زد کلام احد
نفد البحر قبل ان تنفد
شمع من یافتہ ضیا ازوے
مس من گشتہ کیمیا ازوے *

خسرو نے ہشت بہشت کے اختامیہ میں لکھا ہے کہ میں نے اپنی مثنوی مولانا شہاب الدین کی خدمت میں بغرض اصلاح پیش کی۔ انہوں نے نہایت محنت و جانفشانی سے میری مثنویوں کی اصلاح کی۔

من بدو عرض کردہ نامۂ خویش
اوبا اصلاح راندہ خامۂ خویش
دید ہرنکتہ را رقم بہ رقم
رنج بر خود نہاد ومنت ہم

---

* اذ کا را برابر اردو ترجمہ گلزار ابرار مطبوعہ' لاہور ص - ۹۱

** مثنوی ہشت بہشت علی گڑھ ایڈیشن ص - ۲۲۶ - ۲۲۸

شمع من یافته ضیا ازوے
مس من گشته کیمیا ازوے
ہر چه اوگفت من نہادم گوش
بر کشیدم مگس زشربت نوش
صد ہزار آفریں بر آں دل پاک
که بروں برد زیں چمن خاشاک
یارب او چوں زہنچ نامهٔ من
برد بیروں خطائے خامهٔ من *

چونکه خسرو کے بعض سوانح نگاروں نے ہشت بہشت کے مخاطب مولانا شہاب الدین کو شہاب الدین مہمره قرار دیا هے اس لئے یه بتانا ضروری هے که اول تو خسرو نے جہاں کہیں شہاب الدین مہمره کو یاد کیا هے - انکے نام کے آگے مہمره ضرور لکھا هے ثانیاً یه که غرة الکمال کے دیباچه میں جس جگه انکا ذکر کیا گیا هے انہیں زمانهٔ ماضی کا ایک شاعر بتایا گیا هے - ملاخط هو خسرو کی عبارت - ''اما عرف شعررا بر عرف علم رجحان تواں گفت - واز متقدمان و متاخران چندیں علماء که بفنون علم مملوومشحون بوده اندفروترین پایهٔ ایشان انشاء شعربود که جلوهٔ ایشان ہم ازآں پایه دست داد و صورت علم در تتق پشمین اشعار محجوب ماند - از متقدماں چوں مولانا رضی الدین نیشا پوری، ومولانا ظہیر الدین فاریابی و متاخران چوں مولانا شہاب الدین مہمره و مولانا بہاء الدین بخاری که ہر یکے بستان علم را بلبلے بودند، به انشاد مطیر و مشجر گلبانگے دریں حلقهٔ نیلوفری دردادند *

شہاب الدین مہمره کے بارے میں بدایونی منتخب التواریخ میں

---

* دیباچهٔ غرة الکمال مطبوعهٔ - ص - ۲۰

لکھتا ہے کہ وہ سلطان رکن الدین فیروز شاہ بن سلطان التتمش کے زمانے میں تھے - لیکن اس نے انکا کوئی سنہ وفات نہیں لکھا ہے - لیکن خسرو کی عبارت سے یہ بات بلکل واضح ہے کہ دیباچہ' غرۃ الکمال کے زمانہ' تصنیف (۶۹۳ ہجری) میں وہ زندہ نہ تھے اور چونکہ ہشت بہشت ۷۰۱ ہجری میں لکھی گئی ہے اسلئے جس شہاب الدین کا ذکر خسرو نے اس مثنوی میں کیا ہے وہ شیخ نظام الدین کے مرید اور خسرو کے برادر رضاع مولانا شہاب الدین تھے نہ کہ شہاب مہمرہ بدایونی - برنی نے تاریخ فیروز شاہی میں عہد علائی کے علماء کی ایک طویل فہرست دی ہے لیکن اس میں بھی کہیں شہاب مہمرہ کا ذکر نہیں کیا ہے - امید ہے کہ ان سارے اسناد کے پیش نظر اب کوئی شخص مولانا شہاب الدین پیش امام کو شہاب مہمرہ کیسا تھ خلط ملط نہ کریگا - خسرو نے تو شہاب مہمرہ کی صورت بھی نہیں دیکھی تھی ان سے کسب فیض کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے -

سنہ ۷۰۱ ہجری سے لیکر ۷۱۱ ہجری تک کے درمیانی عرصے میں خسرو کی ادبی تخلیقات کا ہمیں زیادہ علم نہیں - ظاہر ہے کہ شاعری کا شغل تو انکی زندگی کے ساتھ تھا - غزل قصائید، قطعات اور رباعیات وغیرہ تو وہ کہتے ہی رہے ہونگے جسکا بیشتر حصہ انکے دیوان بقیہ نقیہ میں محفوظ ہے - لیکن اس درمیانی عرصے میں انکی کوئی بڑی ادبی کاوش نظر نہیں آتی ہے - شاید اس کا سبب یہ ہو کہ زیادہ تر انکا وقت درباری زندگی میں صرف ہوتا - اور ہرچند کہ وہ علاء الدین سے سخت دل برداشتہ تھے لیکن وہ اس کو خوش کرنے کی بھی کوشش کرتے رہتے - جب انہوں نے یہ دیکھا کہ انکے اشعار کا اسپر کوئی خاص اثر نہیں ہوتا

تو ہے انہوں نے اسکے عہد کی تاریخ نثر میں لکھنی شروع کی اور اپنی نثر سے اسے متاثر کرنا چاہا۔

علاءالدین اپنی مہمات میں بڑا خوش قسمت رہا اسکو جہاں ایک طرف مغرب میں مغلوں کے خلاف پے در پے فتوحات حاصل ہوئیں وہاں دکن میں بھی مسلسل فتوحات حاصل ہوتی رہیں۔ چنانچہ خسرو نے سنہ ٦٩٥ ہجری سے لیکر جب کہ علاءالدین تخت شاہی پر بیٹھا ہے اور سنہ ۷۱۱ ہجری تک، جبکہ انہوں نے یہ کتاب خزائین الفتوح ختم کی، اسکی تمام فتوحات کو تاریخ وار بیان کیا ہے۔ ہر چند کہ ضیاءالدین برنی بھی اس زمانے میں جوان تھا اور اس نے علائی عہد کی جو تاریخ لکھی ہے وہ بھی خاصی معتبر ہے تاہم خسرو کی تاریخ علائی اس سے زیادہ معتبر ہے کیونکہ ان کا تعلق براہ راست علاءالدین کے دربار سے تھا۔ یہ تاریخ ہمارے مورخوں کے لئے زیادہ مفید ہوتی اگر اسے قدرے آسان نثر میں لکھا گیا ہوتا۔ لیکن خسرو نے اسے تاریخ کی ایک کتاب بنانے کے بجائے اپنے کمال نثر نگاری کے اظہار کا ایک ذریعہ بنایا۔ یہ ایک عجیب معاملہ ہے کہ برنی تو علاءالدین کو امی بتاتا ہے، لیکن خسرو اپنے قصاید میں اسے اس طرح یاد کرتے ہیں جیسے کہ وہ بڑا سخن فہم اور سخن سنج ہو۔ چنانچہ خزائین الفتوح کے دیباچے میں بھی اسے اس طرح یاد کیا ہے جیسے وہ بڑا صاحب علم و فضل ہے اور وہ انکی اس نثر کی واقعتاً داد دے سکتا ہے۔

ہوسکتا ہے کہ برنی نے علاءالدین کو اُمی از روئے تحقیر لکھا ہو۔ کیونکہ تاریخ فرشتہ کا مولف لکھتا ہے کہ اس نے سلطنت سنبھالنے کے بعد لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا۔ سوال یہ ہے کہ اگر وہ اقعتاً امی تھا جیسا کہ برنی لکھتا ہے تو پھر اس کے دربار میں اتنے بہت سے شعراء اور فضلا کا جمگھٹا کس لئے تھا۔ اور اتنے بہت سے کتابخوان اسکے

دربار میں کس مقصد کیلئے تھے جنکی برنی نے ایک لمبی چوڑی فہرست دی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اکبر بادشاہ کی طرح اپنا علم کتاب خوانوں کی مدد اور دانشوروں کی بحث و مباحثے سے حاصل کیا کرتا۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو خسرو اسکے علم و فضل کی اتنی تعریف نہ کرتے جتنی کہ انہوں نے مختلف جگہوں میں کی ہے - (خزائین الفتوح، اعجاز خسروی، مثنوی عرض حال) -

رہ گیا یہ معاملہ کہ خسرو کو اس کے دربار سے انعام و اکرام بہت کم ملے۔ جسکا اظہار برنی نے بھی کیا ہے تو اسکا اطلاق اسکے عہد سلطنت کے اولیں برسوں پر ہوتا ہے۔ کیونکہ بعد کے زمانے میں تو اس نے خسرو کو بہت کچھ دیا جیسا کے خسرو خود اسکے معترف ہیں۔

از آں پس کہ درشہ ستائی شدم
تو نگر ز گنج علائی شدم *

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ خزائین الفتوح کے لکھنے پر انہیں انعام و اکرام خاصا ملا۔ خزائن الفتوح معناً ایک تاریخی کتاب ہے مورخین نے اس سے خاصا استفادہ بھی کیا ہے لیکن چونکہ اس کی عبارت مشکل ہے اس لئی بہت سی باتوں کو سمجھنے سے وہ قاصر بھی رہے ہیں، جہاں تک کہ اسکے اسلوب کا تعلق ہے اس میں خسرو نے ایک نیا تجربہ کیا ہے۔ ہر پیراگراف کیلئے ایک نیا استعارہ استعمال کیا ہے۔ اس کتاب کے مطالعے سے یہ پتہ چلتا ہے گہ خسرو بادشاہ کے ہمراہ فتح چتوڑ کی مہم میں تھے اور بعد فتح اس شہر کا نام خضرا باد رکھا گیا تھا۔ چتوڑ ۱۱ محرم ۷۰۳ ہجری کو فتح ہوا -

خزائین الفتوح لکھنے کے چار سال بعد سنہ ۷۱۵ ہجری میں خسرو نے ایک منفرد مثنوی دول رانی اور خضر خان لکھی۔ اس میں انہوں نے خضر خان اور دول رانی کے قصۂ عشق کو بیان کیا ہے۔

---

* مثنوی نہ سپہر مرتبۂ وحید مرزا۔ ص۔ ۴۸

چونکہ ان دونوں کا قصہ عشق خسرو کی معاصر تاریخ کا ایک واقعہ ہے اور اس میں جن شخصیتوں کا ذکر آیا ہے اور جو واقعات بیان کئے گئے ہیں وہ سب تاریخی اور حقیقی ہیں اس لئے اس مثنوی کو بھی تاریخی قرار دیدیا گیا ہے ۔ مگر اس مثنوی کا اختتامیہ سلطان غیاث الدین تغلق کے عہد میں لکھا گیا ۔ اس اختتامیہ میں خسرو نے خضر خان کے المناک انجام کو بیان کرتے ہوے اس درمیانی عرصے کی پوری تاریخ بیان کردی ہے جو علاء الدین خلجی کی بیماری سے لیکر، ملک کافور کے نائب سلطنت ہونے اور خضر خان کو ہلاک کئے جانے تک کی ہے ۔ خضر خان نے خود اپنے اس افسانہ محبت کا مسودہ امیر خسرو کو دیا تھا تا کہ وہ اسے نظم کریں ۔ اصل مسودے میں ہندوئی الفاظ بہت زیادہ تھے ۔ خسرو نے ان میں سے چند ہندوئی الفاظ جابجا استعمال کئے ہیں ۔ اس قصے سے لطف اندوز ہونے کے لئے اس کے پس منظر کو جاننا ضروری ہے ، لیکن اس سے پہلے میں کچھ امیر خسرو اور خضر خان کے تعلقات پر روشنی ڈالنا چاھونگا ۔ خضر خان کو جہاں شعر و شاعری سے شغف تھا وہاں اسکو تصوف سے بھی ایک گونہ لگاؤ تھا ۔ وہ پیروں کا بڑا معتقد تھا اور شیخ نظام الدین اولیاء سے بھی عقیدت رکھتا تھا ۔ چنانچہ امیر خسرو اس سے خاصی امیدیں وابستہ کئے ہوئے تھے اور لازمی طور سے یہی سمجھتے تھے کہ علاء الدین خلجی کے بعد وہی وارث تاج و تخت ہوگا کیونکہ علاء الدین نے اپنی زندگی ہی میں اسے ولیعہد بنا دیا تھا چنانچہ انہوں نے ایک دو قصاید بھی اسکی مدح میں لکھے ہیں ۔

حیات خضر خواہد خسروت در ملک با حشمت
ہزاراں مردم دیدہ ، ز نسل خضر خان بیند ۔

مگر ملک کافور نے خسرو کی ان ساری امیدوں پر پانی پھیر دیا ۔ اس نے اول خضر خان کو ولیعہدی سے ہٹایا پھر اسے نابینا کروا دیا ۔ بہرحال یہ خوبرو اور عاشق مزاج شہزادہ جسکے بارے میں خسرو لکھتے ہیں

بدستش طرۂ سیمیں عذاراں   چوں سبحہ در کف پرہیزگاراں

اپنے زمانۂ ولی عہدی (۷۱۲ ہجری) سے پانچ چھہ سال پہلے گجرات کے راجہ کرن رائے کی بیٹی دول دیوی پر عاشق ہوگیا تھا۔ اس وقت دول دیوی اپنی ماں کملا دیوی کے زیر عاطفت علاءالدین خلجی کے محل میں پرورش پارہی تھی۔ کملا دیوی، اصلاً کرن رائے والیٔ گجرات کی بیوی تھی۔ جب علاءالدین کے دو نامور سپہ سالار الغ خان اور نصرت خان نے ۶۹۸ ہجری میں گجرات فتح کیا تو کرن رائے اپنی بیٹی دول دیوی کو ساتھ لیکر گجرات سے فرار ہوگیا، لیکن اسکی بیوی کملا دیوی انکے ہاتھ آئی۔ سلطان علاءالدین نے کملا دیوی کو اپنے حرم میں ڈال لیا۔ کچھ دنوں کے بعد کملا دیوی نے سلطان سے یہ خواہش ظاہر کی کہ جس طرح ممکن ہو اسکی بیٹی دول دیوی کو بازیاب کیا جائے چنانچہ سلطان نے ایک لشکر دکن میں اس مقصد کیلئے بھیجا۔ کرن رائے کا قصہ یہ ہے کہ وہ گجرات سے بھاگ کر دیو گیر کے مرہٹہ راجہ رامچندر کی پناہ میں چلا گیا تھا اور اس علاقے میں مضبوط قلعے وغیرہ تعمیر کر لئے تھے۔ انہیں دنوں میں راجہ رامچندر کا بیٹا شنکر دیو کرن رائے کی بیٹی دول دیوی پر عاشق ہوگیا اور اس سے شادی کرنے کا خواستگار ہوا۔ پہلے تو کرن رائے نے یہ نسبت نامنظور کردی، لیکن جب اسے یہ معلوم ہوا کہ لشکر شاہی اسکی تلاش میں نکلا ہے تو اس نسبت پر رضامند ہوگیا چنانچہ شنکر دیو نے اپنے بھائی بھیم دیو کو اس مقصد کے لئے بھیجا کہ وہ دول دیوی کو کرن رائے کے گھر سے رخصت کرواکے لائے۔ بھیم دیو راستے میں تھا کہ اتفاقاً شاہی لشکر کے ایک دستے سے اسکی مڈبھیڑ ہوگئی۔ اس مڈبھیڑ میں دول دیوی گرفتار ہوئی جب شاہی لشکر کے سردار کو یہ معلوم ہوا کہ وہ کملا دیوی کی بیٹی ہے تو اس نے فوراً اسے دہلی بھیج دیا۔ اس واقعے کو مولف تاریخ فرشتہ نے قاضی احمد غفاری مولف جہاں آرا کے حوالے سے بیان کیا ہے اور غالباً کیمبرج ہسٹری آف انڈیا۔ (ج - سوم ، ص - ۱۱۲ ، ۱۱۳)

میں اس واقعے کو تاریخ فرشتہ ہی سے نقل کیا گیا ھے۔

خسرو نے اس حکایت میں جزوی ترمیمات کے ساتھ ساتھ یہ خاص اضافہ کیا ھے جو ایک تاریخی واقعہ ھے کہ جب خضر خان کی والدہ ملکۂ جہاں کو اس کا علم ھوا کہ خضر خان اور دیول رانی کے درمیان معاشقہ چل رہا ھے تو اس نے جلدی سے خضر خان کی شادی، اپنے بھائی الپ خان کی بیٹی سے کروا دی۔ مگر جب خضر خان کے عشق کی آگ اس سے سرد نہ ہوئی اور اسکا اصرار دیول دیوی سے شادی کرنے کا بڑھا تو ملکہ جہاں بھی بالآخر اسکی دوسری شادی پر رضامند ھوگئی، اور پھر بڑے دھوم دھام سے دونوں کی شادی رچائی گئی۔ قصہ ان دونوں کی محبت کا اس شادی پر ختم ھوجاتا ہے۔ اور جو کچھ کے بعد کے زمانے میں ملک کافور کی سفا کیوں سے خضر خان اور دیول رانی پر بیتی اس کا اضافہ خسرو نے خضر خان کی وفات کے بعد کیا ھے۔

خسرو کی یہ مثنوی جسکا دوسرا نام عاشقہ ہے کچھ اسی داستان محبت کی وجہ سے مشہور نہیں ھے بلکہ اس کی شہرت کے کچھ اور بھی اسباب ہیں۔ یہ ایک دستاویزی فلم ھے جس میں اس زمانے کی سماجی زندگی کی بہت سی جھلکیاں ملتی ہیں۔ اس مثنوی میں خسرو کی حب الوطنی بھی اپنے شباب پر نظر آتی ھے۔ خسرو نے اس مثنوی میں علاءالدین کی مدح میں جو نظم کہی ھے اس میں انہوں نے علاءالدین کو ظل اللہ کے خطاب سے سرفراز کیا ھے۔

زہے چتر بلند گوہر بینش کہ ظل اللہ بود سایہ نشینش

اس سے پہلے خسرو نے کسی اور بادشاہ کو ظل اللہ کے القاب سے سرفراز نہیں کیا ھے۔ اور نہ کسی اور مورخ نے اس سے پہلے سلاطین دہلی کو ظل اللہ لکھا ھے۔ اسی نظم میں خسرو نے علاءالدین کو کچھ نصیحتیں بھی کی ہیں جس سے انکی اخلاقی جرأت کا پتہ چلتا ہے۔ انہیں

نصیحتوں میں انہوں نے اسکو شراب کم کم پینے کی ہدایت کی ہے۔ اس سے اس بات کا پتہ چلتا ہے جسے مورخین نے نظر انداز کیا ہے کہ شراب نوشی کا اس نے حکم امتناعی دوسروں کیلئے نافذ کیا تھا، خود اس پر عمل پیرا نہ تھا بہرحال خسرو نے اسکے مذہبی انہماک کو بھی بیان کیا ہے اور یہ اثر پیدا کرنا چاہا ہے کہ اگر امام ابو حنیفہ کے فقہ میں ''ذمی'' کا تصور نہ ہوتا اور صرف اسلام اور تلوار کے درمیان انتخاب ہوتا تو وہ سارے ہندؤں کو مسلمان کر ڈالتا۔

بذمہ گر نبودی رخصت شرع　　نماندے نام ہندو ز اصل تا فرع

خیر مدح میں تو ایسی باتیں ہوتی ہی ہیں۔ خسرو نے اس مثنوی میں سرگزشت خویش کے تحت مغلوں کے ہاتھ سے اپنی رہائی کا حال بھی بیان کیا ہے۔ اسکے علاوہ حسینان ہند کی مدح میں بہت کچھ لکھا ہے، ہندی عورتوں کو دنیا بھر کی عورتوں سے زیادہ حسین بتایا ہے۔

بتان ہند را نسبت ہمین ست
بہر یک موئے شان صد ملک چین ست
چہ گیری نام از یغما و خلخ
کہ غالب تیز چشم اند و ترش رخ
چہ یاد آری سپید و سرخ را روئی
چو گلہائی خراسان رنگ بے بوئی
لب تا تار خود خندان نباشد
ختن را خود نمک چندان نباشد
سمرقندی و انچہ از قندھارند
بجز نامی ز شیرینی ندارند

اسطرح ہندوستان کی ہندی زبان، وہاں کے چرند و پرند اور پھل پھول ہر ایک شے کی تعریف کی ہے اور ہندوستان کو ''بہشت بر روئے زمیں'' اور

دنیا کا سواد اعظم اسکے سیہ گوں رنگ کی وجہ سے قرار دیا ہے۔

سیہ گویند ہند و ہمچنیں ہست
سواد اعظم عالم ہمین ست
بہشتے فرض کن ہندوستان را
کز آنجا نسبتست ایں بوستان را

یہ مثنوی انہوں نے ۷۱۵ ہجری میں چار ماہ اور چند روز کے عرصے میں لکھ ڈالی تھی۔

بقدر چار ماہ و چند روزی
فروزاں شد چناں گیتی فروزی
مورخ چوں شمار سال وے کرد
عطارد برسر ذوالقعد ہے کرد
وگر تاریخ بکشایند زابجد
ز ہجرت پانزدہ گیرند ہفصد

خسرو سلطان قطب الدین مبارک شاہ خلجی کے دربار میں

کہا نہیں جاسکتا ہے کہ خسرو نے جو یہ مثنوی ۷۱۵ ہجری میں لکھی خضر خاں کو اسکا دیکھنا نصیب ہوا کہ نہیں کیونکہ یہ مثنوی پایۂ اختتام کو ذیقعد کے مہینے میں پہنچی اور علاء الدین کی موت ۷ شوال ۷۱۵ ہجری کو واقع ہوئی۔ اس وقت شہزادہ گوالیار کے قلعے میں نظر بند تھا۔ علاء الدین کی موت کے فوراً بعد ملک کافور نے اپنے ایک غلام سنبل نامی کو گوالیار اس لئے روانہ کیا کہ وہ خضر خاں کو اندھا کردے۔ چنانچہ ادھر سنبل اس کام کے لئے روانہ ہوا اور ادھر اس نے علاء الدین کے ایک خورد سال بیٹے شہاب الدین کو تخت شاہی پر بٹھا کر خود نائب سلطنت بن بیٹھا۔ لیکن ملک کافور صرف ۳۵ دن تک اس عہدے پر رہا کہ علائی ملوک و امراء

نے ملک کافور کا کام تمام کردیا ۔ اور علاء الدین خلجی کے ایک جوان سال بیٹے ملک مبارک خاں کو اول نائب سلطنت بنایا پھر مھینے ڈیڑھ مھینے کے بعد ۲۴ محرم ۷۱۶ ھجری کو اسے باقاعدہ تخت شاھی پر بٹھا دیا ۔ سارے ملک میں خوشیاں منائی گئیں کہ بہ یک وقت جہاں علاء الدین کی سخت گیری سے نجات ملی وھاں ملک کافور کی چیرہ دستیوں اور اس کی سفلگی سے بھی چھٹکا رہ ملا ۔

مبارک خاں تخت شاھی پر بیٹھنے کے بعد سلطان قطب الدین مبارک شاہ خلجی کے لقب سے مشہور ھوا ۔ یہ جوان سال شہزادہ عیش و عشرت ، شعر و نغمہ اوو شاھدومئے کا بڑا دلدادہ تھا ۔ اس نے سلطان علاء الدین کے عہد حکومت کی تمام بندشوں کو اٹھا دیا ۔ سزاؤں کو نرم کردیا ۔ اس کے نتیجے میں پھر خوشحالی اور عیش و نشاط کا دور لوٹ آیا ۔ خوشحالی کے لوٹنے کا بنیادی سبب یہ تھا کہ معاشرے میں صارفین کی اقتصادیات کو زیادہ دخل تھا ۔ جسقد ر زیادہ روپیہ صرف کیا جاتا ، اسراف سے کام لیا جاتا ۔ داد و دھش اور جود و سخا سے کام لیا جاتا انتاہی زیادہ روپیہ گردش میں ھوتا اور عوام تک پھونچتا ۔ علاء الدین خلجی کی پالیسی اس کے بر خلاف تھی ۔ وہ مقدم ، سردار ، تاجروں کو غریب رکھ کر اپنی حکومت کا استحکام چاہتا تھا اور شراب اور عیش و نشاط کی محفلوں پر اس لئے پابندی عائد کر رکھی تھی کہ ان محفلوں میں سازش کی باتیں ھوا کرتیں ۔ اس کے نتیجے میں روپیہ کی گردش رک گئی تھی اور وہ عوام تک پھونچ نہ پاتا ۔ چنانچہ جب قطب الدین خلجی نے وہ ساری بندشیں اٹھادیں ، یا انہیں اپنی بے اعتنائی سے سرنے دیا تو پھر زر گردش میں آگیا ۔ چنانچہ برنی لکھتا ھے کہ ''سلطان علاء الدین کے مرنے پر سوداگر خوشیاں منانے لگے ۔ مزدوروں کی اُجرت چوگنی ھوگئی ۔ نوکروں کی تنخواہیں دس بارہ تنکے سے بڑھکر ستر اسی تنکے ھوگئی ۔ اور محصولوں کی کمی سے مقدموں ، مکھیا اور سرداروں کی زندگی آرام سے گذرنے لگی ۔ علماء کے وظائف اور لشکریوں کی تنخواہیں

بڑھادی گئیں ۔ جو زمینیں زبردستی خالصہ میں شامل کرلی گئیں تھیں انہیں ان کے مالکوں کو لوٹا دی گئیں ۔ سخت سزاؤں کو منسوخ کردیا گیا ۔ اب گلی کوچوں ، گھروں کے اندر اور باہر روپیہ ، سونا چاندی دکھائی دینے لگا ۔ لوگوں کو خوف و ہراس سے نجات ملی ۔ جو کام وہ پہلے خوف سے نہ کرتے یا چھپ کر کرتے اب اعلانیہ کرنے لگے ۔ اکثر لوگوں نے توبہ توڑ دی ۔ مسجدیں بے جماعت ہونے لگیں ۔ شاہد و شراب کی محفلیں گھروں میں پھر آراستہ ہونے لگیں ۔ سب خوبرو اور گانے والے شہر میں آگئے ، کم عمر غلام ، خوبصورت خواجہ سرا اور حسین کنیز ہائے کناری کی قیمتیں ان کے مانگ کی بڑھ جانے سے عہد علائی کی قیمتوں سے کئی گنا زیادہ ہوگئیں ۔ " *

خسرو شاعر بھی تھے اور مغنی بھی ۔ شعر و شاعری اور راگ و رنگ کے اس ماحول میں خسرو کی قسمت ایک بار پھر جاگ اٹھی ۔

فلک چوں مرا کارپرداز شد   در دولتم ز آسماں باز شد
بتدبیر من بخت برکار بود   کہ من خفتہ و بخت بیدار بود**

چنانچہ ایک روز انہوں نے خواب میں یہ دیکھا کہ ایک ابر اٹھا ہے اور وہ موتیوں کی بارش سب پر کر رہا ہے لیکن انکے سر پر اتنے موتی برسائے کہ وہ ان کی چوٹ سے بیتاب ہوکر جاگ اٹھے ۔ اس خواب کی تعبیر خسرو نے یہ لگائی کہ وہ ابر گوہر فشاں بجز بادشاہ کے بھلا اور کون ہوسکتا ہے ۔ چنانچہ چند روز کے بعد فرمان شاہی پہونچا کہ ۔

کہ بزم ممالک خداوند را   نگارش کن ایں ساقیٔ چندرا***

مراد اس سے یہ ہے کہ بادشاہ کی بزم نشاط کے لئے ساقی نامہ

---

* تاریخ فیروز شاہی ۔ اردو ترجمہ ۵۵۳ - ۵۵۶

** مثنوی نہ سپہر ۔ ص ۔ ۳۵

*** ایضاً ۔ ص ۔ ۳۷

لکھو یا کوئی ایسی غزل کہو جس میں ساقیان شاہ کے خال و خد کی مدح ہو - چنانچہ انہوں نے دو ساقی نامے لکھے اور بادشاہ کی خدمت میں ارسال کیا -

قلم شد چو مشاطہ در خال شان
بصد جان خرد گشت دلال شان
روان کردم از جلوہ گاہ نہان
سوئے مجلس تاجدار جہان*

بادشاہ کو خسرو کے یہ ''ساقیانے'' - ع
زمن ساقیانے کہ جست است شاہ** بہت پسند آئے اور اس نے خسرو کی توقعات سے زیادہ انعامات دئے -

حد من تمنائے درویش بود   عطائے شہ اندازۂ خویش بود***

خسرو کی قسمت انکی یاوری پر پوری طرح تلی ہوئی تھی - وہ ابھی اس انعام و اکرام سے مسحور ہی تھے کہ چند روز کے بعد دوسرا فرمان شاہی آیا کہ بادشاہ نے خسرو کو اپنے دربار میں بوقت چاشت طلب کیا ہے -

ہنوز در اندیشہ بود این شگفت
کہ بخت آمد و گوش جانم گرفت
کہ دولت دگر بار دکان کشاد
بر اہل سخن گنج احسان کشاد****

---

* ایضاً - ص - ۳۹

** فارسی میں ساقیان لہجہ گانے والے کو کہتے ہیں - (اسٹن گاس) ممکن ہے کہ خسرو کا اشارہ کسی مخصوص قسم کے گانے کی طرف ہو - اسی زمانے میں خسرو نے ترمتی خاتون مشہور مغنیہ کو بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا تھا (اعجاز خسروی)

*** ایضاً - ص - ۴۱

**** ایضاً - ص - ۴۲

خسرو اس دن کی آرزو میں تو بیٹھے ہی ہوئے تھے، بن سنور کے پہونچے۔ جب دربار میں حاضر ہوئے تو حاضرین دربار سعدی و سنای کی شاعری کا موازنہ و مقابلہ کر رہے تھے۔ اس پر بادشاہ نے کہا کہ جبتک کہ شعراء کی سرپرستی صاحب ثروت و دولت نہیں کرتے ہیں، شاعری ترقی نہیں کرتی ھے۔ اور پھر اسی ضمن میں سلاطین سلف کی سخن پروری اور داد و دہش کا ذکر کیا۔ اور یہ حرف شیریں اپنی زبان پر لایا کہ ھم کس سے کم ہیں، جو کوئی ہماری فتوحات کو رقم کریگا ہم اسکو ''پیل بار"۔ نہیں بلکہ بار پیل کے برابر زر و جواہر تول کر دینگے۔

بتاریخ همچو من اسکندری کند ہر کہ آرایش دفتری
ز گنج گرا نمایۂ بے شمار دہم بار پیلش نی' پیل بار
سرا خود دریں رہ پدر شد دلیل کہ سی داد زر، هم ترازوئے پیل
چوں میراث شد پیل زر دادنم نہ زیباست زیں سہل تر دادنم*

امیر خسرو کے بعض سوانح نگار بادشاہ کی اسی گفتگو کو لے اڑے ہیں اور اپنے تذکروں میں یوں لکھدیا کہ "امیر (خسرو) نے جب ۷۱۸ ھجری میں اپنی مثنوی نہ سپہر بادشاہ کی خدمت میں پیش کی تو اس نے ہاتھی کے برابر تول کر روپئے دے۔"** یہ بیان ھمارے علامہ شبلی مرحوم کا ھے۔ بادشاہ نے جو کچھ کہا آیا اس کے مطابق خسرو کو دیا کہ نہیں۔ اس کی گواہی بجز خسرو کے اور کون دے سکتا ھے۔ چنانچہ خود خسرو نے یہ بات کہیں نہیں لکھی ھے کہ مجھے سلطان نے ہاتھی کے برابر سونا تول کر دیا۔*** انھوں نے تو سلطان

---

* مثنوی نہ سپہر۔ مولفۂ ڈاکٹر وحید مرزا۔ ص۔ ۴۶

** شعر العجم۔ حصہ دوم۔ مطبوعہ تاج بک ڈپو لاھور۔ ص۔ ۹۳

*** ایک جگہ خزائین الفتوح میں علاءالدین کے جود و سخا سے متعلق خسرو نے یہ بات بیشک لکھی ھے کہ اس نے ایک گرانڈیل ھاتھی کو ایک کشتی میں وزن کر کے، اس وزن کے برابر سونا غربا میں تقسیم کیا اور اسی بات کی طرف اشارہ مذکورہ بالا ابیات میں ھے۔

کی گفتگو کو نقل کیا ہے ۔ اور اپنے انعام و اکرام کے بارے میں صرف اتنا لکھا ہے ۔

شد اکنوں که اقبال ہمدم مرا   نوازنده شد قطب عالم مرا
چنیں بخششے کز تو جم یافتم   ز شاہان پیشینه کم یافتم
کنوں لابد از سحر سنج کہن   با اندازۂ بخشش آمد سخن *

اب اس افسانے کو یہیں چھوڑ کر کچھ اس موضوع پر گفتگو کرنا چاہیں گے که امیر خسرو سلطان قطب الدین کے دربار سے کس زمانے میں وابسته ہوئے اور یه مثنوی کب لکھی گئی اور اسکے مشمولات کیا ہیں ۔

قطب الدین مبارک شاه خلجی ۲۴ محرم ۷۱۶ هجری کو بقول خسرو تخت شاهی پر بیٹھا ۔

شدش روز یکشنبه ایں اختیار
ز ماه محرم شده بست و چار
سنه شانزده بعد ہفصد شده
بشارت ده ملک سرمد شده £

لیکن برنی نے اس کا سنه جلوس ۷۱۷ هجری لکھا ہے جو غلط ہے - اس لئے برنی اور خسرو کے بیانات میں ایک سال کا یا اس سے زیاده کا فرق کئی باتوں میں ملے گا ۔ برنی نه تو درباری مورخ تھا اور نه سلطان کے دربار سے وابسته تھا اس لئے تاریخ کی صحت سے متعلق اس کے بیانات کی وه اہمیت نہیں ہے جو خسرو کے بیانات کی ہے ۔ برنی نے قطب الدین خلجی کے عہد کے واقعات بہت ہی مختصر لکھے ہیں اور اس نے بہت سی باتوں کو چھوڑ دیا ہے ۔ برنی لکھتا ہے که سلطان

---

* مثنوی نه سپہر - مولفه وحید مرزا - ص - ۴۸-۴۹

£ نه سپہر - ص - ۵۱

دیوگیر کی بغاوت کو فرو کرنے کیلئے وھاں ۷۱۸ ھجری میں گیا ۔ یه صحیح نہیں ھے کیونکه امیر خسرو نے اپنی مثنوی نه سپہر جمادی الاخر ۷۱۸ ھجری میں مکمل کی اور اس میں دیوگیر اور تلنگانه کے معرکوں کے علاوہ ، دیوگیر میں سلطان کے قیام اور پھر سلطان کی واپسی کے سارے احوال لکھے ہیں ۔ اس میں سلطان قطب الدین کے بیٹے سلطان محمد کی پیدائش اور اس سے متعلق تمام تقریبات اور جشن کے حالات بھی لکھے ہیں ۔ خسرو لکھتے ہیں که سلطان قطب الدین دیوگیر سے دھلی کیلئے جمادی الاخر کے مہینے میں روانه ہوا ۔

سوئے برج دولت در آخر جماد
رواں شد بدولت که پاینده باد *

اور تمام مورخین اس امر پر اتفاق کرتے ہیں که سلطان قطب الدین نے دیوگیر میں کچھ مدت قیام کیا ۔ † اس کے یه معنی ہوے که سلطان ۷۱۸ ھجری میں دیوگیر نہیں گیا ۔ کیونکه خسرو نے اپنی مثنوی جمادی الاخر ۷۱۸ ھجری میں مکمل کی اور اس میں سلطان کے واپس آنے اور پھر بعد کے واقعات بھی لکھے ھوئے ہیں اس سلسلے میں صرف خسرو ہی کے بیانات صحیح ہیں ۔ خسرو نے یه تو نہیں لکھا که سلطان کس سنه میں دیوگیر کیلئے روانه ھوا ۔ لیکن یه بات ضرور لکھی ھے که جب اس نے اس قلعے کی تعمیر مکمل کرلی جس کی بنیاد علاء الدین نے رکھی تھی ۔ اور جب اس جامع مسجد کا ایک محراب بن چکا تھا جس کی تعمیر کا کام اس نے شروع کروایا تھا تو بادشاہ نے کشور کشائی کا عزم کیا ۔

---

* مثنوی نه سپہر ۔ ص ۔ ۱۳۶

† کیمبرج ھسٹری آف انڈیا ۔ حصه سوم ۔ ص ۔ ۱۲۱

چون محراب بیت الخلافہ بر آمد
در آمد خلیفہ چون جمعہ درآمد
د رو روز آدینہ را کرد گلشن
ز نور تعبد چو خورشید روشن
دم خطبہ چون کرد بر خود مبارک
بر آمیخت بر کار شاہی پلارک
مصمم شدش عزم کشور کشائی
کہ کوشد در اظہار امر خدائی
من ایں ماجرا در سپہر نخستیں
ہمہ گفتہ ام جنبش شاہ و تمکیں*

چونکہ سلطان قطب الدین نے تخت شاہی پر بیٹھنے کے بعد سب سے پہلے یہی دو کام انجام دے کہ اس قلعے کو مکمل کرایا جسکی بنیاد علاء الدین نے رکھی تھی اور ایک جامع مسجد کے تعمیر کئے جانے کا حکم دیا۔ اس لئے قرائین یہی بتاتے ہیں کہ وہ اپنے پہلے سنہ جلوس سنہ ۷۱۶ ہجری کے اواخر میں دیو گیر کی مہم پر روانہ ہوا ہے۔ اور وہاں سے کچھ مدت قیام کرنے کے بعد جمادی الاخر سنہ ۷۱۷ ہجری میں دلی کیلئے روانہ ہوا ہے اور دو تین مہینے کے بعد دلی پہونچا ہے۔ اس طرح دیوگیر میں قیام کرنے کی مدت ایک سال کی نہیں بلکہ پورے سفر کی مدت کم و بیش ایک سال کی قرار دی جا سکتی ہے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا امیر خسرو سلطان قطب الدین کے ہمراہ دیوگیر گئے تھے۔ اگر ان کا وہاں لشکر شاہی کے ہمراہ جانا ثابت ہوتا ہے تو پھر یہ ماننا پڑیگا کہ انہوں نے سلطان کی ملازمت اسکے سنہ جلوس کے پہلے ہی سال میں اختیار کرلی

---

* مثنوی نہ سپہر - ص - ۷۹ - ۸۰

تھی۔ اور اگر امیر خسرو کا شاہی لشکر کے ہمراہ دیوگیر کا جانا ثابت نہیں ہوتا ہے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے دیوگیر سے واپسی کے بعد سلطان کی ملازمت اختیار کی ہے۔ لطف یہ ہے کہ مثنوی میں دونوں قسم کے اشارات ملتے ہیں۔ خسرو نے جہاں یہ سرخی قایم کی ہے۔ آہنگ خان خسروی از بندگیٔ شاہ بر عزم نہب را گھو و گبران خاکسار۔“ اسکے سیاق و سباق میں کہتے ہیں۔

من از دیدۂ خویش گویم سخن
نہ ز افسانہ و داستان کہن
عجب عرصۂ شد حد دیو گیر
کہ کم گنجد او صافش در ضمیر *

اسکے علاوہ خسرو نے اپنے ایک قصیدے ”در مدح سلطان قطب الدین مبارک خلجی و قلعۂ قطب آباد“ میں وہاں کی اُن تعمیرات کا ذکر کیا ہے جو سلطان قطب الدین نے اپنے قیام دیوگیر میں بنوائی تھیں۔

قصر زر شاہ اے فلک فردوس نورافشاں نگر
ہر دمش دولت زارکان دولت بہ چارارکان نگر
حوضش مصفا کوثری قعرش گزشتہ از ثری
آب از مزۂ جاں پروری چوں شربت حیواں نگر
جامع چو تا حوت از سمک بالا رود گوید ملک
کیں بیت معمور از فلک رفتہ بہ ہندستاں نگر
خیزد منارہ تا بمہ وز نرد باں بر چرخ رہ
زینساں محالے از امرشہ درحیز امکاں نگر §

---

* نہ سپہر۔ ص۔ ٦٣

§ نہایت الکمال مطبوعہ ص۔ ٣٢

یہ بات کہ سلطان قطب الدین نے دیوگیر میں کچھ مدت قیام کیا اور وہاں ایک جامع مسجد اور دوسری عمارتیں بنوائیں اسکا نوٹس کیمبرج ھسٹری آی انڈیا کے مولف نے بھی لیا ھے۔ لیکن اس نے دیوگیر کا بدلا ھوا نام قطب آباد کے بجائے دولت آباد لکھا ھے جو صحیح نہیں ھے کیونکہ اس کا دولت آباد نام سلطان محمد ابن تغلقشاہ نے رکھا تھا۔ نہ کہ سلطان قطب الدین نے بہر حال اس غلطی کو صرف نظر کرتے ھوئے اسکا بیان ملاحظہ ھو۔

مبارک خاں (قطب الدین مبارک شاہ خلجی) نے سنہ ۱۳۱۸ء کی برسات کا موسم دیوگیر میں گزارا۔ اس نے اپنے دیوگیر کے سفر میں وہاں ایک جامع مسجد تعمیر کروائی جو آج بھی دولت آباد کے حصار شہر میں (دیوگیر کا تبدیل کیا ھوا نام) موجود ھے۔ اس مسجد کی تعمیر میں وہاں کے منہدم مندروں کے پتھر اور ستون استعمال کئے گئے تھے۔ جو واضح طور سے ھندؤں کی کاریگری کی شہادت دیتے ہیں۔ †

مگر چونکہ خسرو نے اپنی مثنوی نہ سپہر میں قطب آباد کی ان تعمیرات کا ذکر نہیں کیا ھے اس لئے یہ عین ممکن ھے کہ وہ قطب الدین کے ہمراہ دیوگیر نہ گئے ھوں۔ اسکا امکان اس لئے ھے کہ خسرو اپنی مثنوی میں جہاں یہ لکھتے ہیں کہ۔

ع من از دیدهٔ خویش گویم سخن۔

وہاں اسی مثنوی میں یہ بھی لکھتے ہیں کہ۔

چنیں کردہ ام مشکل فتح را حل
ز دانندگان غزائی ار نگل ¶

---

† کیمبرج ھسٹری آف انڈیا جلد سوم۔ ص۔ ۱۲۱

¶ مثنوی نہ سپہر ص۔ ۸۴

یعنی ملک خسرو خان اور لدر دیو کی جنگ کے حالات میں نے ان لوگوں سے دریافت کرکے لکھے ہیں جو اس جنگ میں شریک تھے۔ لیکن یہاں یہ بھی کہا جاسکتا ھے کہ چونکہ خسرو دیو گیر میں سلطان کے ھمراہ ٹھہرے رہے اور خود ارنگل نہیں گئے اسلئے یہ اشارہ صرف وارنگل کی جنگ سے متعلق ھے۔ مگر جو جنگ کہ ملک خسرو خان اور راگھو سے اطراف دیوگیر میں لڑی گئی اس کو انہوں نے بچشم خویش بیان کیا ھے۔ مگر اس کے امکانات کم ہیں۔ اول تو اس لئے کہ قطب آباد کی تعمیرات کا ذکر خسرو نے کہیں بھی اپنی مثنوی نہ سپہر میں نہیں کیا ھے۔ اور نہ قطب آباد کا نام لیا ھے۔ دوسرے یہ کہ ایک جگہ کی عبارت سے کچھ ایسا محسوس ھوتا ھے کہ غالباً وہ دلی میں تھے جب انہیں ارنگل کے فتح کئے جانے کی خبر ملی۔

بندہ درآں صبح مبارک طلوع   بود ز طاعت بسجود و رکوع
من بچنیں خلوت مقصود یاب   کز درم اقبال در آمد شتاب
از قدرش حلهٔ عزت به پشت   و ز فلکش نقد بشارت بمشت
خندہ زناں حلہ بہ پشتم فگند   نقد کرم نیز بمشتم فگند
گفت کہ ربی معک اے صبح خیز   کز توصف دیو شد اندر گریز†

ان حالات کے پیش نظر ڈاکٹر وحید مرزا کا یہ خیال زیادہ قرین قیاس معلوم ھوتا ھے کہ امیر خسرو سلطان قطب الدین کے ھمراہ دیوگیر نہیں گئے تھے اور انہیں اس نے اپنے دربار میں دیوگیر کی واپسی کے بعد طلب کیا * لیکن اس سے خسرو کی اس بیت کی توجیہ نہیں ھوپاتی ھے۔

---

† مثنوی نہ سپہر۔ ص ۲۱۶

* Life and works of Amir Khusroe Page 124

منم از دیدهٔ خویش گویم سخن
نه ز افسانه و داستان کہن
عجب عرصهٔ شد حد دیوگیر
که کم گنجد اوصافش اندر ضمیر

بہر حال یہاں یه بات بھی ذہن نشین رکھنے کی ہے که جبتک که سلطان نے کچھ فتوحات حاصل نہیں کی تھیں ، اسکی فتوحات کو نظم کرنے کا سوال کیونکر پیدا ہوا ۔ چنانچه یه مثنوی تو اسکی فتوحات کے بعد ہی لکھی گئی ہے ۔ لیکن اسکے امکان کو بالکل قطعیت کے ساتھ رد بھی نہیں کیا جاسکتا ہے که اس نے دیوگیر جانے سے پہلے خسرو کو طلب کیا ہو ۔ اور خسرو اس کے ہمراہ دیوگیر میں رہے ہوں اور اسی کے ساتھ دلی واپس آئے ہوں ۔ اور امیر خسرو نے صرف وارنگل کی جنگ کے واقعات دوسروں سے دریافت کر کے بیان کئے ہوں ۔

یه مثنوی جہاں قطب الدین مبارک شاہ خلجی کے عہد سلطنت کے ابتدائی دو ڈھائی سال کی مستند تاریخ پیش کرتی ہے وہاں بہت کچھ ایسی معلومات سے بھی پر ہے جنکا تعلق خسرو کے سوانحی حالات سے ہے ۔ مورخین کی نظر تو بیشتر ان باتوں پر رہی ہے که اس مثنوی میں خسرو نے کھل کر اپنی حب الوطنی کے اسباب بتائے ہیں ، اور اس امر کی تصدیق کی ہے که میرا مولد ہندوستان ہے اس میں شبہه نہیں که اس میں ہندوستان کی تہذیب و معاشرت ، اس کے علوم و فنون ، رسومات ، کھیل کود ، تفریحات عورتوں کے بناؤ سنگھار ، لباس وضع قطع ، رنگ روپ ، اور یہاں کے گانے اور ساز ، راگ اور راگنیاں اور مختلف زبانوں کی کیفیات سنسکرت اور ہندوی ادب کے بارے میں اتنا بہت کچھ لکھا ہوا ہے که اس زمانے کی تہذیب کا کوئی بھی مورخ ان باتوں کو نظر انداز نہیں کرسکتا ہے اور نه کرنا چاہئے ۔ لیکن چونکه میں

اس مثنوی کا کوئی خلاصہ پیش کرنا نہیں چاہتا بلکہ خسرو کے سوانحی حالات کے بیان کے سلسلے میں اس سے استفادہ کرنا چاہتا ہوں اس لئے میں اپنی توجہہ صرف انہیں باتوں پر مرکوز رکھوں گا جن کا تعلق خسرو کے سوانحی حالات یا ان کی ذہنی آراستگی یا ان کی نفسی کیفیات سے ہے۔

لیکن قبل اس کے کہ ہم براہ راست ان باتوں کی طرف متوجہہ ہوں۔ ایک اہم واقعے کی طرف آپ کی توجہہ مبذول کرنا چاہوں گا تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ ایک ایسے پیچیدہ اور نازک مرحلے سے جسکا تعلق سلطان قطب الدین خلجی اور شیخ نظام الدین اولیاء کی باہمی مناقشت سے ہے، خسرو اپنی کشتیٔ حیات کیونکر صحیح و سالم نکال لے گئے۔

خسرو نے خود شیخ نظام الدین اولیاء اور بادشاہ کی مخاصمت کا ذکر نہیں کیا ہے لیکن چونکہ اس مخاصمت کا ذکر برنی کی تاریخ فیروز شاہی اور سیر الاولیاء دونوں میں کیا گیا ہے اس لئے اسے ہم نظر انداز بھی نہیں کرسکتے ہیں۔

سیر الاولیاء میں وجہ مخاصمت یہ لکھی ہوئی ہے کہ "سلطان قطب الدین نے جامع مسجد میری بنوائی اور پہلے جمعہ کو تمام مشایخ اور علماء کو طلب کیا کہ اس جمعہ کی نماز اس مسجد میں ادا کریں۔ سلطان المشایخ نے کہلا بھیجا کہ ہمارے پاس ہی مسجد ہے اور یہاں جمعہ ادا کرنا زیادہ اچھا ہے اور وہ نہیں گئے۔ دوسرا باعث جھگڑے کا یہ تھا کہ ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو تمام امام اور مشایخ امراء اور وزراء نئے چاند کی مبارکباد دینے کے لئے بادشاہ کے یہاں جایا کرتے۔ لیکن سلطان المشایخ خود نہ جاتے بلکہ اپنے ایک خادم اقبال کو بھیج دیا کرتے۔ جب اقبال وہاں گیا تو مدعیوں اور حاسدوں نے بادشاہ کے کان بھرے کہ دیکھا آپ نے شیخ نظام الدین نے نہ تو جمعہ

کی نماز نئی مسجد میں ادا کی اور نہ نئے چاند کی مبارکباد دینے کے لئے آئے۔ بادشاہ نے غرور میں آکر کہا کہ اچھا اگر اگلے مہینے نہیں آئینگے تو ہم جس طرح بلوایا کرتے ہیں بلوا لینگے۔" *

سیرالاولیاء میں جو یہ وجہ مخاصمت بتائی گئی ہے۔ وہ تمامتر ظاہری ہے، اصل مخاصمت یہ تھی کہ امراء و ملوک کی ایک بڑی ٹولی شیخ کی عقیدتمند ہوگئی تھی۔ اور کوئی بھی بادشاہ اس بات کو اس زمانے میں پسند نہ کرتا کہ اسکے ملوک و امراء کی وفاداری، اسکے علاوہ کسی اور شخص سے ہو۔ چنانچہ جب علاء الدین خلجی نے ملک کافور کو دکن کی مہمات کے لئے روانہ کیا تو بقول برنی اسے یہ مشورہ خاص طور سے دیا کہ دیکھ "امراء اور معارف کو ایک جگہ جمع ہونے اور آپس میں میثاق کرنے سے روکنا" † چنانچہ یہی سبب تھا کہ علاؤالدین خلجی بھی شیخ نظام الدین کے خلاف شکوک و شبہات رکھتا تھا۔ مگر چونکہ اس وقت تک شیخ کا اثر و نفوذ اتنا زیادہ نہ تھا کہ وہ خطرے کا باعث بن سکتے اسلئے اس نے ان سے کوئی مخاصمت مول نہ لی۔ پھر بھی ان دونوں کے درمیان کبھی کوئی ملاقات نہ ہوئی، نہ خود وہ شیخ کے یہاں گیا اور نہ شیخ اسکے یہاں آئے۔ اب صورت حال مختلف تھی۔ اول اسلئے کہ سلطان قطب الدین کے زمانے میں شیخ کا اثر اُمراء و ملوک میں زیادہ ہو گیا تھا۔ اور وہ عارفین اور امراء کے اتحاد کو اپنے حق میں خطرناک تصور کرتا تھا۔ دوسری اہم بات اس سلسلے میں یہ تھی کہ شیخ کو انکے عقیدتمند نایب رسول تصور کرتے اور جو زیادہ عقیدتمند تھے مثلاً خسرو وہ انکی ذات میں تجلیٔ الٰہی بھی دیکھتے۔ پھر یہ کیونکر ممکن تھا کہ رب العالمین کے دو خلیفہ بہ یک وقت ایک ہی سر زمین پر حکمران ہوں۔ علاء الدین نے تو اپنے کو خلیفۃ رب العالمین نہیں کہلوایا صرف ظل اللہ

---

* سیر الاولیاء ۔ ص - ۱۳۳ - ۱۳۴

† تاریخ فیروز شاہی - ص - ۴۷۹

ہی کے کہے جانے پر اکتفا کیا لیکن قطب الدین نے تو ایک قدم آگے بڑھکر اپنے کو خطبے میں باقاعدہ خلیفۃ رب العالمین کہلوایا اور خود خسرو نے اسے اس خطاب سے یاد کیا ہے۔ چنانچہ برنی نے اسباب مخاصمت میں وہ باتیں نہیں لکھی ہیں جو سیرالاولیا میں بیان کی گئی ہیں بلکہ ایک سیاسی سبب بتاتا ہے۔ " وہ یہ کہ بادشاہ اپنے دربار سے منسلک ملوک کو منع کرتا کہ شیخ کی زیارت کیلئے غیاث پور نہ جایا کریں "* چنانچہ شیخ نظام الدین کے بڑھتے ہوئے اثرات کو ختم کرنے کیلئے اس نے انکے حریفوں کو آگے بڑھایا پہلے شیخ زادہ جام کو مقرب بارگاہ بنایا۔ پھر شیخ الاسلام رکن الدین کو ملتان سے بلوایا۔ امیر خسرو کیلئے ان دونوں کی یہ مخاصمت باعث تشویش رہی ہوگی۔ اور جب خسرو نے بادشاہ کو خلیفۃ رب العالمین کے خطاب سے یاد کیا ہوگا تو شیخ کو یہ بات ناگوار بھی گذری ہوگی مگر چونکہ یہ مخاصمت اپنے منتہا کو اس وقت پہونچی جبکہ قطب الدین کی موت اس کے سر پر منڈلا رہی تھی اسلئے خسرو کو بھی اس کشمکش سے جلد خلاصی ہوئی۔ سیرالاولیاء کے مصنف نے تو قطب الدین کی ہلاکت کا سبب شیخ کی اس بد دعا کو قرار دیا ہے جو انہوں نے اپنی والدہ ماجدہ کی قبر پر جا کر کی کہ اگر قطب الدین کا کام ایک مہینے میں تمام نہیں ہوا تو میں پھر آپکی قبر پر زیارت کیلئے نہیں آونگا۔" **

لیکن سوال یہ ہے کہ جو لوگ کہ پیروں کی ان کرامات کے قائل نہیں۔ یا جو پیر پرستی کے خلاف ہیں یا وہابی عقائد رکھتے ہیں، وہ اگر اس قسم کی باتوں سے یہ نتیجہ اخذ کریں کہ خسرو خاں نے شیخ سے ملکر قطب الدین کا کام تمام کیا۔ اور جو فتوحات کہ شیخ نے خسرو خاں سے اس کے برسر اقتدار آنے کے بعد حاصل کی تھیں وہ اسی اعانت کا صلہ تھیں تو ہمارے پاس اس کے دفاع میں کہنے کو کیا رہ جاتا ہے کیونکہ جب کبھی کوئی ایسا موقع آیا ہے کہ شیخ نظام الدین

---

* تاریخ فیروز شاہی صفحہ ۵۲۱

** سیر الاولیاء - ص - ۱۳۴

اور بادشاہ کے درمیان ٹھن گئی ھے - اور بادشاہ نے شیخ کو اپنا مطیع بنانا چاہا ھے تو جان کا خسارہ بادشاہ ہی کو اٹھانا پڑا ھے - چنانچہ امیر خسرو تو خضر خاں کی بد نصیبیوں کی وجہہ بھی ، اسکے شیخ کی عقیدت سے خطا کرنے ہی کو قرار دیتے ہیں - کہ جب وہ امروہہ سے دلی اپنے باپ سے ملنے آیا تو وہ غیاث پور نہیں گیا جہاں شیخ رہتے تھے بلکہ ہستناپور میں کسی بزرگ کے مزار پر گیا (دول رانی خضر خاں) یہ چند اشارات جو میں نے شیخ کے عقیدتمندوں کے غلوء عقیدت کے پیش کئے ہیں وہ اس امر کی طرف رهنمائی کرتے ہیں کہ قرون وسطیٰ کی سیاست میں خانقاہ کی حیثیت ایک چرچ کی بنتی جارھی تھی - یہ چرچ نہ تو علماء کا تھا اور نہ مولوی اور ملاؤں کا بلکہ بندگان خدا کے دستگیروں ، خواجگان بندہ نواز کا ، جو امرا اور غربا ، خدا اور بندے کے درمیان و ساطت کی خدمت انجام دیتے - امراء کی فتوحات غربا میں لٹاتے اور بندگان عاصی کی مغفرت کی دعا بارگاہ الہی میں کرتے - چونکہ سیہ کاریوں کے لئے استطاعت مال و زر چاہیئے اس لئے توبہ استغفار کرنے والے بالعموم رؤسا ہوتے - غربا تو صرف حاجتمند ھوتے - کوئی درخواست کوئی آرزو لیکر شیخ کے پاس آتے - اس سے سلطان وقت کے دربار اور سلطان المشائخ کی درگاہ کے درمیان ایک موازنہ اور مقابلہ پیدا ہو جاتا -

قلعۂ شاھی سے لاکھوں انسانوں کی پرورش ھوتی ، علماء کو وظائف دیئے جاتے ، ملازمتوں سے نوازا جاتا - اُن مشایخ کو بھی نوازا جاتا جو خدمت شاہ میں کوئی عار محسوس نہ کرتے اور جو سلاطین وقت کی اطاعت کو برحق تصور کرتے ، اسکے علاوہ شعراء مغنیوں اور مطربوں کو انعام و اکرام سے نوازا جاتا - ان کے وظائف بھی مقرر کئے جاتے صنعت کاروں اور ھنر مندوں کی پرورش کیجاتی ہزاروں لاکھوں جو خلعتیں تقسیم ھوتیں ، وہ انہیں شاھی صنعت کاروں کی تیار کی ھوئی ھوتیں - اسکے علاوہ سامان تعیش کی جتنی چیزیں تیار کی جاتیں ان سب

کی کھپت محلات شاہی اور امراء و ملوک کے گھروں میں ہوتی ان باتوں کو دیکھتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ پورے شہر کی اقتصادی زندگی قلعۂ شاہی اور درباری ملوک و امراء کی زندگی سے وابستہ رہتی چنانچہ یہی سبب ہے کہ جب لشکر شاہی ڈولتا تو جہاں امراء و ملوک بادشاہ کے ہمراہ ہوتے وہاں شہر کا بازار بھی ساتھ ہولیتا۔ مطربوں اور رقاصاؤں سے لیکر لال خیمے تک اس شاہی بازار میں ہوتے۔ ایک ایسے دور میں جبکہ بادشاہ آزاد، اور بقیہ سب غلام، نوکر چاکر، رعیت اور رعایا ہوتے اور جبکہ بادشاہ کا ہر حرف حکم مطلق کی اہمیت رکھتا یہ کیونکر ممکن تھا کہ کوئی مرد درویش اپنی روحانی سلطنت الگ قائم کرے اور فرمان شاہی کو لوٹا دے۔ اسکے عطیات کو چھڑی سے چھو کر کہے کہ اس منحوس شئے کو جلد یہاں سے اٹھاؤ یہ فقیروں کا وتیرہ نہیں کہ عطیات شاہی قبول کرے - یہ اور اس قسم کی کئی باتیں ان سلاطین کو ناگوار یقیناً گزرتی رہی ہونگی۔ وہ اسے پسند کرتے کہ جس طرح علماء، قاضی اور مفتی حکومت وقت کا حصہ ہیں اسطرح مشایخ کو بھی انکی حکومت کا حصہ ہونا چاہئے۔ چنانچہ جو مشایخ سلسلۂ سہروردیہ کے تھے، انہوں نے یہ رویہ اختیار کرلیا تھا کہ وہ حکومت وقت کے ساتھ ہوتے، نہ تو وہ خدمت شاہ سے انکار کرتے اور نہ اسکے عطیات سے۔ لیکن مشائیخ چشت میں سے شیخ نظام الدین اولیاء کے زمانے میں ایک مسلسل آویزش سلاطین وقت اور ان کے درمیان نظر آتی ہے۔ سلطان وقت شیخ نظام الدین کو مطیع رکھنا چاہتا لیکن وہ اس سے گریز کرتے۔ اور پھر اس کے نتیجہ میں ایک اویزش پیدا ہوتی جو کم و بیش سیاسی کشمکش کی صورت اختیار کر لیتی۔ یہ کشمکش شیخ کی سلطان قطب الدین خلجی اور سلطان غیاث الدین دونوں کے ساتھ خاص طور سے نظر آتی ہے اور پھر شیخ نظام الدین کی وفات کے بعد وہ کشمکش سلطان محمد ابن تغلقشاہ اور شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی کے درمیان منتقل ہو جاتی ہے۔ اس اویزش کے کئی

اسباب ہو سکتے ہیں - ان میں سے یہاں میں صرف چند کی طرف آپکی توجہ مبذول کرنا چاہونگا - کسی بھی درویش کی عدول حکمی پورے نظام کے خلاف ایک بغاوت کا سمبل بن سکتی تھی - اور یہ بات کوئی بھی مطلق العنان سلطان برداشت نہیں کرسکتا تھا - مزید یہ کہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے بعد، دلی میں جتنا اثر عوام اور خواص دونوں میں شیخ نظام الدین اولیاء کا تھا اتنا کسی بھی شیخ کا نہ تھا - اور جب بھی کوئی ایسا موقع آیا کہ کسی درویش نے اپنا اثر عوام و خواص میں پیدا کیا ہے تو اسے سلطان وقت نے برداشت نہیں کیا ہے، جلال الدین خلجی نے سیدی مولا کو اسی لیئے قتل کروا دیا کہ اول تو انکا اثر عوام اور خواص میں بہت بڑھ گیا تھا دوسرے یہ کہ امراء و ملوک انکے یہاں مستقل جانے لگے تھے - اور یہ بات سلطان کے لئے باعث تشویش تھی - کیونکہ بادشاہ اس پر خاص طور سے نگاہ رکھتا تھا کہ امراء کا اتحاد مشائخ کے ساتھ پیدا ہونے نہ پائے - یہ خالصتاً سیاسی سبب تھا - دوسرا سبب جو میری سمجھ میں آتا ہے وہ یہ ہے کہ جوں جوں خانہ جنگیوں کی وجہ سے ترکی الاصل امراء و ملوک کا خاتمہ ہوتا گیا اور انکی جگہ مخلوط النسل ہند نژاد امراء و ملوک لیتے گئے وہ مذہبی امور میں ایک لیبرل پالیسی کو پسند کرتے اور ماوراءالنہری اسلامی رسوم پر ہند اسلامی رسوم کو ترجیح دیتے اور عوام جو اکثر و بیشتر نو مسلم ہوتے انکی اس پالیسی کی حمایت کرتے - چنانچہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ مشائخ چشت کا بہت بڑا ہاتھ اسلامی تعلیم کو ہندی ماحول میں ڈھالنے کا تھا - انہوں نے حج کی مخالفت نہیں کی - لیکن فریضۂ حج ادا کرنے پر اصرار بھی نہیں کیا ایسی ہی کئی دوسری باتیں ہیں - سماع اور رقص کی حرمت کا مسئلہ، جزیہ کا مسئلہ، وہ ان مسائل سے متعلق علماء کی جماعت سے مختلف نظریہ رکھتے - مزید یہ کہ وہ راہ نجات عشق الہی میں دیکھتے نہ کہ طاعت و بندگی میں - اس سے علماء کی جماعت انکی مخالف ہوتی اور سلطان کے کان بھرتی -

بہرحال اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ ان دو سلاطین کے درمیان۔ ایک طرف سلطان قطب الدین مبارک شاہ خلجی خلیفۃ رب العالمین اور دوسری طرف سلطان المشایخ ، نائب رسول ، حضرت شیخ نظام الدین اولیاء جو تجلیات الٰہی سے بھی مشرف تھے۔ ان دونوں کے درمیان خسرو کی کلاہ کسکی طرف کج ہوئی - خسرو علاء الدین خلجی کے عہد میں ، اپنے پیر سے اسقدر زیادہ متاثر ہوچکے تھے - کہ اگر تمامتر نہیں تو تھوڑی بہت درویشیٔ دل انہوں نے اختیار کرلی تھی - دیکھنا یہ ہے کہ سلطان قطب الدین کے عہد میں انکی وہ درویشیٔ دل کس عالم میں تھی۔ خسرو نے اپنی اسی مثنوی نہ سپہر میں اپنے اعمال نیک و بد کا ایک میزان نامہ مرتب کیا ہے - اسکا مطالعہ انکے لیئے خاص طور سے ضروری ہے جو خسرو کے کردار اور ان کی نفسی کشمکش کو سمجھنا چاہتے ہیں -

نظم کا عنوان ہے۔

''تمہید عذر انکہ دریں بوستان ز من
گل اند کے شگفت و فراواں گرفت خار۔''

یہ نظم خاصی طویل ہے - اس لئے اس کا انتخاب کچھ اس طرح پیش کروں گا کہ کچھ تسلسل کا احساس بھی قائم رہے -

اندریں نامہ کہ گفتم کم و بیش   عذر خواہم ز فزون و کم خویش
شاعرم لیک نہ ام پختہ کہ خام   گفت خامان نتواں گفت تمام
آں کہ شہ میدہد از مال و زرم   کرم اُوست نہ مزد ہنرم
ہمہ عمرم بہ زیاں کاری رفت   دل نہ یکدم سویٔ بیداری رفت
مشک من گشتہ سراسر کافور   گشت پوشیدہ دخاں ز آیت نور
عمر از شصت بہ ہفتاد قریب   نیست دل را ز بہ افتاد نصیب
زاں کہ چوں طفل سہ سالہ ہمہ گاہ   بازیٔ کردہ ام افتادہ براہ
دم درویشیٔ و آندم ہمہ باد   ہیچ دل را دم از ینگونہ مباد
نامہ ام بیں سیہ از دود گنہہ   رویٔ ہم بر صفت نامہ سیہ

آب خیزی چو، ندارد جویم   من بی آب چسان رو شویم
سگ کہفم که نخیزم از خواب   مۂ نخشب که نمانم بی آب
دل بد خوی نیازی نشود   آب آلوده نمازی نشود
حرص مدخل که بدنیاست گرو   بہرۂ نی و شب و روز اندر دو
زان دلم پوست چو مشک شقاست   کم اصل تشنگیٔ استسقاست
نفس را بند شکیبا چکنم   گرگ را قرطۂ دیبا چکنم
آنکه بہر گنہش ساخته اند   چون شود مه که چہش ساخته اند
من زبان را سوئے تسبیح برم   دل سراید که زهی نظم ترم
روز تا شب نفس هرزه درای   نه ز خود شرم و نه ترسم ز خدای
کرده عمری بتغافل ضایع   گشته ناسی به تکلف شایع
خود گرفتم که سخن جادوئیست   هرچه حق نیست دران جادوئیست
من بدین شیوۂ پر ذوق و فتن   دوزخ آرایم و فردوس شکن
هر چه بسیاریٔ گفتار بود   نیک و بد هم بد و بسیار بود
تنی از طاعت دین بیگانه   کعبه بیرون و درون بتخانه
طاعتی جیفه بمشک آلوده   عصمتی بر رخ فسق آموده
نفس بامن که چومه باقصب است   مانع خیر چومه باذنب است
رسم مہرست که باهر کا میخت   اثر صحبت اُو در خود ریخت
من همانم که ز نفس منحوس   گشته ام زاغ که بودم طاؤس
یک شبی ماه تمام است مدام   هست نقصانش دگر ماه تمام
من همانم که کمالم قدریست   وانچه نقصان طلبی بیشتریست*

خسرو نے جو یہ میزان نامہ اپنے اعمال، اپنی نفسانی خواہشات اور تزکیۂ نفس کا، اپنی شعری خوبیوں اور خامیوں کا، اپنی طفلانہ طبیعت اور اپنی زندگی کی دورخی کا پیش کیا ہے، اسے اسقدر صحت کے ساتھ تیار کیا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ اسکے تیار کرنے میں انہوں نے اپنے کراماً کاتبین کے مشورے کو بھی راہ دی ہے۔ مگر ہم یہ بات پہلے

---

* مثنوی نہ سپہر۔ صفحات ۴۴۷ - ۴۵۵

ہی لکھ چکے ہیں کہ ہم خسرو کو انکے اپنے کہے پر نہ پکڑینگے۔ طلبگاری رحمت میں اعتراف گنہ ضروری ہے۔

ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ خسرو اپنی شاعری کا ذکر تو ہر جگہ کرتے ہیں، مگر اپنے ان کارناموں کا ذکر نہیں کرتے جو انہوں نے موسیقی کی دنیا میں انجام دیئے ہیں، کیا وہ اپنے ان کمالات سے شرمندہ تھے یا یہ کہ وہ شاعری کو موسیقی اور دوسرے فنون لطیفہ سے افضل سمجھتے تھے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ حقیقت حال یہی ہے کہ وہ شاعری کو دوسرے فنون لطیفہ سے افضل سمجھتے تھے کیونکہ شعران کی نظر میں ایک فن ہی نہیں بلکہ حکمت کی بھی شے ہے۔ اس سلسلے میں انکا وہ قطعہ پڑھنے کے لایق ہے جو انکے مجموعۂ کلام غرۃ الکمال میں ہے اس قطعہ میں موسیقی اور شاعری کا موازنہ کرکے یہ بتایا ہے کہ شاعری موسیقی سے افضل ہے۔ اور موسیقی شعر کے حق میں ایک زیور کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور اگر وہ زیور کسی خوبصورت عروس کے جسم پر نہ ہو تو یہ کوئی عیب نہیں ہے۔ مگر اسی قطعے میں وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ جسطرح میں نے شاعری میں تین دفاتر نظم کئے ہیں، تحفۃ الصغر، وسط الحیات اور غرۃ الکمال اسیطرح میرے تین دفاتر موسیقی کے بھی تیار ہو سکتے تھے۔ اگر اُنہیں ضبط تحریر میں لایا جاتا۔

ملاخط ہو وہ قطعہ۔

مطربی می گفت خسرو را کہ اے گنج سخن
علم موسیقی ز جنس نظم نیکو تر بود
ز انکہ او علمیست بے دقت نیاید در قلم
واں نہ دشوار است کاندر کاغذ و دفتر بود
پاسخش گفتم کہ من در ہر دو معنی کاسلم
ہر دو را سنجیدہ بر وزنی کہ آں درخور بود

نظم را کردم سہ دفتر ور بہ تحریر آمدی
علم موسیقی سہ دیگر بود آر باور بود
فرق می گویم میان ہر دو معقول و درست
گر دہد انصاف آں کز ہر دو دانشور بود
نظم را علمی تصور کن بہ نفس خود تمام
کو نہ محتاج سماع و صوت خنیا گر بود
گر کسی بے زیرو بم نظمی فرو خواند، رواست
نی بمعنی ہیچ نقصان نی بلفظ اندر بود
ور کند مطرب بسی ہو ہو ہاہا در نوا
چوں سخن نبود ہمہ بے معنی و ابتر بود
پس درین معنی ضرورت صاحب صوت و سماع
از برائے شعر محتاج سخن پرور بود
پائے زن را بیں کہ صوتی دارد و گفتارنی
لا جرم در گفت محتاج کسی دیگر بود
نظم را حاصل، عروسی داں و نغمہ زیورش
نیست عیبے گر عروس خوب، بے زیور بود
من کسی را آدمی دانم کہ داند این سخن
ورنہ داند پرسد از من ورنہ پرسد خر بود*

امیر خسرو اور علم موسیقی

امیر خسرو کا ایک عالم موسیقی ہونا جہاں ان کے مذکورہ قطعہ کی اس بیت سے ظاہر ہوتا ہے جس میں انہوں نے کہا ہے کہ اگر میری تصنیفات** موسیقی کو قلمبند کیا جاتا تو میرے تین دواوین کی طرح تین دفاتر ان کے بھی تیار ہوسکتے تھے۔

---

* کلیات خسرو ۔ ب ۔ م ۔ شمارہ ۲۱،۱۰۴
دیوان غرۃ الکمال صفحہ ۳۱۹

** تصنیف موسیقی کی اصطلاح میں تالیف نغمہ کو بھی کہتے ہیں۔

نظم را کردم سہ دفتر وربہ تحریر آمدے
علم موسیقی سہ دیگر بود ار باور بود

وہاں قران السعدین ، دول رانی خضر خاں ، نہ سپہر اور اعجاز خسروی کے مطالعے سے بھی ان کے اُس فن کا عالم ہونا متحقق ہوتا ہے۔ اعجاز خسروی میں تو ایک پورا مقالہ علم موسیقی کے اصول و فروع سے متعلق لکھا ہے۔ اور اپنے زمانے کے مشہور موسیقاروں کے فن کی قدر و قیمت کا موازنہ اور مقابلہ ، باخرز اور فرغانہ کے موسیقاروں سے کیا ہے جہاں تک کہ ان کے اپنے ایک گائیک یا نائیک ہونے کا تعلق ہے اس میں بھی کوئی دو رائے نہیں کہ وہ اپنے عہد کے ایک بہت بڑے گائیک تھے۔ اس کی گواہی ان کا معاصر مورخ ضیاء الدین برنی دیتا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ امیر " در علم موسیقی گفتن و ساختن کمال داشت " سیر الاولیاء میں ان کی غزل خوانی کا حال لکھا ہوا ہے۔ ایک بار انہوں نے اپنی غزل شروع کی لیکن اسے چھوڑ کر پھر سعدی کی غزل گانے لگے۔ اس کے علاوہ قران السعدین کی ایک بیت سے کچھ اشارہ اس قسم کا ملتا ہے کہ وہ تالیف نغمہ بھی کیا کرتے۔

خاستم و برگ شدن ساختم محدثی تازہ بپرداختم*

اسی طرح ان کی مثنوی نہ سپہر میں بھی اس کے اشارے ملتے ہیں کہ وہ مخصوص قسم کے ساقی نامے بزم نشاط کیلئے لکھا کرتے۔

عمل ران اقبالم از پیش گاہ رسید و رسانید فرمان شاہ
کہ بزم ممالک خداوند را نگارش کن ایں ساقیٔ چند را
بفرماں شدم بزم ساز نشاط بر اہنگ معنی فگندم بساط
بداں مجلس عیش پرداختم قلم ساقیٔ خویشتن ساختم**

چنانچہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ تالیف نغمہ کیا کرتے اور خود بھی گاتے۔ وہ مختلف سازوں کے راز سے بھی واقف تھے۔ آیا وہ خود

---

* ص - ۲۲۳ (علی گڑھ ایڈیشن)

** مثنوی نہ سپہر - ص - ۳۷

کوئی ساز بجاتے تھے کہ نہیں اسکا علم نہیں ۔ مگر مسئلہ یہاں یہ نہیں ہے کہ وہ ایک موسیقار تھے کہ نہیں کیونکہ انکا موسیقار ہونا تو متحقق ہو چکا ہے ۔ بلکہ یہ ہے کہ جو راگ اور راگنیاں کہ ان سے منسوب کیجاتی ہیں، اور جن مختلف سازوں کا انہیں موجد قرار دیا جاتا ہے، وہ ان کے موجد تھے کہ نہیں ۔ قبل اسکے کہ اس گفتگو کا آغاز کیا جائے یہ بتانا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ جب بھی کوئی شخصیت، تاریخ کے میدان سے نکل کر افسانے کی دنیا میں بھی داخل ہوجاتی ہے، ایک داستانوی ہیرو کا روپ دھار لیتی ہے تو پھر اسکی ذات سے بہت سی ایسی حکایتیں منسوب کردی جاتی ہیں، جنکا تعلق تاریخ سے تو نہیں ہوتا لیکن وہ تمامتر افسانہ بھی نہیں ہوتیں ۔ نائیک گوپال کے بارے میں جدید تحقیقات یہ بتاتی ہیں کہ وہ اکبر کے عہد میں تھا، اور غالباً راجہ مان سنگھ کا درباری گویا تھا * مگر عہد اورنگ زیب کے ایک تذکرہ نگار شیر خاں لودھی نے اپنے تذکرے مراۃ الخیال (سنہ تالیف سنہ ۱۶۹۱ ھجری) میں نائیک گوپال کو محمد ابن تغلقشاہ کے دربار میں پیش کرکے، خسرو سے انکا مقابلہ فن موسیقی میں کروا دیا ہے ۔ اس قسم کی اور بھی حکایتیں ہیں ۔ جہاں انہیں ایک نائیک کے روپ میں پیش کیا گیا ہے ۔ تاریخ سے یہ تو ثابت ہوتا ہے کہ علاء الدین خلجی شاہ بو علی قلندر پانی پتی کا عقیدتمند تھا ** لیکن یہ بات کہ خسرو بادشاہ کی طرف سے کوئی تحفہ لیکر انکی خدمت میں حاضر ہوئے تھے ۔ تاریخی اعتبار سے ہنوز غیر متحقق ہے ۔

مگر صوفیاء کے بعض تذکروں میں یہ لکھا ہوا ملتا ہے † کہ جب وہ بو علی شاہ قلندر کے آستانے پر حاضر ہوئے تو شاہ جی نے

---

* Life & Works of Amir Khusro By Dr. Waheed Mirza. Page 238 Ref. notices of Persian Parts XX11. (Sir Gore Ousley)

** گلزار ابرار حوالہ حکمت نامہ' شاہ بو علی قلندر ۔ اردو ترجمہ اذکار ابرار ۔ ص ۔ ۹۱

† مجمع الاسرار

انہیں نائیک کے خطاب سے یاد کیا - کون خسرو ؟ نائیک - اور پھر اسکے بعد مختصر گفتگو اور ایک دوسرے کی غزل سننے کا حال لکھا ہوا ہے -

اس قسم کی حکایتیں غیر مستند ہو سکتی ہیں ، لیکن وہ اس بات کو ابھارنے کیلئے یا تو وضع کی گئی ہیں یا پھر انہیں بڑھا چڑھا کر پیش کیا گیا ہے کہ خسرو فن موسیقی میں نائیک کا درجہ رکھتے تھے - ایسے افسانوں سے زیادہ الجھنا بیکار ہے - کیونکہ ان میں کچھ حقیقت ضرور ہے - لیکن بعض افسانے ایسے بھی ہیں جو حقایق سے شمہ برابر بھی تعلق نہیں رکھتے ہیں - انہیں افسانوں میں ایک افسانہ یہ بھی ہے کہ ستار خسرو کا ایجاد کیا ہوا ہے - آیئے ذرا اس افسانے کو حقیقت کی روشنی میں پرکھیں - خسرو نے غرۃ الکمال کے دیباچے میں اپنی کسی مثنوی سے تین اشعار نقل کے ہیں - اسکی ایک بیت میں ، زہرہ کو '' ستارہ نواز " لکھا ہے -

زہرہ چنداں بود ستارہ نواز   کہ دف مہ بروں نیارد ساز *

ستارہ نواز اور ستار نواز میں جو ایک قسم کی تجنیس حرفی ہے اس سے فائیدہ اٹھانے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ شاید انکے ذہن میں ستار نواز کا تلازمہ رہا ہو- لیکن چونکہ انہوں نے کہیں بھی مختلف سازوں کا ذکر کرتے ہوئے ستار کا نام نہیں لیا ہے اسلئے اسے قیاس محض سے زیادہ کا درجہ نہیں دیا جا سکتا ہے -

یہاں یہ بتانا شاید دلچسپی سے خالی نہ ہو کہ ستار نام کے ساز کا ذکر افلاطون نے اپنی جمہوریہ میں کیا ہے - انگریزی ترجمے میں اس کا املا Cithara ** ستھارا ہے - ظاہر ہے کہ یہی وہ ستھارا ہے - جو بعض ملکوں میں زیتھار ، اور بعض جگہوں میں گیتار اور تار اور ہندوستان میں ستار کے لفظ سے مشہور ہوا -

ہمارے ملک کے بعض اشخاص کی یہ ایک عجیب خاصیت ہے کہ وہ غیر زبان کے الفاظ کی صوتی تشریح اپنی زبان کی صوتیات سے کرتے ہیں - مثلاً

---

* غرۃ الکمال مطبوعہ دھلی - ص - ۸۲

** Plato's Republic Translated by H. D. P. Lee Page 140 Penguin Books.

ستار کو وہ سہ تار سے مرکب بتاتے ہیں۔ یہ بالکل غلط ھے کیونکہ ستار میں سات تار ہوتے ہیں، اور کسی بھی زمانے میں اس میں تین تار نہ تھے۔ اور چونکہ خسرو نے اس ساز کا نام نہیں لیا ھے اس لئے کہا نہیں جا سکتا ھے کہ یہ ساز ان کے زمانے میں تھا کہ نہیں اور اگر تھا تو اسکا متبادل نام کیا تھا؟ مگر چونکہ ستھار قدیم زمانے سے یونانیوں کے درمیان رائج تھا۔ اس لئے قیاس یہی بتاتا ھے کہ جس زمانے میں ہندوستان اور یونان کی دو مختلف تہذیبیں باختر کے علاقے میں ایک دوسرے کے قریب آئی ہیں، اس ساز سے ہندوستانی بھی واقف ہونے ھونگے۔ ممکن ھے کہ ھندوستانیوں نے اسکا نام کچھ اور رکھا ھو۔

خسرو نے ھندوستانی سازوں میں سے جہاں بہت سے ساز کے نام لئے ہیں وہاں ایک الاون ساز کا بھی ذکر کیا ھے جسکے نام ہی سے لوگ آج واقف نہیں ہیں۔ اور یہ الاون ساز انکا محبوب ترین ساز تھا، اسکو وہ خالصتاً ہندی ساز بتاتے ہیں۔ ملاحظ ہوں خسرو کی چند ابیات اس ساز کی توصیف اور اسکی ہیئت سے متعلق۔

بادہ دہ اما نہ از ملک دگرم   بادۂ ایں ملک نیشکرم
مطرب ہندویٔ الاون زن‌خوش   تار رگم از پئے آں ساز بکش
زمزمۂ کن کہ دل از تن ببرد   سوز سرود تو غم از من ببرد*
أو الاون را چناں بنواختہ   کاب حیوان را برود انداختہ**

اس الاون ساز کی شکل یہ تھی

الاون را رگ از اندام بیروں   کدو بر پشت و رگہا گشتہ بیخوں***

---

* مثنوی نہ سپہر ص۔ ۲۱۰

** ایضاً۔ ص۔ ۳۸۳

*** مثنوی دول رانی خضرخان علی گڑہ ایڈیشن۔ ص۔ ۱۵۶ - ۱۵۷ -

چونکہ الاون کی پشت پر ایک تونبی ہوتی اور اسکے سینے پر تار ہوتے اسلئے یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ الاون وچتروینا کے مقابلے میں ستار سے زیادہ مشابہ ہے۔ خسرو نے جہاں مختلف سازوں کے نام لئے ہیں وہاں وینا یا بینا کا نام نہیں لیا ہے۔ فارسی زبان میں سرود گانے کو کہتے ہیں لیکن ہندوستان میں سرود ایک ساز بھی ہے۔ معلوم نہیں خسرو کے مندرجہ ذیل اشعار میں سرود گانے کے معنی میں استعمال ہوا ہے یا بمعنی ساز۔ مگر ایک شعر سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ساز کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ ویسے اعجاز خسروی میں انہوں نے سرود کو ایک ساز بتایا ہے۔ ''چوں سرود پیچاں زیر و زبر کنند'' *

حجبت پشت انکہ سرود خوش ما
کوست بسوز دل و جاں، آتش ما
ہر ہمہ دانستہ کہ در جملہ جہاں
نیست بریں گونہ وایں نیست نہاں
زانکہ بس نغمہ سرا از ہمہ سو
آمد و آورد روشہائے نکو
آں ہمہ زینجا بگرفتند یگاں
تیز دویدند درو تیز تگاں
ساختہ ہم گشت بر ایشاں قدرے
زاید از آں ساز بسازش ہنری §
لیک رسیدہ بحد ہند دروں
گرچہ کہ سی سال و چہل ماند فزوں
زہرہ نبودش کہ یکے صوت سبک
گرم بگیرد زچہ از طبع خنک

---

* اعجاز خسروی رسالہ ثانیہ۔ ذکر ترمتی مغنیہ

§ ڈاکٹر وحید مرزا کی مرتب کی ہوئی نہ سپہر میں یہ مصرعہ یوں ہے۔ ع زاید از آں زاد بسازش ہنری۔ لیکن کئی مخطوطے میں زاد کی جگہ ساز ہے۔ اور یہی صحیح معلوم ہوتا ہے۔ وحید مرزا نے بھی حاشیئے میں ساز لکھا ہے

حجت نہ آنست کہ از نغمہ' تر
تیر خورد آہوئے صحرا بجگر *

یہ دونوں ساز، الاون اور سرود، ستار سے مشابہہ ہیں۔ اگر خسرو کے زمانے میں ستار نام کا کوئی ساز ہوتا تو وہ اسکا ذکر ضرور کرتے۔ اور اگر وہ اسکے موجد ہوتے تو بھی اس کا ذکر کرتے اور چونکہ کوئی ذکر نہیں ہے اور نہ انکے کسی معاصر نے اس بات کا ذکر کیا ہے کہ خسرو نے کوئی ساز بھی ایجاد کیا اس لئے یہ بات تاریخی حیثیت سے غیر متحقق ہے کہ وہ ستار یا طبلہ وغیرہ کے موجد تھے۔ برنی نے جہاں یہ لکھا ہے کہ انہوں نے مختلف راگ راگنیاں ایجاد کیں وہاں اس نے یہ نہیں لکھا ہے کہ انہوں نے کوئی ساز بھی ایجاد کیا۔ خسرو نے اپنی مثنوی قران السعدین میں بہت سے ساز کے نام لئے ہیں، اور چنگ کی بہت تعریف کی ہے لیکن وہاں بھی ستار کا نام نہیں لیا ہے۔ خسرو نے جو مقالہ اعجاز خسروی میں موسیقی کے اصول و فروع کی سرخی دیکر لکھا ہے اس میں انہوں نے درجنوں ساز کے نام لئے ہیں۔ عود، عجب عود، طنبور، رباب، نائے- خشت؟ شہنائی، سرنی' (سرنئے) (اردو کے لوگ سرنا بھی بولتے ہیں) بابلک، مشکک، دمدمہ، تبیرۂ ہندی، (تبیرہ ڈھول کو کہتے ہیں- تبیرہ ہندی سے مراد غالباً طبلہ ہے) دہل غازی، دہلک- دہل، نوالک، چنگ، سرود، پیکان، دف، چہرہ، کنگرہ وغیرہ- لیکن بھولے سے کسی ایک جگہ بھی ستار کا نام نہیں لیا ہے-

ابھی ہم نے اوپر خسرو کے جس مقالے کا حوالہ دیا ہے، وہ اصل میں ان کے دو خطوط کا مجموعہ ہے۔ ان خطوط سے جہاں موسیقی سے متعلق خسرو کے گہرے علم کا اندازہ ہوتا ہے- وہاں ان کے زمانے کے بعض مشہور موسیقار، اور ان کے اسالیب نعمہ سازی کا بھی علم ہوتا ہے۔ مختصراً میں ان خطوط کا خلاصہ پیش کرنا چاہونگا- تاکہ کچھ اندازہ ہو کہ اس مقالے میں کیا ہے-

---

* مثنوی نہ سپہر- ص- ۱۷۱

مضمون اس عنوان سے شروع ہوتا ہے - " در انشعاب اصول و فروع موسیقی -"

پہلے خط میں جو الغ خاں کو لکھا گیا ہے اور جس کی تاریخ درمیانہ شوال ۷۱۶ ہجری ہے - ابتدا میں فن موسیقی کی عظمت کو بیان کیا گیا ہے - جس میں شاعری زیادہ اور حکیمانہ باتیں کم ہیں - اس کے بعد ایک مغنیہ ترمتی خاتون کی مدح ہے جو مختلف ساز کے بجانے پر قدرت رکھتی تھی اور جسے خسرو کے توسط سے دربار شاہی میں رسائی حاصل ہوئی تھی - وہ اسقدر با کمال تھی کہ اسے سلطان نے حضرت دہلی و اقصائے دہلی کا امیر مطرب مقرر کیا - اس کی مدح میں خسرو نے جو جملے لکھے ہیں ، ان میں سے چند ملاحظہ ہوں -

" آں اعجوبۂ دہر در مراسم ایں شغل بطریقے چنگ زند کہ از خنیاگران باخرز و نہاوند و از آوازہائے بلندش دست بر دست زنند جائیکہ چوں سرود پیچاں زیر و زبر کند و کلاوتان ہندی را کہ از تار الاون عبدالمومن * را زنار بندانند برنہجی باعث باشند کہ ہردم بہ یک مجلس وار ہندوانہ سوزے در دل اصحاب شیون رساند - "

دوسرا خط - نامہ سوئے امیر مطربان (کمال الزماں بدرالدین) عنوان ایں ورق -

اس خط میں پہلے تو کمال الزماں بدرالدین کے فن کی تعریف کی گئی ہے - اسے چنگ اور دف کے بجانے میں کمال حاصل تھا -

اسکے بعد لکھتے ہیں " خلاصۂ ایں گفت انکہ گویندۂ چند از جانب باخرز و فرغانہ کہ آوازہائے بربط کمال الزماں (بدرالدین) آنجاہا در گوش ایشاں رسیدہ است و ایشاں را گوش گرفتہ ایں طرف کشیدہ رسیدہ

---

* غزنوی عہد کا مشہور ماہر موسیقیات بہجت الروح کا مصنف متوفیٰ (۱۲۰۶ ہجری)

اند ۔" ان چند گویوں میں ایک داؤد جبلی اور ایک شعبان قمری کا نام لیا ھے اور انکے ساتھ دو اور مطرب ایک ابوالفرخی اور دوسرے بربطی کا ذکر کیا ھے ۔ شروع شروع میں تو شعبان قمری اور داؤد جبلی کی تعریف کی گئی ھے ۔ لیکن اس کے بعد ان کے بلند بانگ دعوؤں کی قلعی بھی کھولی گئی ھے ۔ اس سلسلے میں یہ بتانا ضروری ھے کہ اعجاز خسروی کے دو مختلف نسخوں میں ان کے بلند بانگ دعوؤں کو قدرے اختلاف عبارت کے ساتھ نقل کیا گیا ھے ۔ ایک خطی نسخے میں جو غازی الدین حیدر پادشاہ' اودھ کے لئے تیار کیا گیا تھا اور جو ان دنوں نیشنل میوزیم کراچی میں ھے، اس حصے کی عبارت اس طرح نقل ہوئی ھے ۔

" اما دعوے ایشاں چندانست در پردہ' نگاریں بالانگنجد ۔ می گویند کہ پیش علم ما کہ محیر اھل طرب است کرا حد آں باشد کہ ازتجدد طبع دو عرصہ با یکدیگر جدا تواند کرد یا بتار ابریشم دو پردہ را باھم تواند دوخت و دقایق سفید رباب و جدول رود ابریشم نانبشتہ تواں خواند ۔ ہندوستانیاں کنگرہ زن چہ معلوم کنند کہ ھماں عجب رود بر سرود ایشاں دنداں سفید می کند ۔

چوں ہندو نوازد عجب رود خویش　　بخندد عجب رود بر دست او

و از معرفت پردہ و اصول خود چناں بیگانہ کہ خاتون ترک از ستر پردہ و دھقانان ہندو از علم اصول ۔ ایشاں را چہ علم کہ اصول چرا منحصر بہ چہار است و پردہ بر دوازدہ و ابریشم بر شش وماباقی فروعی است ۔ الخ

اس عبارت کو نولکشور کے مطبوعے نسخے میں قدرے اختلاف کے ساتھ لکھا گیا ھے ۔ مطبوعہ نسخے کی عبارت یہ ھے ۔

"حقایق ایں علم باریک کہ مسلک حکماء روم است چناں وضع شد کہ از ورق سپید رباب و جدول رود ابریشم نانبشتہ بتواند خواند ۔

ہندوستانیان کنگرہ زن چہ معلوم کنند کہ ہماں عجب رود بر سرود ایشاں دنداں سفید می کنند۔

چوں ہندو نوازد عجب رود خویش
بخندند عجب رود بر دست او۔

اسکے بعد کی عبارت یکساں ہے میں نے اس بات کو اس لئے واضح کیا ہے، کہ کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ جو جملے کہ ولایت بالا کے گویوں کے لاف و گزاف کے ہیں، انہیں ہندوستانی موسیقی سے متعلق خسرو کے خیالات سمجھ لئے جائیں - خسرو نے ہندوستانی موسیقی کو دنیا کی تمام موسیقی سے بہتر بتایا ہے- اور ہندوستان کی برتری کے جواز میں جو نو دلیلیں پیش کی ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ ہندوستان کی موسیقی دنیا کے تمام دوسرے ممالک کی موسیقی سے افضل ہے۔ چنانچہ اس مضمون میں بھی انہوں نے ولایت بالا کے ان لاف گزاف کرنے والوں کو ہندوستانی موسیقاروں سے زیر کروایا ہے-

چوں اولاد امیر کنجشک و محمد شاہ مرغک و محمود چوزہ و ہزار عندلیب دیگر کہ در بوستان دہلی پراں شدہ اند میباید کہ کاہ بر کلہ ساختہ و پرداختہ از ایں طرف بہ آیند و خدمت امیر طیور (بدرالدین) کہ یک ذات او برابر سیمرغ ست بریں مشتے، شارک دہان باز خراسانی زند با دام کہ ایشاں را صید خود نکنند باز نگردد۔

کہ تا درست شود قمریان بالا را
کہ مرغ چوں بود اندر بہار ہندوستاں

چوں ایشاں را طیرہ و پرکم کرد بعد ازاں بغراغبالی سوئے دگر عزت خویش طیراں نماید۔ ہمیشہ مشغول سماع شادی باد *

---

* اعجاز خسروی مطبوعۂ نولکشور رسالہ ثانیہ - ص - ۱۸۰

امیر خسرو نے اپنی مثنوی ”نہ سپہر“ میں ہندوستان کی موسیقی کو دنیا کے تمام ملکوں کی موسیقی سے افضل قرار دیا ہے۔ میں اسکا حوالہ دے چکا ہوں۔ ان سے اسکی توقع رکھنا کہ وہ باخرز اور فرغانہ کی موسیقی کو ہندوستان کی موسیقی سے افضل سمجھیں گے۔ یا یہ کہ عراق اور عجم کی موسیقی کو ہند کی موسیقی سے افضل قرار دینگے خسرو ناشناسی کے مترادف ہوگا۔ اسی مثنوی میں انہوں نے یہ بات بھی لکھی ہے کہ کیا علم ریاضی، ہیئت طب اور فلسفہ، ان تمام علوم میں ہندوستان رومیوں سے کم نہیں۔ فرق یہ ہے کہ رومیوں کے علم سے لوگ آگاہ ہیں اور ہندوستان کا علم ہندوستان میں بند ہے۔ چنانچہ خسرو نے اپنے اسی مضمون میں جہاں یہ لکھا ہے کہ ”کلاوتان ہندی از تار الاون عبدالمومن را زنار بندانند“ وہاں فارسی غزل کے گانے کے فن میں اپنے یہاں کے شاہی مغنیوں کے مقابلے میں نکیسا اور باربد کو بھی ہیچ قرار دیا ہے۔ مجھے اس سے سروکار نہیں کہ آیا ہندوستان کی موسیقی عرب اور ایران کی موسیقی سے، روم اور یونان کی موسیقی سے بہتر ہے کہ نہیں۔ میں تو خسرو کے خیالات کی ترجمانی کر رہا ہوں کہ انہوں نے ہندوستان کی موسیقی کو دنیا کے تمام ممالک کی موسیقی سے افضل قرار دیا ہے اور اپنے مذکورہ مضمون میں ہندوستان کی قدیم ہندوانہ موسیقی کا کوئی تنقیدی جائزہ پیش نہیں کیا ہے بلکہ باخرز اور فرغانہ کے مغنیوں کے لاف گزاف کو اپنے جملوں میں بیان کیا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا بالکل غلط ہے کہ انہوں نے فرغانہ اور نہاوند کی موسیقی کو ہندوستان کی موسیقی سے افضل قرار دیا ہے۔ ایسا سوچنا خلاف حقیقت سمجھا جائیگا۔ خسرو ہندوستان کی موسیقی کو تمام دنیا کی موسیقی سے افضل سمجھتے تھے۔ کھانا گانا اپنے دیس ہی کا سب کو بھلا معلوم ہوتا ہے۔

اب ہم اس بات کی طرف متوجہ ہونگے۔ کہ چلیئے ساز نہ سہی راگ تو خسرو نے ایجاد کئے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا اسے ٹھوس

تاریخی سطح پر متحقق کیا جا سکتا ھے کہ خسرو نے کون سے راگ اور راگنیاں ایجاد کیں۔ مگر اسکا جواب دینے سے پہلے یہ بتانا ضروری ھے کہ چونکہ ہمارے یہاں تصنیفات موسیقی کو قلمبند کرنے کا نہ تو کوئی ایسا رواج تھا اور نہ کوئی سائنٹیفک طریقہ، جیسا کہ یورپ میں سمفونی کو رقم کرنے کا ھے، اس لئے خسرو کی گائیکی کے سلسلے میں نہ تو ثانوی ذرایع کو نظر انداز کیا جاسکتا ھے اور نہ ان خاندانی قوالوں کی بیاض کو جو پشتہا پشت سے خسرو کی تصنیفات گاتے چلے آئے ہیں۔

لیکن قبل اس کے کہ گفتگو کے اس حصے کا آغاز ہو جسکا تعلق خسرو کی ایجاد کردہ راگ راگنیوں سے ھے چند عمومی باتیں موسیقی سے متعلق کرنا چاہوں گا۔ موسیقی منجملہ دیگر فنون لطیفہ کے، توجد ذات اور تحصیل ذات کا ایک ذریعہ ھے، لیکن موسیقی ایک ایسا فن ھے جس میں صورت اس کے معنی سے متحد ہوتی ھے۔ حقیقت یہ ھے کہ اس کا فارم ہی اس کا معنی ھے۔ اسلئے یہ ایک مجرد ترین فن بھی ھے اسکا اصل اصول، ایقاع اور مقام یعنی rhythm اور melody ھے یہ بنیادی اصول ہر ملک اور قوم کی موسیقی میں ملتا ھے - اسی کی بنیاد پر سرگم کے نظام یا scales وضع کئے گئے ہیں، جسکو اوزان شعر کے حوالے سے بھی سمجھا جا سکتا ھے۔ کیونکہ وزن کا تعلق موسیقی سے ھے۔ جس طرح اوزان شعر کا حساب آواز کے تین حقایق پر مبنی ہے- عرصہ یا دوران- حجم اور رفتار اور پھر انکی مناسبات سے یا تو حرکت و سکون، یا چھندوں اور ماتراؤں کا شمار کرتے ہیں، یا صرف تکیہ (accents) کا شمار کرتے ہیں یا تکیہ اور ہجا دونوں کا شمار کرتے ہیں۔ اسی طرح موسیقی میں بھی آواز کی تفریق و تقسیم بہ اعتبار عرصہ، حجم اور رفتار کی جاتی ھے، لیکن چونکہ موسیقی کا تعلق خالصتاً اصوات سے ھے نہ کہ الفاظ سے اس لئے اس کی جدول اوزان شاعری کی جدول سے مختلف اور زیادہ دقیق ھوتی ھے ۔ جواصول کہ بارہ پردے اور چھ ابریشم کے اور ثقیل کو خفیف میں اور خفیف کو ثقیل میں اور زیر بزرگ

کو زیر خرد میں اور زیر خرد کو زیر بزرگ میں تبدیل کرنے کے عراق اور عجم اور یونان کی موسیقی میں ملتے ہیں وہی اصول ہندوستان کی موسیقی میں بھی ہیں - مت بھید صرف اصطلاحات کا ہے - یہاں پردے کو ستبک بولتے ہیں جس میں بارہ سر ہوتے ہیں ، پانچ کومل ، پانچ شدہ ، دو اچل ، نہ تبدیل ہونے والے - اور پھر ان کی ویسی ہی ذیلی تقسیم ہے جیسی اوپر بیان کی گئی - یہی سبب ہے کہ جو گوش نغمہ رکھتے ہیں وہ ہر ملک کی موسیقی سے لطف اندوز ہوتے ہیں بشرطیکہ وہ کھٹراگ نہ ہو ، چونکہ یہ فن حساب و شمار ، تفریق و تقسیم پر قائم ہے اس لئے اس کو ایک سائنس ، حکمت یا ریاضیات کا درجہ دیا جاتا ہے لیکن ایسا سوچنا کہ موسیقی کا تعلق داخلیت ، جذبات اور تخیل سے سے نہیں ہے جو شخصی عناصر ہیں صحیح نہ ہوگا - بغیر داخلیت کے کوئی بھی فن وجود میں نہیں آتا ہے چنانچہ موسیقی اپنے انہیں داخلی عناصر کے باعث ہر ملک اور ہر قوم میں اپنا ایک نیا رنگ و روپ اختیار کرلیتی ہے جس سے اس کی انفرادیت اور وہ عصبیت ہے جسکو ذوقی عصبیت کہیں گے - مگر جسطرح تہذیب و تمدن کے مختلف مظاہر میں ایک بین الاقوامی لین دین کا چلن ملتا ہے - اسی طرح کیا ساز کی موسیقی اور کیا انسانی آواز کی موسیقی ، اس فن کے میدان میں بھی مختلف تہذیبوں کے درمیان نامعلوم زمانے سے لین دین رہا ہے اور اس کثرت کے ساتھ کہ آج یہ بتانا مشکل ہے کہ کونسا ساز کس دیس میں ایجاد ہوا اور کونسا راگ کس سر زمین سے اصلاً تعلق رکھتا ہے - موسیقی انسان کے دل کی وہ آواز حق ہے جو سارے قلوب انسانی کی ترجمانی کرتی ہے وہ مقید الفاظ ہو کر بھی ورائے الفاظ بہت کچھ دوسروں کے قلب میں اترتی ہے ، اس لئے جب دو تہذیبیں ملتی ہیں ، خواہ کسی سیاسی غلبے کی وجہ سے یا کسی دوسرے اسباب کے باعث ، تو وہ بہت کچھ موسیقی ہی کے ذریعے ایک دوسرے سے قریب آتی ہیں - لیکن چونکہ مذاق موسیقی ، داخلی عناصر کی وجہ سے خاصا متعصبانہ اور قدامت پسند ہوتا ہے اس لئے ان کے درمیان پیوند سازی

یا امتزاج کا عمل بڑی سست رفتاری کے ساتھ کام کرتا ہے ۔ ہم مغرب کی سیاسی غلامی سے آزاد ہوچکے ہیں ، لیکن مغرب کی موسیقی ہماری موسیقی کو روز بروز متاثر کئے جارہی ہے ۔ اور مغرب کی موسیقی کو ان ملکوں کی موسیقی متاثر کر رہی ہے جنھیں وہ کسی زمانے میں وحشی اور غیر مہذب کہا کرتے ۔ ایسا ہی امتزاجی عمل ہندوستان میں بھی مسلمانوں کی آمد کے بعد رونما ہوا ۔ لیکن ان کی باہمی امیزش کی رفتار اس وقت تک سست رہی جبتک کہ تصوف اور بھگتی تحریک کے ذریعے یہ دونوں قومیں ایک دوسرے کے قریب تر نہ آئیں ۔ اس عمل میں ، صوفیاء کی محفل سماع نے بڑا مثبت کردار ادا کیا ہے ۔ اول تو انہیں کی مساعی سے سماع تقرب الٰہی کا ایک ذریعہ بھی قرار پایا ۔ جس سے اس کی سماجی حیثیت معاشرے میں موقر ہوئی ، دوسرے یہ کہ انہیں کی محفل سماع میں اولاً اس پیوندکاری کا عمل شروع ہوا جسے ہم ہند مسلم موسیقی کا نام دیتے ہیں ، مگر ایسا سوچنا کہ اس سلسلے میں صرف مشائخ چشت ہی کی خدمات اہم ہیں درست نہیں ہے ، اُن مسلمان بادشاہوں نے اس فن کی بڑی سرپرستی کی جن کا رویہ زندگی کی طرف خاصا لبرل تھا اگر ان کا ذوق و شوق اور ان کی داد و دہش مددگار نہ ہوتی تو یہ فن ترقی نہ کرسکتا ۔ بادشاہوں کا اپنا ایک خاص طائفہ مطربوں کا ہوتا جو یا تو اسکا باقاعدہ ملازم ہوتا ۔ یا وہ طائفہ ہنر مند کنیزوں اور غلاموں پر مشتمل ہوتا ۔

ضیاء الدین برنی نے معز الدین کیقباد، جلال الدین خلجی اور علاء الدین کے درباری ، موسیقاروں ، مطربوں ، مغنیوں اور رقاصاؤں کے جو احوال لکھے ہیں ، اور پھر امیر خسرو نے اپنی مختلف مثنویوں اور اعجاز خسروی میں شاہی دربار کے مغنیوں کے جو کارنامے بیان کئے ہیں ۔ اور ان سلاطین کی بزم طرب کی جو مصوری کی ہے وہ سب اس بات کو اچھی طرح روشن کرتے ہیں ، کہ ہرچند کہ صوفیاء کی محفل سماع سے بھی اس فن کو ترقی ملی ۔ مسلمان بادشاہوں کی سرپرستی نے اس فن کو ترقی دینے میں سب سے اہم کردار ادا کیا ہے ۔

چونکه امیر خسرو کا تعلق دربار اور خانقاه دونوں سے تها ، اس لئے ان کی خدمات جہاں قول ، قلبانه اور ترانه ایجاد کر کے خانقہی موسیقی کو ترقی دینے میں ملتی ہیں وہاں درباری موسیقی یا غیر مذہبی موسیقی کو بهی ترقی دینے میں بهی انکا بہت بڑا ہاته ہے -

خیال جو ایک رومانی اور غیر مذہبی گائیکی ہے - تماتر مسلمانوں کی ایجاد ہے - اور اس کو ترقی دینے میں خسرو کی خدمات کو بہت بڑا دخل ہے - چنانچه آج جسے مغرب کے لوگ انڈین میوزک بلا تفریق ہند و پاک کہتے ہیں ، اسکو ترقی دینے میں مسلمانوں نے جو کردار ادا کیا ہے اس سے منکر تاریخ سے ایک ناواقف شخص ہی ہوسکتا ہے - مسلمانوں نے موسیقی کو یه ترقی نه صرف شمالی مغربی ہند میں دی بلکه جنوبی ہند میں بهی ، بہمنی سلطنت کے زمانے میں مسلمان حکمرانوں نے اسکی بڑی سرپرستی کی ، اور پهر مغلیه دور میں جو اس نے ترقی کی اسکا علم بیشتر لوگوں کو ہے -

اب ان چند معروضات کے پس منظر میں ہم اس بات کا جایزه لیں گے ، که جن مختلف راگ راگنیوں اور قول ' قلبانه اور ترانه وغیره کا موجد خسرو کو قراد دیا جاتا ہے اسکے بارے میں اکبر اور شاه جہاں کے عہد کے مورخین کیا لکھتے ہیں ، عبدالحمید لاہوری (شاه جہانی دور) بادشاه نامے میں لکھتے ہیں که " اگرچه ہندوستان بہشت نشان کے قدیم گویوں کا دارو مدار ایسی تصنیفات پر تها جنہیں گیت ، چهند ، دهرو* اور استت کہتے ہیں ، لیکن چونکه یه عجیب و غریب نغمات کرناٹکی زبان میں رائج تهے - اور اس سر زمین (شمالی ہندوستان) کے لوگ اسکے معنی و مطلب سے نا آشنا بجز نغمه و آہنگ کے کچھ سمجھ نه پاتے - اس لئے امیر خسرو شیخ نظام الدین کے مرید نے انہیں چار طرز میں گایا - " اول قول که بقانون گیت مشتمل است بر عربی و فارسی به نظم

---

* یه لفظ دهرو آئین اکبری میں بهی آیا ہے - اسکو دهرپد پڑھنا بغیر تحقیق کے صحیح نہیں ہے -

یا به نثر و بنائے آن بریک تال است یا دو یا سه یا چار۔ دوم فارسی- اشعار فارسی با ترانه مبنی بریک تال فراہم اور ده ۔ سوم ترانه که بے اشعار اساس آن بریک تال گزاشته ۔ چہارم تصنیفی که به ہندوستانی (ہندوی) زبان بر گزارد و انرا خیال نا مید ۔ " †

عبدالحمید لاهوری نے خسرو کو قول ، فارسی با ترانه - ترانه بے اشعار فارسی ۔ اور ہندوی بولی کو خیال میں گانے کا موجد قرار دیا ھے - عبدالحمید لاهوری نے جو کچھ لکھا ھے اسکی تصدیق ابوالفضل کی آئین اکبری سے ہوتی ھے جو اس سے پہلے کی کتاب ھے ۔

" و انچه بدھلی بنوازند قول و ترانه نامند روشے است امیر خسرو دہلوی به ہمزبانئ صامت و تتار بر روئے کار آورد و نقش فارسی و ہندی بر گرفته عشرت افزا شد ۔ * ابوالفضل نے خیال کا نام نہیں لیا ھے - لیکن ہندی کا نام لیا ھے بہر حال قول و ترانه کو امیر خسرو اور صامت قوال کی روش بتائی ھے - صامت نظام الدین اولیاء کی محفل سماع کے مشہور قوال تھے - ** تتار کی نشاندہی نہیں هوسکی - غالباً وہ بھی شیخ نظام الدین کے ایک مشہور قوال تھے -

ان دو تاریخی حوالوں کے بعد تیسرا حواله سیف خان فقیرالله کی تصنیف راگ درپن سےابتک دیا جاتا رہا ھے - سیف خان فقیرالله نے راگ درپن ۱۶۶۵ هجری میں تصنیف کی تھی - یه کتاب مانک سوہلی کی ایک تصنیف کا فارسی ترجمه مع اضافے کے ساتھ ھے - اس کتاب کے حوالے سے شبلی نے امیر خسرو کو باره راگوں کا موجد قرار دیا ھے اور پھر یه

---

† بادشاه نامه - ص - ۵ - ۶ ، ملا عبدالحمید لاهوری ایشیاٹک سوسائیٹی بنگال مطبوعه ۱۸۶۸ء -

* آئین اکبری - مطبوعه نو لکشور سنه ۱۸۸۲ ص - ۱۰۹

** سیرالاولیاء اردو ترجمه ص - ۳۶۷ " بعد ازاں صامت قوال جو علم موسیقی میں ناطق معانی تھا شعر پڑھا کرتا تھا ۔ "

جملہ لکھا ہے کہ ''راگ درپن میں لکھا ہے کہ ان راگوں میں ساز گری، باخرز، عشاق اور موافق میں موسیقی کا کمال دکھایا۔ باقی راگوں میں کچھ یوں ہی ادل بدل کرکے دوسرا نام رکھدیا ہے۔ قول ترانہ خیال، نقش۔ نگار، بسیط۔ تلانہ سوہلہ یہ سب بھی امیر خسرو کی ایجاد ہیں۔ ان میں سے بعض خاص انکی ایجاد ہیں بعض کے نام ہندی میں پہلے سے موجود تھے۔ امیر نے ان میں کچھ تصرف کرکے نام بدل دیا۔'' *

شبلی نے راگ درپن کے دو نسخوں سے استفادہ کرکے اسکے مولف کے قول کو نقل کیا ہے۔ لیکن نقی محمد خان خورجوی نے پنڈت سارنگ دیو (متوفی سنہ ۱۲۱۰ء) کی تصنیف سنگیت رتنا کر کا مطالع کئے بغیر معلوم نہیں کس بنیاد پر یہ بات لکھی ہے کہ چونکہ امیر کے ایجاد کردہ راگوں کا ذکر سنگیت رتنا کر میں نہیں ہے۔ اسلئے وہ راگ امیر ہی کی ایجاد ہوسکتے ہیں۔ ** جبتک کہ اس کتاب کا کوئی حوالہ نہ ہو یا کسی اور جگہ سے اسکی اصل عبارت نقل نہ کیجائے اس قسم کے دعوے غیر معتبر ہوا کرتے ہیں۔ چنانچہ ان کے اس دعوے کو صرف نظر کرتے ہوئے اب ہمیں راگ درپن کی اس بات پر غور کرنا چاہئے کہ اس نے امیر خسرو کو جن راگوں کا موجد قرار دیا ہے، ان میں سے بیشتر راگوں کا ذکر جا بجا خسرو نے خود اپنی کتابوں میں کیا ہے۔ لیکن کہیں بھی یہ نہیں لکھا ہے کہ یہ راگ میرے ایجاد کردہ ہیں۔ یا یہ کہ میں نے ان میں تصرفات کئے ہیں۔ بہر حال اگر اسے انکی خاکساری قرار دیا جائے تو ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ عہد خسرو سے پہلے وہ راگ عراق و عجم باخرز و فرغانہ، سمرقند و بخارا، غزنی اور غور، لاہور اور ملتان کے گویوں کی زبان پر تھے کہ نہیں او ر چونکہ یہ مسئلہ تحقیق طلب ہے۔ فی الحال اس پر کوئی رائے دینے کا میں اپنے کو اہل نہیں سمجھتا ہوں۔ لیکن اسقدر یقیناً متحقق ہے جیسا کہ برنی لکھتا ہے کہ امیر نے بہت سے

---

* شعرالعجم حصہ دوم ص۔ ۱۰۵

** حیات امیر خسرو۔ مطبوعہ ۱۹۶۰ء۔ ص۔ ۱۷۴

راگ اور راگنیاں ایجاد کیں - ممکن ہے کہ وہ ایجادات تصرفات ہی کی حد تک ہوں - لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کہ انہیں گانا گانے اور تصنیف کرنے میں کمال حاصل تھا -

جہانتک کہ خیال کے ایجاد کرنے کا تعلق ہے - یہ ایک دلچسپ بات ہے کہ امیر خسرو نے خود موسیقی کے سلسلے میں کہیں خیال کا نام نہیں لیا ہے - انہوں نے شاعری اور نثر نگاری میں صنعت ایہام اور خیال کا بیشک ذکر کیا ہے (اعجاز خسروی) بہر حال ترانہ ہو یا فارسی - یہ دونوں بیشک امیر خسرو کی ایجاد معلوم ہوتی ہیں - کیونکہ یہ دونوں ان کی طبع ایجاد سے میل کھاتی ہیں - اور انہیں بجز انکے کسی اور سے منسوب نہیں کیا گیا ہے اور اسکا بھی قوی امکان ہے کہ عربی یا فارسی کے قول گانے کا وہ مخصوص انداز انہیں کی ایجاد ہو جو ان سے منسوب کرکے قوال گاتے ہیں - اور جسے اصطلاحاً قول اور قلبانہ کہتے ہیں - لیکن یہ کہنا کہ قوالی انکی ایجاد کردہ ہے - بہت ہی مشتبہ ہے - لیکن قبل اسکے کہ اس گفتگو کا آغاز ہو - ہمیں قوال کی تعریف کرلینی چاہئے - فارسی زبان میں گوئندہ کہکر خنیا گر کا بھی مفہوم ادا کیا جاتا ہے - اس لفظ کو ان معنوں میں خود خسرو نے استعمال کیا ہے (اعجاز خسروی - در انشعاب اصول و فروع موسیقی) چنانچہ قوال کو بھی انہیں معنوں یعنی گوئندہ کے معنی میں استعمال کیا جا سکتا ہے - اسکی ایک مثال یہ ہے کہ جس بانو قوال کا ذکر مسعود سعد سلمان (متوفیٰ سنہ ۵۱۵ء ھجری) نے کیا ہے اور اسے انہوں نے ایک مغنیہ بتایا ہے -

با نوئے آں نادر جہاں بسرود
حملہ آورد بر ریشم عود *

اسکے برعکس خسرو کے وقت میں قوال کا مفہوم اس سے مختلف تھا - وہ گانے کے ساتھ ساتھ تالی بجاتے اور درمیان سماع نعرے بلند کرتے -

---

* تاریخ ادبیات مسلمانان ہند و پاک جلد سوم - ص - ۲۰۶

گشت قوالان چابک دست زن
صوت شان از جادوئی گفتہ سخن
کردہ خوں چوں دست دردستاں زدہ
دست بردست از فسوس جاں زدہ
گہ تیزیٔ شان ز دیدہ خوں دود
ور دہند آواز، جاں بیروں دود §

آج ہم لوگ اسی قوال سے واقف ہیں، جو گانے میں تالیاں بجاتے ہیں اور طرح طرح کے نعرے اہے واہ قسم کے بلند کرتے ہیں اس قسم کے قوال، اور اس طرز کی قوالی گانے والے خسرو کے عہد میں تو خیر تھے ہی، خسرو سے پہلے بھی تھے۔ سیرالاولیاء میں ایسی کئی حکایتیں ملتی ہیں کہ جس قسم کی محفل سماع، وجد آور اور رقص آور، نظام الدین اولیاء کے جماعت خانے میں منعقد ہوا کرتی ویسی ھی محفل سماع بابا فرید شکر گنج کے یہاں بھی منعقد ھوا کرتی۔ اس سے پہلے یعنی سلطان التتمش کے زمانے میں خواجہ بختیار الدین کاکی بھی محفل سماع میں شریک ہوا کرتے چنانچہ جب شیخ علی سکتری کی خانقاہ میں قوال نے یہ شعر پڑھا۔

کشتگان خنجر تسلیم را ہر زماں از غیب جانے دیگر ست

تو آپ پر ایسی حالت طاری ہوئی، کہ مسلسل چار روز تک تحیر اور مدہوشی کے عالم میں رہنے کے بعد پانچویں روز وصال پا گئے۔ لیکن ہمیں اس کا علم نہیں کہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اور شیخ فریدالدین شکر گنج کے زمانے میں جو محفل سماع منعقد ھوا کرتی، اس میں قوال اشعار کیونکر گاتے آیا تالی بجاتے اور نعرے بلند کرتے کہ نہیں۔ ہاں یہ کہا جا سکتا ھے کہ سیرالاولیاء کے زمانہ تصنیف کے وقت محفل سماع کیائے محفل قوالی، یا صرف قوالی کا لفظ رائج نہ تھا۔ قوالی بولکر

---

§ مثنوی نہ سپہر - ص - ۳۹۶
* سیر اولیاء اردو ترجمہ - ص - ۵۱

محفل سماع مراد لینا - مثلاً آج انکے گھر پر قوالی ھے ، یه بعد کے زمانے کا محاوره ھے - نقی محمد خورجوی (متوفی زمانه' حال) نے حکیم محمد کرم امام خان کی تصنیف معدن موسیقی کے حوالے سے جو زمانه' حال کی ایک کتاب ھے - اس خیال کا اظہار کیا ھے که امیر نے قوالی کی راگوں کو بسنت سنگیت ، سوہنی اور پنجم بہار سے ملایا ھے - بالخصوص سوہنی قوالی امیر کی ایجاد ھے - * واللہ اعلم بالصواب ۔

خسرو کا تبصره معاصر فارسی شاعری سے متعلق

خسرو نے اپنی مثنوی نه سپہر میں اپنی هندوی' شاعری کا بھی ذکر کیا ھے - لیکن چونکه میں نے ان کی ہندوی' شاعری سے بحث ایک علیحده باب میں کی ھے اسلئے اسے یہاں زیر بحث نہیں لایا هوں ۔ اسکے علاوه اس مثنوی میں انہوں نے اپنے معاصر شعراء ایران و هند کی شاعری پر تبصره بھی کیا ھے ، اس سے متعلق کچھ بیشک کہنا چاهونگا ۔

هم خسرو اور حسن علاء سجزی کے تعلقات پر روشنی ڈال چکے ہیں ۔ اور غالباً یه بات بغیر کہے هوئے بھی لوگوں پر واضح هو گی که حسن غزل گوئی میں اگر خسرو سے بہتر نہیں تو ان سے اتنے کمتر بھی نہیں که ان کا شمار حشرات الارض میں کیا جائے ۔ حسن خسرو کے همعصر تھے ۔ لیکن ان کا انتقال ۷۲۶ هجری میں خسرو کی وفات کے بعد هوا ۔ اب یه دیکھئے که اس مثنوی میں خسرو ، حسن کو مستثنیٰ کئے بغیر اپنے معاصر شعراء کو کیونکر یاد کرتے ہیں ۔

ببیں که ایں عرصه مارا چه هواست   که بسی مرغ درو نغمه سراست
شاعر و نظم ور و نغمه سرا   می بروید ز زمیں همچو گیا
خوب گو بیشتر و خوشخوان هم   دقت انگیز و دقایق دان هم
آں معانی که کنوں بر زد سر   کم چنیں بود در ایام دگر
هر یکے را روشی طرفه و نو   کمتریں همه مسکین خسرو †

---

* حیات امیر خسرو از نقی محمد خان خورجوی - ص - ۱۷۸

† مثنوی نه سپہر - ص - ۳۴۲

یہ سارے اشعار طنزیہ ہیں، اور اپنے کو کمترین کہنے سے اسکا مداوا نہیں ہوتا ہے۔ مگر یہ طنز کچھ ایکطرفہ ہی نہیں ہے۔ حسن نے بھی اپنی ایک غزل میں اسکا جواب دیا ہے۔

در رہ حق عارفاں را ہست خلوت خانہ
انکہ محرو مست از آں رہ محرم جاں کہ شود
اہل دل دانند در افشانی ز درج معرفت
انکہ درجک دزد باشد او در افشاں کے شود
از سخن دزدی نخواہد شد کسی صاحب سخن
دیو اگر انگشتری دزدد سلیمان کے شود
از فضول حاسداں فضل حسن مخفی نداند
آفتاب اندر پر خفاش پنہاں کے شود §

امیر خسرو اور امیر حسن کے درمیان معاصرانہ چمک کی میں نے یہ دوسری مثال دی ہے۔ نام نہ لینے سے بات چھپی نہیں رہتی ہے جہاں تک کہ شعراء ایران کا تعلق ہے پیروی سعدی میں سعدی کی مدح تو بجا ہے لیکن ہمام تبریزی کی تو کوئی خوبی بجز اسکے نہیں ہے کہ "بیشتر از غزلیات شیخ (سعدی) را جواب می گوید۔" * بہر حال معاصر شعراء ایران میں یہی دو ان کی نظر میں تھے۔

تا بجائے کہ حد یارسیاں اندریں عہد دو تن گشتہ عیاں
زاں یکے سعدی و ثانیش ہمام ہر دو از غزل آئین تمام
بلبلے گردگر آں سو بودے زو ہم آفاق سخن گو بودے**

مجھے اس میں کیا اعتراض ہو سکتا ہے کہ انہیں اپنے معاصر شعراء ایران میں سے یہی دو شاعر، آئین غزل کو تمام کرتے ہوئے نظر آئے۔ کیونکہ اول تو یہ اپنی اپنی پسند ہے پھر یہ ایک بہت بڑے شاعر کی پسند ہے۔ مگر اسکے باوجود یہ کہنا چاہونگا کہ جسطرح خسرو کے بزرگ ہمعصر سعدی تھے ویسے ہی ایک بزرگ شیخ فخرالدین

---

§ دیوان حسن مطبوعہ۔ ص۔ ۱۰۵

* تذکرۂ دولتشاہ سمرقندی مطبوعہ لاہور۔ ص۔ ۱۳۳

** مثنوی نہ سپہر۔ ص۔ ۴۴۵

ابراہیم عراقی بھی تھے جو شیخ بہاالدین ذکریا کے ساتھ چار سال ملتان میں قیام کر چکے تھے۔ ہر چند کہ یہ بات خسرو کی پیدائش سے پہلے کی ھے - مگر انکی وفات خسرو کے عہد یعنی ۶۸۸ ھجری میں واقع ہوئی۔ اور دونشاہ سمرقندی لکھتا ھے کہ ان کا کلام ہندوستان میں بہت مقبول تھا۔ ناممکن ھے کہ خسرو تک ان کی شاعری کا شہرہ نہ پہونچا ہو۔ عراقی کی اس زمین میں -

نخستیں بادہ کاندر جام کردند   ز چشم مست ساقی وام کردند

امیر حسن نے یہ غزل کہی ھے۔

بتاں کز زلف مشکیں دام کردند   جہانے زیر ہر مو رام کردند

ایسی صورت میں، یہ سمجھنے سے میں قاصر ہوں کہ عراقی کو خسرو نے کیوں نظر انداز کیا۔ کیا اس لئے کہ ان کی غزلیں صوفیانہ ہیں اور وہ صوفیانہ غزلیں پسند نہ کرتے؟

اس میں شبہہ نہیں کہ جب خسرو کو موعظت و حکمت کی بات کرنی ھوتی تھی تو وہ سنائی اور خاقانی کے اسلوب میں کرتے اور غزل کے میدان میں وہ صوفیاء کے طرز کو پسند نہ کرتے لیکن سعدی کی پیروی ضرور کرتے - اس میں شبہہ نہیں کہ سعدی کی بیشتر غزلیں عاشقانہ ہیں - لیکن ایسا بھی نہیں ھے کہ انہوں نے متصوفیانہ غزلیں نہ کہی ہوں - تاھم یہ کہا جا سکتا ھے کہ خسرو نے ان کی عاشقانہ غزلوں کے اسلوب کی پیروی کی۔ اور اسی اسلوب کی پیروی امیر حسن دہلوی نے بھی کی، مگر جبکہ عاشقانہ اسلوب خسرو کو اسقدر پسند تھا پھر امیر حسن پر اس طنز کی کیا ضرورت تھی۔

خسروا شعر تو اسرار خدا نیست مگر
کز سخنہائ تو ام بوئے حسن می آید۔

اور کیا حسن کا یہ شعر اسی کا جواب نہیں ہے۔

در رہ حق عارفاں را ہست خلوت خانۂ
آنکہ محروم ست از آں رہ محرم جاں کے شود

حسن نے علاء الدین خلجی کے عہد سلطنت تک بندگیٔ شاہ کی خدمات انجام دیں لیکن اسکے بعد کے زمانے میں انہوں نے بندگی شاہ کو ترک کر کے تصوف کو زیادہ سنجیدگی سے اپنا لیا تھا۔ خسرو بندگی شاہ میں تا دم حیات مصروف رہے۔ حسن کے اس شعر میں خسرو کی اسی زندگی پر طنز ہے۔ ممکن ہے کہ بعض حضرات اس معاملے میں حسن کے طرفدار ہوں۔ لیکن دونوں کی شخصیت میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ جسقدر زیادہ امیر خسرو کی شخصیت پہلودار، متنوع اور بھرپور تھی اتنی امیر حسن کی نہ تھی۔ اور جسقدر اشعار خسرو نے کہے ہیں اسکا عشر عشیر بھی حسن نے نہیں کہا ہے۔ اور نہ انکے کلام میں وہ تنوع اور جامعیت ہے جو خسرو کے کلام میں ہے۔ قطع نظر تفریق ودائع فطرت کے، اس میں خسرو کی روشناسیٔ خلق کو بھی دخل تھا۔ جسقدر زیادہ متنوع تجربات خسرو کے تھے اتنے امیر حسن کے نہ تھے اسی وجہ سے خسرو کے کلام میں وہ سماجی تنقید ہے۔ جسکی پرچھائیاں حسن کے کلام میں نہیں ہیں۔ کوئی بھی ایسا ادارہ نہ تھا جسکی خسرو نے تنقید نہ کی ہو۔ صوفیان پشمینہ پوش اور غازیان دین سے لیکر شہر کے قاضی اور مفتی ہر ایک کی تنقید کی ہے۔ انکی مثنوی مطلع الانوار اس سماجی تنقید سے بھری ہوئی ہے۔ یہاں ایک قطعہ سے کچھ اشعار "قاضیان کافر مزاج و رشوت خوار" کی مدح سرائی میں پیش کر رہا ہوں۔

قاضیا نتند (..........) ہمہ کافر مزاج و رشوت خوار
علم ایشاں بر نیت جبہ فضل ایشاں بہ بندش دستار
او کہ بہر وام خویش رود بکند واسی از پئے ایں کار
نزد قاضی برند ظلم ہمہ ظلم قاضی کے کند اظہار
آں رسید از جفائے شاں برخلق کہ بغزنین ز کافران تتار*

خسرو جو اسقدر چومکھی جنگ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں وہ اسی وجہ سے ہے کہ ان کی وابستگی زندگی کے ساتھ شدید تھی۔ وہ اگر

---

* غرۃ الکمال کلیات خسرو - ۱۰۳ و ۲۱ - ف - ۳۱

ترک دنیا اختیار کرتے تو زندگی میں انکا یہ حرکی عمل، مفقود ہو جاتا۔ لیکن جہاں وہ ایک جنگ باہر کی دنیا میں لڑتے وہاں وہ اپنی نفسانی خواہشات کے خلاف بھی ایک جنگ کرتے رہتے' چنانچہ جسطرح کہ وہ ایک سپاہی شاعر تھے اسیطرح وہ ایک مجاہد صوفی بھی تھے۔ انکا تصوف مجاہدانہ تھا نہ کہ عزلت گزینی کا۔ وہ اپنے سوز دل کو آزماتے۔ اسکے کھرے کھوٹے کو پرکھتے۔ وہ ایک نارمل اور جامع آدمی تھے وہ جہاں اپنے معاصر شعراء سے چشمک رکھتے، انکے خلاف "تیغ طنز" استعمال کرتے وہاں وہ خالصتاً ظریفانہ شاعری بھی کرتے انکی شخصیت کا یہ پہلو انکی فارسی شاعری میں یا تو زیادہ ظاہر نہیں ہوا، یا یہ کہ انہوں نے اپنے کلام کے اس حصے کو ناقابل اعتنا تصور کرکے اپنے مجموعوں میں شامل نہیں کیا۔ پھر بھی متعدد منظوم لطایف، چیستاں اور ایک مثنوی موسوم بہ اسپ نامہ۔ یا فرس الفرس۔ میں انکی بذلہ سنجی کھل کر ہمارے سامنے آتی ھے۔

فرس الفرس خطاب شد ایں اسپ نامہ را
کا افسانۂ یست طرفہ بگوش کدیت وحال۔

خسرو کی ظریفانہ طبیعت نے اس اسپ نامے میں جو گھل کھلائے ہیں اسکا اندازہ اس مثنوی کے پڑھنے ہی سے کیا جا سکتا ھے۔ خسرو کے طنزیات میں یہ مثنوی شاھکار کا درجہ رکھتی ہے۔

اس مثنوی میں خسرو نے حاتم خاں کو بہ حیثیت وکیل مطلق شاہ کہکر مخاطب کیا ھے۔ یہاں یہ بھی مد نظر رہے کہ خسرو نے حاتم خاں کو کہیں بھی سر جاندار نہیں لکھا ھے۔ برنی نے اس اسپ نامے سے دو بیت نقل کی ہیں۔ لیکن اس نے حاتم خاں کو وکیل در نہیں بلکہ۔ سر جاندار لکھا ھے۔ بہر حال اس اسپ نامہ کی ابتدا اس بات سے ھوتی ھے حاتم خاں نے خسرو کو ایک تتاری نسل کا گھوڑا انعام میں دیا۔

انداز سے لکھواتا ہے اسے پڑھکر سودا کا قصیدہ، در ہجو اسپ مسمیٰ بہ تضحیک روزگار یاد پڑتا ہے۔ ملاحظہ ہو پہلے خسرو کا شعر پھر سودا کا شعر۔

ہم شب سوئے کہکشاں بینم   خوشہ از خرمن قمر چینم

سودا لکھتے ہیں۔

ہر رات اختروں کے تئیں دانہ بوجھکر
دیکھے ہے آسماں کی طرف بے قرار

آخر میں وہ گھوڑا اپنے مالک سے گزارش کرتا ہے کہ حضور والا جب آپ کسی پر مہربان ہوکر بخشایش کیا کریں تو یہ بھی نگاہ میں رکھا کریں کہ وہ بخشایش ایسے شخص پر ہونی چاہئے جو مجھ پر بھی بخشایش کیا کرے ورنہ گھوڑا دیتے وقت اسکے دانہ اور گھاس کیلئے بھی کچھ رقم دینی چاہئے۔

بخششے بایدم ز شاہ زمن   آنکہ بخشایش کند بر من
گرچہ دانم کہ از پشیمانی   دادهٔ خویش باز نستانی
لیک زیں ظالم ہزار دستاں   اسپ دیگر بدہ مرا بستاں
اسپ فرمائی و آنچہ اسپ خورد   ورنہ زاں پا یگاہ جاں نبرد *

خسرو کی شاعری کے اس پہلو پر کہ وہ ایک مزاح نگار بھی تھے بہت کم لکھا گیا ہے۔

حافظ محمود شیرانی نے عبید کا ایک قطعہ اور پھر خسرو کی طرف سے اسکا جواب الجواب جو نقل کیا ہے اسکا سراغ کلیات خسرو میں نہیں ملتا ہے مگر اس لائق ہے کہ ان کی مزاح نگاری کے سلسلے میں اسے پیش کیا جائے۔ خسرو کا خمسۂ نظامی کا جواب لکھنا عبید شاعر کے لئے طنز و مزاح کا ایک موضوع بن گیا تھا۔ چنانچہ اس نے ایک قطعہ بھی

---

* دیوان غرة الکمال مخطوطہ نیشنل میوزیم کراچی

اس سلسلے میں کہا ہے

دوش دیدم نظامی اندر خواب گوئیا شستۂ خمسہ را می شست
گفتم اے شیخ ارچہ می شوی، اے بزرگ زمانہ پشت بہ پشت
گفت از ننگ خسرو لاچیں کوچہ داند جواب خمسہ گفت

اس کا جواب خسرو نے اُلٹ کر یہ دیا ۔

دوش دیدم نظامی اندر خواب بردہان عبید می زد مشت
گفتم اے شیخ از چہ رنجیدی چہ گنہ کرد ایں خبیث و زشت
گفت بنگر چہ افترا کردہ است خمسۂ خویش را نظامی شست
بر دویدم بپایش افتادم ورنہ ایں سفلہ را بجا نی کشت *

بات سے بات نکل آئی اور میں قصے کہانیوں میں گرفتار ہو گیا ۔ اب میں تاریخ کی طرف پھر لوٹ رہا ہوں ۔

خسرو کا یہ مربی سلطان قطب الدین مبارک شاہ خلجی جس سے خسرو نے اتنے بہت سے انعامات و اکرامات پائے وہ چار سال حکومت کر کے پہلی جمادی الثانی ۷۲۰ ھجری * کو اس دنیا سے رخصت ہو گیا ۔ برے کام کا برا انجام ، جس طرح علاء الدین خلجی کا کام اس کے چہیتے غلام ملک کافور نے تمام کیا ۔ بتایا جاتا ھے کہ اس نے علاء الدین خلجی کو زہر دیکر مار ڈالا ۔ چنانچہ خسرو نے ملک کافور کو اسی لئے محسن کش بھی لکھا ھے ۔ اسی طرح سلطان قطب الدین کا کام اس کے چہیتے غلام ملک خسرو خاں نے خود اپنے ھاتھ سے تمام کیا ۔ خسرو خاں کا نام حسن تھا یہ گجرات کی ایک قوم برادو یا پروار (خسرو نے براؤ لکھا ھے) سے تعلق رکھتا تھا ۔ اس کی پرورش علاء الدین کے نایب حاجب ملک شادی نے کی تھی ۔ قطب الدین اس پر عاشق تھا ۔ اور اسکو تمام ملوک و امرا پر فضیلت دے رکھی تھی ۔ چونکہ قطب الدین اس کی

---

* مقالات شیرانی جلد ششم مطبوعہ لاہور

* تغلق نامہ

محبت میں گرفتار ہو کر اس خیال سے بالکل غافل ہو گیا تھا کہ وہ اس سے دغا بھی کر سکتا ہے ، اسکی اس غفلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بالاخر ایک دن اس نے اپنے ساتھیوں کی مدد سے سلطان کو قتل کر دیا ۔ اس میں کچھ تلافیٔ مکافات کا بھی دخل تھا جیسا کہ امیر خسرو نے مزاحاً ایک شعر میں کہا ہے ۔ امیر خسرو تعلق نامے میں لکھتے ہیں کہ جب خسرو خاں کو لوگ گرفتار کر کے الغ خاں کے سامنے لائے اور الغ خاں نے اس سے پوچھا کہ اے مردود تونے یہ کیا کیا کہ اپنے منعم اور عاشق کو قتل کر ڈالا تو اس پر اس کافر نعمت نے یہ جواب دیا ۔

جواب ایں داد کافر نعمت شوم — کہ حالم ہمگناں راہست معلوم
اگر نا رفتنی بر من نرفتے — زمن نا آمدی و ایں فن نرفتے*

برنی لکھتا ہے کہ خسرو خاں چار مہینے تخت شاہی پر بیٹھا ۔ مگر خسرو نے تغلق نامے میں جو تاریخیں درج کی ہیں ان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خسرو خاں کی مدت حکومت صرف دو مہینے کی تھی ۔ پہلی جمادی الثانی ۷۲۰ ھجری سے لیکر ماہ شعبان ۷۲۰ ھجری کی آخری تاریخ تک ۔ اس دو مہینے کی مدت حکومت میں اس نے دلی کے تمام ملوک و امرا کو زر و مال تقسیم کر کے اپنی طرف ملا لیا تھا ۔ اس نے اسقدر دولت تقسیم کی کہ سارا خزانہ شاہی خالی ہو گیا اس کا ایک حصہ ، بقول فرشتہ پانچ لاکھ تنکۂ زر کا شیخ نظام الدین اولیاء کو بھی ملا ۔ جب سلطان غیاث الدین تغلق خسرو خاں کو باقاعدہ ایک جنگ میں شکست دیکر دلی کے تخت پر بیٹھا تو سب سے پہلے اس نے ان رقوم کو حاصل کرنے کی کوشش کی جو خسرو خاں نے مال مفت کی طرح امرا و ملوک میں تقسیم کر دی تھی ۔ جب اس سلسلے میں شیخ نظام الدین اولیاء کا بھی نام لیا گیا اور اس نے ان سے بھی بازیابی کا مطالبہ کیا گیا تو انہوں نے یہ کہلا بھیجا کہ میں نے وہ ساری رقم غربا

---

* تغلق نامہ ۔ مطبوعہ حیدرآباد دکن ۔ ص ۔ ۱۳۹

میں تقسیم کر دی ۔ اس سے دونوں کے درمیان رنجش پیدا ہو گئی جس نے آگے چل کر ایک سنگین صورت اختیار کر لی ۔

امیر خسرو سلطان غیاث الدین تغلق کے دربار میں

سلطان غیاث الدین تغلق پہلی شعبان بروز شنبہ ۷۲۰ ہجری میں تخت شاہی پر بیٹھا ۔ وہ اس وقت سے پہلے ملک غازی کے لقب سے مشہور تھا ۔ امیر خسرو نے اس جنگ کی مکمل روداد اپنی مثنوی تغلق نامے میں نظم کی ہے جو ملک غازی اور ملک خسرو خاں کے درمیان دلی کے قریب لڑی گئی تھی ۔ اور جس میں فتح حاصل کرنے کے بعد ملک غازی کو یہ مرتبہ ملا تھا ۔ حقیقت یہ ہے کہ اس جنگ میں اسکے بیٹے جونا خاں نے بہت بڑا کردار ادا کیا ۔ چونکہ امیر خسرو سے جونا خاں کے تعلقات بہت اچھے تھے ۔ اس لئے خسرو کو واقعتاً اس فتح سے بڑی خوشی ہوئی ۔ اور انہوں نے اس مبارک موقع پر ایک ترکیب بند لکھی ۔ جس میں قطب الدین مبارک شاہ خلجی کا مرثیہ ' سلطان غیاث الدین تغلق کا تہنیت نامہ اور اسکے بیٹے جونا خاں ملک محمد فخرالدین کا فتح نامہ یہ سب کچھ ملا جلا ہوا ہے ۔ یہ ترکیب بند ان کے دیوان نہایت الکمال میں موجود ہے *

برنی لکھتا ہے کہ سلطان غیاث الدین تغلق نے اپنے بڑے بیٹے محمد (محمد فخرالدولہ والدین الغ خاں المعروف بہ جونا خاں) کو الغ خاں کا خطاب دیکر چتر عنایت کیا اور اسکو ولی عہد مقرر کر دیا ۔ دوسرے شاہزادوں میں سے ایک کو بہرام خاں ، دوسرے کو ظفر خاں ، تیسرے کو محمود خاں اور چوتھے کو نصرت خاں کے خطابات دئے ۔ بہرام ایبہ کو جسکو اس نے اپنا بھائی بنا لیا تھا ۔ کشلو خاں کا خطاب دیکر ملتان اور سندھ کے علاقے عطا کئے ۔ اپنے بھتیجے ملک

---

* دیوان نہایت الکمال مطبوعہ دہلی ۔ ص ۔ ۶۵

اسدالدین کو نائب باربک اور اپنے بھانجے ملک بہاء الدین کو عرض ممالک مقرر کیا۔ اور اسکو سامانہ کے اقطاع دئے، ملک شادی کو جو اس کا داماد تھا دیوان وزارت کے فرائض سپرد کئے، تتار خاں کو ملک کا خطاب دیکر ظفرآباد کے اقطاع عنایت کئے۔ قتلغ خاں کے باپ ملک برھان الدین کو عالم ملک کا خطاب دیکر دلی کی کوتوالی سپرد کی، ملک علی حیدر کو نائب وکیل در، قتلغ خاں کو نائب وزیر دیو گیر، اور قاضی کمال الدین کو صدر جہاں مقرر کیا۔ *

یہ سارے نام میں نے بلا وجہ نہیں لکھے ہیں، خسرو نے ان میں سے بہت سے ملوک کی مدح میں قصائد لکھے ہیں جو ان کے دیوان نہایت الکمال میں شامل ہیں۔ الغ خاں اور شہزادہ بہرام کی مدح میں تو کئی قصائد ہیں اور ایک قصیدہ قاضی کمال الدین صدر جہاں کی مدح میں ھے۔ غیاث الدین تغلق کی مدح میں صرف دو قصیدے لکھے ہیں۔ اور دو چھوٹی مثنویاں ایک مدح شاہ میں اور ایک تغلق آباد کی تعمیرات سے متعلق ہیں۔ جہاں تک کہ ''تغلق نامے'' کا تعلق ھے یہ مثنوی نامکمل صورت میں حال ہی میں دستیاب ہوئی ھے۔ اس میں خسرو خاں اور غیاث الدین تغلق کی جنگ سے متعلق تمام واقعات نظم کئے گئے ہیں اور خسرو خاں کے قتل کئے جانے کے واقعے پر یہ نامکمل مثنوی ختم ہو جاتی ھے، اسکے بقیہ صفحات دستیاب نہیں ہو سکے۔ اسیطرح کچھ شروع کے صفحات بھی دستیاب نہیں ہوئے ہیں۔ ایسی صورت میں غیاث الدین تغلق کے عہد میں خسرو کی زندگی کو پیش کرتے ہوئے ھمیں انکے دیوان نہایت الکمال پر جو خسرو کا آخری دیوان ھے، اور انکے معاصر مورخ برنی کی تاریخ فیروز شاہی کی اطلاعات پر بھروسہ کرنا پڑتا ھے جس میں غیاث الدین تغلق کی شخصیت، اسکی مہمات اور طرز حکومت کو نہایت شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا گیا ھے۔ مگر چونکہ ھمیں تو خسرو کے حالات زندگی لکھنے ہیں نہ کہ غیاث الدین تغلق کے اس لئے انکی اس

---

* تاریخ فیروز شاہی ص۔ ۶۱۳ - ۶۱۲

دور کی زندگی کے لئے ہمیں بیشتر کلام خسرو ھی پر اکتفا کرنا ہوگا۔

جس وقت غیاث الدین تغلق پہلی شعبان بروز شنبہ ۷۲۰ ھجری* میں تخت شاھی پر جلوہ افروز ہوا ھے خسرو کی عمر (۶۹) انہتر سال کی تھی - اس عمر میں انہیں کلاہ ندیمی کو اتار دینا تھا اور اپنی عمر کا بیشتر حصہ شیخ کی معیت میں صرف کرنا تھا ، لیکن خسرو اپنی خواہش کے علی الرغم ، جسکا اظہار اس زمانے کی غزلوں اور قطعات وغیرہ میں ملتا ھے ، وہ خدمت شاہ میں کمر بستہ رہے۔ ہم یہ بات پہلے لکھ چکے ہیں کہ ایک ھی ترکیب بند میں انہوں نے قطب الدین کا مرثیہ ، سلطان غیاث الدین کی تخت نشینی کی تہنیت اور الغ خاں کا فتح نامہ لکھا - اسکے یہ معنی ہوئے کہ یہ نظم ۷۲۰ ھجری ھی کی ھے - لیکن ہم اس کا تعین نہیں کر سکتے ہیں کہ سلطان غیاث الدین تغلق کے دربار میں انکی رسائی کب ہوئی ، کیونکہ اس کا ذکر ان دو قصائد اور ان دو چھوٹی چھوٹی مثنویوں میں نہیں ھے جو غیاث الدین تغلق کی مدح میں لکھی گئیں ہیں -

خسرو نے ایک ھی نظم میں قطب الدین کا مرثیہ ، اور سلطان غیاث الدین کی مدح اسلئے لکھی کہ سلطان غیاث الدین کو علاءالدین خلجی نے ترقی دی تھی - اسی نے اس کو ذرے سے آفتاب بنایا تھا - چنانچہ خسرو خاں سے غیاث الدین کے جنگ کرنے کا مقصد یہی تھا کہ وہ علائی خاندان کے کسی فرد کو دلی کے تخت پر بٹھانا چاھتا تھا لیکن چونکہ خسرو خاں نے علائی خاندان کے تمام اولاد نرینہ کا خاتمہ کر دیا تھا - اور اب کوئی بھی لائق ذکر فرد اس خاندان کا ایسا نہ تھا جو تخت شاھی پر بیٹھ سکتا ۔ اسلئے غیاث الدین تغلق کو یہ خدمت خود سنبھالنی پڑی اور یہ حقیقت ھے کہ اسے قطب الدین کے قتل کئے جانے کا بڑا غم تھا - بہر حال یہ پہلا موقع تھا جبکہ خسرو نے اپنے سابق ولی نعمت کے

---

* بعض مورخین نے ۷۲۱ ھجری لکھا ھے لیکن یہ صحیح نہیں ھے - خسرو اور برنی دونوں نے ۷۲۰ ھجری لکھا ھے -

مرثیے کے ساتھ ساتھ نئے بادشاہ کی مدح بھی ایک ھی نظم میں لکھی ھے ۔ معزالدین کیقباد کو جلال الدین خلجی نے قتل کروایا لیکن خسرو نے کیقباد کا کوئی مرثیہ نہیں لکھا ، سلطان جلال الدین کو علاءالدین خلجی نے قتل کروایا لیکن خسرو نے جلال الدین خلجی کا کوئی مرثیہ نہیں لکھا ۔ علاءالدین کی وفات کے بعد اس کا بیٹا قطب الدین مبارک خاں تخت پر بیٹھا لیکن خسرو نے علاءالدین کا کوئی مرثیہ نہیں کہا ، شاید اس لئے کہ قطب الدین اپنے باپ سے خوش نہ تھا ۔ مگر یہاں ایسی کوئی پیچیدگی نہ تھی کیونکہ غیاث الدین کو خود قطب الدین کے قتل کئے جانے کا بڑا غم تھا ۔ اس لئے ھمیں قطب الدین کا مرثیہ دیکھنے کو ملتا ھے ۔ مرثیہ خاصا کمزور اور مختصر ھے ، مگر اس مرثیہ میں سلطان قطب الدین کو شہید کہکر یاد کیا گیا ھے ۔

اُو شہید ست و نمردست و کنوں زندہ (پیر) ست
شاہ چوں کینش ز کافر نعمتے کافر، کشید

اور پھر اس کے بعد سلطان غیاث الدین تغلق کی مدح میں یہ اشعار ملتے ہیں جن میں اسکو دوسرا ابو مسلم خراسانی بتایا گیا ھے ۔

شہ غیاث الدین و دنیا ثانیٔ بو مسلم است
کو بزخم تیغ کیں ثانیٔ حیدر در کشید
حامی اسلام تغلق شاہ کا نجم سالہا
چرخ زد تا نہ آسمان زین گونہ دیں پرور کشید £

جب غیاث الدین تغلق تخت شاھی پر پہلی شعبان ۷۲۰ ھجری * کو بیٹھا ھے تو اس نے اپنے سنہ جلوس کے دوسرے سال یعنی ۷۲۱ ھجری میں اپنے بیٹے جونا خاں المعروف بہ الغ خاں کو وارنگل کے راجہ لدردیو کی سرکوبی کے لئے ایک مہم پر روانہ کیا ہے ڈاکٹر وحید مرزا کا خیال

£ نہایت الکمال ۔ ص ۔ ۶۶

* تغلق نامہ ۔ ڈاکٹر وحید مرزا نے ۷۲۱ ھجری لکھا ھے جو صحیح نہیں ھے ۔

ہے کہ خسرو الغ خاں (المعروف بہ جونا خاں) کے ہمراہ اس مہم میں تھے اور اسکی دلیل یہ دی ہے کہ انہوں نے دیو گیر کی تعمیرات کا ذکر الغ خاں کے قصیدے میں کیا ہے ۔ مجھے اس سے اتفاق نہیں ہے کیونکہ دیو گیر کی عمارتوں کا ذکر خسرو نے قطب الدین خلجی کے ایک قصیدے میں بھی کیا ہے اسکا حوالہ قطب الدین کے ذکر میں دے چکا ہوں قصیدہ ”در مدح قطب الدین خلجی و قلعۂ قطب آباد“ اور اگر دیو گیر (قطب آباد) کی عمارتوں کا ذکر خسرو کے قصیدہ صحیفۃ الاوصاف میں بھی ہے جو الغ خان کی فتوحات سے متعلق ہے تو اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا ہے کہ خسرو الغ خاں کے ہمراہ دکن کی مہم میں گئے تھے

ڈاکٹر وحید مرزا نے اپنی کتاب لائف اینڈ ورکس آف امیر خسرو میں بہت سے مفروضوں سے کام لیا ہے انکا ایک مفروضہ یہ بھی ہے کہ ادھر غیاث الدین تغلق تخت شاہی پر جلوہ افروز ہوا اور ادھر امیر خسرو اس کے دربار کے ندیم خاص بن گئے ۔ یہ درست نہیں ہے ۔ سلطان غیاث الدین تغلق ایک مختلف قسم کا بادشاہ تھا ۔ اس کو راگ و رنگ اور عیش و عشرت کی محفلوں سے کوئی خاص لگاؤ نہ تھا ۔ وہ شعر و شاعری کا بھی دلدادہ نہ تھا ۔ اس نے سپاہی کی حیثیت سے ترقی کی تھی ۔ اور بقول برنی شریعت کا پابند اور نفاذ شریعت میں کوشاں رہتا ۔ پہلے سنہ جلوس میں اس کا زیادہ تر وقت تنظیم لشکر سے لیکر تنظیم اراضی میں صرف ہوا ۔ وہ داد و دہش کے معاملے میں بھی بہت محتاط تھا اس کو اسی لئے لوگ بخیل تصور کرتے ۔ مزیدیہ کہ اسے یہ بھی فکر تھی کہ کیونکر وہ سارا زرو مال برآمد کیا جائے جسے ملک خسرو خاں نے جنگ سے قبل امراء لشکریوں اور صوفیاء میں تقسیم کر دیا تھا ۔ چنانچہ ایک بہت بڑی رقم سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء کے حصے میں بھی آئی تھی فرشتہ اسے پانچ لاکھ تنکہ بتاتا ہے ۔ بہر حال برنی یہ لکھتا ہے کہ جو یہ دولت لٹائی گئی اس کا بیشتر حصہ باز یاب ہو گیا تھا ۔ لیکن اس سلسلے میں اس نے شیخ نظام الدین کا کہیں بھی نام نہیں لیا ہے کہ مگر سیر الاولیاء میں اس کا ذکر موجود ہے کہ سلطان نے خسرو خاں کی دی ہوئی

دولت ان سے واپس لینی چاہی تو انہوں نے کہلا بھیجا کہ وہ سب غربا اور مساکین میں تقسیم ھو گئی ۔ چنانچہ سلطان غیاث‌الدین کا دل کبھی بھی شیخ کی طرف صاف نہ ھوا اور اس کے شواھد یہ ہیں کہ اول تو سلطان غیاث‌الدین تغلق نے سلطان المشائخ کے حاسدوں کے کان بھرنے پر ایک محضر منعقد کرایا جس میں حلت سماع پر بحث و مباحثہ ھوا اور اس نے اپنے قاضی جلال‌الدین نائب حاکم سے شیخ کی شان میں نہایت گستاخانہ کلمات کہلوائے * اس کی دوسری شہادت یہ ھے جیسا کہ بدایونی لکھتا ھے † کہ اس نے لکھنوتی سے واپس ھوتے ھوئے اپنے دلی پہونچنے سے پہلے شیخ کو شہر سے نکل جانے کا حکم دے رکھا تھا ۔ اور شیخ نے اس کے جواب میں یہ کہا تھا ''ہنوز دلی دورست'' چنانچہ یہ محاورہ اسی وقت سے رائج ھے مگر ابن بطوطہ اس واقعے کو بیان نہیں کرتا ھے بلکہ اس کے برعکس ایک دوسرا قصہ شیخ کمال‌الدین بن برہان غزنوی قاضی القضاۃ دہلی کے حوالے سے لکھتا ھے ۔ ''وہ یہ ھے کہ محمد فخرالدین جونا ، الغ خاں شیخ نظام‌الدین اولیاء کی خدمت میں حاضر ھوا کرتا ۔ اور ان سے دعا کا خواستگار رہا کرتا ۔ ایک دن اس نے شیخ کے خادموں سے کہا کہ جس وقت شیخ جذبے اور وجد کی حالت میں ھوں تو مجھے اطلاع کرو ۔ چنانچہ جب ایسا موقع آیا تو انہوں نے جونا خاں کو خبر دی ۔ وہ حاضر ھوا ۔ شیخ نظام الدین نے اس کو دیکھ کر فرمایا ہم نے تجھکو سلطنت بخشی (یہ واقعہ اس وقت کا ھے جب جوناخاں دلی میں نائب ملک کی خدمت انجام دے رہا تھا اور سلطان غیاث‌الدین لکھنوتی گیا ھوا تھا اور ابھی دلی نہیں لوٹا تھا) ۔ اس عرصے میں شیخ کا انتقال ھو گیا ۔ تو جونا نے انکے جنازے کو کندھا دیا ۔ یہ خبر بادشاہ کو پہنچی تو وہ بہت ناراض ھوا ۔'' **

---

* سیرالاولیاء اردو ترجمہ ص ۔ ۳۸۴ ۔ ۳۸۸

† منتخب التواریخ ۔ ص ۔ ۲۲۵

** سفر نامہ ابن بطوطہ ترجمہ رئیس احمد جعفری ۔ ص ۔ ۵۶۰

یہ ساری حکایتیں خواہ ان میں تھوڑی سچائی ھو یا زیادہ اس بات کو واضح کرتی ہیں کہ سلطان غیاث الدین تغلق کے تعلقات نظام الدین اولیاء سے کشیدہ تھے ۔ اور ان کشیدہ تعلقات کا کچھ نہ کچھ اثر خسرو پر بھی پڑا ھوگا ۔ ھرچند کہ آثار و علائم یہ بتاتے ہیں کہ ایسے مواقع پر جبکہ سلطان وقت اور سلطان المشائخ کے درمیان کشیدگی ھوتی خسرو بالعموم خاموشی سادھ لیتے ۔ معلوم نہیں سیرالاولیاء کی یہ حکایت کہانتک درست ھے بہر حال ایک موقع پر انھوں نے سلطان وقت کا نہیں بلکہ سلطان المشائخ کا ساتھ دیا قصہ یہ ھے کہ سلطان جلال الدین سلطان المشائخ سے ملنا چاھتا تھا شیخ کو ملنے میں پرھیز تھا بہرحال سلطان جلال الدین نے خسرو کو راز دار بناتے ھوئے یہ منصوبہ بنایا کہ ایک دن شیخ کے یہاں بلا اطلاع پہونچیں گے ۔ خسرو نے شیخ کو اس سے مطلع کر دیا اور جب بادشاہ کو ملاقات میں مایوسی ھوئی تو خسرو سے پوچھا کہ کیوں یہ خبر تم نے پہونچائی تھی ۔ خسرو نے اقرار کیا اور کہا کہ اگر میں شیخ کو مطلع نہ کرتا تو اس میں ضیاع ایمان کا خطرہ تھا اور آپ سے مجھکو صرف ضیاع جان کا خطرہ تھا ۔ اور میں نے جان پر ایمان کو ترجیح دی ۔ *
بہر حال جو بات میں کہنا چاھتا ہوں وہ یہ ھے کہ اسکے شواہد ملتے ہیں کہ خسرو کی باریابی سلطان غیاث الدین تغلق کے دربار میں خاصی تاخیر سے ھوئی ۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ھے کہ جو وظیفہ کہ انہیں علاء الدین اور قطب الدین کے زمانے میں ملتا تھا اسے اس نے بحال کردیا تھا ۔ کیونکہ وظیفوں کی بحالی کا ذکر، کسی مخصوص شخص کا نام لئے بغیر برنی نے بھی کیا ھے ** یہ جو بات میں نے اوپر لکھی کہ سلطان غیاث الدین تغلق کے دربار میں انکی باریابی خاصی تاخیر سے ہوئی، اسکے ثبوت میں خسرو کے قطعات و قصائد سے کچھ اشعار پیش کر رہا ہوں ۔
ایک سال بادشاہ نے موسم زمستان میں امراء کو خلعت تقسیم کی، لیکن خسرو اس سے محروم رہے ۔

---

* سیرالاولیاء ۔ اردو ترجمہ ۔ ص ۔ ۱۲۰

** تاریخ فیروز شاھی ۔ ص ۔ ۶۲۸

چوشه بخلق جهاں خلعت زمستان داد
بهار خرمی اندر زمانه یافت ظهور
چو از لوامع این افتاب بخت شدند
نهفته در زرو زربفت عامه و مشهور
مگر که تیرگئی بخت مظلم شعراء
چگو نه پیش چناں لمعه گشت حائل نور
مگر خجسته صبائی ز گلستان کرم
وزد که پردهٔ حرماں ز پیش گردد دور
فتد بر اہل تباشیر پرتو زاں مہر
که عیب خجلت ایشاں دراں شود مستور *

ایک قصیدے میں جس میں سلطان غیاث الدین کی درافشانی کا بڑا ذکر ہے اپنی محرومی کا بھی ذکر کیا ہے۔

خہے زمیں زکفت گشته ہرزماں پردر
چنانکه بست ز سیاره آسمان پردر
غیاث دنیا شه تغلق آں خلیفه توئی
که شد ز بذل تو داماں انس و جاں پردر
بمن که با رخ خاصم ندا دہم عقدے
که از بہاش تواں کرد خان و ماں پر در **

بالاخر خسرو نے اس سلطان کی بارگاہ میں بھی باریابی حاصل کی اور اسکا ثبوت یہ ہے کہ وہ سلطان کے ساتھ لکھنوتی گئے۔ جہاں انہوں نے سلطان کے ہمراہ کئی مہینے قیام کیا، مگر خسرو کے اس سفر کا حال لکھنے سے پہلے یہ بتانا ضروری ہے، کہ بادشاہ نے دلی کے قریب تغلق آباد کا قلعہ اپنے سفر لکھنوتی سے پہلے

---

* دیوان نہایت الکمال۔ ص۔ ۹۲

** ایضاً۔ ص۔ ۴۴

ھی تعمیر کروالیا تھا ۔ خسرو نے ایک مثنوی تغلق آباد کی تعریف میں بھی لکھی ھے جس میں وہاں کی مشہور تعمیرات کا ذکر ھے اس قلعے میں جو محل شاھی تھا اسکی تعریف ابن بطوطه نے ان الفاظ میں کی ھے که اسکی اینٹوں پر سونا چڑھا ہوا تھا "* اسکے اس بیان کی تصدیق خسرو کے اشعار سے بھی ہوتی ھے ۔ لیکن اسکی اس بات کی تصدیق نہیں ہوتی ھے که قلعے میں جو حوض تھا اس میں سونا پگھلا کر ایک ڈلا سا بنوا دیا تھا ۔

درون قلعه به آئینے بائین   بخوانده باز عین الخضر با این
بصفوت پایه لطف آب ورنگش   بشیرینی ہمه لیسیده سنگش
دہانش عمر بخش و زندگی زائے   زلالش سلسبیل راحت افزائے

اس حوض کے علاوہ بیرون قله بھی اہالیان شہر کیلئے ایک حوض تعمیر کروایا تھا ۔

برون قلعه حوضے ہم چو دریا   بہر کنجیش در یائے مہیا
زبس کاسایش جاں گشته آبش   شده ہمشیرۂ کوثر خطابش
ززیبائی بریں حوض جہاں گیر   فردو آورده ابر ازآسماں شیر
میان قلعه قصر آسماں قدر   که نور أو مه نور افگندبدر
ہمه دیوار و سقفش از زرناب   مرصع از گہر ہائے جہاں تاب**

ابن بطوطه لکھتا ھے که بادشاہ نے اپنے لئے ایک مزار بھی تعمیر کروایا تھا جس میں اسکو دفن کیا گیا لیکن خسرو نے اس مزار کا ذکر نہیں کیا ھے بہر حال اب ہم سفر لکھنوتی کا حال لکھتے ہیں ۔ امیر خسرو ایکبار اس سے پہلے لکھنوتی کا سفر بغرا خان پسر سلطان غیاث الدین بلبن کی معیت میں کر چکے تھے جبکه سلطان بلبن نے طغرل کے خلاف لشکر کشی کی تھی اور بغراخان کو لکھنوتی کا حاکم مقرر کرکے

---

* سفر نامه' ابن بطوطه ۔ اردو ترجمه از رئیس احمد جعفری ۔ ص ۔ ۵۶۲

** دیوان نہایت الکمال مطبوعه، مثنوی در تعریف تغلق آباد ۔ ص ۔ ۸۰

دلی واپس چلا آیا تھا - اس وقت سے بغراخان لکھنوتی کا حاکم تھا - لیکن معز الدین کیقباد کے زمانے سے اس نے ایک آزاد ریاست قائم کر لی تھی - جب ۱۲۹۱ء میں اسکا انتقال ہوا - تو اس آزاد ریاست پر اسکے دو بیٹوں نے باری باری حکومت کی - رکن الدین کیکاؤس نے ۱۲۹۱ء سے ۱۳۰۲ء تک اور شمس الدین فیروز شاہ نے ۱۳۲۰ء سے ۱۳۲۲ء تک - جب شمس الدین کا انتقال ۷۲۲ ہجری بمطابق ۱۳۲۲ء میں ہوا ٭ تو تخت نشینی کیلئے اسکے بیٹوں میں جنگ چھڑ گئی - اسکے چار بیٹے تھے شہاب الدین بغراخان - نصیرالدین محمود - غیاث الدین بہادر اور قطلو خان - ابن بطوطہ کا بیان یہ ہے کہ ,, جب سلطان شمس الدین کا انتقال ہو گیا تو اسکا ولی عہد شہاب الدین بنگال کا بادشاہ ہوا - لیکن اسکے چھوٹے بھائی غیاث الدین بہادر نے اپنے بھائی شہاب کو معزول کردیا اور سب سے چھوٹے بھائی قطلو خان کو قتل کردیا - خنانچہ اسکے مظالم سے تنگ آکر اسکے دو بھائی شہاب الدین اور ناصرالدین بھاگ کر غیاث الدین تغلق کے پاس مدد کیلئے پہونچے - تغلق نے موقعے کو غنیمت جانکر، بنگال کو فتح کرنے کا منصوبہ بنایا - اس نے الغ خان کو نائب ملک بنا کر دلی میں چھوڑا اور خود ایک لشکر جرار کیساتھ لکھنوتی کیلئے روانہ ہوا ¶ - اب یہاں سے دو مورخین میں اختلاف پیدا ہوتا ہے - برنی لکھتا ہے کہ اس اثناء میں ناصرالدین محمود بنگال کے تخت پر بیٹھ چکا تھا اور اسکا بھائی غیاث الدین بہادر سنارگاؤں پر قابض تھا - اس کے برعکس ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ سلطان غیاث الدین نے ناصرالدین محمود کو تخت شاہی پر بٹھایا اور غیاث الدین بہادر کو قید کر کے دلی بھیج دیا ' ان دونوں میں سے کون سا بیان صحیح ہے اسکی چھان بین کی یہاں ضرورت نہیں ، بظاہر برنی کا بیان صحیح معلوم

٭ ''خاندان تغلق'' از ڈاکٹر مہدی حسین - ص - ۴۷
کیمبرج ہسٹری آف انڈیا میں اسکا سنہ وفات ۱۳۱۸ء لکھا ہے یہ درست نہیں ہے

¶ سفر نامۂ ابن بطوطہ - ص - ۵۵۹

ہوتا ہے کہ جب ترہٹ میں شاہی لشکر پہونچا ہے تو ناصرالدین اسکے دربار میں اطاعت و بندگی کیلئے حاضر ہوا ۔ پھر اسکے بعد غیاث الدین بہادر کے خلاف لشکر کشی شروع ہوئی جو ہتھیار ڈالنے پر تیار نہ تھا ۔ چنانچہ سلطان غیاث الدین بہادر کو گرفتار کیا گیا اور سلطان ناصرالدین کو نہ صرف لکھنوتی بلکہ سنارگاؤں اور دوسرے علاقوں کا بھی حکمراں مقرر کیا گیا § رہ گئی یہ بات کہ یہ کیونکر متحقق ہو کہ امیر خسرو شاہی لشکر کے ہمراہ لکھنوتی گئے اسکا ایک ثبوت تو ان کا وہ قصیدہ ہے جو انہوں نے سلطان ناصرالدین محمود ابن شمس الدین فیروز شاہ کی مدح میں کہا ہے ۔ ملاحظہ ہوں اس قصیدے کے چند اشعار ۔

ستودہ ناصر حق شاہ شاہزادۂ عصر
کہ نصرت و ظفرش ہست در یسار و یمین
بصبح صادق کز آفتاب زائد اوست
کہ زادہ گشت ز سلطان شرق شمس الدین
چو چتریافتی از شہ میاں حسن سلوک
نثار کرد سپہرت ستارگان و متین *

سلطان غیاث الدین تغلق کے ہمراہ خسرو کے لکھنوتی جانے کا ایک ثبوت جہاں خسرو کا یہ قصیدہ ہے وہاں دوسرا ثبوت سیرالاولیاء کی یہ عبارت ہے "امیر خسرو سلطان غیاث الدین کے ہمراہ لکھنوتی گئے ۔ آپ کی غیر حاضری میں سلطان المشائخ کا انتقال ہو گیا" **

لکھنوتی کی مسافت خاصی طویل تھی ۔ سلطان بلبن نے ایک سال کی مدت میں وہ مسافت طے کی تھی ۔ اور اتنا ہی وقت واپس آنے میں صرف ہوا تھا ۔ اس کا سبب یہ تھا کہ شاہی لشکر ایک شہر ہوتا اسکا

---

§ تاریخ فیروز شاہی ۔ ص ۔ ۵۸۵

* نہایت الکمال ۔ ص ۔ ۵۷ ۔ ۵۸

** سیر الاولیاء ۔ اردو ترجمہ ص ۔ ۲۶۵

ڈولنا کچھ آسان نہ تھا مزید یہ کہ راستے بھر ہر قسم کی تفریحیں ہوا کرتیں ۔ چنانچہ اس حساب سے یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ سلطان غیاث الدین تغلق کو بھی اتنا ہی وقت لکھنوتی جانے، وہاں قیام کرنے اور واپس آنے میں لگا ہوگا ۔ چونکہ برنی نے غیاث الدین تغلق کے سفر لکھنوتی کی کوئی تاریخ نہیں لکھی ہے اس لئے ہر شخص نے اپنے اپنے قیاس سے تاریخ لکھی ہے اور اس زمانے میں جو سفر کی دشواریاں تھیں انہیں نظرانداز کیا ہے ۔ ہم نے جو اندازہ اوپر دیا ہے اس سے یہ سفر ۷۲۲ ہجری کے اختتام یا ۷۲۳ کے اوائل کا معلوم ہوتا ہے اگر یہ بات طے ہوجائے کہ سلطان غیاث الدین تغلق کی وفات ۷۲۵ ہجری کے کس مہینے میں ہوئی ہے ' تو اس سے بعض اہم مسایل حل ہوجاتے ہیں ۔ برنی نے سلطان محمد (ابن غیاث الدین تغلق) کا سنہ جلوس ۷۲۵ ہجری لکھا ہے اور اسے تمام ہی مورخین تسلیم کرتے ہیں ۔ لیکن اس سال کے کس مہینے میں سلطان غیاث الدین کی وفات ہوئی اور سلطان محمد تخت شاہی پر بیٹھا اسکے بارے میں اختلاف ہے ۔ برنی لکھتا ہے کہ "سلطان غیاث الدین تخت شاہی پر ۷۲۰ ہجری میں بیٹھا اور اس نے چار سال چند ماہ حکومت کی" * اور خسرو نے سلطان غیاث الدین کے تخت شاہی پر جلوس کرنے کی تاریخ پہلی شعبان بروز شنبہ (۷۲۰ ہجری) لکھی ہے برنی کا چند ماہ خاصا مبہم ہے ۔ اس پر کوئی فیصلہ کن بات نہیں کہی جا سکتی ہے اس کے برعکس جدید تحقیقات کی روشنی میں یہ بات متحقق ہو چکی ہے کہ غیاث الدین تغلق کی مدت حکومت چار سال دس مہینے تھی **

چنانچہ اگر برنی کے چند ماہ کو دس ماہ تصور کیا جائے تو اس حساب سے سلطان محمد کی تخت نشینی جمادی الثانی ۷۲۵ ہجری میں

---

* تاریخ فیروز شاہی - ص - ۶۰۹ - ۶۱۳

** "خاندان تغلق" از ڈاکٹر مہدی حسین بحوالہ خود نوشت سوانح حیات غیاث الدین تغلق - ص - ۷۹

ھونی چاھیئے - اور یہی تاریخ سلطان غیاث الدین کی وفات کی ہونی چاھئے مگر عام طور پر سلطان غیاث الدین کی تاریخ وفات سلطان المشائخ کی تاریخ وفات (۱۸ ربیع الآخر ۷۲۵ ھجری) سے پہلے بتائی جاتی ھے - تاکہ اس سے "ہنوز دلی دور است" کی حکایت صحیح ثابت کیجا سکے جسکا کوئی ذکر سیرالالیاء میں نہیں ھے - اور نہ کسی معاصر تاریخ میں ھے - اس کے برعکس ڈاکٹر مہدی حسین سلطان محمد کی خود نوشت سوانح کے حوالے سے سلطان غیاث الدین کی وفات کی تاریخ ۱۵ مئی ۱۳۲۵ء متعین کرتے ہیں * اور چونکہ شیخ نظام الدین کی تاریخ وفات صحت کیساتھ معلوم ھے جو انگریزی حساب سے ۳ اپریل ۱۳۲۵ء (۱۸ ربیع الآخر ۷۲۵ ھجری) ہے اس لئے یہ کہا جا سکتا ھے کہ شیخ کی وفات سلطان غیاث الدین تغلق کی وفات سے پہلے واقع ہو چکی تھی - اور اس طرح ابن بطوطہ کا یہ بیان متحقق ہوتا ھے کہ ابھی سلطان غیاث الدین تغلق لکھنوتی سے لوٹتے ہوئے راستے ھی میں تھا کہ خبر ملی کہ سلطان محمد (جونا خاں) نے شیخ کے جنازے کو کندھا دیا اور شیخ نے اپنی وفات سے قبل جونا خاں سے یہ کہا کہ جا ھم نے تجھے سلطنت بخشی** اگر سلطان غیاث الدین تغلق کی مدت حکومت کے تعین سے جو چار سال دس مہینے ھے - "ہنوز دلی دور است" کا افسانہ غلط ثابت ھوتا ھے جسے ملا بدایونی اور فرشتے نے بغیر کسی حوالے کے لکھا ھے تو اس افسانے کو ھمیشہ کیلئے دفن کرنا ہی افضل ھے کیونکہ اس بات کی تائید کسی معاصر تاریخ سے نہیں ھوتی ھے کہ غیاث الدین تغلق نے شیخ نظام الدین اولیاء سے متعلق کوئی فرمان اس متن کا جاری کیا تھا کہ میرے دلی پہونچنے سے قبل آپ شہر چھوڑ دیں - اس قسم کے کسی فرمان کا ذکر "سیر الاولیاء" میں بھی نہیں ھے جس میں شیخ کی کرامات اور بد دعاؤں سے متعلق بیشمار

---

* "خاندان تغلق" - ص - ۷۹

** سفر نامہ ابن بطوطہ اردو ترجمہ - رئس احمد - ص - ۵۶

حکایتیں بیان کی گئی ہیں ۔ چنانچہ اسطرح بعض مورخین کا یہ وہم و گمان بھی غلط ثابت ہوتا ھے کہ شیخ کا در پردہ کوئی ہاتھ سلطان غیاث الدین تغلق کی اس ناگہانی موت میں تھا جو افغان پور کی کوشک کی چھت کے گرنے سے واقع ھوئی - مگر اس سے سلطان محمد خود اس الزام سے بری نہیں ھوتا ھے کہ اس نے جان بوجھکر ایک ایسی چھت تعمیر کروائی تھی جو اس موقعے پر گر پڑے - اس سلسلے میں ابن بطوطہ کا یہ جملہ خاصا معنی خیز ھے " چونکہ خواجہ جہاں (احمد ابن ایاز) نے اس کوشک کے بنانے میں جسکے گرنے سے سلطان کی موت واقع ھوئی ، بڑی صنعت سے کام لیا تھا اس لئے خواجہ جہاں کے برابر کسی کی بھی جگہ سلطان کے دل میں نہ تھی*

بتایا جاتا ھے کہ جب سلطان غیاث الدین تغلق کو یہ خبر اثنائے راہ میں ملی کہ جونا خاں نے سلطان المشائخ کے جنازے کو کندھا دیا - تو وہ شاہی لشکر سے جدا ہو کر ، جلد از جلد دلی پہونچنے کی کوشش میں مصروف ہو گیا کیونکہ اسکو یہ خبر بھی بتائی جا چکی تھی کہ شیخ نے مرنے سے قبل سلطان محمد کو دلی کی سلطنت بخشی ھے - سوال یہ ھے کہ سلطان غیاث الدین جمادی الثانی کی کسی تاریخ میں دلی پہونچا ھے؟ انگریزی حساب سے ۱۵ مئی ۱۳۲۵ء بتایا جاتا ھے - اور شیخ نظام الدین کا وصال انگریزی حساب سے ۳ اپریل ۱۳۲۵ء کو ہوا - یعنی سلطان کے دلی پہونچنے سے ایک مہینہ بارہ دن پہلے ، اس اعتبار سے یہ کہا جا سکتا ھے کہ سلطان غیاث الدین کے دلی پہونچنے اور وفات پانے کی تاریخ پہلی جمادی الثانی ھے اس وقت امیر خسرو شاہی لشکر کے ہمراہ تھے اور انکو اپنے شیخ کے وصال پانے کی خبر یا تو اثنائے راہ میں ملی یا دلی پہونچنے کے بعد - سیر الاولیاء کا مصنف لکھتا ھے کہ جس دن خسرو دلی پہونچے

---

* سفر نامہ ابن بطوطہ - ص - ۵۶۲

ہیں ، اور اپنے پیر کے مزار پر حاضری دی ھے اس دن کے چھ مہینے کے بعد ان کا انتقال ہوا ہے * نہ کہ شیخ کے انتقال کے چھ مہینے کے بعد ۔ اس سے یہ بات متحقق ہوتی ھے کہ خسرو کا انتقال ۱۸ ماہ شوال میں نہیں بلکہ اس کے بعد کسی تاریخ میں ہوا ھے - چنانچہ فرشتہ کا یہ بیان بہ نسبت دوسروں کے بیانات کے زیادہ صحیح معلوم ہوتا ھے کہ خسرو کا انتقال بروز جمعہ ۲۹ ذیقعد ۷۲۵ ھجری میں ھوا ** اور اگر انکا عرس ۱۸ شوال کو منایا جاتا رھا ھے تو ایسا اس غلط فہمی کی بنیاد پر ہو سکتا ھے کہ لوگوں نے سیرالاولیاء کی عبارت پر غور نہیں کیا ۔ اور شیخ کی تاریخ وفات سے ۶ ماہ کے بعد ان کا عرس منانا شروع کر دیا - چنانچہ خسرو کی تاریخ وفات ۱۸ شوال ۷۲۵ ھجری زیادہ معتبر نہیں ھے - اس کے برعکس ، یہ زیادہ قرین قیاس ھے کہ ان کا انتقال بروز جمعہ ۲۹ ذیقعد ۷۲۵ ھجری کو ھوا - یعنی شیخ نظام الدین اولیاء کی وفات کے چھ مہینے بعد نہیں بلکہ سات آٹھ مہینے کے بعد ۔ یہاں یہ بات بھی واضح ہو جاتی ھے کہ خسرو لکھنوتی سے دلی سلطان غیاث الدین تغلق کی وفات کے بعد پہونچے ہیں ۔ کیونکہ وہ لشکر شاہی کیساتھ آئے ہیں اور بادشاہ ان سے پہلے دہلی پہونچ چکا تھا ۔ سلطان غیاث الدین کی زندگی میں تو خسرو نے اسکی مدح میں کئی قصائد لکھے ہیں ، لیکن اسکی موت پر جسکا غم سارے شہر کو ہوا انہوں نے کوئی مرثیہ نہیں لکھا - اس سے اس امر کا اندازہ ھوتا ھے کہ سلطان محمد کو اس میں دلچسپی ضرور تھی کہ کسطرح باپ سے گلوخلاصی ھو تو میں تخت شاہی پر بیٹھوں اگر یہ بات نہ ھوتی تو وہ افغان پور کے کوشک بنانے والے احمد ایاز شحنۂ عمارت کو خواجہ جہاں کا خطاب دیکر وزیرالملک کے عہدے پر کیوں فائز کرتا جبکہ اس کی کوئی فوجی تربیت بھی نہیں ھوئی تھی

---

* سیرالاولیاء ۔ اردو ترجمہ ۔ ص ۔ ۲۶۵

** تاریخ فرشتہ حصہ دوم ۔ ص ۔ ۴۰۳

(برنی) اور نہ وہ وزیرالملک کے عہدے کا مستحق تھا ۔ یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ خواجہ جہاں شیخ نظام الدین اولیاء کا معتقد تھا * بہرحال خواہ سلطان غیاث الدین تغلق کی موت اتفاقیہ واقع ہوئی ہو ۔ بغیر ابر کے بجلی کے گرنے سے ہوئی ہو ۔ یا ہاتھیوں کے پریڈ سے چھت کے گرنے سے واقع ہوئی ہو ۔ برنی کا فقرہ ”بلائے آسمانی“ مبہم ہے ۔ بہر حال اسکی اس اچانک موت کا غم برنی نے بھی منایا جو اس کے دربار سے منسلک نہ تھا، لیکن خسرو نے اسکی موت پر ایک حرف بھی نہیں لکھا اور اس غم و اندوہ کے باوجود جو انہیں سلطان المشائخ کی وفات سے پہونچا انہوں نے سلطان محمد تغلق کی مدح میں ایک نہیں دو قصائد لکھ ڈالے ۔ خسرو کے سوانح نگار بشمول ڈاکٹر وحید مرزا، شیخ نظام الدین اولیاء کی موت پر خسرو کی سرگزشت حیات کو ختم کر دیتے ہیں گویا خسرو نہ تو اسکے بعد زندہ رہے اور نہ انہوں نے سلطان محمد ابن تغلقشاہ کی بندگی اختیار کی ۔ یہ سراسر حقیقت کے بر خلاف ہے ۔ سیرالاولیاء میں خسرو کی جو یہ کیفیت شیخ کے مقبرے پر پہونچنے کی بیان کی گئی ہے کہ ”وہ جب سفر سے واپس آئے تو چہرہ سیاہ کر لیا اور پیراہن پھاڑ کر خاک میں لوٹنے لگے اور سلطان المشائخ کے مقبرے پر آکر یہ مصرعہ پڑھا ع جامہ دراں، چشم چکاں، خون دل رواں ۔ پھر فرمایا مسلمانو میری کیا ہستی ہے کہ سلطان المشائخ کیلئے روؤں، میں تو اپنے لئے روتا ہوں کیونکہ اب میری زندگی کے بھی تھوڑے دن باقی ہیں ۔ چنانچہ چھ ماہ بعد آپکا انتقال ہو گیا“ § وہ اپنی جگہ پر صحیح ہے ۔ لیکن اسکے یہ معنی نہیں کہ خسرو اسکے بعد گوشہ نشین ہو گئے ۔ اگر خسرو زاویہ نشین ہو گئے ہوتے تو پھر اسکی کیا ضرورت تھی کہ وہ سلطان محمد کی مدح میں بھی کوئی قصیدہ لکھتے ۔ خسرو اسکی ولیعہدی کے زمانے میں اسکی مدح میں اتنے بہت سے قصائد لکھ چکے تھے کہ

---

* سفر نامہ ابن بطوطہ ۔ حاشیہ رئیس احمد جعفری ۔ ص ۔ ۵۶۲

§ سیرالاولیاء ۔ ص ۔ ۲۶۵

وہی ان کی اس چند روزہ زندگی کو سہارا دینے کے لئے کافی تھے ۔ مگر خسرو نے نہ تو کبھی ترک دنیا کی اور نہ فکر معاش سے کبھی بے بہرہ رہے ۔ نظام الدین اولیاء کے وہ صرف ارادت کیش ہی نہ تھے بلکہ بڑے گہرے دوست بھی تھے ۔ وہ کسی وقت بھی انکی خدمت میں حاضر ہو سکتے ان کے لئے کوئی روک ٹوک نہ تھی ، اور اس دوستی کے کئی اسباب تھے جن پر میں اس سے قبل روشنی ڈال چکا ہوں ۔ چنانچہ جن لوگوں کے پیش نظر صرف پیری مریدی کا رشتہ رہا ہے اور یہ دوستی کا رشتہ نہ تھا ، انہوں نے خسرو کو عرف عام کا ایک صوفی تصور کر کے ، انہیں مزار شیخ پر بٹھا دیا ، اور پھر بعد کی زندگی بیان نہیں کی ۔ خسرو کی یہ تصویر ، جو شیخ نظام الدین کے سجادہ نشینوں نے تیار کی ہے وہ بیشتر تخیلی ہے ۔ اس سلسلے میں کچھ غلط باتیں افضل الفوائد کے حوالے سے بھی کہی گئی ہیں جو ایک جعلی کتاب ہے اس کتاب کا کہیں بھی کوئی ذکر کسی معاصر تاریخ یا کسی معاصر تذکرے میں نہیں ملتا ہے ۔ اور نہ اسکا کوئی ایسا مستند نسخہ جس سے اس کے زمانے کا تعین کیا جا سکے آجتک دستیاب ہوا ہے ۔ اسکا اسلوب نثر خسرو کے اسلوب نثر سے مختلف ہے ۔ اس میں جو یہ بات شیخ نظام الدین اولیاء سے منسوب کر کے کہی گئی ہے کہ دوران سماع شیخ نے تالی بجانا اور نعرہ لگانا ممنوع کیا ہے اسکی تردید سیر الاولیاء کی اس عبارت سے ہوتی ہے ۔ "حضرت سلطان المشائخ نے نیز فرمایا کہ "درویش جب سماع میں تالی بجاتا ہے تو ہاتھ کے گناہ زائل ہو جاتے ہیں اور جب نعرہ مارتا ہے تو اندرونی خواہشات نکل جاتی ہیں" ۔ *

بہر حال انہیں ساری جعلی کتابوں اور افسانوں کی مدد سے امیر خسرو کی تصویر میں غلط رنگ آمیزیاں کی گئیں ہیں ۔ ایک رند با صفا کو خانقہی صوفی بنا کر پیش کیا گیا ہے ۔ امیر خسرو کی عقیدت شیخ سے

---

* سیر الاولیاء ۔ ص ۔ ۳۶۳

خواہ کتنی ہی گہری کیوں نہ رہی ہو، انہوں نے اپنی رندی اور جاہ طلبی کو خیر باد نہیں کہا، ان میں جو صوفی تھا وہ ان سے پیہم جنگ کرتا لیکن انکی شاعری کے بھوت نے، جو ان پر غالب تھا، انہیں اس صوفی سے مغلوب ہونے نہ دیا ۔ باطنی جنگ برابر جاری رہی لیکن فتح صوفی کی نہیں، ترک دنیا کی نہیں بلکہ خسرو بشر کی ہے ۔ انکی اس زمانے کی زندگی کو پیش کرنے کیلئے ہمارے پاس واحد ماٴخذ ان کا آخری مجموعہ کلام دیوان نہایت الکمال ہے ۔ یہ مجموعہ کلام قطب الدین خلجی کے زمانے سے لیکر سلطان محمد ابن تغلقشاہ کے زمانے تک کی تخلیقات پر مشتمل ہے ۔ لیکن بیشتر کلام سلطان غیاث الدین تغلق کے زمانے کا ہے ۔ اب یہ دیکھئے کہ ہمارا یہ شاعر جو زندگی اور اسکی لذتوں کا دلدادہ تھا، وہ اس زمانے میں جبکہ اس کی عمر ستر سے تجاوز کر گئی تھی، کس قسم کے جذبات رکھتا اور کس قسم کی ذہنی کشمکش میں مبتلا تھا ۔

بتے ہر روز بر دل میر سازم   بخوردن خون خود را شیر سازم
تنی پیرم گرفتار جوانان   بدیں طفلی چوں خود را پیر سازم
نہ پائ آنکہ بگریزم زتقدیر   نہ صبر آنکہ با تقدیر سازم
ندارم چوں جمال صدق تا کے   ز زہد، آئینۂ تزویر سازم
چو کافوری نخواہد گشت روزم   ضرورت با شب چوں قیر سازم
بگویم ایں وجود آہنیں را   در امید را زنجیر سازم †

شد آنکہ پائ مرا بوسہ می زدند او باش
بیار بادہ کہ گشتم قلندر و قلاش
چو توبہ رفت سر صوفی چومن اے مست
بجرعۂ ترکن و ہم از سفال سئی بتراش
مرا ز مقنع شاہد کنید خرقۂ زہد
کہ زاں لباس فرو پوشم ایں عبادت فاش

---

† دیوان نہایت الکمال مطبوعہ ۔ ص ۔ ۱۱۸

دلا چو دوزخی صرف گشتی از خوبان
شراب می خور و با روئے خوب ، خوش می باش
نیرزم آنکه دعای کنند اہل صفا
زہے سعادت اگر لعنتم کنند اوباش
اگر ز خامہ کژ اُفتاد نقش ما چہ کنیم
چگونہ عیب توانیم کرد بر نقاش
نبود بر در مسجد چو خسروا بارم
کزو بخانۂ خمار کردم این تن لاش *

خسرو نے سلطان المشائخ کی وفات کے سات آٹھ مہینے کے بعد داعیٔ اجل کو لبیک کہا ہے ، خسرو کو جو محبت اور عقیدت نظام الدین اولیاء سے تھی کیا اس کا یہ تقاضا نہ تھا کہ وہ ایک پر شور مرثیہ انکی موت پر کہتے ، سلطان محمد شہید والی ملتان کی شہادت پر دو تین مرثیئے ، قطب الدین کی موت پر ایک مرثیہ ، اپنے جد مادری کی موت پر ایک مرثیئے ، اپنی والدہ اور بھائی کی موت پر ایک مرثیہ ، اپنے بیٹوں کی موت پر مرثیہ ، ملک محمود خانخانان کی موت پر ایک مرثیہ ، حتیٰ کہ قیران بیگ کی والدہ اور انکے بیٹے کی موت پر ایک مرثیہ ، مگر نہیں ہے کوئی مرثیہ تو شیخ نظام الدین اولیاء کی موت پر اور اگر یہ کہا جائے کہ شیخ کی وفات کے بعد خسرو نے شاعری ترک کر رکھی تھی تو یہ صحیح نہیں ھے ۔ شیخ کی وفات سلطان محمد تغلقشاہ کے تخت شاہی پر جلوس کرنے سے پہلے واقع ہوئی ھے ، وہ اپنی شہزادگی کے زمانے میں شیخ کے جنازے کو کندھا دیتا ھے اور خسرو شیخ کے مرقد پر پہونچکر اپنے منہہ پر سیاہی مل لیتے

---

* دیوان نہایت الکمال ۔ مطبوعہ ۔ ص ۔ ۱۴۳

ہیں، گریباں چاک کر کے زمین پر لوٹنے لگتے ہیں، اور جیسا کہ بر بنائے روایت نقل کیا جاتا ہے شیخ کی وفات پر انہوں نے پوربی میں یہ دوہرا بھی کہا ۔

گوری سووے سیج پر مکھ پر ڈارے کیس
چل خسرو گھر اپنے رین بھئی چوندیس

مگر کوئی مرثیہ فارسی میں، شیخ کی وفات پر خسرو کا کہا ہوا نہیں ملتا ہے ۔ لیکن جب سلطان محمد ابن تغلقشاہ تخت شاہی پر شیخ کی وفات کے مہینے ڈیڑھ مہینے بعد جلوہ افروز ہوتا ہے اور خسرو لکھنوتی کے سفر سے، لشکر شاہی کے ہمراہ دلی پہونچتے ہیں تو جہاں وہ اپنا یہ پہلا فریضہ انجام دیتے ہیں کہ شیخ کی مرقد پر جا کر اظہار غم کرتے ہیں وہاں وہ اس سے غافل نہیں رہتے ہیں کہ نئے سلطان، محمد تغلق کی مدح میں بھی قصیدہ لکھنا ہے ۔ یہ خیال کہ خسرو اپنے پیر و مرشد کی وفات کے بعد گوشہ نشین ہوگئے تھے، درست نہیں ہے ۔ خسرو ایسی زندگی کو سخت نا پسند کرتے جو معطل ہو ۔

مرد ہمہ جا بسر کار بہ   شخص معطل خجل و خوار بہ *

ہر چند کہ امیر خسرو کی عمر اس زمانے میں چوہتر سال کی تھی ۔ لیکن انکے قویٰ اتنے توانا اور تندرست تھے کہ وہ اس وقت بھی ہمرکابی شاہ کا حوصلہ رکھتے ۔ ملاحظہ ہو ان کا قصیدہ در مدح سلطان محمد بن تغلق اور یہ دیکھئے کہ اس میں کیا توانائی تخیل ہے ۔

سزد کہ سجدہ برندت کواکب از تعظیم
کہ آسمان بلندی ز احسن تقویم
سپہر مرتبہ سلطان دیں پناہ توئی
کہ ہست گوہر تو زیب افسر و دیہیم

---

* دیوان نہایت الکمال ۔ ص ۔ ۳۷

توئی زسایۂ حق زادہ آفتاب شرف
که هست مثل تو چوں سایۂ رسول عدیم
وقار حلم ز ذاتت شریف گشت چنانکه
صفا و مروہ معظم ز قرب رکن حطیم
بشعر انوری از بندہ خواستند جواب
بداں گماں که مگر درمست طبع سلیم
بداں عبارت و معنی کجا رسد سخنم
کجا سموم بیاباں رسد بلطف نسیم
من از عطاردم ادراک رمز او نکنم
ہزار بار گرم مشتری کند تقسیم
ولے ز حکم بزرگان چو چارہ ام نبود
نگاشتم سخنے چند بر صحیفۂ سقیم
چو این مکابرہ کردم ز ناقدان ہنر
بزیر ذیل کرم عفو کن بلطف عمیم *

ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ سلطان محمد تغلق نے، ایک فقیہ شمس الدین اندگانی کو، جو طبیب اور شاعر تھا، ایک قصیدہ کے صلے میں جس میں صرف ۲۷ اشعار تھے، ہر بیت پر ہزار دینار دئیے تھے - ** معلوم نہیں یہ بات خسرو کی وفات سے پہلے یا بعد کی ہے - بہر حال اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سلطان محمد تغلق جو خود بھی شعر موزوں کر لیتا اور سخن شناس تھا شعرا کو انعام و اکرام دینے میں خاصا فیاض تھا - مگر ہمیں اس کا کوئی علم نہیں کہ خسرو اسکے اس جود و سخا سے فیضیاب ہوئے کہ نہیں - خسرو کے جس قصیدے کے چند اشعار اوپر نقل کئے گئے ہیں اسکے مطالعے سے تو یہ پتہ چلتا

---

* دیوان نہایت الکمال - اقتباس - ص - ۳۸

** سفر نامہ - ص - ۵۸۷

ہے کہ انوری کے قصیدے کا جواب لکھنے کا چیلنج تھا اور خسرو نے اس چیلنج کو قبول کر لیا تھا۔ مگر آخر اس کا کوئی صلہ بھی انہیں ملا کہ نہیں اسکا ہمیں علم نہیں ہے۔

خسرو کی زندگی کے آخری چار پانچ سال میں، دو ایسے اہم واقعات رونما ہوئے جنکا ذکر ضروری ہے۔ ایک تو ان کے بیٹے حاجی کی موت کا سانحہ ہے۔ غالباً یہ خواجہ حاجی کے لقب سے مشہور تھے اور بڑے اچھے غزل خواں تھے۔ اور اندازہ یہ ہے کہ وہ لشکر میں ملازم تھے۔ خسرو نے انکی موت پر ایک درد ناک مرثیہ ترجیع بند میں کہا ہے۔

حاجی بکعبہ گرم چہ آہنگ کردۂ
و آہنگ جنت از لحد تنگ کردۂ
از خانہ روی تافتہ بہرچہ میروی
ہنگام آشتی ست اگر جنگ کردۂ
اے لشکری مرو کہ بتوکم رسم ازانکہ
کوچی نہ حد منزل فرسنگ کردۂ
زان خواندن غزل کہ زتو یادگار ماند
سرہا تہی ز سوسن و فرسنگ کردۂ

بر گور تو چو گریہ کنم خیز و از کفن
کن پاک خون ز دیدۂ رخسارۂ پدر
شہرے مرا ز گریہ بنظارہ آمدست
آخر تو ہم بیاؤ بہ نظارۂ پدر *

اس میں ایک بیت ہے جس سے اسکا اندازہ ہوتا ہے کہ چند "برادران" خسرو اس وقت تک زندہ تھے۔

اے دوستاں دو چشم خود از نم کنید پاک
چشم برادران مرا ہم کنید پاک

---

* دیوان نہایت الکمال۔ ص۔ ۷٦۔ ۷۷

ایک دوسرا واقعہ چھوٹا سا ہے لیکن خاصا دلچسپ ہے - ملک قیران بیگ ، ملک الکبیر تمر خان قیران بیگ ، کے صاحبزادے تھے تمر خان مشہور بندگان شمسی میں سے تھے - بیٹے نے بھی خاصا نام پیدا کیا اور قیران بیگ ہی کے لقب سے مشہور ہوا - خسرو سے اسکے خاندانی روابط تھے چنانچہ ملک قیران بیگ (خورد) کے نام ایک منظوم خط بشکل مثنوی نہایت الکمال میں پایا جاتا ہے - اس خط میں انھوں نے تعزیت کی ہے انکی والدہ ، بھائی اور بیٹے کی اموات پر جو پیاپے واقع ہوئیں - اس خط میں انکے تصوف اختیار کرنے کی طرف بھی اشارہ ہے -

ان کا پورا نام تاج الدین قیران بیگ تھا -

مخدوم قدیم و سرور من   تاج من و افسر سر من
خانزادۂ روزگار قیران   گر قدر بچرخ کرد طیران
مشغول دلا بقصر والا   مخصوص بقرب حق تعالیٰ
اول شرف ملوک بودہ   بس غالیۂ سلوک سودہ
ترک کلۂ ملوک دادہ   در ترک کلاہ سر نہادہ *

چنانچہ سیر الاولیاء میں انھی ملک قیر بیگ کے محلوق کئے جانے کا قصہ لکھا ہوا ہے - انہوں نے شیخ کی بیعت کی اور رسم محلوق یعنی سر منڈوانے کی رسم کے لئے ایک بہت بڑی مجلس کی اس میں نظام الدین اولیاء کو مدعو کیا تاکہ وہ اس تقریب کا افتتاح اپنے دست مبارک سے فرمائیں - چنانچہ شیخ نظام الدین اولیاء اس مجلس میں شریک ہوئے اُمید ہے کہ خسرو بھی شریک ہوئے ہونگے - مگر ایک نظم (قصیدہ) میں خسرو نے صوفیوں کے محلوق کئے جانے کی رسم کو ایک ڈھکو سلا قرار دیا ہے

زسر کہ موئے فگندم نہ ایں طریق صفاست
ازانکہ درتہ ہرموسیاہیؔ برخاست

---

* دیوان نہایت الکمال - ص - ۸۲

سراست چو سر مخلوق پر خیال فساد
نہ اینست کاسۂ سر بلکہ طاسک صہباست
اگر بچہرۂ مخلوق ہست خال سواد
یقیں بداں تو کہ مخلوق خواندنش نہ رواست
سیاہ گشتہ سپید و دمید صبح اجل
ہنوز دردل تاریک من شب یلداست
کجا ز حلق یکے سلسلہ خلاصم چوں
ہزار سلسلہ در حلق من ززلف دوتاست
زپاک کردن سر پاکئی تن ست مراد
کہ ایں صفا زسر آغاز کن گرت پرواست
چوہست پاکی کو سر زموی پاک مباش
بفرق پاک و شاں موی لیلۃ الاسراست *

اور اس کے بعد اپنا تصور طہارت نفس کا پیش کیا ہے اور اپنا نظریہ تصوف بھی بیان کیا ہے جسے ان کی شاعری کے باب میں پیش کیا جائیگا۔ یہاں تو یہ بتانا مقصود ہے کہ جو حضرات کہ انہیں عرف عام کا صوفی تصور کرتے ہیں ان کا وہ تصور کسقدر غلط ہے۔

اسی زمانے میں ایک اور واقعہ رونما ہوا جو ان کے بعض عقائد کی تشریح سے تعلق رکھتا ہے۔ خسرو کے خلاف انکے حاسدوں نے ایک فتنہ کھڑا کیا کہ انہوں نے کسی نعتیہ قصیدے میں جو رسول اللہ صلعم سے تعلق رکھتا ہے۔ یا کسی کتاب رسول میں چند اشعار ایسے لکھدئے تھے جن سے یہ شبہہ گزرتا تھا کہ وہ آل رسول سے محبت اور خلوص نہیں رکھتے تھے۔ چنانچہ ایک قصیدے میں سید تاج الحق والدین کو مخاطب کرتے ہوئے حاسدوں کے اس الزام سے برائت چاہی ہے اور آل رسول کی محبت کا اقرار کیا ہے اورحاسدین کی وجہ مخاصمت کو بھی بیان کیا ہے۔

---

* نہایت الکمال - قصیدہ حاق الاشعار - ص - ۱۵ - ۲۲

برمن ہزار منت و بخشایش خداست
کا اندر دلم محبت اولاد مصطفیٰ است

لاف ازمن ازصحبت ایشاں بود چنانکہ
ذرہ کہ بود چشمہ خورشید آشناست

ہر یک نشاں چوپارۂ از نور زاولست
آخر بہ بیں کہ قرۃ عین رسول ماست

چوں سر بسدرہ برنکشد ایں سخن کہ اُو
رستہ زشیر فاطمہ و خون مرتضاست

گفتند در کتاب نبی یکدوبیت ہست
کزوے در آل مصطفوی شبہہ بے خطاست

من زاہل علم بحث بہر بیت کردہ‌ام
فتوائی شرع نیز بدیں ما جرا گواست

شبہہ یقین است لیک نشد واقع یقیں
از بہر شبہہ جز چومن مومنے چراست

سوگند میخورم بخدائے کہ ذات او
پاک و منزہ اززن و فرزند و اقرباست

سوگند میخورم بمحمد کہ ہرچہ اُو
شد زادۂ شرف شرف ہدیۂ ہداست

سوگند میخورم بکلام اللہی کہ است
اُم الکتاب و حامل اسرار دوسراست

سوگند میخورم بمصلائے پیر خویش
کافگندۂ ہوائے ہویت نہ بر ہواست

گرمن **بقصد** ——— ہیچ حرف
کاں موجب صراحت وا کبار مجتباست

ور از طریق سہو خطا رفت جرأتے
جز بر خدائے برہمہ عالم خطا رواست

زیں لوث چوں بشرم شدم غرق ، چرخ گفت
دریا نگر چگونہ فرو رفتہ درحیاست

آشام ایں تلاطم طوفان فتنہ را
لا از شہادتست کہ مانند اژدہاست

بس عین رحمتی کہ در استغفراللہ است
یا دم ازیں زماں کہ از او عفو را نماست

امید باشد انکہ جہنم نسوزدم
فضل خدا چو حاکم ایں ہردو ماجراست

اے مسند سیادت تو پشتبان دین
زیں لغزشم چہ غم چومرا برتو متکاست *

اس اقتباس کی آخری بیت میں چونکہ سید تاج الدین کو "پشتبان دین" بتایا گیا ہے اسلئے یہ بات محقق ہوتی ہے کہ مخاطب قصیدہ وہی سید تاج الدین ہیں جنکا ذکر برنی نے تاریخ فیروز شاہی میں سادات علائی کے سلسلے میں کیا ہے اور انکی سیادت اور بزرگی کو بڑے آب وتاب کے ساتھ بیان کیا ہے ۔ وہ انہیں شیخ الاسلام سید قطب الدین کا بیٹا بتاتا ہے اور یہ لکھتا ہے کہ وہ بداؤں اور اودھ میں مدتوں قاضی رہ چکے تھے اور وہ خود اپنے کو انکا ملاقاتی بتاتا ہے **

خسرو کی اس چوہتر سال کی عمر کے جملہ ایام ، سال ہجری کے شمار کے مطابق ۲۶۸۴۰ بنتے ہیں ۔ اس میں سے اگر ہم انکی عمر کے سات سال کے ایام وضع کر دیں جو عہد طفلی کے تھے تو ۲۴۳۲۰ دن بنتے ہیں ،

---

* دیوان نہایت الکمال ص ۔ ۶۰ - ۶۴

** تاریخ فیروز شاہی ۔ ص ۵۲۲ ۔

لیکن خسرو کے اشعار کی مجموعی تعداد ، ان دنوں سے کئی گنا زیادہ ہے ۔ ایک لاکھ سے کم ابیات کیا ہونگی ۔ چنانچہ اس حساب سے اوسطاً تین بیت فی روز پڑتی ہے ۔ اسکے علاوہ جو ہندوی زبان میں اشعار کہے اور جو کچھ نثر میں لکھا وہ الگ ہے ۔ برنی لکھتا ہے کہ ”انکی تصانیف کا ایک کتبخانہ“ ہے ۔ یہ ایک معاصر مورخ کی شہادت ہے ۔ یہ شاعر ہفت زبان جو مورخ و نثار ، مطرب و نغمہ ساز ، صوفی و ندیم شاہ ، بہ یک وقت تھا ، ۷۴ سال کی عمر پا کر اس دنیا سے رخصت ہو گیا ۔ انہیں لوگوں نے دلی میں شیخ نظام الدین اولیاء کی قبر کے جنوب میں دفن کیا ۔ خسرو کو اگر انکے پیر و مرشد کے پاس دفن نہ کیا گیا ہوتا تو کون جانے کہ آج انکی قبر کا نشان بھی ملتا کہ نہیں ۔ شیخ کی دستگیری انہیں ہر جگہ حاصل ہوئی ۔ کسی نے یہ بات خوب کہی ہے کہ خسرو اپنے شیخ کے ذکر سے اور شیخ نظام الدین خسرو کے ذکر سے زندہ رہیں گے ۔ خود خسرو کا عقیدہ یہ ہے کہ میری نجات شیخ کے توسط سے ہوگی ۔

خوش آں دم کہ من ز اعتقاد ضمیر   گرفتم بہ حق دست آں دستگیر
بہ نہ بحر ازاں جانبم راہ شد   چو کشتی مرا دست آں شاہ شد

ڈاکٹر وحید مرزا لکھتے ہیں کہ خسرو کی قبر پر کوئی مزار غالباً بابر کے عہد سے پہلے تعمیر نہیں ہوا تھا ۔ چنانچہ بابر کے ایک بہنوئی موسیٰ خواجہ کے فرزند ارجمند سید مہدی خواجہ نے انکی قبر پر ایک مزار تعمیر کروایا ۔ جس پر مہدی خواجہ کے استاد شہاب معمائیؒ ہراتی کا کہا ہوا ایک قطعۂ تاریخ محجر ہے * اسکے بعد ہمایوں کے عہد میں ، اکبر کے عہد میں ، جہانگیر کے عہد میں ، اور پھر بعد کے زمانے میں اس مزار

---

* Life & works of Amir Khusroo P. - 138

کی تعمیر و آرائش میں اضافہ ہوتا رہا - جو قطعۂ تاریخ کہ خسرو کے لوح مزار پر شہاب معمائی کا کہا ہوا محجر ہے۔ اس کے اشعار یہ ہیں۔

میر خسرو خسرو ملک سخن   آں محیط فضل و دریائے کمال
نثر او دلکش تر از ماء معین   نظم او صافی تر از آب زلال
بلبل دستان سرائے بے قریں   طوطیٔ شکر مقال بے مثال
از پئے تاریخ سال فوت او   چوں بیارم سر بہ زانوئے خیال
شد ''عدیم المثل'' یک تاریخ او   دیگرے شد ''طوطیٔ شکر مقال''

۷۲۵ ہجری   ۷۲۵ ہجری

اس قطعۂ تاریخ سے اوپر یہ شعر کندہ ہے۔

زمیں را از ایں لوح شد سرفرازی
بدوران بابر شہنشاہ غازی

اور قطعۂ تاریخ کے نیچے یہ دو اشعار کندہ ہیں۔

مہدی خواجہ سید با جاہ و جلال
شد بانیٔ ایں اساس بے شبہ و مثال
گفتم سعیٔ جمیل مہدیٔ خواجہ
تاریخ بنائے ایں چوکردند سوال

پانچواں باب

خسرو کی ہندوی شاعری

یہ بات پہلے بتائی جا چکی ہے کہ خسرو کا مولد اور منشاء دہلی تھا - اور انکی والدہ ماجدہ عمادالملک راوت کی بیٹی تھیں جو ایک نو مسلم راجپوت تھے - عمادالملک علم و فضل کے اعتبار سے سربرآوردۂ روزگار تھے - خسرو نے انہیں آصف دوراں بزرجمہر زمانہ اور دستور عصر کے القاب سے سراہا ہے - ان حقائق کی روشنی میں یہ بات بغیر کسی تذبذب کے کہی جا سکتی ہے کہ وہ ہندوی جو دہلی اور اس کے اطراف میں بولی جاتی تھی اور جسے خسرو نے زبان دہلی یا دہلوی کے نام سے یاد کیا ہے وہ انکی مادری زبان تھی - اس زبان کو انہوں نے شیر مادر کیساتھ حاصل کیا تھا - اس میں شبہہ نہیں کہ انکے والد ولایت بالا کے ایک ترک تھے - لیکن چونکہ انکی زندگی کا بیشتر حصہ ہندوستان میں گزرا - سلطان التتمش کے عہد سلطنت سے لیکر سلطان ناصرالدین محمود کے زمانے تک ہندوستان ہی کی سر زمین میں زندگی بسر کی اور

ایک ایسے گھرانے میں شادی کی جو تمامتر ہندی الاصل تھا اسلئے یہ بات بھی بغیر کسی تذبذب کے کہی جا سکتی ہے کہ وہ بھی اپنے گھر میں اور باہر عوام کے ساتھ ہندی ہی میں گفتگو کرتے چنانچہ انہیں حقائق کے پیش نظر جہاں خسرو نے اپنے کو ''ترک ہندوستانیم'' کہا ہے۔

ترک ہندوستانیم من ہندوئی گویم جو آب
شکر مصری ندارم کز عرب گویم سخن *

وہاں اپنی مادری زبان کو ہندی یا ہندوئی کہا ہے

ہست خطا و مغل و ترک و عرب
در سخن ہندئی ما دوختہ لب ¶

یہاں ہندیٔ ما کہکر جو قربت ظاہر کی ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ہندی یا ہندویٔ انکی مادری زبان تھی۔ اور پھر اس ہندوی میں نہایت روانی کیساتھ شعر کہنے پر فخر کیا ہے۔ ع

ترک ہندوستانیم من ہندویٔ گویم جو آب

اور ایک بیت میں تو یہ بات بھی واضح کر دی ہے کہ اگر کسی کو میرے کلام میں نغز گویٔ دیکھنا ہو۔ تو میرے ہندویٔ کلام کو دیکھے

چو من طوطیٔ ہندیم ار راست پرسی
ز من ہندویٔ پرس تا نغز گویم **

خسرو نے صرف اپنے ہی علاقے کی ہندویٔ یعنی صرف زبان دہلوی ہی میں شعر نہیں کہے ہیں، بلکہ متعدد علاقوں کی ہندویٔ یا بھاشا میں بھی شعر کہے ہیں

گشت چو در علم مقرر سخنم
در سخن ہند کنوں سکہ زنم

---

* دیباچۂ غرۃ الکمال مطبوعہ

¶ مثنوی نہ سپہر۔ مرتبۂ ڈاکٹر وحید مرزا۔ ص۔ ۱۶۶

** دیباچہ' غرۃ الکمال مطبوعہ۔

سن بز بانہائے کساں بیشتری
کردہ ام از طبع شناسا گزری
دانم و دریافتہ و گفتہ ہمم
جستہ و روشن شدہ زاں بیش و کمم *

انکی مثنوی نہ سپہر کے مطالعے سے پتہ چلتا ھے کہ انہوں نے سنسکرت سے بھی واقفیت پیدا کی تھی، اور ہندؤں کے قدیم علوم و فنون سے بھی وہ شناسا تھے

سنسکرت نام زعہد کہنش
عامہ ندارد خبر از کن مکنش
برہمنش داند و ہر برہمنی
نیز نداند حد زآنساں سخنی
آنست زبانی بصفت در دری
از عربی کمتر و برتر ز دری
گرچہ کہ شیر ینست دری و شکریں
ذوق عبارت کم از آں نیست دریں
ہر کہ بہ تحقیق بداند حق آں
بیش نگوید ز کم و مطلق آں
علم بود گر بحق آں سخنم
مدح شہنشاہ بداں نیز کنم £

اور پھر ہند کے مختلف علوم و فنون کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ رومیوں اور ہندیوں کے درمیان یہ فرق ھے کہ رومیوں نے اپنے فلسفے کو بیرون ملک میں پھیلایا اور برہمن اسے اپنے سینے میں دفن کئے رہا ورنہ حقیقت یہ ھے کہ ہندوؤں کا سرمایۂ فلسفہ رومیوں سے زیادہ ھے ۔

---

* مثنوی نہ سپہر - مرتبۂ ڈاکٹر وحید مرزا - ص - ۱۷۳

£ مثنوی نہ سپہر - ص - ۱۸۱ - ۱۸۰

روسی از آں گونہ کہ افگندہ بروں   برھمناں راست از آں مایہ فزوں
لیک از ایشاں چونجستہ است کسے   آں ہمہ در پردہ بماندہ است بسے*

اور پھر اپنے علم کا ذکر کرتے ہیں۔

من قدرے بر سر ایں کار شدم   در دل شاں محرم اسرار شدم†

اور پھر ہندوؤں کے عقاید کے بارے میں لکھتے ہیں۔

نیست ہنود ارچہ کہ دیندار چوما   ہست بسے جائے باقرار چوما§

اور ان ساری جگہوں کی نشاندہی کی ہے جہاں ہندوؤں اور مسلمانوں کے عقاید یکساں ہیں۔

معترف وحدت و ہستی و قدم   قدرت ایجاد ہمہ بعد عدم**

اور پھر ھندوؤں کو ان اقوام سے ممیز کیا ھے جو مادہ پرست ہیں یا جو خدا کا مشبہ تصور رکھتے ہیں۔

قوم مشبہ سوئے تشبیہ شدہ   ہندو از اینہاش بتنزیہ شدہ***

میرا خیال ھے کہ اب کسی بھی شخص کو اس بات میں شک و شبہ نہ ھوگا کہ خسرو کی مادری زبان ہندوی‘ تھی۔ وہ ہندوی‘ جو دہلی اور اسکے نواح کی تھی اور جسے انہوں نے دہلوی کا نام دیا ھے۔ کیونکہ خسرو نے واضح طور سے یہ بات لکھی ھے کہ خواہ مغل ھوں یا ترک یا عرب ۔ وہ ھماری ہندوی‘ زبان میں شاعری کرنے سے قاصر ہیں اسکے برعکس ھم لوگ نہایت صحت کے ساتھ انکی زبانوں میں شاعری کرتے ہیں، اور انکی زبان پر ایسی قدرت رکھتے ہیں جیسی کہ ایک گلہ بان کو اپنے گلے کے ھانکنے میں مہارت ھوتی ھے۔

---

* ایضاً ۔ ص ۔ ۱۶۲

† ایضاً ۔ ص ۔ ۱۶۳

§ ایضاً ۔ ص ۔ ۱۶۳

** ایضاً ۔ ص ۔ ۱۶۴

*** ایضاً ۔ ص ۔ ۱۶۵

ہست خطا و مغل و ترک و عرب
در سخن ہندیٔ ما ، دوخته لب
ما بدرستی سخن ہر ہمه را
زان نمط آریم که راعی رمه را

خسرو نے اس موقعے پر ہماری توجه ایک بہت ہی اہم نکتے کی طرف منعطف کرائی ہے - وہ لکھتے ہیں که یه ہر ملک اور ہر قوم میں یه دستور رہا ہے که جو زبان‌که دارالسلطنت یا بادشاہ کی ہوتی ہے وہی سارے اطراف میں رائج ہو جاتی ہے -

چون بکه و مه رسد از گفت شہان   عام شود در ہمه اطراف جہاں *

اسکی ایک مثال انہوں نے یه دی ہے که جس زمانے میں که ایرانیوں کی حکومت سرزمین عرب اور بغداد پر تھی اس زمانے میں فارسی عربوں کے درمیان بھی رائج تھی - اور لفظ بغداد - جو باغچۂ داد ہے ، اس کا ایک جیتا جاگتا ثبوت ہے -

ہم بمثالے که به بغداد درون   بود زبان پارسی اندر چه و چون
چون خلفا پایه گرفتند دران   پارسیان مایه گرفتند دران
پارسی ، آئین عرب گشته ہمه   لفظ شبان شد ادب آموز رمه
شہر که بغداد نوشته عربش   باغچۂ داد بد اول لقبش †

اس مثال سے وہ یه بات واضح کرنا چاہتے ہیں که یہی دستور ہند میں تھا که جو زبان که بادشاہ کی ہوتی اسی زبان کو عوام قبول کر لیتے -

ہند ہمیں قاعدہ دارد بسخن   ہندوی بود است در ایام کہن **

چنانچه خسرو لکھتے ہیں که غوری اور ترک مسلمانوں کی آمد سے پہلے ، جو ہندوی که راجدھانی کی تھی وہی عوام میں مقبول تھی مگر ترکوں کے آنے کے بعد جنکی زبان پارسی (دری) تھی ، بری بھلی فارسی

---

* ایضاً - ص -

† ایضاً - ص - ۱۷۸

** ایضاً - ص - ۱۷۸

یہاں کے لوگوں نے سیکھنا شروع کیا ۔ اور جو بولیاں کہ حدود دارالسلطنت کی نہ تھیں وہ اپنے اپنے علاقوں میں محصور رہیں ۔ اس میں شبہہ نہیں کہ انکی زبانیں بھی اچھی ہیں اور وہ بھی خدا ھی کی ودیعت کی ھوئی ہیں ، لیکن ہمیں اس تاریخی حقیقت کو تسلیم کرنا چاھیئے کہ جو بولی کہ بادشاہ کی ھوتی ھے وہ مختلف علاقوں کے عوام کے درمیان بھی رائج ھو جاتی ھے ۔

غوری و ترک آمد و شانرا بدھاں   پارسیٔ بود پدیدار و نہاں
خلق جو پیوستۂ شاں شد کہ و مہ   پارسی آموخت ہمہ کس بدو بہ
وانچہ زبانہائے دگر بودہ ہمہ   از حد خود راہ نہ پیمودہ ہمہ
ہست چو تعلیم خدای آں ہمہ را   گفتن بد نیست سزا آں ہمہ را *

اس مشاہدے کے بعد وہ ھندوستان کے مختلف علاقوں کی بولیوں کا تذکرہ کرتے ہیں ۔ اور یہ بتاتے ہیں کہ ہند و پاک کے مختلف علاقوں میں ، سو سو کوس کے فاصلے پر ایک مخصوص قسم کی بھاکا سنائی پڑتی ھے ، انکے اپنے محاورے اور لہجے مختلف ھوتے ہیں ۔

ہست دریں عرصہ بہر ناحیتے   مصطلحے خاصہ نہ از عاریتے

یہاں یہ بتانا ضروری ھے ۔ کہ خسرو نے مصطلح کا لفظ بمعنی اصطلاح استعمال کیا ھے ۔ آج کل ھم لوگ یہ لفظ Terminology کے معنوں میں استعمال کرتے ہیں ۔ لیکن خسرو نے اس لفظ کو ان معنوں میں نہیں بلکہ اس سے ایک مختلف معنی یعنی بھاکا یا بھاشا کے معنی میں استعمال کیا ھے ۔ سر زمین ھند و پاک کی مختلف زبانوں کا علم آج جسقدر وسیع اور گہرا ھے ، اتنا خسرو کے عہد میں نہ تھا ۔ ھم لوگ ھند آریائی خاندان کی زبانوں اور آریوں کے آنے سے پہلے ، ھندوستان کی قدیم مقامی زبانوں یا دراوڑی خاندان کی بولیوں میں فرق کرتے ھیں ۔ چنانچہ ھملوگ تامل ، تلگو اور کنٹری کو ھند آریائی خاندان کی زبان میں شامل نہیں کرتے ھیں ۔ خسرو نے اس امتیاز کو برقرار نہیں رکھا ھے ۔ انہوں نے ان کا نام بھی ھند آریائی خاندان کی زبانوں کے ساتھ لیا ہے ۔

---

* ایضاً ۔ ص ۔ ۱۷۹

جہانتک که هند اریائی خاندان کی مختلف بولیوں کا تعلق هے یه بات انکے بارے میں همیشه سے کہی جاتی رهی هے که هر سو کوس کے فاصلے پر انکے لہجے اور تلفظ میں فرق پیدا هو جاتا هے - چنانچه یہی مشاهده خسرو کے سامنے بھی تھا - وه غرة الکمال کے دیباچے میں لکھتے ہیں که " زبان هندوی' هر صد کروه هے' (و) هر گروهے اصطلاح دیگراست" * اسکے یه معنی هوئے که انہوں نے جن زبانوں کا نام لیا هے وه سب ان کے نزدیک اصلاً هندی یا هندوی ہیں ' لیکن چونکه مختلف علاقوں میں ان کے محاورے ' تلفظ اور لب و لہجه مختلف ہیں ' اسلئے انہیں ان کے اپنے اپنے علاقوں کی نسبت سے یاد کیا جاتا هے - اس سے یه نتیجه اخذ کیا جا سکتا هے که خسرو کے نزدیک هندوی یا هندی کا کوئی واضح مفہوم بجز اس کے نه تھا که سرزمین هند کی زبان عامه' هند کی زبان مگر اس عمومیت کے باوجود ، انہوں نے مختلف علاقوں کی نسبت سے بھی ' ان کے نام بتائے ہیں ' مثلاً لاهوری ' سندهی ، اودھی وغیره - اور اپنی هندوی' یا هندی کو زبان دهلی یا دهلوی کا نام دیا هے - میں نے یه بات اس لئے لکھی هے ' که کہیں کہیں تو وه هندوی بولکر اپنے علاقے کی هندوی' کا مفہوم ادا کرتے ہیں تو کہیں عمومی حیثیت سے هند کی زبان کا مفہوم ادا کرتے ہیں ' چنانچه ایک جگه انہوں نے سنسکرت کو بھی هند کی نسبت سے هندی کہا هے -

بجز تازی که میر هر زبانست   کز که بر جمله زبانها کامرانست
دگر غالب زبانها در رے و روم   کم از هند یست شد ز اندیشه معلوم**

یہاں هندی بولکر سنسکرت مراد لیا هے لیکن مثنوی نه سپهر میں سنسکرت کو هندوی سے ممیز کرتے هوئے برهمنوں کی زبان بتائی هے - یه خلط ملط خسرو کے یہاں اکثر ملے گا - لیکن اس سے یه بات ضرور

---

* دیباچۂ غرة الکمال - مطبوعه دہلی - ص - ۳۳

** مثنوی دول رانی و خضر خان - علی گڑھ ایڈیشن - ص - ۴۲

واضح ہوتی ہے کہ ہر چند کہ ہندوی یا ہندی کا مفہوم انکے یہاں عمومی حیثیت کا حامل ہے، لیکن جب وہ ہندی' سا لکھتے ہیں تو اسکا مفہوم وہ ہندوی ہوتا ہے جو دلی اور اسکے اطراف میں رائج تھی - اور جسے ماہرین لسانیات کھڑی بولی یا مغربی ہندی کا نام دیتے ہیں اب اس وضاحت کے بعد خسرو نے برصغیر ہند و پاک کی بولیوں اور زبانوں کی بہ اعتبار علاقہ جو تقسیم کی ہے وہ ملاحظہ ہو -

ہست دریں عرصہ بہر ناحیتے   مصطلحے خاصہ، نہ از عاریتی
سندھی و لاہوری وکشمیری وگبر*   دھور سمندری، تلنگی و گجر**
معبری و گوری و بنگال و اود   دہلی و پیرامنش اندر ہمہ حد
ایں ہمہ ہندویست کہ ز آیام کہن   عامہ بکار است بہر گونہ سخن***

مگر اس ہندوی' میں سنسکرت کو شامل نہیں کیا ہے۔ کیونکہ وہ عوام کی زبان نہیں، بلکہ ایک مخصوص طبقے یعنی برہمن کی زبان ہے -

لیک زبانیست دگر کز سخناں   آنست گزیں نزد ہمہ برہمناں
سینسکرت نام ز عہد کہنش   عامہ ندارد خبر از کن مکنش

مذکورہ بالا اشعار میں جن زبانوں کے نام لئے گئے ہیں انکی تشریح یہ ہے (۱) سندھی (۲) لاہوری - خسرو نے نہ تو کہیں پنجابی کا نام لیا ہے اور نہ لہندا اور سرائیکی کا - (۳) کشمیری - (۴) گبر یا کبر - کچھ لوگوں نے اسکا مفہوم ڈوگر یا دیو گیر لیا ہے - (۵) دھور سمندری دھور، دوار کی بگڑی ہوئی صورت ہے - دھور سمدر کرناٹک کے علاقے کو کہتے تھے جہاں آج تلگو بولی جاتی ہے - (۶) معبری - کورومنڈل کے علاقے کی تامل زبان - (۷) گوری، گور یا لکھن وتی (لکھنوتی کی زبان) (۸) گجر (گجراتی) یا گجری (۹) بنگال - بنگالی - (۱۰) اود (اودھی) (۱۱) دہلی (دہلوی) جو دہلی اوراسکے مضافات میں بولی جاتی تھی -

---

* متن میں کبر ہے - نہ سپہر ڈاکٹر وحید مرزا -

** بعض بعض نسخوں میں بحر ہے -

*** ایضاً - ص - ۱۷۹ - ۱۸۰

اب ان ساری زبانوں میں جنکا ذکر اوپر کیا گیا ہے ہماری توجہ کا مرکز دلی کی زبان یا زبان دہلوی ہو گی جو خسرو کی مادری زبان تھی دہلی کی زبان، ترکوں کی حکومت سے پہلے اور بعد میں بھی۔ مغربی ہندی یا کھڑی بولی تھی۔ مگر ترکوں کی آمد سے پہلے یہاں کی زبان پر برج بھاشا کا نمایاں اثر تمام محققین لسانیات نے دریافت کیا ہے۔ یہ اثر غالباً متھرا کی قربت کی وجہ سے تھا، جہاں کی زبان برج بھاشا ہے چونکہ متھرا کو ہندوؤں کے درمیان بڑا تقدس حاصل تھا، وہاں ہر سال لاکھوں یاتری، یاترا کی غرض سے آیا جایا کرتے اس لئے برج کا اثر اس کے گرد و نواح میں بھی پھیل گیا تھا میں یہ بات اسلئے لکھ رہا ہوں کہ جو دوہرے کہ امیر خسرو اور بو علی شاہ قلندر پانی پتی سے منسوب کئے جاتے ہیں وہ برج بھاشا میں کہے ہوئے ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ برج بھاشا میں کبت کہنے کا رواج پہلے سے تھا۔ کیونکہ شاعری بغیر اوزان اور اصناف کی روایت کے نہیں کیجاتی ہے۔ مگر ایک تنہا برج بھاشا ہی کا اثر دلی کی زبان پر نہ تھا، جس زمانے میں کہ اس علاقے پر راجپوتوں کی حکومت تھی، راجستھانی کا اثر بھی یہاں کی زبان پر تھا۔ اور اگر ہم چندر بردائی کے پرتھوی راج راسو کی قدامت کو مشتبہ بھی قرار دیدیں، تو دوسری دستاویزیں اس امر کی شہادت دیتی ہیں کہ راجپوتوں کے بھاٹ (شاعر) رزمیہ شاعری اور ڈرامے مقامی پراکرتوں میں لکھ رہے تھے۔ قنوج کے راجہ مہی پال کے ایک درباری شاعر راجیش کھر نے ۹۰۰ء کے قریب ایک ڈرامہ کر پورا منجری تمامتر پراکرت غالباً قنوجی میں لکھا۔ * مگر اس زمانے میں یعنی مسلمانوں کی حکومت سے پہلے کھڑی بولی میں شعر کہنے کی کوئی روایت نہیں ملتی ہے۔ اس کا سبب غالباً یہ رہا ہو گا کہ جو شیرینی اور لوچ کہ برج بھاشا اور پوربی میں ہے وہ بانگڑو قوم کی اس زبان میں نہ تھا جسے کھڑی بولی کہتے ہیں۔ اس کا لہجہ کرخت تھا۔ اور اس کی

---

* India, A short Cultural History by H.G. Rawlinson Page 212

صوتیات کی نغماتی کیفیت (Tonal Value) شاعری کیلئے کم قدر و قیمت کی حامل تھی - چنانچہ یہی سبب ہے کہ کلاسیکی راگوں کے گانے کیلئے جو بول وضع کئے جاتے، وہ سب برج بھاشا یا پوربی میں ہوتے - گیت اور بھجن بھی برج ھی میں لکھے جاتے - اور شیخ نظام الدین اولیاء کو پوربی راگ اور اسکے بول اسقدر زیادہ پسند تھے کہ وہ کہا کرتے کہ میں نے روز ازل ''الست بربکم'' کی آواز سی پوربی راگ میں سنی تھی - اور اس کا مزہ ابھی تک میرے دل و دماغ اور گوش میں سمایا ہوا ھے -
''من پیر شدم پوربی پیر نشد'' - *

مگر جب مسلمانوں کی حکومت اس ویرانے میں قائم ہوئی جسے دلی کہتے ہیں، اور یہ شہر، سمرقند و بخارا، اصفہان و بغداد سے آنکھیں ملانے لگا، تو اس شہر کا نہ صرف سماجی ماحول، یہاں کے لوگوں کی آبادی بدل گئی، بلکہ فارسی کی آمیزش سے یہاں کی زبان اور لب و لہجہ پر بھی اثر پڑا - فارسی کے لہجے کی درستی اور شیرینی نے یہاں کی زبان کو سنوارا، کھڑی بولی کو اس لایق بنایا کہ اس میں شعر کہا جا سکے - اور چونکہ مسلمان حاکموں اور صوفیوں کا تعلق براہ راست عوام سے تھا، اس لئے ان لوگوں نے مقامی بولیوں کو اپنایا اور اسکی ترقی میں دلچسپی لی - چنانچہ یہ اسی بدلے ہوئے ماحول اور اسی دلچسپی کا نتیجہ تھا کہ امیر خسرو نے جہاں برج بھاشا اور اودھی میں شعر کہے وھاں کھڑی بولی میں بھی کلام موزوں کیا - چنانچہ امیر خسرو کھڑی بولی لہجے کی ہندوی، یعنی زبان دہلوی کے پہلے شاعر ہیں، اور انہوں نے اپنی اس ہندوی میں فارسی کے مقبول عام الفاظ استعمال کرنے سے پرہیز نہیں کیا - ان کی کھڑی بولی کی شاعری میں صفائی اور ستھرائی، لوچ اور سنگیت - جہاں ایک طرف کہیں کہیں برج اور پوربی کے لہجے سے اپنانے سے پیدا ہوئی ھے - وھاں فارسی الفاظ کے استعمال اور اس دہلوی لہجے کے اپنانے سے بھی پیدا ہوئی ھے جو

---

* مطلوب الطالبین مخطوطہ نیشنل میوزیم کراچی -

فارسی کے زیر اثر زیادہ شستہ ہو گیا تھا ۔ زبان میں صفائی اور اس کے لہجے میں شائستگی شعر و ادب کی تخلیق سے پیدا ہوتی ھے نہ کہ از روئے فطرت ۔ بہر حال خسرو کی اس زبان دہلوی کو متعین کرنا ھی، سب سے اہم کام ھے ۔ جسکو سن کر آج شدھ ہندی والے شرما جاتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ یہ تو بہت بعد کی زبان ھے ۔

جب غوریوں نے اس علاقے کو بارھویں صدی کے اختتام میں فتح کیا، اور ۱۲۰۶ء میں قطب الدین ایبک نے دلی کو اپنا دارالسلطنت بنایا تو اس وقت اسکے لشکر میں پنجاب کے علاقے کے لوگوں کی اکثریت تھی ۔ چنانچہ اس وقت سے دلی کی زبان پر پنجابی زبان کے اثرات خواہ وہ لاہوری پنجابی کے ھوں یا ملتانی کے واضح طور سے ملنے لگتے ہیں، اسکی ایک کھلی ھوئی مثال یہ ھے کہ خسرو نے اپنی فارسی شاعری میں جہاں اپنے علاقے کی ہندوی زبان کے بہت سے الفاظ استعمال کئے ہیں وھاں پنجابی زبان کے بھی بعض الفاظ استعمال کئے ہیں ۔ وہ پگڑی کیلئے پگ کا لفظ استعمال کرتے ہیں ۔

اے دہلی و اے بتان سادہ　　پگ بستہ و ریشہ* کج نہادہ
خورشید پرست شد مسلماں　　زین ہندوگان شوخ و سادہ
کردند مرا خراب و سرمست　　این مغ بچگان تاک** زادہ†

یہ تاک یا ٹانک قوم کون سی تھی ۔ میں نشاندہی نہیں کر سکتا ھوں ۔ لیکن اندازہ یہی ھے کہ وہ پنجاب کے کسی علاقے کے تھے اور سورج کی پوجا کرتے تھے اور جنیو بھی پہنتے تھے ۔ ظاہر ھے کہ وہ خوبصورت رہے ھونگے ۔ تبھی تو تاک زادوں کی یہ تعریف ھے کہ ۔

کردند مرا خراب و سرمست

---

* ریشہ بمعنی جنیو ۔

** تاک، ٹانک ایک قوم ۔ حاشیہ از مولوی محمد اسمعیل ۔

† مثنوی قران السعدین ۔ علی گڑھ ایڈیشن ۔ ص ۔ ۳۶ ۔ ۳۷

خسرو نے پگ کا لفظ تو استعمال کیا ہے لیکن پگڑی کا لفظ کہیں بھی استعمال نہیں کیا ہے ۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقت دلی میں پگڑی کے لئے پگ ہی استعمال ہوتا ۔ اسی طرح سیر الاولیاء کے حوالے سے یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ کھاٹ کے لئے اسکا پنجابی لہجہ کھٹ استعمال ہوتا ۔ لیکن کسی زبان میں کسی دوسری زبان کے الفاظ کے دخیل ہونے سے اس زبان کی نحوی اور صرفی ساخت میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوا کرتی ہے ۔ کسی زبان کی ہیئت اور ساخت کو دیکھنے کے لئے اس زبان کے مصادر اور حروف ربط کو دیکھا جاتا ہے ۔ جب ہم اس پہلو سے خسرو کے عہد کی دہلوی کو دیکھتے ہیں تو یہ محسوس کرتے ہیں کہ اس کے مصادر اور حروف ربط پر کھڑی بولی کا لہجہ غالب ہے ۔ اور وہ لہجہ کچھ دلی ہی تک محدود نہیں ہے ، بلکہ دیپال پور اور ملتان تک ملتا ہے ۔ اور ایسا ہونا لازمی تھا کیونکہ جو زبان کہ دارالسلطنت کی ہوتی ہے ، اسکا اثر دور و دراز کے علاقوں تک محسوس کیا جاتا ہے ۔ لیکن اسکے یہ معنی نہیں کہ کھڑی بولی کے لہجے نے مقامی زبانوں کے لہجے کو بدل دیا ۔ وہ اپنی جگہ پر برقرار رہے ، اس سے نہ تو لاہوری کو گزند پہونچا اور نہ ملتانی کو ۔ مگر یہ نا ممکن ہے کہ ان زبانوں نے کوئی اثر دہلوی کا قبول ہی نہ کیا ہو ۔ لین دین کا یہ عمل دونوں طرف لظر آئیگا ۔ چنانچہ حافظ محمود خاں شیرانی نے اپنی کتاب " پنجاب میں اردو " میں اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ ترک سلاطین کے عہد میں مغربی ہندی کا وہ لہجہ جسے اردو کا لہجہ کہنا چاہیئے مثلاً " ہوتا ہے " " آتی ہے " مشرقی پنجاب کے دیپال پور اور ملتان تک رائج تھا ۔ اور اسکی انہوں نے دو مثالیں دی ہیں جو شیخ فریدالدین شکر گنج کے ملفوظات سے اخذ کی گئی ہیں ۔ حافظ محمود شیرانی لکھتے ہیں کہ ہر چند کہ شیخ فریدالدین شکر گنج ملتان سے تعلق رکھتے تھے اور ان کی عمر کا بیشتر حصہ پنجاب ہی میں گزرا مگر ان کی زبان مبارک پر ہندوی' کلمات ہوتے ۔ اسکی ایک مثال یہ ہے کہ جب شیخ جمال الدین

ہانسوی کی وفات کے بعد انکی بیوی اپنے کم سن بچے شیخ برہان الدین صوفی کو لیکر شیخ کی خدمت میں حاضر ھوئیں تو شیخ نے اس کم سن بچے کو اپنی بیعت میں لے لیا ۔ اس پر شیخ برہان الدین کی والدہ معترض ھوئیں اور ہندوی' میں کہا ''خواجہ بھرہان الدین بالا ھے'' ۔ اسکا جواب شیخ نے یہ دیا '' پونوں کا چاند بالا ھوتا ھے '' (حوالہ سیرالاولیاء) *

دوسری مثال شیخ فریدالدین شکر گنج سے منسوب ہندوی' کلمے کی یہ دی ھے کہ ایک روز شیخ فریدالدین شکر گنج اپنے پیر خواجہ بختیارالدین کاکی کو وضو کرا رھے تھے ۔ اتنے میں انکی نگاہ بابا فرید شکر گنج کے چہرے پر پڑی ۔ دیکھا کہ پٹی بندھی ھوئی ھے ۔ پوچھا اسکا کیا سبب ھے ۔ بابا فرید نے ہندوی' میں جواب دیا '' انکھ آئی ھے '' ۔ **

حافظ محمود شیرانی نے اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ کھڑی بولی کا یہ مخصوص لہجہ '' ہوتا ھے '' '' انکھ آیٔ ھے '' جو پنجابی اور برج کے لہجے سے مختلف ھے ، ملتان کے علاقے تک مقبول تھا ۔ یہاں یہ بتانا بھی ضروری ھے کہ سید انشاء نے دریائے لطافت میں اُردو کو اسکے اسی لہجے سے متعین کیا ھے نہ کہ اسکی لغات سے وہ لکھتے ہیں کہ اُردو کا ایک مخصوص لہجہ ھے ۔ *** چنانچہ اگر کھڑی بولی کے اس لہجے میں جسے بعد کے زمانے میں اُردو کا نام دیا گیا اگر خسرو کا کلام ملتا ھے تو اسکو قبول کرنے میں کیا قباحت ھے ، بشرطیکہ اس میں کوئی ایسا لفظ استعمال نہ کیا گیا ھو جو اس وقت رائج نہ تھا ۔ مثلاً تمباکو ، بندوق وغیرہ اور اگر خسرو نے بہ یک وقت برج بھاشا ، پوربی اور دہلوی ان تینوں بولیوں میں کلام موزوں کئے ہیں تو یہ بھی کوئی محل تعجب نہیں ھے کیونکہ وہ ہفت زبان تھے ، کہا جاتا ھے کہ انہوں نے پنجابی میں بھی اشعار کہے ہیں ۔

---

* سیرالاولیاء اردو ترجمہ ۔ ص ۔ ۱۶۳

** پنجاب میں اردو ۔ مطبوعۂ معین الادب ۔ ص ۔ ۳۰۰

*** دریائے لطافت ۔ اردو ترجمہ ۔ ترقی اردو ۱۹۳۵ ۔ ص ۔ ۴۳

چنانچہ سجان رائے بٹالوی خلاصتہ التواریخ (۹۶-۱۶۹۵) میں لکھتے ہیں کہ ''امیر خسرو بزبان پنجاب بعبارات مرغوب مقدمۂ جنگ غازی الملک تغلقشاہ و ناصرالدین خسرو خان گفتہ کہ آنرا بہ بزبان ہند ''وار'' گویند۔'' * یہ بات اس طرح قرین قیاس ہے کہ سلطان غیاث الدین تغلق نے ملک خسرو خاں کو شکست ہندو کھوکھروں کی مدد سے دی تھی۔ (تغلق نامہ) ** چونکہ خسرو سلطان غیاث الدین تغلق کی فتح سے بہت خوش ہوئے تھے۔ اس لئے عین ممکن ہے کہ کھوکھروں کو خوش کرنے کے لئے انہوں نے پنجابی میں ''غیاث الدین تغلق دی وار'' کہی ہو۔

مگر ہمیں اس سلسلے میں احتیاط سے قدم اٹھانا چاہیئے۔ تاریخی شواہد اور روایات دونوں کا موازنہ اور مقابلہ کرتے رہنا چاہیئے۔ کھڑی بولی کے جو چند فقرے ملفوظات صوفیاء میں نقل کئے گئے ہیں، انکی بنیاد پر ہمیں اس سارے ہندوی کلام کو خسرو سے منسوب کر دینا نہ چاہیئے، جو روایتاً ان سے منسوب کئے جاتے رہے ہیں اسکے لئے چھان بین کی ضرورت ہے۔ اور اس سلسلے میں سب سے مقدم کام اس دہلوی زبان کی خصوصیات کو متعین کرنا ہے جو خسرو کے زمانے میں رائج تھی۔ خسرو کے زمانے سے نزدیک تر زمانہ جنوبی ہند میں بہمنی سلطنت کا زمانہ ہے۔ ابھی حال ہی میں انجمن ترقی اردو کراچی نے نظامی کی مثنوی کدم راؤ پدم راؤ شائع کی ہے جو خسرو کی وفات کے سو سال بعد کی تصنیف معلوم ہوتی ہے۔ اس سے بھی کچھ استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ مگر زیادہ نہیں کیونکہ اس پر دکن کا لہجہ غالب ہے۔ اور دہلوی لہجہ اس سے قدرے مختلف ہے۔ امیر خسرو کا ایک دوہرا ملا وجہی کی سب رس میں بھی نقل ہوا ہے۔ مگر اسکا لب و لہجہ تمامتر دکنی بنا دیا گیا ہے۔ اسکی وجہ سے وہ ساقط المعیار ہو گیا ہے۔

---

* خلاصتہ التواریخ - ص - ۲۳۵ - مطبوعۂ دہلی سنہ ۱۹۱۸ع

** مسلماں بر مسلماں تیغ کم زد - مگر ہندوی کھوکھر کیں قدم زد
تغلق نامہ مطبوعہ - ص - ۱۲۸

وہ دوہرا یہ ہے -

پنکھا ہو کر میں ڈلی ساتی تیرا چاؤ
منجھ جلتی جنم گیا تیرے لیکھن باؤ*

بھلا اس لب و لہجے کا امیر خسرو کے لب و لہجے سے کیا تعلق ہے - معلوم ایسا ہوتا ہے کہ انکے دوہرے کو کسی نے دکنی میں ترجمہ کر دیا ہے -

بہر حال ان دشواریوں کے باوجود کہ دہلوی لہجہ دکن اور گجرات میں جا کر وہاں کے مقامی لہجے سے متاثر ہو گیا اگر تفحص اور چھان بین سے کام لیا جائے تو خسرو کے عہد کی دہلوی زبان کو متعین کرنا مشکل نہ ہو گا -

اب آپ کہتے ہونگے کہ یہ تاریخ سے روایت کے میدان میں اترنے کی تیاریاں کر رہا ہے - مجھے بھی اس کا اعتراف ہے - لیکن آخر روایت بھی تو تاریخ ہی کا ایک جزو ہے - اگر کوئی شئے صدیوں سے ، کسی شخص سے منسوب کیجاتی ہے تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ اسے یک لخت اس بنیاد پر رد کر دیا جائے کہ اسکا کوئی مستند تاریخی حوالہ یا کوئی مخطوطہ دستیاب نہیں ہے - خسرو نے اپنا ہندوی' کلام محفوظ نہیں کیا ، کیونکہ وہ ہندوی' میں تفنن طبع کے لئے لکھتے - وہ جو کچھ ہندوی' میں کہتے اپنے دوستوں میں تقسیم کر دیتے - چنانچہ آج ان کے کسی بھی ایسے ہندوی' کلام کو جو انکی کلیات یا ان کے معاصر تذکروں میں نقل نہیں کئے گئے ہیں مستند ثابت کرنا مشکل ہے - وہ مختلف حضرات کی بیاضوں سے نقل کئے گئے ہیں ، بعض چیزیں قوالوں کی بیاضوں میں ملتی ہیں - مگر جو شئے کہ نا قابل تردید ہے وہ یہ کہ انہوں نے ہندوی' میں شاعری کی اور اپنی نغز گوئی کا جوہر دکھایا - چنانچہ وہ اپنے دیوان غرۃ الکمال کے دیباچے میں لکھتے ہیں -

---

* سب رس - مطبوعہ' انجمن ترقی اردو پاکستان - ص - ۲۲۳

جزوے چند نظم ہندویٔ نیز نذر دوستاں کردہ شدہ است۔ اینجاہم بذکرے بس کردم و نظر بر آنداشتم کہ لفظ ہندویٔ در پارسی لطیف آوردن چنداں لطفے ندارد مگر بضروت۔ آنجا کہ ضرورت بودہ است آوردہ شد۔

چو من طوطیٔ ہندیم ار راست پرسی
ز من ہندویٔ پرس تا نغز گویم *

ایک اندازے کے مطابق غرۃ الکمال کا دیباچہ لکھتے وقت خسرو کی عمر ۳۴ برس کی تھی۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اس وقت تک انکا ہندویٔ کلام بہت زیادہ نہ تھا کیونکہ '' جزوی چند نظم ہندویٔ '' لکھا ہے۔ اس میں بڑا اضافہ بعد کے زمانے میں ہوا ہے۔ اس وقت جبکہ ختائی اور قبچاقی ترکوں کا زور گھٹا ہے اور مخلوط النسل ترک، یعنی قرونہ ترکوں کا زور بڑھا ہے۔ کیونکہ مخلوط النسل ترکوں کے زمانے میں ہندویٔ کا رواج زیادہ ہو گیا تھا۔ اس کا اندازہ خسرو کے ان اشعار سے بھی ہوتا ہے۔

الغرض از پارسی و ترکی و عرب بیہدہ باشد کہ کنم دل بطرب
من چو زہندم ، بود آں بہ کہ کسے از محل خویش بر آرد نفسے †

مگر انکے ہندویٔ کلام کا اسقدر زیادہ ہونا قرین قیاس نہیں جتنا کہ شبلی اور خان آرزو نے تقی اوحدی کے حوالے سے لکھا ہے۔ شبلی لکھتے ہیں کہ '' امیر کا کلام جسقدر فارسی میں ہے اس سے زیادہ ہندی میں ہے '' ** اور خان آرزو لکھتے ہیں '' تقی اوحدی می گوید۔ اشعار فارسی اُو از صد ہزار زیادہ است و از دویست ہزار بیتے ہر اقسام سخن ، بزبان ہندی ، دوہرا براں۔ و در موسیقی تصانیف نفیسہ دارد۔ زبان ہندی و فارسی و ملمع و مرکب از لسانین کہ آنرا ریختہ گویند از او بسیار مروی است '' ***

---

* دیباچۂ غرۃ الکمال مخطوطہ نیشنل میوزیم کراچی۔ مطبوعہ نسخے میں ''ہندم'' صحیح نہیں ہے۔

† مثنوی نہ سپہر۔ ص ۲۱۶

** شعر العجم حصہ دوم۔ ص۔ ۱۰۵

*** مجمع النفایس مخطوطہ نیشنل میوزیم کراچی۔

تقی اوحدی کا یہ بیان مبالغے سے خالی نہیں مگر اسکے اشارات تاریخ میں بیشک ملتے ہیں کہ ہندوی شاعری کا رواج روز بروز بڑھتا جا رہا تھا ۔ چنانچہ بدایونی منتخب التواریخ میں لکھتا ہے کہ مولانا داؤد نے ایک مثنوی چندا بن سنہ ۷۷۲ ہجری میں ہندوی میں تصنیف کی اور وہ بیحد مقبول ہوئی ۔

در سنہ اثنیٰ و سبعین و سبعمایہ (۷۷۲ ہجری) خان جہاں وزیر وفات یافت و پسرش جوناشہ نام بہماں خطاب مخاطب گشت و کتاب "چندا بن" راکہ مثنوی است بزبان ہندوی در بیان عشق لورک و چندا نام عاشق و معشوق و الحق خیلے حالت بخش است ۔ مولانا داؤد بنام او نظم کردہ و از نہایت شہرت دریں دیار احتیاج بہ تعریف ندارد ۔ " †

چنانچہ ہندوی شاعری کے اس بڑھتے ہوئے رجحان اور اسکی مقبولیت کے پیش نظر یہ کہا جا سکتا ہے کہ خسرو نے بھی اپنی زندگی کے آخری دور میں بہت کچھ ہندوی میں کہا ہو گا ۔ مگر نہ اسقدر جتنا کہ تقی اوحدی نے لکھا ہے ۔ عوفی * اور خسرو ** دونوں اس امر کی تائید کرتے ہیں کہ مسعود سعد سلمان نے ایک دیوان ہندی شاعری کا مرتب کیا تھا ۔ کہا نہیں جا سکتا ہے کہ اس دیوان ہندی سے کیا مراد ہے ۔ پنجابی زبان کا دیوان یا ہندوی زبان کا دیوان ۔ بہر حال مسعود سعد سلمان نے فارسی کے ایک شعر میں ہندوی کا جو ایک فقرہ استعمال کیا ہے ۔ اس سے کوئی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے ۔ وہ شعر یہ ہے ۔

چو رعد از ابر بغرید کوس محمودی
بر آمد از پس دیوار حصن مارا مارا ***

مارا مارا کا یہ فقرہ مار مار کی صورت میں خسرو کی تصنیف خزائن الفتوح

---

† منتخب التواریخ مخطوطہ نیشنل میوزیم کراچی ۔
* مولف لباب الالباب
** دیباچۂ غرۃ الکمال ۔
*** پنجاب میں اردو ۔ ص ۔ ۶۳

میں بھی آیا ہے " و از درون ہندواں مار مار فریاد می کردند " اور پھر تغلق نامے میں تو یہ لفظ پورے ایک ہندوی، جملے کے ساتھ نظم ہوا ہے۔

چو بکشادند تیر بے خطارا بزاری گفت " ہے ہے تیر مارا " ¶

" ہے ہے تیر مارا " یہ جملہ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ مغربی ہندی کے جس لہجے کو ہم لوگ اردو کا نام دیتے ہیں اور جسے خسرو نے زبان دہلوی کہکر یاد کیا ہے۔ اور جس زبان دہلوی میں بہاءالدین باجن (متوفی ۹۱۲) نے شعر کہنے کا ادعا کیا ہے وہ یہی لہجہ ہے۔ " ہے ہے تیر مارا " اور اگر کھڑی بولی کے اس لہجے میں خسرو کا ہندوی، کلام ملتا ہے تو ہمیں اسکی روایت کی قدامت کی بنیاد پر قبول کرنا چاہیئے۔

آئیے اب یہ دیکھیں کہ تغلق نامے کے اس مصرعے کے علاوہ ع " بزاری گفت ہے ہے تیر مارا "۔ خسرو نے کہیں اور بھی اپنا ہندوی، کا کوئی شعر اپنی کسی مستند تصنیف میں نقل کیا ہے کہ نہیں۔

خسرو نے اپنے دیوان غرۃالکمال کے دیباچے میں صنعت ایہام ذو لسانین کے تحت اپنا ایک شعر ایسا نقل کیا ہے جسے اگر ایک طرف سے پڑھا جائے تو تمام تر ہندوی، کا معلوم ہوتا ہے۔ اور اگر دوسری جانب سے پڑھا جائے تو تمام تر فارسی کا معلوم ہوتا ہے۔ چونکہ مختلف نسخوں میں یہ شعر قدرے اختلاف کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔ اس لئے میں اسکی دو صورتیں نقل کر رہا ہوں۔

(۱) آئی آئی ہماں بیاری آئی ماری ماری براہ موری آئی*
(۲) آری آری ہمہ بیاری آئی ماری ماری برہ (کہ) ماری آئی **

ان دونوں صورتوں میں اگر تجنیس خطی کو راہ دی جائے تو اس شعر کو ہندوی، زبان میں اس طرح لکھا اور پڑھا جا سکتا ہے۔

¶ تغلق نامہ - ص - ۱۲۸

* دیباچۂ غرۃ الکمال مطبوعہ

** Life & works of Amir Khusro by Dr. Wahid Mirza.

آئی آئی ہماں پیاری آئی   ساری ساری برہ کی ساری آئی

مگر اسکی فارسی صورت کیا ہوگی یہ بتانا مشکل ہے ۔ بہرحال اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انکے ہندوی' اشعار کی زبان کم و بیش اسی لب و لہجے کی ہوگی جو ان مصرعوں میں ہے ۔ مگر یہ لب و لہجہ کھڑی بولی کا بلا شرکت غیرے نہیں ہے ۔ اس میں برج کے اثرات بھی محسوس کئے جاسکتے ہیں ۔

خسرو کی ہندوی' شاعری کا بیشتر حصہ نغز گوئی ، چیستان گوئی ، لطیفہ گوئی اور لفظوں کے کھیل تماشے پر مبنی ہے ۔ خسرو کی اس شاعری کو سمجھنے کیلئے پہلے تو انکی شخصیت کو سمجھنا ضروری ہے ۔ خسرو ایک درباری ، صوفی اور سپاہی ہی نہیں ۔ بلکہ ایک خوش باش، بذلہ سنج ، لطیفہ گو ، بد یہہ گو اور ظریف آدمی بھی تھے ۔ اس پر طرہ یہ کہ وہ عاشق مزاج ، اور عشقباز تھے ۔ وہ مسلسل عشق کرتے رہنے میں ایمان رکھتے ۔ وہ گائیک اور نائیک بھی تھے ۔ اور ان کی صحبت ڈھاڑی ڈفالی ، سازندوں کے ساتھ بھی رہتی ، انکو سفر کرنے سے عشق تھا ، وہ متحرک رہنے میں زندگی کا راز سمجھتے ، اور گوشہ نشینی سے سخت نفرت کرتے ، وہ ہمیشہ بر سرکار رہنا پسند کرتے ، ایسا شخص کہاں کہاں نہ پہونچا ہو گا ، میخانہ ہو یا سرا ، طرب گاہ ہو یا خانقاہ ، انکا گزر ہر جگہ ہوتا ، وہ اپنی اس آزادہ روی کے با وصف دیندار بھی تھے اور اپنی عمر کے آخری حصے میں بہت بڑے تہجد گزار تھے ، قران مجید کا مطالعہ ہر روز صبح کو کیا کرتے ۔ (مثنوی نہ سپہر) انکی صحبت نہ صرف صوفیوں اور قلندروں کے ساتھ ، بلکہ علما و فضلا ، شعراء کے ساتھ بھی رہتی ۔ ایسی کوئی اور ہشت پہل شخصیت مشکل ہی سے ملے گی ۔ اس خسرو کو سمجھنے کیلئے انکے سارے فارسی کلام کو پڑھنا اور سمجھنا اولین شرط ہے ۔ انہوں نے بہت سی پہیلیاں فارسی زبان میں لکھی ہیں جو انکے دیوان نہایت الکمال میں موجود ہیں ، اسیطرح انکے بہت سے منظوم لطیفے بقیہ نقیہ دیوان میں ہیں ، اس کے علاوہ انہوں نے متعدد

قطعات اور نظمیں ظریفانہ لکھی ہیں، ابھی تک کسی نے بھی انکی مزاحیہ اور طنزیہ شاعری پر کوئی مضمون نہیں لکھا ہے جسکو دیکھو وہ انہیں خانقاہ میں ایجاتا ہے۔ حقیقی خسرو، گوشت و پوست کے خسرو، دنیا کو برتنے والے خسرو کو پیش نہیں کرتا ہے۔ ابھی تک تو کسی نے انکے صنایع و بدایع کا بھی مکمل جائیزہ نہیں لیا ہے۔ انہوں نے طرح طرح کے صنایع و بدایع ایجاد کئے ہیں۔ ایک صنعت ایہام ذوالوجوہ نام کی ایجاد کی۔ اس صنعت کے تحت ایک شعر کے سات مختلف معنی پیدا ہوتے ہیں۔

باز سر باز تو با سیمرغ سر بازی کند
گر تو اے شیر گراں سر بازداری شکار*

اس ایک شعر میں جو سات معنی ہیں انکی تشریح انہوں نے خود کی ہے۔

اسیطرح انہوں نے ایک ایسی صنعت ایجاد کی، کہ عبارت کو پڑھنے میں صرف لب ہلتے ہیں اور زبان تالو اور دانت سے نہیں ٹکراتی ہے۔ ایسے اشعار کی بھی انہوں نے مثالیں دی ہیں۔ (دیباچۂ غرۃ الکمال)

اس طرح کی انکی متعدد ایجادات ہیں جن کو پڑھکر انسان حیرت میں پڑ جاتا ہے کہ ایسا طباع اور مخترع انسان کب کیسی دور میں پیدا ہوا ہوگا۔ میں نے یہ چند اشارات اس لئے مہیا کئے ہیں، کہ جو ایجادات ان کی ہندوی اصناف سخن میں از قسم دو سخنے، کہ مکرنیاں، ڈھکوسلے، انمل بے جوڑ منظومات کی ملتی ہیں۔ ان کا ایک ربط انکے فارسی کلام سے بھی ہے۔

خالق باری

مولوی محمد امین چڑیا کوٹی نے بڑی محنت سے جواہر خسروی میں (مطبوعۂ علی گڑھ ۱۹۱۸ء) خسرو سے منسوب کم و بیش سارا ہندوی کلام یکجا کر دیا ہے۔ اسی مجموعے میں انہوں نے خسرو سے منسوب "خالق باری" کو بھی، بڑی محنت سے تالیف کر کے شامل کیا ہے۔

---

* دیباچۂ غرۃ الکمال مطبوعہ

خالق باری کو تالیف کرتے وقت انہوں نے جہاں اسکے چھ مطبوعہ نسخوں کو سامنے رکھا وہاں رائیل ایشیاٹک سوسائیٹی کلکتے کے ایک قلمی نسخے سے بھی استفادہ کیا ۔ خالق باری کے مطبوعہ نسخوں میں ۱۹۱ ، ابیات تھیں لیکن رائیل ایشیاٹک سوسائیٹی کے قلمی نسخے میں ۲۱۵ ، ابیات تھیں - ان دونوں نسخوں میں ۱۳۰ ، ابیات مشترک تھیں' بقیہ ابیات میں فرق تھا ' ۶۲ ، ابیات مطبوعہ نسخوں کی قلمی نسخے میں اور ۸۵ ، ابیات قلمی نسخے کی مطبوعہ نسخوں میں نہ تھیں ۔ چنانچہ ان ۸۵ ' ابیات کو انہوں نے بطور ضمیمہ خالق باری کے ساتھ چھاپ دیا ھے ۔ اور خالق باری کی ابیات کی تعداد وہی ۱۹۱ قائم رکھی ہیں جو مطبوعہ نسخوں میں ہیں - مقطع کا شعر یہ ھے ۔

مولوی ' صاحب ، شرن، پناہ گدا ، بھکاری' خسرو ، شاہ

مولوی محمد امین نے اس خالق باری کا ایک مقدمہ ۱۲ صفحات پر مشتمل لکھا ھے ۔ اور اس امر سے بحث کی ھے کہ وہ کونسی داخلی شہادتیں ہیں جنکی بنیاد پر خالق باری کو امیر خسرو کی تصنیف قرار دیا جا سکتا ھے ۔ اس سلسلے میں انہوں نے لفظ چیتل کو لیا ھے اور یہ بتایا ھے کہ چیتل کا لفظ خسرو کے عہد کے بعد استعمال نہیں ھوا ھے ۔ حافظ محمود شیرانی نے اسکی تردید اپنی کتاب '' پنجاب میں اردو " میں کی ھے اور یہ بتایا ھے کہ چیتل کا لفظ اکبری عہد تک استعمال ھوا ھے ۔ دوسری داخلی شہادت مولوی محمد امین نے خسرو تخلص کی پیش کی ھے ۔ لیکن حافظ محمود شیرانی نے اسکی بھی تردید کی کہ خسرو تخلص کا کوئی بھی شاعر ھوسکتا ھے ۔ اسکے علاوہ تخلص کی بیت سے متعلق انکا دوسرا اعتراض یہ ھے کہ ''مولوی صاحب" کی ترکیب خسرو کے ما بعد زمانے کی ھے ، اور ''خسرو شاہ" اس لئے غلط ھے کہ شاہ کا لفظ سید کیلئے استعمال ھوتا ہے ۔ میری نا چیز رائے میں انکا یہ اعتراض درست نہیں ھے کیونکہ مقطعے میں یہ سارے الفاظ مترادفات کی حیثیت سے استعمال ھوئے ہیں مولوی، صاحب (خطابات) شرن، پناہ ، گدا، بھکاری، خسرو ، شاہ ۔

اور لفظ خسرو سے تخلص کے ساتھ ساتھ معنوی فائدہ بھی اٹھایا گیا ہے۔ خسرو کا مترادف شاہ ہے۔ لیکن مولوی محمد امین کا مقدمہ خارجی شہادتوں سے یکسر خالی ہے۔ اور جو داخلی شہادتیں پیش کی ہیں، وہ تاریخی معلومات کی حامل نہیں ہیں - اگر انہوں نے تحقیقی نگاہ ڈالی ہوتی تو وہ اس بیت کی اصلاح کر سکتے تھے -

خنجر و شمشیر صمصام ست تیغ   ہندوی کھانڈا کہاوے اُن سن میغ

اُن سن ایک مہمل لفظ ہے - سراج الدین علی خاں آرزو نے جب عبدالواسع ہانسوی کی غرایب اللغات کو تصحیح و حاشیے کیساتھ مرتب کیا تو انہوں نے اس لفظ کو انون قرار دیا - ''امیر خسرو رحمتہ اللہ علیہ - در رسالۂ خود (رسالۂ منظومۂ خسرو) انون میغ گفتہ و در اکثر لغت فرس میغ بمعنی بخار مذکور آمدہ و حال آں کہ میغ بمعنی ابر نیز آمدہ - '' * خود حافظ محمود شیرانی نے اس مصرعے کی تصحیح یوں کی ہے ع

ہندوی کھانڈا کہاوے ابر میغ -

جواہر خسروی ۱۹۱۸ ء میں شایع ہوئی تھی' اس کے دس سال کے بعد حافظ محمود شیرانی نے اپنی کتاب ''پنجاب میں اردو'' شایع کرائی، انہوں نے اس کتاب میں امیر خسرو کی ہندوی' تصنیفات سے بحث کرتے ہوئے مولوی محمد امین کی مرتب کردہ خالق باری پر بھی تبصرہ کیا - اس تبصرے میں انہوں نے اس بات کو تسلیم کرنے سے انکار کیا کہ خالق باری امیر خسرو کی تصنیف ہے - اور اپنی اس رائے کا اظہار کیا کہ '' تاریخ و ادب میں خالق باری کا کہیں ذکر نہیں آتا ہے نہ امیر خسرو کی تصنیفات کے ساتھ اسکا شمار ہوتا ہے اور نہ کوئی اسے جانتا ہے - اور نہ اسکے قدیم نسخے دستیاب ہوتے ہیں، جسقدر نسخے ملتے ہیں بارھویں تیرھویں صدی ہجری کے نوشتہ ہیں، صرف ایک نسخہ (ناقص) ایسا ہے جو گیارھویں صدی ہجری سے تعلق رکھتا ہے '' **

---

* مقدمہ - حفظ اللسان مرتبۂ حافظ محمود شیراتی - مطبوعہ انجمن ترقی' اردو-

محمود شیرانی کے اس اعلان سے کہ خالق باری امیر خسرو کی تصنیف نہیں ھے علمی دنیا میں ایک ہلچل سی مچ گئی - جس کتاب کو ہم لوگ پشتہا پشت سے پڑھتے چلے آئے ہیں اور جسے تمام بزرگوں نے امیر خسرو کی تصنیف قرار دیا ھے - آج وہ امیر خسرو کی تصنیف نہ رھی ، چنانچہ اسکے رد عمل میں خالق باری سے متعلق مختلف علمی حلقوں میں بحث و تمحیص شروع ھوئی ، جہاں خالق باری کے قدیم مخطوطوں کی تلاش شروع ہوئی وھاں ایسی ساری کتابوں کا جائزہ لیا جانے لگا جو خالق باری کے طرز پر دوسرے لوگوں نے لکھی ہیں - چنانچہ پروفیسر مسعود حسن رضوی نے ایک مضمون ۱۹۳۱ء میں تجلی شاعر کی " اللہ خدائی " سے متعلق شایع کرایا - (رسالہ ہندوستانی ۱۹۳۱ء) اور یہ بات سامنے لائے کہ اللہ خدائی ۱۰۶۰ ھجری کی تصنیف ھے - اور اسکا مصنف تجلی اپنی کتاب کے اختتام میں امیر خسرو رحمتہ اللہ علیہ اور انکے پیر شیخ نظام الدین سے دعائے استمداد کرتا ھے -

بہر مرغ سخن نہادم دام مددے خواستم ز روح نظام
شاید از لطف رحمت باری روح خسرو نمایدم یاری

روح نظام کا اشارہ شیخ نظام الدین اولیاء کی طرف ھے اور روح خسرو کا اشارہ امیر خسرو کی طرف ھے حافظ محمود شیرانی یہ بات لکھ چکے تھے کہ " تاریخ و ادب میں خالق باری کا کہیں ذکر نہیں آتا ھے " لیکن یہاں گیارھویں صدی ھجری کا ایک شاعر ، خالق باری کے طرز کی اللہ خدائی لکھتے وقت امیر خسرو اور انکے پیر شیخ نظام الدین دونوں سے دعائے استمداد کرتا ھے -

تحقیق کی دنیا میں کسی بھی شخص کو بہت زیادہ ڈاگمیٹک ھونا نہ چاھیئے ، اور نہ اپنی رائے کو حرف آخر سمجھنا چاھیئے کیونکہ معلوم نہیں تاریخ کے اندھیرے میں کیا کچھ پوشیدہ ھو - یہ تو نہیں معلوم کہ پروفیسر مسعود حسن رضوی کے اس مضمون کے شایع ھونے کے بعد

فوری رد عمل حافظ محمود شیرانی کا کیا ھوا لیکن جب انہوں نے اس مضمون کے شایع ھونے کے بارہ تیرہ برس بعد اپنی مولفہ کتاب حفظ اللسان انجمن ترقیٔ اردو سے ۱۹۴۴ء میں شایع کرائی تو اس کے دیباچے میں پروفیسر مسعود حسن رضوی کے مضمون کا بھی نوٹس لیا۔ لیکن اسکے بارے میں بجز اسکے کوئی اور اعتراض نہ کر سکے کہ اللہ خدائی کی ترکیب غلط ھے۔ لوگوں نے جواب دیا کہ جسطرح خالق باری کی ترکیب صحیح ھے، اسی طرح اللہ خدائی کی ترکیب بھی صحیح ھے۔ یہاں یہ بتانا بھی ضروری ھے کہ رسالۂ منظومۂ خسرو کا نام "خالق باری" اسکے ابتدائی شعر کی وجہ سے پڑ گیا۔ ع خالق باری سرجن ہار۔ ورنہ یہ نام امیر خسرو کا رکھا ھوا نہیں ھے۔ چنانچہ سراج الدین علی خاں آرزو نے اسی لئے اسکا حوالہ دیتے ھوئے اسے رسالۂ منظومۂ خسرو کہکر یاد کیا ھے، مزید یہ کہ یہ تصنیف خسرو کی طبع ایجاد پسند کا ایک ایسا شگوفہ ھے، جو کھیل بھی ھے اور درس بھی۔ اسی لئے اسکی تعلیم بچوں کو دیجاتی رھی ھے کہ اس سے ان کا دل بھی بہلتا اور بہت سے الفاظ سے واقفیت بھی ھو جاتی۔ چنانچہ ہر موزوں طبع مدرس اس کتاب کا درس دیتے ہوئے اپنے بھی دو چار شعر اس میں جوڑ دیا کرتا۔ یہی سبب ھے کہ خسرو کے اشعار میں بہت سے الحاقی اشعار شامل ہوتے گئے اور تا وقتیکہ تاریخی ریسرچ کے تحت خسرو کے اصل اشعار سے الحاقی اشعار علیحدہ نہ کئے جائیں، اسکی تنقید بلا تحقیق کے ناروا ھے۔

بہرحال اب حافظ محمود شیرانی کی مولفہ حفظ اللسان کی داستان سنیئے۔ حافظ محمود شیرانی کے سامنے مطبوعہ حفظ اللسان کے دو نسخے تھے۔ ایک نسخہ انڈیا آفس لائبریری کا نمبر ۲۲۵ (فہرست مخطوطات ہندوستانی) اور دوسرا انجمن ترقی اردو کا۔ انڈیا آفس کے قلمی نسخے میں نہ تو کوئی ترقیمہ ہے اور نہ کوئی حرف آغاز یا تمہید۔ اور نہ اس میں کہیں بھی کوئی لفظ حفظ اللسان کا آیا ہے۔ چنانچہ اسکا اعتراف خود حافظ محمود شیرانی نے کیا ہے کہ اسکا انکشاف مجھے انجمن ترقی اردو کے نسخے سے

ہوا کہ حفظ اللسان کا مصنف ایک شخص ضیاء الدین خسرو ہے ۔ ملاحظہ ہوں انکے الفاظ ''انجمن ترقی اردو کے ایک مخطوط نوشتہ ۱۱۸۷ ہجری کی سند پر ایک نہایت اہم انکشاف کا مظہر ہے کہ خالق باری جسکا اصل نام حفظ اللسان ہے بابا اسحاق قنادی (حلوائی) کی فرمائش پر کسی ضیاء الدین خسرو (بہ عہد جہانگیر) نے تصنیف کی ہے " (دیباچہ دوم حفظ اللسان مطبوعۂ انجمن ترقی اردو ۱۹۴۴) - اسکے یہ معنی ہوئے کہ انڈیا آفس کے قلمی نسخۂ نمبر ۲۲۵ میں نہ تو کوئی ترقیمہ ہے اور نہ کوئی تمہید جس سے یہ معلوم ہو کہ اسکا مصنف ضیاء الدین خسرو ہے ۔ اور اسکا نام حفظ اللسان ہے ۔ جب انڈیا آفس کے مخطوطہ نمبر ۲۲۵ کی یہ ہیئت کذائی ھے تو پھر اسکی تالیف کا کیا مقصد ہو سکتا تھا ؟ یہ راز بعد میں کھلے گا ۔ حافظ محمود شیرانی نے یہ اثر دینا چاہا ہے کہ انڈیا آفس کے مخطوطہ نمبر ۲۲۵ اور مولوی عبدالحق کے نسخہ حفظ اللسان کے متن میں کوئی فرق نہیں ہے ۔ فرق اس بات میں ہے کہ مولوی عبدالحق کے نسخۂ حفظ اللسان میں تمہید اور ترقیمہ ھے اور انڈیا آفس کا مخطوطہ نمبر ۲۲۵ تمہید اور ترقیمے سے معرا ھے ۔ مگر حقیقت حال یہ نہیں ہے ۔ مولوی عبدالحق کے نسخۂ حفظ اللسان میں ۲۱۸ اشعار ہیں اور انڈیا آفس کے نسخۂ حفظ اللسان میں جسکی نقل حافظ محمود شیرانی نے شایع کرائی ہے ۲۳۵ اشعار ہیں ۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ ''اسکا متن اکثر و بیشتر انڈیا آفس کے ایک قدیم مخطوطے نمبر ۲۵۲ فہرست مخطوطات ہندوستانی کا مقلد ہے ۔ "

اب ان دونوں نسخوں یعنی مطبوعہ نسخے اور مولوی عبدالحق کے مخطوطے کے اشعار کی تفصیل ملاحظہ ہو ۔ ۲۸ اشعار مطبوعہ نسخے میں ایسے ہیں جو مولوی عبدالحق کے نسخے میں نہیں ہیں اور ۱۹ اشعار مولوی عبدالحق کے مخطوطے میں ایسے ہیں جو مطبوعہ نسخے میں نہیں ہیں ۔ پھر یہ کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ دونوں کا متن ایک ہے ۔ اور اگر دونوں کا متن ایک نہیں ہے تو پھر مولوی عبدالحق کے نسخے

کا نام لیکر انڈیا آفس کے نسخے کو شایع کرانا کہانتک درست تھا اور کیوں نہیں ان دونوں کو دو جداگانہ تصنیف ایسی صورت میں بالخصوص قرار دیا جائے جبکہ انڈیا آفس کے مخطوطے میں نہ تو حفظ اللسان کا نام آیا ہے اور نہ ضیاء الدین خسرو کا ۔ مگر اسے کیا کیا جائے کہ حافظ محمود شیرانی کا مقصد ان دونوں کو پیوند کرنے ہی سے پورا ہوتا تھا ۔ کیونکہ یہ بیت جو انڈیا آفس کے مخطوطہ نمبر ۲۲۵ یعنی مطبوعہ حفظ اللسان میں ہے ۔

خالق باری بھئی تمام   دوہوں جگ رہیا خسرو نام

وہ مولوی عبدالحق کے مخطوطہ حفظ اللسان میں نہیں ہے ۔ وہاں آخری پیت یہ ہے ۔

عاقبت انجام و آخر دیورا انصرام
کرد این حفظ اللسان را خسرو والسلام

چنانچہ یہ دونوں مخطوطے دو مختلف تصانیف ہیں ، انڈیا آفس کا مخطوطہ بے نام ہے ، اس میں کہیں بھی حفظ اللسان کا لفظ نہیں آیا ہے ۔ اسکے برعکس مولوی عبد الحق کے مخطوطۂ حفظ اللسان میں نہ صرف آخری پیت میں حفظ اللسان کا لفظ آیا ہے بلکہ اسکے تمہیدی فقروں میں بھی ۔ اس تمہید کا متعلقہ حصہ ملاحظہ ہو ۔

" اما بعد خیر خواہ شعراء شیریں گو ضیاء الدین خسرو با استدعائے عزیزالفواد بابا اسحاق قناد چند کلمات عربی و فارسی را بزبان ہندی گوالیاری کہ ارباب روز مرہ را ناگزیر است ترجمعے (ترجمۂ) نمودہ ۔ و در بحور مختلفہ بطریق ریختہ بہ نظم آوردہ تا مبتدیان را در محاورات فارسی فی الجملے محارتے (مہارتے) باشد و در حفظ و یاد گرفتن آسان نماید لہذا بحفظ اللسان موسوم و در سال نصیف آخر تاریخ بدیہہ مرقوم گردید ۔ مطبوع باد ۔ "

اور چونکہ اس اصلی حفظ اللسان میں جو آج انجمن ترقیٔ اردو کا مملوکہ ہے یہ بیت نہیں ہے ۔

خالق باری بھئی تمام   دو ہوں جگ رہیا خسرو نام

اسلئے انڈیا آفس کے مخطوطہ نمبر ۲۲۵ کو حفظ اللسان کا نام دینا کسی طرح سے بھی درست نہیں ہے ۔ انڈیا آفس کا مخطوطہ بغیر نام کے شے، خالق باری کی ایک مسخ شدہ صورت ہے ۔ اسلئے انڈیا آفس کے مخطوطے کو شایع کرتے ہوئے حافظ محمود شیرانی کو یہ سرخی لگانی نہ چاہیئے تھی ۔

حفظ اللسان معروف بہ خالق باری
مصنفۂ
ضیاء الدین خسرو در ۱۰۳۱ ہجری

اور اگر حافظ محمود شیرانی کا مقصد انجمن ترقی اردو کے مخطوطہ حفظ اللسان کو شایع کرنا تھا تو اول تو متن میں اسکی پیروی کرنی چاہیئے تھی، اور پھر معروف بہ خالق باری نہ لکھنا چاہیئے تھا کیونکہ وہاں یہ بیت نہیں ہے ۔ خالق باری بھئی تمام ۔ الخ

لیکن چونکہ حافظ محمود شیرانی مذکورہ بیت کا مظاہرہ کرنا اپنے اس دعوے کیلئے ضروری سمجھتے تھے کہ جس خالق باری کو امیر خسرو سے منسوب کیا جاتا ہے وہ اصلاً ایک گمنام شخص ضیاء الدین خسرو کی تصنیف ہے ۔ اسلئے انہوں نے اس پیوند کاری سے کام لیا کہ انڈیا آفس کے مخطوطہ نمبر ۲۲۵ میں مولوی عبد الحق کے نسخۂ حفظ اللسان کا دیباچہ جوڑ دیا ۔ اور اسے بالکل نظر انداز کر دیا کہ ان دونوں کے متن میں کسقدر فرق ہے ۔ یہاں یہ بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ حفظ اللسان اسی قسم کی ایک کتاب ہے جیسی کہ مطبوع الصبیان ہے ۔ جسکا ذکر آگے کیا جائیگا ۔ خالق باری میں کچھ اشعار کا اضافہ اپنی طرف سے کر کے اس کا نام حفظ اللسان مصنف نے رکھدیا ہے ۔

مطبوع الصبیان مصنفۂ صفی کا بھی ایک قلمی نسخہ ناقص صورت میں انجمن ترقیٔ اردو کے خزینۂ مخطوطات میں ھے۔ صفی نے اس کتاب کا جو منظوم دیباچہ لکھا ھے اس سے اس بات کا پتہ چلتا ھے کہ اس نے امیر خسرو کی تصنیف خالق باری سے ۱۷۰، اشعار لئے ہیں بقیہ ابیات الحاقی ہیں۔ ہمیں یہ نہیں معلوم کہ یہ صفی کون تھا اور کس زمانے میں تھا اور نہ یہ معلوم کہ یہ مخطوطہ کس زمانے کا ھے کیونکہ اس میں کوئی ترقیمہ نہیں ہے اور چونکہ مخطوطہ ناقص الاخر ھے اسلئے امیر خسرو کے اشعار، اور الحاقی اشعار کا شمار صحیح طور سے نہیں کیا جا سکتا ھے۔ چونکہ صفی نے اپنے اس منظوم دیباچے میں خالق باری کا مصنف امیر خسرو دہلوی کو قرار دیا ھے اور اس میں امیر خسرو کی ابیات اور الحاقی اشعار کا شمار بھی کیا ھے، اسلئے امید ھے کہ یہ دیباچہ، قارئین کرام کیلئے دلچسپی سے خالی نہ ھوگا۔

در بیان تالیف گوید۔

پس از وے آشکا را گویم ایں راز   ز بہر دوستاں ہمراز و جانباز
ز نلمیذاں یکے احباب مسرور   کہ گوبندرام بود از نام مشہور
برغبت گفت کیں تنظیم تردیف   امیر خسرو دھلی بہ تصنیف
بگفتا نام خالق باری او را   ولے ابیات اُو افتاد اینجا
کہ از فن عروضی و قوافی   شناور آشنائے بحر صافی
بہر بحرے کہ باشد کن تو یکجا   ز ابیات پراگند ست و بیجا
برائے خاطر آں دوستداری   قبول از چشم و سر کردیم کاری
بصد محنت چونمودیم تالیف   بسعیٔ تام ایں ابیات تصنیف
لغات چند در نظم کردیم   بہ تہجی ملحقات آنرا شمردیم
شمار یکصد و ھفتاد ابیات   ز تصنیف مصنف بود اثبات
ھمہ ابیات الحاقی بہ تزئین   بہ تعداد آمدہ یکصد و عشرین
کنی گرضم از ایں افراد دیگر   چنانچہ از قطع عنوان دیگر
چو بیت کہنہ و نو را کنی گنج   شوند سی صد دگر پنجاہ و ھم پنج

صفی را گرچه ایں رغبت نبوده   برائے خاطر یاراں نموده
الہی ہر کسے خواند برغبت   به بخش آنرا کلید علم و حکمت
بحق خواجهٔ عالم گناہم   کنی عفو و نمایٔ نیک راہم

لیکن چونکه ہمیں یه نہیں معلوم که یه صفی شاعر کون تھا اور کس زمانے میں تھا اور مطبوع الصبیان کا نسخه کس زمانے کا مخطوطه ہے اس لئے اس کے بارے میں کوئی مزید گفتگو نہیں ہوسکتی ہے ۔

جس زمانے میں که حافظ محمود شیرانی حفظ اللسان کو مرتب کر رہے تھے ، یا که کر چکے تھے ۔ لیکن ابھی پریس سے کتاب باہر نہیں آئی تھی ۔ اسمعیل کالج اندھیری بمبئی کے پروفیسر نجیب اشرف نے ایک نسخه خالق باری کا موسوم به نصاب ظریفی ، حافظ شیرانی کو دکھایا یا که اس کی تفصیلات لکھکر بھیجیں ۔ چنانچه حفظ اللسان کے مقدمهٔ دوم میں اس نصاب ظریفی سے متعلق حافظ صاحب نے کچھ اطلاعات بہم پہونچائی ہیں ۔ چونکه یه نسخه نه تو میری نظر سے گزرا ہے اور نه اس سے متعلق کوئی مضمون دیکھنے کو ملا ۔ اس لئے اس سے متعلق تمام معلومات میں حافظ محمود شیرانی ہی کے الفاظ میں پیش کر رہا ہوں ۔

''نسخه و ۔ محترمی سید نجیب اشرف پروفیسر اسمعیل کالج اندھیری بمبئی کا مملوکه اور قابل اعتبار نسخه ہے ۔ تائے ہندی پر چار نقطه لگانے کا دستور ہے ۔ ڑ اور ڈ بصورت مہمله مرقوم ہیں ۔ مگر بعض وقت ڑ پر چار اور ڈال پر تین نقطے لگائے ہیں ۔ نون غنه کا استعمال کثرت سے ہے ۔ اشعار کی تعداد ۲۳۲ ہے ۔

منظومه خاتمے میں کتاب کا نام نصاب ظریفی بتایا گیا ہے ۔ کاتب ایک پارسی نوروز بن موبدان شاه پور جی ہے ۔ منظوم خاتمے کے اشعار یه ہیں ۔

چوں بگرفت ایں نسخه طرز نوی   ز تصنیف آں خسرو پہلوی
زاتمام عاشوره ، یک ہفته شد   که ایں گوہر بے بہا سفته شد

امیدست از فضل حق کریم بخوانند و گردند طفلاں علیم
بتاریخ نیکو سرانجام یافت نصاب ظریفی نکو نام یافت
زہفصد فزوں سی وشش سال بود کہ طبع از خرد دستیاری نمود
کہ صبیان برآیند از دام جہل شود فیض و الفاظ اشکال حل

اب قبل اسکے کہ اس ''نصاب ظریفی'' سے متعلق جو ۷۳۶ ھجری میں پایہ انجام کو پہونچا میں حافظ محمود شیرانی کی رائے پیش کروں، ایک ایسی بات کہنا چاہوں گا جسکا فیصلہ اس مخطوطے کو دیکھنے کے بعد ہی کیا جاسکتا ھے۔ اب یہ مخطوطہ انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹیٹوٹ کی لائبریری میں ھے۔ ضرورت اس امر کی ھے کہ اسکی فوٹو اسٹیٹ نقل شایع کی جائے۔ جو بات کہ میں کہنا چاہتا ہوں وہ بظاہر بے بنیاد ھے کیونکہ میں نے اس مخطوطے کو دیکھا نہیں ھے۔ لیکن چونکہ سہو کتابت کو یکسر مسترد بھی نہیں کیا جاسکتا ھے۔ اس لئے اندیشے کا اظہار کرنا کوئی جرم بھی نہیں ھے۔ ممکن ھے کہ اس منظوم خاتمے کا یہ شعر۔

چو بگرفت این نسخہ طرز نوی ز تصنیف آں خسرو پہلوی

اصلاً اس طرح رہا ھو اور کتابت میں مسخ ھوگیا ھو۔

چو بگرفت ایں نسخہ طرز نوی ز تصنیف آں خسرو دہلوی

اور دہلوی سہو کتابت سے پہلوی ہوگیا ھو۔ یہ گمان لفظ آں کے اشارے سے گزرتا ھے۔ بہر حال اپنے اس وہم و قیاس کیلئے معذرت خواہ ہونے کے بعد اب میں حافظ محمود شیرانی کے تبصرے کا ایک جملہ اس منظوم خاتمے سے متعلق پیش کر رہا ھوں۔ وہ لکھتے ہیں۔

''اس خاتمے پر اگر اعتبار کیا جائے تو ہمیں یہ ماننا پڑیگا کہ خالق باری سنہ ۷۳۶ع میں تصنیف ھوی'' اس خاتمے سے یہ بات کبھی بھی برآمد نہیں ھوتی ھے۔ بلکہ یہ بات سامنے آتی ھے کہ نصاب

ظریفی، ۷۳۶ ہجری میں تالیف ہوئی۔ اور نصاب ظریفی مبنی ہے خسرو کے رسالۂ منظومہ پر جسے عرف عام میں خالق باری کہتے ہیں۔ اس کتاب سے متعلق مزید گفتگو اس مخطوطے کے شایع کئے جانے کے بعد ہی کیجا سکتی ہے۔ تاہم اتنا ضرور کہا جاسکتا ہے کہ اس مخطوطے کے ہوتے ہوئے حافظ محمود شیرانی کا یہ خیال درست نہیں ہے کہ جس خالق باری کو امیر خسرو سے منسوب کیا جاتا ہے وہ اصلاً ایک گمنام شخص ضیاءالدین خسرو (گوالیاری) کی تصنیف ہے۔ ضیاء الدین خسرو حفظ اللسان کا مولف ہو سکتا ہے لیکن وہ خالق باری کا مصنف نہیں ہے۔ سراج الدین علی خان آرزو خود گوالیاری تھے۔ ان کی وفات کا سال سنہ ۱۱۶۹ ہجری ہے اور حفظ اللسان کا سنہ تصنیف حافظ محمود شیرانی سنہ ۱۰۳۰ ہجری بتاتے ہیں۔ خان آرزو نے خاصی طویل عمر پائی تھی۔ اگر خالق باری کا مصنف ضیاء الدین خسرو گوالیاری ہوتا تو کیا اسقدر زمانۂ قریب کی بات کا علم خان آرزو کو نہ ہوتا۔ اور خالق باری کو امیر خسرو رحمتہ اللہ سے کیوں منسوب کرتے۔ ثانیاً یہ کہ اللہ خدایؒ سنہ ۱۰۶۰ ہجری میں تصنیف ہوئی چنانچہ اللہ خدایؒ اور حفظ اللسان ان دونوں تصنیفات کے درمیان وقفہ صرف ۳۰ سال کا ہے اگر خالق باری کا مصنف ضیاء الدین خسرو گوالیاری ہوتا تو پھر اللہ خدایؒ کے مصنف تجلی اپنی تصنیف میں روح خسرو اور روح نظام الدین سے استمداد کیوں کرتے اور کیا نصاب ظریفی کا بھی مولف ضیاء الدین خسرو گوالیاری ہے۔ اگر نہیں تو ان باتوں کا علم رکھتے ہوئے حافظ محمود شیرانی کو یہ بات لکھنی نہ چاہئے تھی کہ خالق باری کے مصنف امیر خسرو نہیں بلکہ ضیاء الدین خسرو ہیں۔ حفظ اللسان کا ترقیمہ ۱۱۸۷ ہجری کا ہے، کاتب کا نام محمد یسین ہے۔ سال تصنیف مشکوک ہے۔ مگر حافظ محمود شیرانی نے اس کتاب کا سال تصنیف بھی دریافت کرلیا ہے۔

دیباچے کا جملہ یہ ہے ''در سال نصیف آخر تاریخ بدیہہ مرقوم گردید'' حافظ محمود شیرانی نے اس فقرے سے ''نصیف آخر'' کو، مادۂ تاریخ قرار

دیا ہے۔ جو بڑی حد تک مشتبہ ہے۔ جو کاتب کہ ترجمہ کو ترجمعہ اور مہارت کو محارت لکھتا ہو کیا اس سے اسکی توقع نہیں کی جاسکتی ہے کہ وہ سال تصنیف کو سال نصیف لکھ گیا ہو۔ اور پھر اس کے آگے کا فقرہ لکھنا بھول گیا ہو۔

خان آرزو۔ اپنے تذکرے مجمع النفایس میں تقی اوحدی مولف عرفات العاشقین کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ امیر خسرو نے زبان ہندوی کی ہر صنف سخن میں طبع آزمائی کی ہے۔ جہاں دوہرے اور موسیقی کی چیزیں لکھی ہیں وہاں ملمع کلام، ہندوی میں فارسی کا کلمہ، اور فارسی میں ہندوی کا کلمہ، اور ان دونوں سے مرکب جسے ریختہ کہتے ہیں وہ بھی کہا ہے۔ چنانچہ اسطرح کا بہت سا ریختہ اُن سے مروی ہے۔ ایسی صورت میں ان کے ہندوی' کلام کو کئی اصناف میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ (۱) فارسی کلام میں ہندوی' فقرہ۔ نہ کہ لفظ۔ (۲) ہندوی میں فارسی فقرہ۔ اسکی متحدد مثالیں خالق باری سے دی جاسکتی ہیں۔ (۳) دوہرے جو خالصتاً برج بھاشا میں کہے ہیں۔ (۴) ریختہ کی وہ صورت جس کو ''ہم گیت و ہم غزل'' کہیں گے۔ (۵) خالصتاً کھڑی بولی کے اشعار۔ اب ان میں سے میں ہر ایک کی مثال دونگا۔ اور جن اشعار کو پہلے نقل کرچکا ہوں ان کا صرف حوالہ دونگا۔

(۱) فارسی اشعار میں ہندوی' فقرہ ع۔ گفت بزاری ''ہے ہے تیر مارا۔*

(۲) خالصتاً کھڑی بولی کا مصرعہ۔ ع ماری ماری برہ کی ماری آئی †

(۳) ہندوی' میں فارسی فقرے ص

ترا بگفتم میں تجھ کہیا
کجا بماندی، توکت رہیا§

---

* تغلق نامہ

† دیباچہ غرۃ الکمال

§ خالق باری

رفتم بہ تماشا بکنار جوئے دیدم بر لب آب زن ہندوئے
گفتم صنما چیست بہائے مویت فریاد بر آورد ''در در موئے''*

(۵) دوہرا بزبان برج بھاشا ہ

گوری سووے سیج پر منھہ پر ڈارے کیس
چل خسرو گھر اپنے رین بھئی چوندیس

یہ دوہرا سیرالاولیاء میں نقل نہیں ہوا ہے، لیکن بہت قدیم زمانے سے منسوب کیا جاتا ہے اور حضرت نظام الیاء کے عرس کی شروعات خسرو کے اسی دوہرے سے کرتے ہیں، میرے ایک دوست نے دریافت کیا کہ کیا چوندیس کی ترکیب صحیح ہے۔؟ میں نے تفتیش کی تو معلوم ہوا کہ سنسکرت میں دش بالکسر جگہ کو کہتے ہیں۔ اسکے معنی ہیں چاروں اطراف۔

(۶) ریختۂ خسرو کہ ''ہم گیت و ہم غزل'' ہے۔ یہ خسرو کی ایجاد ہے۔ ان سے پہلے کسی نے بھی ریختہ نہیں کہا ہے۔ اسکی سند صرف روایت ہے۔ بہر حال ایک ریختہ جو خسرو سے منسوب کیا جاتا ہے وہ بھی ملاخط ہو۔

ز حال مسکین مکن تغافل، دورائے† نینان بنائے بتیاں
کہ تاب ہجراں ندارم اے جاں نہ لیہو کا ہے لگائے چھتیاں
شبان ہجراں دراز چوں زلف و روز وصلش چوں عمر کوتاہ
سکھی پیا کو جو میں نہ دیکھوں تو کیسے کاٹوں اندھیری رتیاں
یکایک از دل، دو چشم جادو بصد فریبم ببرد تسکیں¶
کسے پڑی ہے جو سناوے پیارے پی کو ہماری بتیاں

---

* رباعی از شہر آشوب، پنجاب میں اردو ۔ ص ۔۱۷۱

† دورانا ۔ آڑ کرنا ۔ چھپانا یہاں آنکھ چرانے سے مراد ہے پلیٹس ۔

¶ پنجاب میں اردو

جو شمع سوزاں جو ذرہ حیراں ہمیشہ گریاں بعشق آں مہ*
نہ نیند نیناں نہ انگ چیناں نہ آپ آویں نہ بھیجیں پتیاں
بحق روز وصال دلبر کہ داد مارا فریب خسرو
سپیت† من کی دورائے راکھوں جو جانے پاؤں پیا کی گھتیاں

---

* جواہر خسروی

† سنسکرت میں س کا سابقہ اچھائی کا معنی دیتا ہے۔ مثلاً سپوت۔ سپھل سجن، وغیرہ۔ یہاں سپیت سے مراد وہ پیت ہے جو بہت عزیز ہے۔

چھٹا باب

خسرو کی فارسی شاعری

امیر خسرو کی فارسی شاعری کا ایک معتدبہ حصہ خواہ وہ تاریخی مٹیرئیل کی حامل مثنویوں کی صورت میں ہو یا سلوک و اسراء اور بادشاہوں کے قصائید کی صورت میں، تاریخ کے طالبعلموں کیلئے ہمیشہ دلچسپی کا سامان مہیا کرتا رہے گا۔ چنانچہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ خسرو کو بہت کچھ مورخین نے بھی زندہ رکھا ہے۔ انکا کلام مستقلاً انکے حوالے کی ایک شئے بن گیا ہے۔ اور چونکہ خسرو چار شہزادوں اور چھہ سلاطین کے دربار سے وابستہ رہے، اور کیا سفر اور کیا حضر، ہر وقت ان کے ہمنشین اور ہمرکاب رہتے اس لئے انکے بیان کئے ہوئے واقعات اور انکی قلمبند کی ہوئی تاریخیں، برنی کی لکھی ہوئی تاریخوں اور سنن سے زیادہ مستند ہیں۔، برنی خسرو سے عمر میں ۳۲ یا ۳۳ سال چھوٹا تھا اور سلطان محمد ابن تغلق شاہ کے دربار سے منسلک ہونے سے پہلے وہ کسی کے دربار سے وابستہ نہ ہوا تھا۔ اسکے نانا، چچا اور والد بیشک درباری تھے اور اس نے بہت کچھ اطلاعات انکے ذریعے سے بھی حاصل کی لیکن وہ خود مذکورہ زمانے سے پہلے کسی سلطان

کے دربار سے وابستہ نہ ہوا تھا۔ اور یہی وجہ ہے کہ اسکی تاریخ نگاری میں قصیدہ گوئی یا بھٹئی کا عنصر نہیں ملتا ہے۔ اسکا نقطۂ نظر خاصا تنقیدی اور واقعات کے لکھنے میں راستبازی کا ہے۔ ہمیں اسکے نقطۂ نظر سے اختلاف ہو سکھتا ہے۔ اسکا نقطۂ نظر اخلاقیات اور اسکے مذہبی تعصب کا پروردہ اور محدود بھی ہے۔ لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کہ ہر چند کہ وہ واعظ کا روپ دھار لیتا ہے اپنے دل سے لمبی لمبی تقریریں سلاطین سے منسوب کرکے لکھتا ہے، لیکن وہ تنقید سے بھی نہیں چوکتا ہے اور نہ سلاطین کے مذموم کردار کی پردہ پوشی کرتا ہے۔

دور حاضر میں تاریخ نویسی کے جو مختلف نظریات، واقعات کو سماجی تناظر میں پیش کرنے انکا تجزیہ کرنے اور پھر تاویل یا تشریح کی طرف رجوع کرنے کے ہیں، وہ اس زمانے کے کسی بھی مورخ کے یہاں نظر نہیں آتے ہیں۔ اسلئے اگر یہ باتیں اسکے یہاں نہیں ہیں، یا ویسی نہیں ہیں جیسے کہ ہم دیکھنا چاھتے ہیں، تو اسکی بنیاد پر اسکی خوبیوں پر پردہ نہیں ڈالا جا سکتا ہے۔ رہ گیا یہ مسئلہ کہ وہ ترکوں کی بالادستی اور ترک اسلامی جذبے کو ہر جگھ راہ دیتا ہے تو اس سے اس زمانے کا کونسا مورخ آزاد ہے۔ کیا خسرو آزاد ھیں۔ لیکن خسرو کو اس سلسلے میں تو اس وقت زیر بحث لایا جائے جبکہ یہ متعین کرلیا جائے کہ انکی حیثیت ایک مورخ کی ہے۔ میرا موقف اس سلسلے میں یہ ہے کہ خسرو بنیادی حیثیت سے ایک شاعر اور درباری شاعر تھے نہ کہ مورخ برنی نے انکا کہیں بھی نام مورخوں کے زمرے میں نہیں لیا ہے۔ اور اگر خسرو کی شاعری میں تاریخ در آئی ہے کیونکہ انہوں نے فتوحات کو بھی رقم کیا ہے تو ایسا ان کے ایک درباری شاعر ہونے کی وجہ سے ہے نہ کہ ایک مورخ ہونے کی وجہ سے۔ قرون وسطیٰ کے راجگان اور مہاراجگان کے دربار میں بھٹ ہوا کرتے جو انکی فتوحات کو نظم کیا کرتے، یورپی ممالک میں اس کام کیلئے bards ہوا کرتے

چنانچه انهوں نے بہت کچھ تاریخ اس دور کی نظم کی هے لیکن ہم انہیں شاعر کہتے ہیں نه که مورخ - اور اگر آج تاریخی اطلاعات کی کمیابی کے باعث ہم خسرو کے کلام سے زیادہ استفادہ کرنے پر مجبور ہوگئے ہیں تو اسکے یه معنی نہیں ہیں که وہ ایک مورخ کہلائے جانے کے بھی مستحق ہیں - انہیں یه شہرت دور حاضر میں اس لئے ملی که آج اُن تاریخی کتب میں سے جو اس زمانے کے مورخین نے لکھی تھیں ، بہت کم دستیاب ہیں - برنی نے جہاں عہد علائی کے مورخوں کا ذکر کیا هے - امیر ارسلاں کو ہی اور کبیرالدین وغیرہ کا ان میں خسرو کو شامل نہیں کیا هے - خسرو کا ذکر اس نے ہر جگھ شاعروں کے زمرے میں کیا هے یہاں یه بتانا شاید دلچسپی سے خالی نه هو که برنی نے علاءالدین کے درباری مورخ کبیرالدین کی تصنیفات کے متعلق یه تبصرہ بھی کیا هے که چونکه انکی تصنیفات سلطان کے سامنے پیش کیجاتیں اس لئے یه ان کے لئے ممکن ہی نه تھا که وہ اسکی تعریفوں اور خوبیوں کے علاوہ کچھ اور لکھتے اور اس میں مبالغے سے کام نه لیتے - کیا یہی تبصرہ خسرو ی تصنیف خزائین الفتوح سے متعلق نہیں کیا جاسکتا هے؟ - اس میں تاریخیں اور سنن بیشک درست ہیں اور واقعات کو بھی صحت کیساتھ لکھا گیا هے لیکن جس ہمہ‌گیری اور تنقیدی نقطهٔ نگاہ سے برنی نے عہد علائی کی تاریخ لکھی هے ، وہ ہمہ‌گیری اور تنقید خسرو کے یہاں نہیں ملتی هے خسرو نے اس کتاب کا جو دیباچه لکھا هے اس میں یه بات واشگاف الفاظ میں بیان کی هے که میرا مقصد اس کتاب کے لکھنے سے سلطان کو اپنی نثر نگاری کے کمال سے متاثر کرنا هے -

الا نثرے نیز بیارایم ص

مانا که نظر کند بداں شاہ　　چه مہر بسوئے سنگ قابل

اگرچه مشاطهٔ کلکم ہموارہ برتافتن اشعار موشگاف بودہ است و

آبکار نثر را در پردہٗ اوراق کم جلوہ نمود۔ بایں ہمہ چوں ایں عروس روئے نیاز بشاہ راستیں دارد۔" *

ایسی صورت میں ہم کیوں نہیں اسے انشاء کی ایک کتاب تصور کریں۔ اور اگر آج اسکا اسلوب فرسودہ معلوم ہوتا ہے اور اسکی حیثیت صرف ایک تاریخی رکارڈ کی رہ گئی ہے جو مورخین کیلئے ایک خوان یغما بنی ہوئی ہے تو اس سے یہ بات کب ثابت ہوتی کہ خسرو نے یہ کتاب بہ حیثیت ایک مورخ کے لکھی تھی۔ مورخین تو استفادہ ادب و انشاء اور ہر قسم کے منظوم کلام سے کرتے ہیں، کیونکہ کوئی بھی تصنیف ایسی نہیں ہوتی جسکا تعلق زمان و مکان سے نہ ہو لیکن اس استفادے کی بنیاد پر کبھی بھی کسی شاعر اور انشاء پرداز کو مورخ کا لقب نہیں دیا گیا ہے۔

میں نے یہ بات اس لئے لکھی ہے کہ ہمیں خسرو کو بہ حیثیت مورخ نہیں بلکہ شاعر اور فنکار کی حیثیت سے پرکھنا چاہئے۔ اور اگر انکے فن میں کوئی خامی اور لغزش نظر آتی ہے، تو اسے صرف اس وجہ سے نظرانداز کرنا نہ چاہئے کہ ان تصنیفات سے مفید تاریخی اطلاعات ملتی ہیں۔ یہ افادیت انکی جمالیاتی قدر و قیمت کو متعین کرنے میں نہ تو مددگار ہے اور نہ مضرت رساں۔ لازم نہیں کہ ہر مثنوی میں قصہ ہو کیونکہ مثنوی صرف تسلسل بیان کی شئے ہے۔ مثنوی کی ہئیت میں کسی بھی مضمون کو نظم کیا جا سکتا ہے حتیٰ کہ خط بھی لکھا جا سکتا ہے۔ لیکن جب ہم ایک ایسی مثنوی سے دوچار ہوتے ہیں جیسی قران السعدین ہے جسکا تانا بانا ایک تاریخی واقعے کے گرد بنا گیا ہے۔ تو ہماری توقعات اسے ایک قصے کی صورت میں پڑھنے کی پیدا ہو جاتی ہیں۔ خسرو نے یہ مثنوی سلطان کی فرمائیش پر اس وقت لکھی تھی جبکہ باپ اور بیٹے کی ملاقات اور ان کے درمیان صلح صفائی ہوچکی تھی۔ خسرو کے لئے خاصا موقع

---

* خزائین الفتوح مخطوطہ نیشنل میوزیم کراچی۔

اور وقت تھا کہ وہ اس واقعے کو کسی کہانی میں تبدیل کرتے، یا اسے ایک افسانوی شکل دیتے، اس سے تاریخی حقایق مجروح نہ ہوتے۔ لیکن محسوس ایسا ھوتا ھے کہ خسرو کی شاعرانہ شخصیت میں قصہ گو کمزور تھا۔ اس کام کیلئے جس افسانہ‌زا تخیل اور جس قوت بیان (Narration) کی ضرورت پڑتی ھے۔ وہ ان میں نسبتاً کمزور تھی۔ چنانچہ اسکا احساس خود خسرو کو بھی تھا۔ جیسا کہ وہ اُسی مثنوی کے اختتام میں لکھتے ہیں ؎

ور ہوس مثنویت در دل است
حل کنم این بر تو کہ بس مشکل ست
در روشے کز تو نیاید، مرو
گفت بدم مشنو، نیکو شنو
نظم نظامی بہ لطافت چو در
وز در او سر بسر آفاق پر
پس چو تو کم مایۂ بسیار لاف
در شمری مہرہ‌ٔ خویش از گزاف
چیست در آن کم کہ بجوئیش باز
تا چہ نہ گفت ست کہ گوئیش باز
پختہ از او شد چو معانی تمام
خام بود پختن سودائے خام †

اس اعتراف عجز کے بعد میرا اسپر تبصرہ کرنا بے سود ھے۔ یہ بات کہ وہ قصہ گوئی میں کمزور تھے۔ اسکا اظہار انکی دوسری تاریخی مثنویوں بھی ھوا ھے۔ انکی مثنوی نہ سپہر نے دور حاضر میں بڑی قدر و قیمت حاصل کرلی ھے۔ غالباً اسلئے کہ انہوں نے ہندوستان کی فضیلت کو زیر بحث لاتے ہوئے، اسکے علوم فنون، ادب اور انشاء، موسقی اور

---

† قران السعدین ص - ۲۳۷

دیگر فنون وغیرہ کو نہایت دلگرمی اور حب الوطنی کے جذبے کے ساتھ بیان کیا ہے اور اسکا مطالعہ ہر اس طالبعلم کیلئے ناگزیر ہے جو اس دور کی تہذیبی زندگی سے واقف ہونا چاہتا ہے۔ لیکن ادب کا ایک طالبعلم اسے محسوس کئے بغیر رہ نہیں سکتا ہے کہ اسکا بیانیہ حصہ کمزور ہے۔ وہ اپنے سواد کو کسی ایک مربوط کل میں ڈھال نہیں سکے ہیں۔ اوراسکی تلافی ان اختراعات سے نہیں ہوسکی ہے۔ جسے انہوں نے اس مثنوی میں روا رکھا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ وہ ساقی نامہ اور غزل بہت اچھی لکھتے ہیں اور وصف نگاری کے میدان میں بھی تیزدست ہیں۔ لیکن جب واقعات جنگ یا تسلسل کے ساتھ کسی موضوع کو بیان کرتے ہیں تو انکے بیان میں روانی برجستگی اور قوت نمو نہیں ہوتی ہے، ان کا صناع تخیل، صنایع و بدایع اور خیال بندی کی طرف جھک جاتا ہے۔ ہاں ان کا قلم بزم نشاط کی مصوری میں بڑا سبک سیر رہتا ہے۔ اس وقت ان کا تار رگ جاں بیشک جاگ اٹھتا ہے۔ خسرو سے بہتر بزم نشاط کی مصوری مشکل ہی سے کسی نے کی ہوگی۔

خسرو کی ایک دوسری تاریخی مثنوی ''تغلق نامہ'' جس میں غیاث الدین تغلق اور ملک خسرو خان کی فیصلہ کن جنگ کو بیان کیا گیا ہے ہمارے مورخین کیلئے جس اہمیت کی حامل ہے اسکے کسی اعادے کی ضرورت نہیں لیکن ادب کے ایک طالبعلم کیلئے وہ ایک رزمیہ نظم بھی ہے۔ اور وہ اسے ایک رزمیہ نظم کی حیثیت سے پڑھنا اور پرکھنا بھی چاہتا ہے۔ لیکن جب وہ ان توقعات کے ساتھ اسے پڑھتا ہے تو اسے مایوسی ہوتی ہے کیونکہ وہ کسی مقام پر بلند پایہ رزمیہ نظموں کی بلندی اور لطافتوں کو چھوتی ہوئی نظر نہیں آتی ہے۔ ٹھیٹھ واقعہ نگاری اس مثنوی میں غالب آگئی ہے۔ اور یہی حال ان کی مثنوی مفتاح الفتوح کا ہے۔ جس میں انہوں نے جلال الدین خلجی کے ایک سال کی چار مہمات جنگی یا فتوحات کو نظم کیا ہے۔ اس مثنوی میں اگر کسی موقع پر شاعری سے کام لیا گیا ہے تو وہ صرف اس حصے میں ہے جہاں جھائیں کے مندروں اور محلات کے حسین نقش

نگار کا مرقع پیش کیا گیا ھے ۔ معلوم ایسا ھوتا ھے کہ ان مثنویوں کو لکھتے وقت انکے ذہن میں یہ کشمکش تھی کہ شاعری، حقایق نفس الامر یا FACTS کے برخلاف ھے ۔ تخیئل بیشک حقایق کو اپنے رنگ میں سمو لیتا ہے، لیکن اس سے حقایق کی سچائی مجروح نہیں ھوتی ھے ۔ بلکہ اور زیادہ نکھر آتی ھے ۔ حقایق نفس الامر کی سچائی اور حقایق نفس الامر میں فرق ہے ۔ شاعر کا تعلق سچائی سے ھوتا ھے ۔ نہ کہ فیکٹس سے تاریخی واقعات کو نظم کرتے وقت غیر تاریخی ھو جانا یعنی حقایق کی سچائی کو مجروح کرنا، توڑنا موڑنا، کذب گوئی اور افترا پردازی کے مترادف ھے لیکن جذبے اور تخیئل کی مدد سے تاریخی واقعات کو زندگی سے لبریز کرنا، تاریخ کو انسان کی قوت ارادی اور جذبات کا مظہر قرار دینا اور اس کے جذباتی اثر کو محسوس کرنا اور کرانا، تاریخ کی سچائی سے ھمیں قریب تر کرتا ہے نہ کہ دور ۔ ٹھیٹھ واقعات اس قوت کے بغیر مردہ اور بے جان رہتے ہیں ۔ ایسا نہیں ھے کہ یہ چیزیں خسرو کی ان تاریخی مثنویوں میں بالکل نہیں ملتی ہیں لیکن جس سطح اور جس معیار کی توقع ہم خسرو کے ایسے ایک بڑے شاعر سے کرتے ہیں وہ سطح اور معیار نہیں ملتا ھے ۔

چنانچہ ان ساری مثنویوں میں سے جو خمسۂ خسرو کے دائرے سے باھر ھیں ۔ صرف دول رانی و خضر خاں صحیح معنوں میں منظوم قصہ نگاری کے شرایط کو پوری کرتی ھوئی نظر آتی ھے ۔ اس میں جس رومانس یا معاشقے کو نظم کیا گیا ھے ۔ وہ انکی معاصر زندگی سے براہ راست ماخوذ ھے اسکا مسودہ خضر خاں نے خود خسرو کو پیش کیا تھا ۔ اور خسرو سے نظم کرنے کی درخواست کی تھی ۔ ایسی صورت میں یہ کہنا کہ یہ خسرو کا طبع زاد افسانہ ھے درست نہیں ھے ۔ بہر حال اسے ایک قصے میں ڈھالنے کا کام خسرو ھی کا تھا ۔ اور یہ ناممکن ھے کہ انھوں نے من و عن اس قصے کو بیان کیا ہو اور اس میں کوئی تبدیلی اور کتر بیونت اپنی طرف سے نہ کی ہو ۔ خسرو کا جو بیان قصے

کا ہے وہ مورخ فرشتہ کے بیان کے ہوئے قصے سے قدرے مختلف ہے ۔ کہا نہیں جاسکتا ہے کہ کس کا بیان اصل واقعے سے قریب تر ہے ۔ بہر حال کسی منظوم قصے میں ہمیں دلچسپی اس بات سے نہیں ہوتی ہے کہ اصل قصہ کیا تھا بلکہ اس سے ہوتی ہے کہ جو قصہ کہ بیان کیا گیا ہے اس میں زندگی کی رمق کتنی ہے ۔ اس مقصد کے حصول کیلئے فنکار اس بات میں آزاد ہوتا ہے کہ از روئے تقاضائے افسانہ گوئی اس میں کچھ تبدیلی کرے ، مختلف واقعات کے درمیان ایسا منطقی رابط پیدا کرے ، جو کہانی کے مخصوص سفر کو لازمی بنادے ۔ اسی سے پلاٹ پیدا ہوتا ہے ۔ پلاٹ کو پہلے زمانے میں پیچ بولتے تھے ۔ چنانچہ ہمارے پرانے افسانوں میں جسقدر پیچ ہوتے انتہاہی زیادہ لطف ان افسانوں میں پیدا ہوتا ۔ امید و بیم ، خوف و خطر ، شکوک و شبہات ، مکر و فریب ، سازش ، مہمات وغیرہ یہ سب اسکے لوازمات تھے ۔ چنانچہ خسرو نے بھی اس کہانی میں کچھ پیچ ڈالے ہیں لیکن کہا نہیں جاسکتا ہے کہ وہ پیچ انکے ڈالے ہوے ہیں یا اصل کہانی میں تھے ، لیکن وہ پیچ بہت معمولی ہیں ، اسکے نتیجے میں قصہ بہت ہی مطیع اور سدھارا ہوا ہے اور اگر غزل کے شاعر خسرو نے دول رانی اور خضر خاں کے جذبات عشق کو ، فراق اور وصال ، بیم و رجا کے جذبے کو اپنے جذبۂ دل سے سنوارا نہ ہوتا تو یہ مثنوی اپنی صرف کہانی کے زور پر کوئی خاص اثر پیدا نہ کر پاتی ۔ بہر حال خمسۂ خسرو سے باہر ، خسرو کی جتنی مثنویاں ہیں ان میں سے یہی ایک ایسی مثنوی ہے جو قصہ گوئی کے معیار پر پوری اترتی ہے ۔ افسانہ ، دول رانی اور خضر خاں کی شادی پر ختم ہوجاتا ہے ۔ بعد میں جو کچھ لکھا گیا ہے ۔ اسکا تعلق خضر خاں کے المناک سوانح حیات سے ہے نہ کہ اصل قصے سے ۔ بہر حال اس مثنوی کے دلکش اور پر اثر ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے ۔ لیکن بقیہ دوسری مثنویاں جن کا شمار تاریخی مثنویوں میں کیا جاتا ہے ، وہ اپنی ہیئت میں Kaleidoscopic یا سیریز ٹائیپ کی ہیں کہ ان کو

گھماتے رہنے سے مختلف مناظر سامنے آتے ہیں ، خسرو کے اس فن سے لطف اندوز ہونے کیلئے یہ جاننا ضروری ھے کہ ان کی شخصیت میں جہاں افسانہ گو کمزور تھا وھاں مصور اور موسیقار قوی تھا ۔ خسرو کا ذھن تمثیلات ، ڈراموں اور افسانوں میں نہیں بلکہ حقیقت پسندانہ تصویروں کے ذریعے سوچتا ۔ چنانچہ انہوں نے اپنی تاریخی مثنویوں میں ، کسی ایک یا مختلف تاریخی واقعات کے سہارے اپنے معاشرے ، اپنے شہر اپنے دیس کے مختلف مناظر پیش کئے ہیں ، اور ھر منظر میں ان کا دل الجھا ھوا نظر آتا ھے ۔ اُن مثنویوں میں انہوں نے ایک نگار خانہ طرح طرح کی تصویروں سے سجایا ھے ۔ اور اگر ساری تصویروں کو یکجا کیا جائے تو یہ بات بلا کسی خوف تردید کے کہی جاسکتی ھے کہ انہوں نے اپنے شہر دلی اور اپنے دیس کی ایک ایسی جامع تصویر پیش کی ھے کہ اسکی نظیر ملنی مشکل ھے ۔ پھل پھول ، موسم فضا ، پربت ، دریا اور میدان ، کھانے پینے اور آرایش کے سامان گہنے پاتے ، ملبوسات ، آلات موسیقی ساز اور راگ ، مطرب و قوال ، قبہ نشیں عورتوں کی جھانک تاک ، ان کا کاجل سرمہ ، اور ارایش کا کل کے مختلف انداز ، کہیں خنجر ہندی بہ زبان ہندی دل کے پار ، تو کہیں الاون زن ہندی تار رگ جاں سے ھم آواز ، کہیں حوض شمسی کی سیر ، خوبرویوں سے مڈ بھیڑ تو کہیں کسی باغ و راغ میں حسینوں سے چھیڑ چھاڑ ۔ شہر کیا عجایب روزگار ، ھر قوم و ملت کے مرد و زن ، بتان ختا و ختن ، گھوڑے پر سوار ، نقاب برائے نام ، امرد اور کنیزوں کا بازار ۔ خریدنے والوں کا اژدھام ۔ میخانے اور قمار خانے آباد ۔ شادی بیاہ کی رسومات ، کھیل کود اور تماشے شاہی جلوس ہزاری بزاری کی ریل پیل درباری زندگی اور میدان جنگ کی تصویر ۔ گھوڑے ہاتھی الات حرب ان میں سے ھر ایک کی جداگانہ تفصیل ۔ غرض زندگی کا کوئی شعبہ اور سامان معشیت میں سے کوئی بھی ایسا سامان نہ ھوگا جسکی تصویر اس نگار خانے میں نہ ھو ۔ خسرو نے ان ساری تصویروں کے ذریعے اپنے

عہد کے ہندوستان اور اپنے شہر دلی کو ایک زندہ صورت میں پیش کیا ہے۔ یہ فن خسرو کا اپنا منفرد فن ہے۔ اسکو پرکھنے کیلئے ایک نیا نقطۂ نظر چاہئے جو جامع ہو کئی فنون کا، کسی سکہ بند قسم کے نظریے سے اسکی تنقید نہیں ہوسکتی ہے۔

مگر تاریخی مٹیرئیل کی حامل، خسرو کی یہی چند تاریخی مثنویاں نہیں ہیں۔ انہوں نے جو قصائید، ملوک و امرا اور سلاطین کی مدح میں کہے ہیں ان میں بھی بہت کچھ تاریخی اطلاعات کم از کم شخصیتوں سے متعلق ملتی ہیں، اور انہیں بھی مورخین استعمال کر سکتے ہیں۔ لیکن جب ہم ان قصائید کو ادبی نقطۂ نگاہ سے پڑھتے ہیں تو یہ محسوس کرتے ہیں کہ ان میں حقیقی شاعر بہت ہی کم ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ مدح گوئی اُن امرا اور سلاطین کی دل سے نہ کرتے۔ از روئے وظیفہ یہ خدمت انجام دیتے۔ لیکن بات صرف اتنی ہی نہیں ہے۔ انہوں نے اس قسم کے بہت سے قصائید قلم برداشتہ اور فی البدیہ کہے ہیں۔ اور ان کے کہنے میں کوئی محنت صرف نہیں کی ہے۔ انہیں اپنے اُن قصائید سے کس قدر نفرت تھی اسکا اندازہ اس بات سے بھی کیا جا سکتا ہے کہ بقیہ بقیہ کے دیباچے میں انہوں نے اپنے کو انہیں قصائید کی وجہ سے کذاب کہا ہے۔ اور اپنے لئے یہ سزا تجویز کی ہے کہ روز قیامت میرے اس نامۂ سیاہ کو میرے گلے میں ڈال کر مجھے گھمایا جائے اور پھر مجھے واصل بہ جہنم کر دیا جائے تاکہ ہم دونوں ایک ساتھ سوخت ہو جائیں۔ مدح سرائی سے انکی نفرت کا اندازہ اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ لیلیٰ مجنوں میں انہوں نے اپنے صاحبزادے عین الدین خضر کو تلقین کی ہے کہ خدا را کبھی ثنا سرائی کو اپنا پیشہ نہ بنانا۔

پیشہ مکنی ثنا سرائی   ور دل کندت ہنر فزائی

جبکہ شاعر خود پکار پکار کر یہ کہہ رہا ہے کہ نا بھائی میرے ان قصائیہ کو نہ دیکھو جو میں نے سلاطین اور امراء کی مدح

میں کمہے ہیں وہ جھوٹ کا پلندہ ہیں، میری طبیعت کے برخلاف ہیں۔ تو ہمیں اسکا حق نہیں پہونچتا کہ زبردستی انکی شاعری کے کمزور ترین حصے پر تبصرہ کریں۔ اسے آسانی سے صرف نظر بھی کر سکتے ہیں۔ لیکن چونکہ مشرقی شاعری میں قصیدے کو بڑی اہمیت دی جاتی رہی ہے بیجا نہ ہوگا اگر ہم کوئی بات اس سلسلے میں بھی کمہیں۔ کسی بھی شاعر کی شاعری کی قدر و قیمت کا اندازہ نہ تو اسکے کمزور اشعار سے کرنا چاہئے اور نہ اسکی شاعری کے کمزور حصے سے۔ یہ بات مسلم ہے۔ لیکن ایسا کیوں ہے کہ خسرو کے اشعار، ان قصائید کی تشبیب میں بھی کمزور ہیں۔ وہی پرانے مضامین پرانی تشبیہیں اور استعارے۔ آخر غالب کو کب شاہوں کی مدح سرائی پسند تھی۔ لیکن وہ اس کمی کو تشبیب میں پوری کر دیتے تھے۔ ایسا خسرو بھی کر سکتے تھے۔ کہ تشبیب میں زور کلام صرف کرتے اور مدح میں دو چار اشعار کہکر سرخ روئی حاصل کر لیتے۔ مگر جب ہم انکے قصائید کی تشبیب پر نظر ڈالتے ہیں تو اس میں کوئی انفرادیت اور جدت نظر نہیں آتی ہے۔ چنانچہ میں نہیں سمجھتا کہ سلاطین اور امراء کی مدح سے تعلق رکھنے والے انکے قصائید اس لئے پھسپھسے ہیں کہ انکی طبیعت مدح گوئی سے ابا کرتی۔ ان کا پیشہ ہی مدح گوئی تھا۔ یہ انکا کل وقتی کام تھا نہ کہ جزو وقتی۔ انکا تو رزق ہی انہیں قصائید سے بندھا تھا۔ پھر اتنی بیدلی کیوں؟۔ کیا اس کمزوری کا باعث یہ نہ تھا کہ وہ ظہیر فاریابی اور خاقانی اور انوری ایسے جید اساتذہ کی زمینوں میں قصائد لکھتے اور انہیں ان کی اپنی زمینوں اور مبالغہ آرائی میں شکست دینے کی کوشش کرتے۔ مبالغہ پر مبالغہ آرائی مبالغے کو بے معنی کر دیتی ہے ظہیر فاریابی کا شعر ہے۔

نہ کرسیٔ فلک نہد اندیشہ زیر پائے
تا بوسہ بر رکاب قزل ارسلاں دہد

اس مبالغے پر خسرو کی مبالغہ آرائی ملاحظ ہو۔ قصیدہ جلال الدین خلجی کی مدح میں ہے۔

اندیشہ کے رسد کہ ببو سد رکاب شاہ
گر بوسہ بر رکاب قزل ارسلاں دہد
زاں سوئے کون گر پرد اندیشہ تا ابد
نتواند انکہ بوسہ بر آستاں دہد

اس قسم کی مبالغہ آرائی خسرو کے متعدد قصائید میں ملتی ہے۔ بعض اوقات تو وہ اپنی مبالغہ آرائی میں بعض اشیاء کے مذہبی تقدس کو بھی بالائے طاق رکھدیتے ہیں - ایک قصیدہ جو سلطان محمد ابن تغلقشاہ کی مدح میں ہے - اس میں ان کے مبالغہ آرائی کی ایک صورت ملاخط ہو۔

توئی ز سایۂ حق زادہ آفتاب شرف
ہست مثل تو چوں سایۂ رسول عدیم
وقار حلم ز ذاتت شریف گشت چنانکہ
صفا و مروہ معظم ز قرب رکن حطیم

مگر خسرو نے قصائید یہی کچھ سلاطین، امراء و ملوک کی مدح نہیں کہے ہیں کہ ہم انکی قصیدہ گوئی کو صرف انہیں قصائید کے حوالے سے پرکھیں- ان کے قصائید کا ایک معتدبہ حصہ تصوف، سرالہ، لا و الا کی تفہیم، موعظت و حکمت کے مضامین سے تعاق رکھتا ہے- ان قصائید کی ماہیت امراء و ملوک کے قصائید سے مختلف ہے اور ان کا معیار بھی بہت بلند ہے- امیر خسرو کا ایک قصیدہ بحرالابرار ہے جو نظام الدین اولیاء کی مدح اور مضامین تصوف سے تعلق رکھتا ہے- اس قصیدے میں شکوہ الفاظ، علوئے مضامین، تراکیب اور بندش کی چستی، نغمگی بہ یک وقت ملتی ہے۔

کوس شه خالی و بانگ غلغلش اند سراست
ہر که قانع شد به خشک و تر، شه بحرو براست

امیر خسرو کا یه قصیده اس قدر مقبول هوا که اسکا جواب بحرالافکار کے نام سے علی شیر نوائی نے اور لجۃ الافکار کے نام سے جامی نے لکھا۔ چنانچه دولتشاه سمرقندی لکھتا هے "چوں قصائید شریفه مثل بحرالابرار و مراۃ الصفاو امین القلوب شهرتے یافته و فضلائے روزگار بجواب قصائید او مشغول شده اند و داد فصاحت و بلاغت داده" (تذکرۃ الشعراء) خسرو کے ان قصائید کو نظر انداز کرکے جو تعداد میں دس باره ہیں خسرو کی قصیده نگاری پر تبصره نہیں کیا جا سکتا هے۔ خسرو کے اصل قصائید یہی ہیں جو انکے اپنے خیالات اور جذبات کے آئینه ہیں نه که وه جو انہوں نے جبراً سلاطین اور شہزادوں کی مدح میں لکھے ہیں۔ اگر کوئی شخص یه جاننا چاهتا هے که خسرو کے خیالات، توحید باری، وحدت الوجود اور دوسرے مضامین تصوف سے متعلق کیا تھے تو اسکے لئے ان قصائید کا مطالعه ناگزیر ہے۔

میں یہاں انکے قصائید سے صرف اس بات کی تشریح کرونگا که امیر خسرو پوری طرح فلسفهٔ وحدت الوجود کے قایل تھے۔ اس فلسفے کے تین بنیادی نکات ہیں (۱) ماسوا الله کسی شئے کا وجود حقیقی نہیں هے۔ (۲) لیکن چونکه اسکی ذات اسکی صفات سے متحد هے۔ اسلئے اس کی تخلیق اسکی ذات سے باہر نہیں هے۔

آگے عالم عین تھا اسکا اب عین عالم ہے وه
اس وحدت سے یه کثرت هے یاں میر بہت گیان کیا۔*

پہلے عالم اس میں پوشیده تھا اب وه عالم میں پوشیده هے۔ اور

---

* میر تقی میر نے اپنے اس شعر میں لوائح جامی کے ایک باب کی ترجمانی کردی هے۔

حجاب اکبر خود انسان کی ہستی ہے۔ اس لئے صوفیاء نے نفی ذات پر زور دیا، اور فنا فی اللہ سے بقا باللہ کی طرف بڑھے۔ اس خیال کو سب سے پہلے معروف کرخی نے رواج دیا، لیکن حلاج نے اسکی تشریح اور تاویل کی۔ حلاج کے انا الحق کی وضاحت رومی نے بڑے خوبصورت الفاظ میں کی ہے۔

ہر کہ از ہستیٔ خود مفقود شد   منتہائے کار او محمود شد
گفت فرعونے انا الحق گشت پست   گفت منصورے انا الحق و برست
آں انا ز لعنتہ اللہ در عقب   واں انارا رحمۃ اللہ اے محب

چنانچہ منصور نے اپنے کو خدا نہیں بلکہ اپنے کو خدا میں فنا کرکے، اس کی اس وحدت کا نعرہ لگایا جو وصل خداوندی سے پیدا ہوتا ہے۔

دل ہر قطرہ ہے ساز انا البحر   ہم اس کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا۔

لیکن اس کے ساتھ ساتھ مرزا غالب نے یہ بھی کہا ہے۔

قطرہ اپنا بھی حقیقت میں ہے دریا لیکن
ہمکو منظور تنک ظرفیٔ منصور نہیں

چنانچہ صوفیاء کو منصور کے خیالات سے نہیں بلکہ اس بات سے اختلاف تھا کہ، منصور نے اس راز کو فاش کردیا جسکو انہیں اپنے سینے میں مستور رکھنا تھا۔ نظامی کی ایک غزل ہے۔ جس کا ورد شیخ نظام الدین کے جماعت خانہ میں اکثر ہوا کرتا۔

جہاں تیرہ و رہ مشکل جبیبت را عناں در کش
زمانے رخت ہستی را بخلوت گاہ جاں در کش
چو خاص الخاص حق گشتی ز صورت پائے نہ بیروں
ہزاراں شربت معنی بیکدم رایگاں در کش

بہشت و دوزخش یعنی مشو مشغول این ہر دو
قدم بر فرق دوزخ نہ خطے در گرد جناں درکش
طریقش بیقدم می رو جمالش بے بصر می بیں
حدیثش بیزباں بشنو شرابش بیدہاں درکش
نظامی این چہ اسرار ست کز خاطر بروں دادی
کسے رمزت نمی داند زباں درکش زباں درکش*

نظامی کی یہ غزل وحدت الوجودی تصورات میں ڈوبی ہوئی ہے۔ اس میں عالم کی وحدت یعنی زماں و مکاں کی وحدت کی طرف بھی اشارہ ہے، اور دوزخ اور جنت کے مکان ہونے سے انکار بھی ہے۔ سیر الاولیاء میں لکھا ہوا ہے کہ جب بابا فرید شکر گنج کی زبان پر نظامی کا یہ شعر ہوتا ع نظامی ابں چہ اسرار است کہ از خاطر عیال کردی۔ تو آپکی حالت دگرگوں ہوجاتی۔ اور پہروں اس شعر کا ورد آپ کی زبان پر ہوتا۔ کیا اس سے یہ نتیجہ اخذ نہیں کیا جا سکتا ہے کہ بابا فرید شکر گنج کے عقاید وحدت الوجودی تھے۔ مگر زبان ”درکش زباں درکش کے“ قایل تھے۔ اسی سیر الاولیاء میں خواجہ معین الدین چشتی سے یہ قول منسوب کیا گیا ہے۔ ”چو ما از پوست بیروں آمدیم و نگاہ کردیم عاشق و معشوق و عشق یکے دیدم یعنی در علم توحید ہمہ یک است † اس میں شبہ نہیں کہ فیروز شاہ تغلق کے عہد سے پہلے جب کہ ہندوستان کے لوگ محی الدین ابن العربی کی تصنیفات اور مولانا روم کی مثنوی سے روشناس ہوئے §

---

* نقل از تذکرۃ الشعراء۔ یہ شعر سیر الاولیاء میں اس طرح نقل کیا گیا ہے۔

نظامی این چہ اسرارست کز خاطر عیاں کردی
کسے سرش نمی داند زباں درکش زباں درکش

† سیر الاولیا فارسی مخطوطہ۔ نیشنل میوزم۔ اردو ترجمہ۔ ص۔ ۳۴۔

§ اس زمانے سے پہلے ہندوستان کے صوفیوں میں صرف بوعلی شاہ قلندر، شمس تبریزی اور جلال الدین رومی کے کلام سے متعارف ہوتے تھے گلزار ابرار (اردو ترجمہ اذکار ابرار)۔ ص۔ ۱۰۰۔ منقول از حکمت نامۂ بو علی شاہ قلندر

صوفیائے ہند کے درمیان وحدت الوجودی خیالات کی ترویج و اشاعت کے ذرائع ابو سعید ابوالخیر، عطار، نظامی، سنائی، عراقی کے اشعار اور عین القضاۃ ہمدانی کی تصنیفات تھی۔ جنکا باقاعدہ درس مشایخ چشت کے درمیان دیا جاتا (تاریخ فیروز شاہی) چنانچہ اس سلسلے ہم شیخ نظام الدین کے عقاید کو بھی زیر بحث لائینگے۔ اور یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں گے کہ انکے خیالات حلاج اور عین القضاۃ ہمدانی کے بارے میں کیا تھے۔ حسین بن منصور حلاج کا قول نفیٔ تفرید اور نفیٔ شرک سے متعلق سید علی ہجویری نے نہایت احترام کے ساتھ نقل کیا ہے۔ اور کہیں بھی حلاج کو ملحد و مرتد قرار نہیں دیا ہے۔ حلاج پر جہاں ایک الزام ”انا الحق“ یعنی واصل بہ حق ہونے کا تھا۔ وہاں دوسرا اعتراض اس بات پر تھا کہ وہ طواف کعبہ کی اہمیت کو گھٹاتے اور ادائے حج کیلئے کعبۂ دل کی زیارت کو کافی سمجھتے۔ جہاں تک کہ ادائے حج کا تعلق ہے خواجہ معین الدین چشتی کے افکار بھی ویسے ہی تھے جیسے کہ حلاج کے تھے۔ ”نیز فرمایا کہ حاجی خانۂ کعبہ کے گرد بدنی طواف کرتے ہیں عارف عرش اور حجاب عظمت کے گرد طواف کرتے ہیں اور بقائے الٰہی چاہتے ہیں“* - چنانچہ شیخ نظام الدین اولیاء کے ملفوظات میں بھی کہیں بھی ادائے حج پر زور نہیں دیا گیا ہے اور نہ یہ لکھا ہوا ہے کہ انہوں نے خود کبھی فریضۂ حج ادا کیا اب یہ دیکھئے کہ حلاج کے متعلق ان کی رائے کیا تھی۔ فوائیدالفواد میں امیر حسن لکھتے ہیں ”بندہ عرضداشت کرد کہ سیدی احمد چگونہ کس بود۔ فرمود۔ بزرگے کسے بود۔ او از عرب بودہ است و رسم عرب آنست کہ چوں کسے بہ بزرگی یاد کنند سیدی گویند۔ بعد ازاں فرمود کہ او درعہد شیخ حسین منصور حلاج بود رحمۃ اللہ علیہما - درآنچہ حسین منصور را بسوختند و خاکستر او را بہ آب دجلہ رواں کردند سیدی احمد

---

* سیر الاولیاء ص - ۴۳

قدرے از آن آب کہ در خاکستر بود بہ تبرک برداشت و خورد - آں ہمہ برکتہا از آنجا بود "†

اگر سیدی احمد کا مرتبہ حلاج کی لاش کی راکھ کو چاٹنے سے اتنا بلند ہوگیا کہ انکا شمار صوفیاء کبار میں کیا گیا - تو پھر حسین ابن منصور کا مرتبہ شیخ کی نظر میں کتنا بلند رہا ہوگا -

اب ہم عین القضاۃ ہمدانی (ابوالعالی عبداللہ بن محمد الھمدانی متوفی ۵۲۵ ھجری) کے افکار کی طرف متوجہ ہونا چاہیں گے - جنکے مکتوبات گا درس مشایخ چشت کے درمیان دیا جاتا - (تاریخ فیروز شاہی) لیکن قبل اسکے کہ ہم عین القضاۃ کے بعض افکار سے لوگوں کو روشناس کرائیں اور ان کا اثر اس زمانے کے صوفیاء کے خیالات پر دکھائیں - ہمدانی کی شخصیت کی عظمت سے متعلق شیخ نظام الدین کی رائے فوائدالفواد سے نقل کرنا چاہیں گے -

" بندہ عرضہاشت کرد کہ مکتوبات عین القضاۃ ہمدانی ہم نیکو کتابست ولے بہ تمامی ضبط نمی شود - فرمود آرے کہ انرا سرحال نبشتہ است ، از سر وقت کہ او را بودنبشتہ است - بعد از آں بر لفظ مبارک راند کہ او بست و پنج سالہ بود کہ او را بسوختند - عجب کارے در آں سن کہ غایت قوت جوانیست ، اورا چنداں شغل و تعلق بحق بود - بس عجب کارے بود آں *-"

شیخ نے یہاں چند جملوں میں اپنی جس عقیدت کا اظہار کیا ہے وہ واضح ہے - یہاں یہ بتانا بے محل نہ ہوگا کہ عین القضاۃ ہمدانی کو بھی اس طرح سزا دی گئی جس طرح کہ حلاج کو دی گئی تھی - ہمدانی بھی انا الحق کے مبلغ تھے اور خدا کے زمان و مکان کو ایک ناقابل

---

† فوائید القواد ص - ۳۲۱

* فوائید الفواد ص - ۱۳۲

تقسیم وحدت تصور کرتے تھے جو ہر زمان و مکان پر محیط ہے ۔ ابھی تک عین القضاۃ ہمدانی پر کچھ زیادہ کام نہیں کیا گیا ہے ۔ ایران میں انکی ایک تصنیف ” غایت الامکان فی درایت المکان“ حال ہی میں (۱۹۵۹ء) رحیم فرمینش نے تالیف کی ہے ہمدانی کی اس تصنیف کا ایک مخطوطہ رام پور کی لائبریری میں بھی ہے ۔ ان دونوں نسخوں سے استفادہ کرتے ہوئے اقبال اکیڈیمی کراچی سے اسکا ترجمہ انگریزی زبان میں شایع کیا گیا ہے عین القضاۃ ہمدانی کے کچھ احوال و آثار سلطان حسین بایقرا نے بھی اپنے تذکرے مجالس العشاق میں لکھے ہیں اور انکی چند رباعیات بھی نقل کی ہیں ۔ یہاں میں انہیں کے تذکرے سے ان کی دو رباعیاں نقل کر رہا ہوں تاکہ یہ اندازہ ہوسکے کہ انکی شاعری کس نہج کی تھی ۔

آتش زنم و بسوزم این مذہب و کیش
عشقت بہ نہم بجائے مذہب ، در پیش
مقصود توئی مرا نہ جانست و دل
تاکے دارم عشق نہاں ، در دل خویش

پر کن قدح بادہ و جانم بستان
مستم کن و از ہر دو جہانم بستان
با کفر در اسلام بدن ناچار است
خود را بنما از این و آنم بستان

علامہ اقبال نے اپنے خطبات (اسلامی خیالات کی تشکیل نو) میں زمان و مکان کی حقیقت سے بحث کرتے ہوئے عین القضاۃ ہمدانی کے رسالے ” غایت الامکان فی ادراک المکان سے“ خاصا استفادہ کیا ہے ۔

مگر چونکہ ان کے سامنے ایک ایسا نسخہ تھا جس پر مصنف کا نام نہ تھا اور ان کے پاس اتنا وقت نہ تھا کہ وہ اسکی تحقیق کرسکتے کہ یہ کس کی تصنیف ہے ۔ انہوں نے اندازے سے اسے

فخرالدین عراقی سے منسوب کیا۔ بہر حال یہ ایک جزوی بات ہوئی۔ اصل شئے تو ہمدانی کے وہ خیالات ہیں جن کا اظہار انہوں نے اپنے مذکورہ رسالے میں کیا ہے۔ میں ان کے افکار کا ایک خلاصہ، ان کی تصنیف کے انگریزی ترجمے کی مدد سے پیش کر رہا ہوں۔

وقت بے کراں ہے اسکا نہ تو کوئی آغاز ہے اور نہ انجام۔ وقت کا یہ تصور جسے بیکرانگی' وقت یا Infinity of Time کہتے ہیں۔ بہت قدیم زمانے سے مختلف تہذیبوں میں ملتا ہے لیکن اس پر بیشتر لوگوں کا اتفاق ہے کہ یہ تصور وقت عطیہ ہے ایرانی تہذیب کا اور اسکا گہرا تعلق زروان کے تصور سے ہے جو یزداں اور اہرمن دونوں کا خالق ہے۔ اسلام میں اول اورآخر خدا کو کہا گیا ہے نہ کہ وقت کو چنانچہ اسلامی نقطۂ نظر سے اولیت خدا کو ہے نہ کہ وقت کو اور اس پر ہمدانی نے بھی زور دیا ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی لکھا ہے۔ کہ زمان و مکان خدا کی دو ازلی صفات ہیں یعنی وہ اپنی ان دو صفات سے کبھی بھی معطل نہیں رہا ہے۔ اسکا عمل تخلیق ہمیشہ سے ہے نہ کہ کسی مخصوص وقت سے۔ چنانچہ یہ حدیث قدسی لا تسبو الدہر اسی بات کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ علامہ اقبال کا بیان ہے کہ جب میں نے اس حدیث قدسی کا ذکر دوران گفتگو برگساں سے کیا تو وہ حیرت میں پڑگیا۔ بہر حال اقبال نے بھی اسی خیال کا اظہار کیا ہے کہ خدا کی صفات میں وقت دائمی اور ازلی ہے اور وقت کا نہ تو کوئی آغاز ہے اور نہ انجام۔ اور جب انہوں نے برگساں اور الکزنڈر کے تصور حیات سے متاثر ہوکر، اپنے حیاتی فلسفے کی تشریح کی تو اسی بیکرانگی وقت کے پیش نظر انہوں نے زندگی کو بھی ایک دائمی اور ابدی حقیقت بتایا۔

برتر از اندیشۂ سود و زیاں ہے زندگی
ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی

تو اسے پیمانۂ امروز و فردا سے نہ ناپ
جاوداں ، پیہم دواں ، ہر دم جواں ہے زندگی

اور پھر اس تصور کے تحت کہ زندگی جاوداں ہے۔ جنت اور دوزخ کو مکان نہیں بلکہ احوال بتایا۔ اور لی مع اللہ کی تفسیر کرتے ہوئے اس بات کے امکانات پر بھی روشنی ڈالی کہ اگر انسان، اخلاق خداوندی سے متصف ہوجائے تو اسکے لئے بھی زمانہ ایک دائمی ہنوز بن سکتا ہے جو خدا کی ذات کیلئے مخصوص ہے۔ بیکرانگی وقت کا یہ تصور دنیائے اسلام میں بڑی انقلابی قوت کا حامل رہا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ جاوید نامے میں تو علامہ اقبال نے اپنی انقلابیت کی تشریح صرف اس ایک خیال سے کی ہے کہ میں نے حور و جنت کے افسانے کو پاش پاش کردیا۔

حرف با اہل زمیں رندانہ گفت
حور و جنت را بت و بتخانہ گفت

علامہ اقبال نے اپنے ان خیالات کا اظہار بیسویں صدی میں کیا جبکہ زمان و مکان کی حقیقت کا ادراک سائنسی بنیادوں پر بھی منضبط کیا جارہا ہے۔ اور آج یہ موضوع فلسفیوں کی منطقی قیاس آرائیوں کے حدود سے نکل کر ریاضیات ، طبیعیات اور ایسٹرو فیزکس یعنی طبیعیات فلکی کے میدان میں داخل ہوچکا ہے۔ آج زماں کو مکاں سے اور مکاں کو زماں سے جدا نہیں کیا جاتا ہے۔ یعنی توسیع خدا کی ایک ازلی صفت ہے۔ اس خیال کو اسپینوزا اور کانٹ نے بھی پیش کیا ہے۔ لیکن کانٹ نے منطقی اولیت زماں کو مکاں پر دی ہے۔ چنانچہ برگساں نے جس زمانے میں کہ اپنا مقالہ زماں پر لکھا ، تو اس نے کانٹ ہی کے نظریے سے اینشٹاین کے نظریۂ وقت کی تنقید کی تھی۔ مگر آج سائنس دانوں کے نزدیک برگساں کے افکار کی کوئی اہمیت نہیں ہے ، اینشٹاین ہی کا نظریہ حکمراں اثر رکھتا ہے۔ میں نے یہ بات اس

لئے لکھی ھے کہ زمان و مکان کی اکائی کا تصور جدید ھے لیکن حیرت ھوتی ھے یہ معلوم کرکے عین القضاۃ ہمدانی نے آج سے آٹھ سو سال پہلے چھٹی صدی ھجری میں خدا کے زمان و مکان سے بحث کرتے ھوئے زمان و مکان کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا - کیونکہ جس طرح کہ خدا کی یہ ایک ازلی اور ابدی صفت ھے کہ وھی اول اور وھی آخر ھے ، اور اسکے وقت کا نہ تو آغاز ھے اور نہ انجام ، اس طرح مکان بھی اسکی ازلی اور ابدی صفت ھے کہ وھی ظاھر اور پنہاں ھے - ھر مکان اسکے مکان میں ھے ''کوئی شئے اس سے دور اور باھر نہیں ھے -''

ہمدانی نے اس خیال کی تشریح کرتے ھوئے وقت کے تین قسمیں بتائی ہیں - زمان جسمانیات ، زمان روحانیات ، زمان اللہ تعالیٰ - اس طرح مکان کی بھی تین قسمیں بتائی ہیں ، مکان جسمانیات ، مکان روحانیات ، مکان اللہ تعالیٰ - ان کی جداگانہ تشریح کے بعد لکھتے ہیں - کہ جس طرح خدا کا زمان بغیر کسی تقسیم و تفرید تعدد و تکثیر کے ایک لمحہ کے سوا نہیں جسکا نہ تو کوئی آغاز ھے نہ انجام اسی طرح خدا کا مکان بھی ناقابل تقسیم ، بلا تعدد و کثرت کے ایک اکائی ھے جس سے باہر اور دور کائنات کی کوئی بھی تخلیق نہیں ھے - جس طرح خدا کے زمان میں ماضی اور مستقبل نہیں بلکہ ایک دائمی ہنوز ھے اسی طرح خدا کے مکان سے کوئی شے دور اور باھر نہیں - ھر شئے اسکے مکان میں ھے - جس میں نہ تو کوئی دوری ھے نہ نزدیکی ، نہ بلندی ھے نہ پستی - نہ ابعاد ہیں نہ اطراف - ہمدانی کے ان خیالات کا خلاصہ ہمدانی کا نام لئے بغیر سیرالاولیاء میں موجود ھے - میر خورد نے خدا کے زمان و مکان سے متعلق شیخ نظام الدین کے خیالات کی جو وضاحت سیر الاولیاء میں کی ھے - (نکتہ دربیان فضیلت مکان برمکان و زمان بر زمان و حقیقت زمان و مکان - ص - ۵۲۵-۵۳۰) وہ ہمدانی کے اسی رسالے سے ماخوذ ھے - دونوں کی عبارت کا مقابلہ و موازنہ کرکے کوئی بھی شخص اس نتیجے پر پھونچ سکتا ھے -

مگر میر خورد مولف سیر الاولیاء کے بیان میں فلسفیانہ گہرائی نہیں ہیں۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ وہ ہمدانی کے خیالات کو سمجھنے سے قاصر رہے ہیں۔ بہر حال تشریح زمان و مکان وہی ہے جو ہمدانی کے رسالے میں ہے۔ اور بعض احادیث و حکایات صوفیاء بھی وہی نقل کی گئی ہیں جو ہمدانی کے یہاں ملتی ہیں۔ لیکن ہمدانی کا بیان استدلالی ، منطقی اور زیادہ معلومات کا حامل ہے۔ اسکے برعکس میر خورد کا بیان سرسری اور منطقی استدلال سے عاری ہے۔ بہر حال اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ شیخ نظام الدین اولیاء ہمدانی کے وحدت الوجودی خیالات سے بہت زیادہ متاثر تھے۔ ''وہ خدا کوتمام مخلوقات میں موجود''۔ ''تمام کائینات میں داخل اور خارج'' اوراسکا رشتہ کائینات سے ''روح اور جسم کا بتاتے ہیں'' اور اس نتیجے پر پہونچتے ہیں کہ انسانی قلب کا کوئی ذرہ اس سے خالی نہیں۔ اور پھر اسی نسبت سے ''من عرف نفسہ'' کی تشریح کرتے ہیں۔ ''قالب اسکے مکان میں اور وہ اپنے لایق و مناسب مقام میں ہے''۔ اور پھر ایک آیت قرانی اور ایک حدیث نبوی کے حوالے سے اسکی وضاحت کرتے ہیں کہ وہ ہر جگہ موجود ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا '' اے پروردگار کیا تو قریب ہے کہ میں تجھے آہستہ بلاؤں یا تو دور ہے کہ آواز بلند سے بلاؤں۔ میں تیری آواز تو سنتا ہوں لیکن تجھے دیکھتا نہیں۔ تو کہاں ہے۔ پروردگار نے فرمایا۔ تیرے پیچھے ، تیرے سامنے۔ دائیں بائیں ہر جگہ اور جب مجھے بندہ یاد کرتا ہے۔ میں اسکے پاس ہوتا ہوں اور جب وہ مجھے بلاتا ہے تو میں اسکے پاس ہوتا ہوں''۔ (سیر الاولیاء)۔ اور زمان اللہ تعالیٰ سے متعلق اس خیال کا اظہار کرتے ہیں کہ اس میں ماضی اور مستقبل کی تقسیم نہیں ہے۔ اسکا ماضی ازل اور مستقبل ابد ہے اور اسکے دونوں سرے جڑے ہوئے ہیں ایک آن میں جو ہمیشہ حاضر رہتا ہے۔ مشائخ چشت انہیں بنیادوں پر جنت اور دوزخ کو احوال سے تعبیر کرتے۔ خواجہ معین الدین چشتی سے پوچھا گیا کہ جنت کیا ہے

تو آپ نے فرمایا رضائے الٰہی کا پانا ہے اور یہ مشائخ چشت اسی بنیاد پر عالم کو ایک نہ کہ دنیا اور عقبیٰ یعنی فانی اور غیر فانی میں منقسم کرتے۔ ایک عالم کے بعد دوسرا عالم، اور ہر عالم کے بعد دوسرا عالم اور آدم سے پہلے آدم کی احادیث پیش کرتے۔ یہ وجود بحر ازل سے موجزن ہے اور ابد تک موجزن رہے گا، وہ خود اپنے سے اپنے پیچ و تاب میں ہے۔ غیر کجا؟۔ وہی وہ ہے جیسا کہ امیر حسن سجزی فرماتے ہیں۔

من از جہاں بہ یکے شادم اے مسلمانان
جماعتے کہ دو گویند نا مسلمانند
گر کسے را ہست در عالم کسے
مر حسن را ہر دو عالم اُوست اُو

اور امیر خسرو فرماتے ہیں ص

یک رو بہ دو عالم بہ یکی داد بنازیم
شش پنج شمارا و دغارا نشناسیم
مستغرق خوابیم دریں کوزۂ خشخاش
شام اجل و صبح جزا را نشناسیم
ما ساکن ملک دگریم، آمدہ اینجا
این مرحلۂ خوف و رجا را نشناسیم۔ *

میان چرخ و زمیں داں دو کذب با یکصدق
میان گنبدہ بیں یک ترانہ را دو صداست
ببند در ز ہمہ خلق کآستانۂ قرب
دوون تست نہ در شام و مکہ و بطحاست

---

* اس قصیدے کا حوالہ دیا چکا ہے۔

ز جان و دل دو قدم کن مگر رسی بجائے
کہ سر انی انا اللہ (باز جایٔ) آرا ست
دراں بہار کہ گاگشت عشق بازانست
بہشت یک گل پژمردہ، در ریاض رضاست
نہ زندگیٔ مسیح است و عمر بلکہ دم است
بماں اضافت روح الٰہش کہ روح خداست
ز خویش لاشو بر حرف وحدت او ساز
بہ نفس خویش فرو خواں کہ ایں نشان ولاست
چو در خلا و ملا لا شدی ولایت تست
در آئی نہ فلک کہ نیٔ خلا و ملاست
چو ہست لا شدن از بہر وصل در الا
کسے کہ لا نشد ایں وصل حاصلش ز کجاست *

خسرو کے ان اشعار میں انا الحق کی جو آواز گونج رہی ہے، ہر چند کہ وہ مدھم سروں میں ہے لیکن کسی بھی صاحب نظر کیلئے بالکل واضح ہے۔ مزید یہ کہ خسرو نے اس بات کو پوشیدہ نہیں رکھا ہے کہ وہ رمز انا الحق کے مفسر تھے۔ اور حوصلۂ دار و سن بھی رکھتے تھے ؂

سر الٰہی بہ تہ تیغ گوئی رمز انا الحق بہ سردار بہ †

خسرو کا یہ فلسفۂ وحدت الوجود انسان کو دعوت فکر و نظر دیتا ہے۔ غالب کہتے ہیں۔

کہہ سکے کون کہ یہ جلوہ گری کسکی ہے
پردہ چھوڑا ہے وہ اس نے کہ اٹھائے نہ بنے

---

* قصیدہ حلق الاشمار نہایت الکمال مطبوعہ۔

† نہایت الکمال قصیدہ۔ ص۔ ۴۱ مطبوعہ۔

خسرو اس پردے کو خواہ وہ پردۂ ہستی ہو کہ پردۂ فلک دونوں کو مقراض لا سے چاک کرنے کا حوصلہ رکھتے تا کہ اصل حقیقت انسان پر کھل سکے ۔

گر ز لا داری مقراض ، فلک را بشگاف
تا ببینی کہ در یں پردہ چہا جلوہ گرست
ہست ایں پردہ یکے تعبیہ در دست قضا
کہ از او ہر نفس آرایش معنیِ دگرست *

اس دعوت فکر و نظر کے ساتھ ساتھ خسرو انسان کو اسکے مقام کبریائی سے آشنا کرتے ہیں ۔ وہ اسکو جتاتے رہتے ہیں کہ تو اس اضافت کو کیوں فراموش کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کے پتلے میں اپنی روح پھونکی ، آدم کو اپنی صورت پر ، بہترین قوام سے خلق کیا اور ملائک سے اسکو سجدہ کروایا ۔

بفلک سرچہ فرود آری اے بے ہمت
چوں ترا برتر از آں پایہ مقام مقر است
می پرد گرچہ فرشتہ ز بلندیٔ فلک
بفگند بال و پر آنجا کہ علو بشر است †

اور جب غلبۂ حال ہوتا ہے اور انکی قلندری نوا جوش پر ہوتی ہے تو وہ اس سے بھی بلند تر پرواز کرتے ہیں ۔

مردانہ وار بازیٔ لا را کنیم باز
دریائے چرخ تابکراں آشنا کنیم
خورشید وار چرخ زناں برسما رویم
آخر نہ ذرہ ایم کہ رقص از ہوا کنیم

---

* قصیدہ عرفان العرفان - دیوان نہایت الکمال - مطبوعہ ۔

† قصیدہ عرفان العرفان نہایت الکمال مطبوعہ ۔

میں اس وقت اس بحث میں پڑنا نہیں چاہتا کہ تصوف کی تحریک کے سماجی اسباب اور فلسفیانہ ماخذ کیا تھے، اسکا تعلق فلسفۂ اشراق و مشائین سے کیا تھا اور کس حد تک اسے فلوطینس کی الہیات نے متاثر کیا اور کس حد تک اس کا تعلق قرون اولیٰ کے عباد اور زہاد کی عبادتوں سے ہے، کس حد تک اسکا ماخذ قران مجید، احادیث قدسی اور احادیث نبوی ہے اور کس حد تک وہ مشرق کی عرفانیات یعنی مشرق وسطیٰ، ہند و یونان اور ایران کی عرفانی تحریکوں سے متاثر تھی کیونکہ ان باتوں کا اظہار میں اپنے مختلف مضامین میں کر چکا ہوں یہاں تو صرف یہ بات سامنے لانا چاہتا ہوں کہ جب آرتھو ڈاکسی نے عقلی سطح پر تاویل حقیقت اور مختلف سماجی ماحول میں تطبیق شریعت کے دروازے بند کردئے۔ فلسفہ سازی اور اجتہاد کو ایک جرم قرار دیا۔ اور معقولات کو عاق کردیا۔ تو اسکے رد عمل میں ایک ایسی اندروں بیں اور باطنی تحریک نے جنم لیا جو اپنے اثرات میں اس سے کچھ کم انقلابی ثابت نہ ہوئی۔ نوفلاطونی نظام فکر میں جو فلاسفۂ اسلام کی اساسی فکر ہے۔ خدا اور بندے کے درمیان عقول عشرہ کا فصل ہے۔ خدا ایک غیر مشخص احد ہے اور ہرچند کہ محبت کا عنصر اس نظام فکر میں بھی ہے۔ یعنی حب ذات وہاں بھی وجۂ تخلیق کائنات ہے، لیکن اس عشق میں وہ جوش اور دلگرمی نہیں، جو عقول عشرہ کے واسطوں سے آزاد ہوکر براہ راست خدا سے تعلق پیدا کرنے میں ہے خدا سے راست تعلق پیدا کرنا، عبد و معبود کے رشتوں، خوف و رجا، سزا و جزا کے رشتوں کو محبت کے رشتوں، کرم اور بخشایش، ولا کے رشتوں، حبیب اور محبوب کے رشتوں میں تبدیل کرنا اور پھر ہر بشر کو حامل ربوبیت قرار دینا، انسان کی آزادی کی طرف ایک قدم آگے بڑھانا تھا۔ سینٹ ٹامس ایکوناس نے لوتھر سے بہت پہلے اس بات کو تسلیم کیا تھا کہ چونکہ عقل ایک عطیۂ خداوندی ہے۔ اسلئے یہ انسان کا پیدائشی حق ہے کہ وہ احکام الہی کی تاویل اپنی عقل سے کرے، لیکن چونکہ پاپائے روم نے روحوں پر اپنی اجارہ داری

قائم رکھنے کی غرض سے انسان کو اسکے اس پیدایشی حق سے کئی صدیوں تک محروم رکھا ، اسکا رد عمل لوتھر کے زمانے میں اس شدت سے ھوا کہ پھر بعد کی صدیوں میں ساری مسیحی دنیا میں انسان کے اس فطری حق کو تسلیم کر لیا گیا کہ وہ اپنی عقل سے اللہ کے احکامات اور اسکی نشانیوں کی تاویل کر سکتا ھے اور اپنی نجات کا راستہ انفرادی سطح پر متعین کر سکتا ھے۔ ان باتوں پر آج یورپ میں کوئی قدغن نہیں لیکن قرون وسطیٰ میں بڑی تدغنیں تھیں ، اور جب لاکھوں انسان آزادی کی اس جدوجہد میں جلکر خاک ھوئے تب یہ روشنی نمودار ھوئی۔

اسلام میں پاپائیت تو نہ تھی۔ لیکن جبہ و دستار سے خوفزدگی یقیناً تھی اور اس حد تک کہ آئے دن محاصرہ طلب کیا جاتا۔ مفتیان دین کو آواز دی جاتی کہ وہ اپنے فتووے صادر کریں ، اور جلاد کو حکم ہوتا کہ دار و رسن کو تیار رکھیں۔ دیکھئے اس صورتحال کے خلاف خسرو کا رد عمل کیا تھا۔

بخلق خوب بشر از بشر ، شود ممتاز
ببو شناخت توان عنبر سیہ ز انفاس
ز بہر دیں بود الیاس خرقہا از سر
چوں نیست ایں ہمہ تلبیس باشد از الباس
بغیر علم کہ شد شملہ لام الف لا خوانش
چہ علم ہست لباسے گرت بود لا باس
ز جبہ پوش تہی مایہ بہترست بسے
پر از کتاب شریعت ، خریطۂ کرپاس *

اور پھر اس رد عمل میں خسرو اس حد تک جاتے ہیں کہ وہ یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں ؂

---

* قصیدہ عین العبر نہایت الکمال۔

بنزد رند شریعت فروتر از فسق است
بچشم مار زمرد کمہیں تر از مینا است

یه سب اس لئے هوا که انسان کو صرف منقولات سے باندھکر رکھنے کی کوشش کیجاتی ۔ اور اسے دینی معاملات میں اپنی عقل کو استعمال کرنے کی اجازت نه دی جاتی، ''به ته تیغ رمز الٰہی'' کہنے کی نوبت اس لئے درپیش ہوئی، لیکن چونکه اس زمانے کی نوفلاطونی معقولات نے انسان کو خدا سے دور رکھا تھا کئی فاصلوں سے اسلئے صوفیاء کو معقولین سے بھی سخت پرہیز تھا ۔ فلاسفه هوں یا علم الکلام کے ماہرین معتزله اور آشاعره ۔ وه ان میں سے کسی کو اهمیت نه دیتے، ان سب کو نظرانداز کرتے هوئے جنہیں وه دانشمند کہتے انہوں نے تاویل حقیقت اور تطبیق شریعت کیلئے اپنا ایک نیا راسته نکالا ۔ انہوں نے منقولات اور احادیث کو تو ساتھ رکھا لیکن عقل و قیاس کی جگه کشف و الہام کو ایک تیسرا عنصر قرار دیا ۔ صوفیاء کے درمیان مسئله یه نه تھا که شریعت پابند طریقت هے یا طریقت پابند شریعت ہے، کیونکه ان کے حدود بلکل متعین اور صاف ہیں طریقت ریاض هے توفیق الٰہی اور تنزیل تجلیات کا، اور شریعت احکام الٰہی هے ۔ چنانچه اصل مسئله ان کے نزدیک شریعت کو پابند حقیقت کرنے کا تھا نه که پابند طریقت کرنے کا ۔ لیکن قبل اسکے که اس کی وضاحت کروں یه بتانا ضروری سا معلوم هوتا که خسرو اپنے پیر شیخ نظام الدین میں انوار الٰہی کا جلوه دیکھتے ۔

ناصیهٔ پیر نه تنہاست نور بلکه جہانیست ز نور حضور
ناصیهٔ پیر نه تنہا ضیاست بلکه یکے از صفت کبریاست *

اور انہیں نایب رسول اور انکے الہامات کو نایب وحی قرار دیتے ۔
سیرت میمونش بدیں پروری نسخهٔ دیباچهٔ پیغمبری

---

* مطلع الانوار- در مدح شیخ نظام الدین

چوں دم الہام زدہ کام او   نائب وحی آمدہ الہام او۔*

اسکے یہ معنی ہوئے شیخ کے الہامات کا مرتبہ وحیٔ رسول سے کم ہوتے ہوئے بھی اس درجے کا تھا کہ انہیں قال اللہ اور قال الرسول کی تفسیر و تشریح ، اور تاویل کرنے کا پورا حق تھا۔ چنانچہ انکے کشف و الہامات کا علماء کرام کی تفسیر و تشریح سے ٹکرانا بصورت اختلاف ایک لازمی امر تھا۔ شیخ نظام الدین علماء کو دانشور کے القاب سے نوازتے اور اپنے کو صحیح معنوں میں قال الرسول اور قال اللہ کا تابع سمجھتے۔ چنانچہ جب حلت سماع کے مسئلہ پر محاضرہ ھوا تو انہوں نے علماء سے اختلاف کیا اور یہ پہلو نکالا کہ سماع اہل حال کیلئے حلال اور اہل قال کیلئے حرام ھے۔ کسی قانون یا نص صریح کی یہ تاویل باطنی Esoteric ھے اس بات کے برخلاف ہے کہ قانون ہمہ گیر ھوتا ھے۔ اس بات کو سامنے لانے کا مقصد یہ نہیں ھے کہ سماع حرام ھے بلکہ یہ ھے کہ یا تو یہ حرام ھے یا حلال ھے۔ کچھ لوگوں کے لئے حلال ھونا اور کچھ لوگوں کیلئے حرام ھونا قانون کی ہمہ گیریت کے نقطہ نظر سے درست نہیں۔ یہ صورت حال اس لئے پیدا ہوئی کہ امور شرع کی تاویل و تطبیق میں معقولات کی گنجائش نہیں رکھی گئی تھی ، اسکے رد عمل میں صوفیاء نے یہ راستہ نکالا کہ شریعت کو پابند حقیقت کرنا ضروری ھے۔

عین شریعت بحقیقت درست   شرع اگر عین نباشد شر است †

اگر شریعت عین حقیقت ھے تو درست ھے اور اگر عین حقیقت نہیں ھے تو شر اور فساد کا باعث ھے۔ اس تنازعے میں یہ بات صاف طور سے ابھر کر سامنے آتی ھے کہ مختلف ماحول اور مختلف معاشرے میں اور بدلتے ھوئے حالات میں اصول فقہ کی از سر نو تدوین اور تطبیق کی سخت ضرورت محسوس کی جا رہی تھی اور چونکہ علماء کرام ان

---

* مطلع الانوار

† ایضاً

تاریخی تبدیلیوں اور معاشرتی پیچیدگیوں کو اطلاق شرع میں کوئی جگہ دینے کو تیار نہ تھے۔ اس لئے یہ صورت حال پیدا ہوئی کہ وہ صوفیاء بھی جو سو فی صد شرع پر گامزن تھے۔ انہوں نے بھی اس ضرورت کو محسوس کیا کہ شرع باطن کی اصلاح کیلئے ناکافی ہے۔ چنانچہ سید علی ہجویری کشف المحجوب میں لکھتے ہیں۔ ''اہل طریقت کے لئے یہ دو اصطلاحات ہیں، شریعت اور حقیقت۔ ایک تو عمل اور حال کی صحت کو ظاہر کرتی ہے اور دوسری باطن کے احوال کی صحت و اقامت کو۔ شریعت اور حقیقت کے قایل اور متبع دو الگ الگ گروہ ہیں۔ اور ان معنوں میں وہ دونوں غلط راہ پر ہیں۔ کہ وہ الگ الگ ہیں۔ کیونکہ تکمیل سیرت اور تحصیل معرفت کے لئے شریعت اور حقیقت لازم اور ملزوم ہیں۔ اور ایک مومن میں ہر دو کا اجتماع لازمی ہے۔ ان دو الگ الگ گروہ میں سے ایک تو علماء ظاہری ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ شریعت خود حقیقت ہے اور دوسرا وہ گروہ ہے جو ایک کا قیام بغیر دوسری کے جایز اور روا رکھتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ جب حقیقت کا حال منکشف ہوا تب شریعت اُٹھ گئی۔ پس شریعت بندہ کے اعمال اور افعال ہوتے ہیں اور حقیقت خداوند کی نگہداشت، توفیق، رہنمائی، عفت اور حفاظت لہذا وجود حقیقت کا قیام شریعت کے بغیر محال ہوگا اور اسی طرح شریعت کا قیام حقیقت کے روحانی و اخلاقی اداب بجا لانے کے بغیر محال ہوگا۔''*

سید علی ہجویری جو شریعت کے سختی سے پابند تھے، واشگاف الفاظ میں اس گروہ کو ملحد قرار دیتے ہیں جو یہ کہتا ہے کہ جب حقیقت حال منکشف ہوئی شریعت اٹھ گئی۔ لیکن خسرو کے معاصر صوفیوں میں سے چند ایسے بھی تھے جو ذاتی سطح پر اسی نقطۂ نظر پر عمل کرتے۔ کہ جب حقیقت حال منکشف ہوی شریعت اُٹھ گئی اسکی ایک مثال بو علی قلندر پانی پتی کی ہے۔ گلزار ابرار (جہانگیری عہد) میں ان کی تصنیف حکمت نامے سے نقل ہے کہ

---

* کشف المحجوب اردو ترجمہ۔ ص ۳۲۵

’’میں بیس سال تک دلی میں مدت کا مفتی اور ہر ایک قسم کے علوم کا مدرس رہا - جب جذبے نے جوش کیا تو درس فتویٰ کا کاروبار درہم برہم کرکے وہاں سے چل دیا اس طرح کہ کسی کو معلوم نہ ہو۔ اثنائے سفر میں شیخ شمس الدین تبریزی اور مولانا جلال الدین کی ملازمت حاصل ہوئی - ان اصحاب نے اپنا جبہ و دستار مجھکو عنایت کیا - پھر جب ہند آیا تو جذبہ اور زیادہ قوی ہوگیا تھا - دوکان شیخی کی جو کچھ پونجی تھی تمام جمنا کے پانی میں بہا دی - اور قلندرانہ حیثیت سے اپنے اصلی وطن میں پہونچا - اشرف الموجودات علیہ الصلوۃ نے سنت اور اللہ تعالیٰ عزاسمہ نے فرض مجھکو معاف کرکے ارشاد کیا - شرف توعین ہم ہیں (تیری ذات عین ہماری ذات ہے) مولانا سراج الدین اور سید امیر علی وغیرہ علماء وقت نے اعتراضات کرنے شروع کئے - میں نے جواب دیا آپ لوگ کتابی علم میں گرفتار ہیں - خاموش رہئے آپ لوگوں کے استادوں کو بھی بات کرنے اور سرزنش فرمانے کا منصب نہیں ہے -‘‘*

یہاں ’’حقیقت حال کے منکشف ہونے سے شریعت اُٹھ گئی‘‘ لیکن بوعلی قلندر پانی پتی کو نہ تو شیخ نظام الدین نے ملحد قرار دیا اور نہ کسی دوسرے متشرع صوفی نے۔

بہر حال سوال یہ ہے کہ اگر حقیقت کی اصطلاح تحصیل معرفت یا حقیقت حال کا منکشف ہونا ہے اور اسکا تعلق تجلیات الٰہی، کشف و الہام سے ہے تو اسکا فیصلہ کون کرے گا کہ جو علم کہ صوفیاء کو تنزیل انوار الٰہی سے حاصل ہوا ہے۔ اسکا مقام نایب وحی کا ہے۔ اور انکی صحیح رہنمائی ہوئی ہے چنانچہ علماء کرام اور صوفیاء کے درمیان خلیج اسی بات پر وسیع ہوئی، کہ علماء انکے کشف و الہام کو نائب وحی کا درجہ نہ دیتے اور اسکا وہ درمیانی راستہ جس کی وضاحت سید علی

---

* اذکار ابرار اردو ترجمہ ’’گلزار ابرار۔‘‘ از محمد غوث شطاری مانڈوی۔ مطبوعہ اسلامک بک فونڈیشن سنہ ۱۹۷۵ع ص۔ ۱۰۰

ہجویری نے کی ہے۔ اختلاف کی صورت میں بہت کمزور ثابت ہوسکتا ہے اس کے برعکس خسرو کا رویہ واضح ہے۔ شریعت کو ہر صورت میں عین حقیقت ہونا ہے، تجلیات سے ہم آہنگ ہونا چاہئے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو شریعت باعث شر و فساد ہو سکتی ہے۔ میں اس رویے کو شخصی تاویل کا نام دیتا ہوں۔ ہر چند کہ اسکا تعلق باطنی احوال سے ہے۔ چنانچہ اسی بات سے عالم سکر و صحو کی بحث چھڑی اور پھر ایک غیر مختتم جنگ صوفیاء اور علماء ظاہر کے درمیان مستقلاً قائم رہی۔ جسکو کسی اصولی بنیاد پر نہیں بلکہ مصالحت کی بنیاد پر حل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس سلسلے کے آخری مجتہد شاہ ولی اللہ دھلوی ہیں۔ لیکن ہم یہ دیکھتے ہیں کہ سر سید احمد خان اس مصالحت پسندی سے مطمئن نہیں ہوئے اور انہوں نے دینی مسائل میں عقلیات اور معقولات کو راہ دی، اور ایک قسم کے پروٹسٹنٹ اسلام کو رواج دینے کی کوشش کی، سر سید کی یہ کوشش رائیگاں نہیں گئی، علامہ اقبال پر گہرا اثر سر سید کی معقولات کا تھا اور ہر چند کہ انہوں نے اصول فقہ کی تدوین کی ہمت نہ کی۔ کیونکہ وہ بھی علماء سے خایف تھے۔ لیکن کچھ بنیادی باتیں اسلامی اداروں کی تشکیل سے متعلق ایسی لکھیں کہ آج ان کی روشنی میں اسلامی جمہوریہ پاکستان میں بذریعہ قانون غلام اور کنیز کی خرید فروخت کو ممنوع قرار دے دیا گیا ہے۔ اور اس پر علماء کا احتجاج نہیں ہوا۔ لیکن جب انگریزوں نے سنہ ۱۸۴۷ع میں بذریعہ قانون غلامی کو منسوخ کیا تھا تو علماء نے بڑا شور مچایا تھا اسکے یہ معنی ہوئے کہ اب علماء کرام بھی بدلتے ہوئے حالات کا نوٹیس لینے پر مجبور ہوگئے ہیں۔ اور اسکی کئی مثالیں دی جا سکتی ہیں۔ دوسری طرف یہ کہا جا سکتا ہے کہ آج صوفی کے کشف و الہام کو کوئی بھی شخص نائب وحی کا درجہ دینے کو تیار نہیں۔ اور نہ انہیں کوئی نایب رسول تسلیم کرتا ہے لیکن اگر تاریخی اعتبار سے دیکھا جا تو اسے تسلیم کرنا ہوگا کہ صوفیاء نے اپنے اسی ادارے کے ذریعے اجتہاد کا دروازہ کھلا

رکھا - اور انہوں نے جزیہ اور غلامی کی طرف بڑا نرم رویہ رکھا اور حلت شعر و نغمہ ، وجدانیات و جمالیات کی بحالی میں گرانمایہ خدمات انجام دیں - تاریخ کا دھارا کوئی نہ کوئی راستہ اپنے بہنے کا نکال لیتا ہے - اگر سطح پر رکاوٹ پیدا کی جاتی ہے تو وہ زمین دوز ہو کر بہہ نکلتا ہے -

دلی میں ایک مولانا ترک تھے جنہیں شیخ نظام الدین نے دانشمند کے لقب سے یاد کیا ہے ان کے بارے میں فوائید الفواد میں یہ لکھا ہوا ہے کہ ان کے پاس ایک غلام تھا جو ان کے لئے معاش پیدا کرتا اور وہ اسکی محنت اور کمائی پر گزر اوقات کرتے۔ ” او را غلامے بود نداف ہر روز یک درم بمولانا دادے“۔ لیکن اسکے برعکس خواجہ نظام الدین کی درگاہ میں لوگ اپنے غلام لاتے اور انہیں اللہ کی راہ میں آزاد کرتے - امیر حسن سجزی نے بھی اپنا ایک غلام آزاد کیا - خسرو کے بارے میں ہمیں علم نہیں کہ آیا انہوں نے بھی اس نیک کام میں کوئی پیشقدمی کی کہ نہیں لیکن انہوں نے غلاموں کے ساتھ اچھے سلوک کی تلقین ضرور کی ہے -

میں نے یہ چند باتیں خسرو کے قصائید سلسلے میں اس لئے کہی ہیں کہ ان کے بہت سے قصائید موعظت و حکمت اور عارفانہ خیالات کے ہیں اور اگر کسی کو یہ جاننا مقصود ہو کہ خسرو کے خیالات و عقائید ، الہیات ، سرالہ ، لا و الا کی تفسیر اور مسائل تصوف سے متعلق کیا تھے - تو اسکے لئے ان کے ان قصائید کا مطالعہ ضروری ہے - صرف غزلیات کے مطالعے سے ان کے ان عقائد تک رسائی نہیں ہوسکتی ہے - اور یہ بات میں پہلے ہی لکھ چکا ہوں کہ انکے کئی قصائد جامی اور علی شیر نوائی کے زمانے میں کلاسیکی قدر قیمت حاصل کرچکے تھے - جامی نے انکے صرف ایک قصیدے بحر الابرار ہی کا جواب نہیں لکھا بلکہ خسرو کے ایک اور قصیدے کا بھی جواب لکھا - جس

میں ان کی قصیدہ گوئی پر اپنی رائے کا اظہار بھی کیا ہے۔ خاقانی کا ایک معرکتہ الآرا قصیدہ مراۃ النظر ہے۔

دل من پیر تعلیم ست و من طفل زباندانش
دم تسلیم سر عشر و سر زانو دبستانش

اسکا جواب خسرو نے لکھا اور اسکا نام مراۃ الصفا رکھا جس میں یہ معرکۃ الآرا شعر نظم ہوا ہے۔

ز دریائے شہادت گرنہنگ لا برآرد سر
تیمم واجب آید نوح را در عین طوفانش

چنانچہ جامی نے خسرو کے اس قصیدے کے جواب میں اپنا قصیدہ ''جلاء الروح'' لکھا اور چند اشعار میں خاقانی اور خسرو کے قصائید پر ایک نہایت جامع محاکمہ بھی کیا ہے۔ کہ خاقانی نے دستر خوان لگایا۔ خسرو نے نمک چھڑکا اور میں نے مہمانوں کے ہاتھ دھلائے۔

سخن آں بود کز اول نہاد استاد خاقانی
بمہمان خانۂ گیتی پئے دانشوراں خوانش
چو در سیر معانی یافت خسرو آں خوان رو
ملاحتہائے او افگند شورے در نمکدانش
اگر امروز ایں خادم ز بحر شعر تر آبے
پئے دست و زباں شستن بیارد نیست تاوانش

خمسۂ خسرو پر ایک تنقیدی نظر۔

کسی ماڈل یا نمونے کو سامنے رکھکر اس پر طبع آزمائی کرنے کا مفہوم بجز اسکے اور کیا ہو سکتا ہے کہ استاد سے پنجہ کشی مقصود ہے۔ چنانچہ یہی جذبہ خسرو کے دل میں بھی تھا جب انہوں نے

خمسۂ نظامی کا جواب لکھنے کا تہیہ کیا تھا۔ مگر آخر یہ جذبہ ان کے دل میں پیدا ہی کیونکر ہوا کہ مجھے نظامی سے پنجہ کشی کرنی ہے۔ اس جذبے کی تاریخ قران السعدین سے شروع ہوتی ہے۔ قران السعدین خسرو کی ایک طبع زاد مثنوی ہے۔ لیکن چونکہ انہوں نے نظامی کے طرز میں یہ مثنوی لکھی، اور اس میں کہیں کہیں لاف و گزاف سے بھی کام لیا۔

نیست ز کس لولوئے لالائے من
ژرف بہ بیں در تہ دریائے من
نکتۂ من گوہر کان منست
زاں کسے نیست از آن منست

اس سے انکے حاسدین اور معترضین کو موقع ہاتھ آیا کہ نظامی کے حوالے سے وہ انکی تنقید و تنقیص کریں۔ ہر چند جو کچھ کہ انکے معترضین نے کہا وہ آج ہمارے سامنے نہیں ہے۔ لیکن خسرو نے جہاں اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ "اے نادان مثنوی تیرا میدان میں نظامی سے پختگی حاصل کر" اس سے اس امر کا اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے دل میں خمسۂ نظامی کا جواب لکھنے کا ارادہ اسی زمانے سے پختہ ہو رہا تھا، بالآخر وہ گھڑی آئی جبکہ انہوں نے خمسۂ نظامی کے جواب کے سلسلے کی پہلی مثنوی مطلع الانوار لکھی۔ خسرو کی مطلع الانوار، نظامی کی مخزن الاسرار سے خاصی آزاد ہے، اس میں مخزن الاسرار کا پیٹرن تو موجود ہے لیکن خیالات و افکار سارے خسرو کے اپنے ہیں، اور انکا علاقہ انکے اپنے عہد کی معاشرتی زندگی اور عقاید سے ہے۔ مگر شاعر کی یہ کمزوری ہوتی ہے کہ وہ اپنا موازنہ اور مقابلہ اساتذہ کے ساتھ کرنے سے چوکتا نہیں چنانچہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ انہوں نے مطلع الانوار میں بھی اپنا موازنہ اور مقابلہ نظامی سے کیا ہے اور اپنے اور نظامی کے درمیان صرف انیس بیس کا فرق بتایا ہے ص

ده دہی زر که از این بیش نیست
فرق بده یازده اش نیست
دیر شود پخته چنیں زود پخت
گرچه زنیٔ پخته ام این دود پخت*

جامی نے خسرو کے اسی دعوے کے پیش نظر یہ بات کہی ہے کہ جب خسرو نے نظامی سے پنجہ لڑایا تو انکا بازوئے فکر زخمی ہوگیا ۔ اور ان کے ہاتھ میں موتی نہیں بلکہ زر خالص آیا ۔ موتی اور زر خالص میں جو فرق قدر و قیمت کا ہے وہ واضح ہے ۔ چنانچہ جامی نے نہایت لطیف پیرائے میں خسرو کے اس خیال کی تردید کی ہے کہ خسرو اور نظامی کے درمیان فرق ، انیس بیس کا ہے یہ فرق انیس بیس کا نہیں بلکہ موتی اور زر خالص کا ہے ۔

ز ویرانهٔ گنجه شد گنج سنج   رسانید گنج سخن را به پنج
جو خسرو بداں پنجه هم پنجه شد   و زاں بازوئے فکرتش رنجه شد
کفش بود زاں گونه گوہر تہی   زرش ساخت لیکن زر ده دہی

مگر اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ جامی نے خسرو کو بہ حیثیت ایک استاد تسلیم نہیں کیا ہے ۔ جامی نے اپنی مثنوی لیلیٰ مجنوں میں جہاں خسرو کو ایک استاد کی حیثیت سے تسلیم کیا ہے وہاں نظامی اور خسرو کے فرق کو بھی واضح کیا ہے ۔ نظامی کا فن مجسمہ سازی کا ہے ، خسرو کا فن رنگ آمیزی کا ہے ۔ نظامی کے یہاں حقیقی تصویریں ہیں ، خسرو کے یہاں صنایع و بدایع ہیں ۔

ہر چند که پیش ازین دو استاد   از ملک سخن بلند بنیاد
در نکته وری زباں کشادند   داد سخن اندراں بدادند
ازگنجه چو گنج آں گوہر ریز   در ہند چو طوطیٔ ان شکر ریز

---

* مطلع الانوار ۔ ص ۔ ۲۰۲ مطبوعه ۔

آں مقرعہ زن، بگوش دعویٰ   ویں جلوہ دہ عروس معنیٰ
آں کندہ ز نقش در سنگ   ویں دادہ بحسن صنعتش رنگ
آں بردہ علم باوج اعزاز   ویں کردہ فسوں ساحری ساز

خسرو نے مطلع الانوار میں نظامی سے زور آزمائی خیال کی دنیا میں کی تھی۔ اور یہ کہکر آگے بڑھ گئے۔ کہ میں نے جو یہ ہانڈی دو ہفتے میں پکائی ہے اسکا بد ذایقہ ہونا ناگزیر تھا، کیونکہ ذایقہ پیدا کرنے کیلئے اسے مزید آنچ دینے کی ضرورت تھی۔ پھر بھی انیس بیس کا فرق ہے۔ لیکن جب وہ قصہ گوئی کے میدان میں اترے تو اس وقت انہیں یہ احساس مکمل طور سے ہوا کہ نظامی کیا ہیں، اور قصہ گوئی کیا شئے ہے۔ پھر اس وقت سے وہ مستقلاً ہر مثنوی میں نظامی کی مدح کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

سانی کہ قلم زن خیالست   مانند نبشتنش محالست

اور اگر جامی نے خسرو کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ ‘‘خمسہ’ نظامی را بہ از وے کس در جواب نگفتہ’’ تو یہ مدح نظامی کے مقابلے میں نہیں بلکہ بشمول اپنی ذات کے ان سارے شعراء کے مقابلے میں ہے جنہوں نے جامی کے وقت تک خمسہ’ نظامی کا جواب لکھا تھا۔ جامی نے جس وسعت قلب اور خندہ پیشانی کے ساتھ خسرو کی عظمت کو تسلیم کیا ہے اگر اسی وسعت قلب کیساتھ دور حاضر کے ایرانی محققین اور ناقدین بھی کام لیتے تو پھر اس جملے کے لکھنے کی چنداں ضرورت نہ رہتی۔ کہ ‘‘خسرو ہندوستان کے فارسی گو شعراء میں سب سے بڑے شاعر ہیں۔’’ بلکہ ان کا موازنہ و مقابلہ انکے معاصر ایرانی شعراء سے کرنا تھا۔ اور اگر یہ ممکن نہیں کیونکہ خسرو کا اسلوب ہندوستانی فارسی کا ہے تو پھر ہمیں کلاسیکی تنقید کو چھوڑ کر کم از کم خمسہ’ خسرو کا مطالعہ اس نقطہ’ نظر سے کرنا چاہئے کہ امیر خسرو نے ان مثنویوں میں کس حد تک ذاتی تصرفات سے کام لیا ہے، نظامی کے بیان کئے ہوئے قصے سے کہاں کہاں انحراف کیا ہے اورکس حد تک

ان کی مثنویاں ہندوستانی ماحول کی آئینہ دار ہیں اور مختلف موضوعات سے متعلق خسرو کے اپنے رویے کی ترجمانی کرتی ہیں۔ ابھی تک خمسۂ خسرو کا مطالعہ اس نقطۂ نظر سے نہیں کیا گیا ہے۔

ان مثنویوں میں خسرو نے جو مختلف حکایتیں لکھی ہیں اور ساقی نامے کہے ہیں، ان کی مدد سے بہت کچھ ان کے رویۂ حیات کی تشریح کیجاسکتی ہے - ہر چند کہ ایک صوفیانہ فکری رو ان کی ہر تصنیف میں ملتی ہے اور وہ بصارت سے زیادہ بصیرت پر زور دیتے ہیں - لیکن دنیا کو دیکھنے اور برتنے اور زیادہ سے زیادہ تجربات حاصل کرنے کی تلقین بھی کرتے ہیں۔

ز مردم ہمانست مردانگی
کہ سپرد جہاں را بفرزانگی
تماشائے این باغ رنگیں کند
بہر شربتے کام شیریں کند
جہاں ہرچہ پیش آرد از خاک و آب
ہماں آں پذیرد کہ بیند صواب *

بہر حال یہ تو ایک ضمنی سی بات ہوئی۔ میں جس بات کی طرف خاص طور سے متوجہ کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ ہمیں کلاسیکی تنقید کے دائرے سے باہر نکل کر اس نقطۂ نگاہ سے ان کی مثنویوں کو پرکھنا چاہیئے کہ وہ ان کے ذہن کی تخلیقات ہیں، ان کی شخصیت کی مہر ان پر ہے اور اُن میں جن خیالات اور جذبات کا اظہار کیا گیا ہے ان کا ایک علاقہ ان کے زمانے اور ماحول سے بھی ہے - اسکا اظہار بیشتر ان چھوٹی چھوٹی حکایتوں سے ہوتا ہے جو انہوں نے نظامی سے ہٹ کر لکھی ہے۔

---

* آئینۂ سکندری۔

خسرو کی غزل گوئی ۔

یوں تو خسرو نے ہر صنف سخن میں طبع آزمائی کی ھے ۔ لیکن جو مقبولیت کہ انہیں غزلگوئی میں حاصل ھوئی وہ دوسرے اصناف سخن میں ان کی مقبولیت سے سبقت لیگئی ۔ لیکن یہ رد عمل ہر زمانے میں یکساں نہیں رہا ھے ۔ جامی نے جسقدر زیادہ انکے عارفانہ قصائید اور ان مثنویوں کو سراہا ھے جو خمسہ ٔ نظامی کے جواب میں لکھی گئی ہیں ، اسقدر انکی غزلوں کو نہیں سراہا ھے ۔ ''غزلہائے او بواسطۂ معنی آشنائی کہ ارباب عشق و محبت ، حسب ذوق و وجدان خود را در می پابند مقبول ہمہ کس افتاد است" (بہارستان) پھر بھی انکی مقبولیت عام کو تسلیم کیا ھے ۔ اور خاقانی کی غزلوں سے بہتر بتایا ھے ، لیکن سعدی سے موازنہ اور مقابلہ کرنے سے گریز کیا ھے ۔ چنانچہ عمومی رائے بھی ھے کہ غزلگوئی ٔ میں جو مقام کہ سعدی کو نصیب ھے ، جو انکے ایک بزرگ معاصر تھے وہ نہ تو خسرو کو نصیب ھوا اور نہ امیر حسن علاء سجزی کو جو سعدی ٔ ہند کہلاتے ۔ ایسی صورت میں بالخصوص جبکہ خسرو قدم قدم پر ، اپنی لغزشوں کا ذکر بھی کرتے ہیں ، ''اما جابجا در غزل لغز لغزیدنی ہم است" * کس کے منھہ میں زبان ہے جو یہ کہ سکے کہ خسرو کی غزل استاد سعدی کی غزل سے افضل ھے ۔ سعدی ہر فن مولا ، فارسی غزل کے استاد اول ، انہیں کے خمخانۂ مستی سے کچھ شیرہ خسرو اور حسن دونوں نے اپنے اپنے ساغر معنی میں ڈالا ھے ۔ اور انہی کی پیروی غزل میں کی ھے ۔ خسرو نے سعدی کی زمین میں کم و بیش ۵۰ غزلیں کہی ہیں اور اگر تلاش کیا جائے تو خسرو کی پچاس مزید غزلیں ، دوسرے اساتذہ کی زمین میں کہی ھوئی مل سکتی ہیں ، ۔ لیکن خسرو نے تو مجموعی حیثیت سے کم و بیش دو ھزار

---

* دیباچۂ غرۃ الکمال ۔

غزلیں کہی ہیں - کیا یہ ساری غزلیں سعدی کے رنگ میں ہیں؟ - یا کمال اسمعیل اصفہانی اور خاقانی کے رنگ میں ہیں؟- یہ بات وہی کہ سکتا ھے جس نے یا تو خسرو کی تمام غزلوں کو پڑھا نہیں ھے یا پھر ان اساتذہ کی غزلوں کے رنگ سخن سے نا واقف ھے - ایسی صورت میں ہمیں یہ دیکھنا نہیں ھے کہ خسرو نے کتنی غزلیں کن کن اساتذہ کی زمین میں کہی ھیں بلکہ یہ دیکھنا ھے کہ خسرو کا اپنا رنگ کلام کیا ھے - اور وہ کیونکر سعدی سے منفرد ھیں - اور انکی غزلوں میں جس جذبے اور خیال کا اظہار ھوا ھے - اسکا تعلق خسرو کی اپنی زندگی اور انکے معاشرے کی زندگی سے کیا ھے - خسرو ایک بسیار گو شاعر تھے ، جتنی غزلیں کہ خسرو نے کہی ھیں اتنی فارسی زبان کے کسی ایک شاعر نے نہیں کہی ھیں ، اور ھرچند کہ یہ بات بھی کہی جاتی ھے - کہ انہوں نے اپنے غزلوں کا انتخاب بھی کیا تھا ، لیکن چونکہ اسکی کوئی سند نہیں ھے اسلئے یہ بات یقین کیساتھ نہیں کہی جاسکتی ھے کہ انکا اپنا کوئی انتخاب کردہ دیوان بھی ھے - ایسی صورت میں ہمیں اسکی توقع کرنی نہ چاہئے کہ انکا سارا کلام منتخب ھوگا - اسکے برعکس اُن کے کلام میں رطب ویابس ، پستی اور بلندی کا پایا جانا لازمی ھے - اور آج جبکہ ان کی ساری غزلیات ھمارے سامنے ھیں ، انکے کلام کا انتخاب کوئی بھی شخص اپنے وجدان اور ذوق کی مناسبت سے کر سکتا ھے - اور پھر اس منتخب کلام کے پیش نظر اپنی تنقیدی رائے بھی دے سکتا ھے - لیکن میں نے اس مضمون میں اپنے لئے یہ راستہ منتخب نہیں کیا ھے - اسکا سبب یہ ھے کہ دور حاضر کو ابھی خسرو کو دریافت کرنا ھے - آپ کہیں گے کہ خسرو کا نام تو ھر گھر میں لیا جاتا ہے ، لیکن جس حیثیت سے انکا نام لیا جاتا ھے - اس سے عقیدت اور مقبولیت کا اظہار تو ہوتا ھے - لیکن ان کی شخصیت کا تاریخی کردار سامنے نہیں آتا ھے - وطنیت اور قومیت کی تحریک کے جلو میں کبھی کبھی ان کی حب الوطنی کو ضرور ابھارا گیا ھے اور اس بات پر بھی زور دیا گیا ھے - ان کی شخصیت دو تہذیبوں

کا سنگم تھی ، جسکا جیتا جاگتا ثبوت وہ اُردو زبان ھے جس نے ان کی ہندوی شاعری سے جلاء حاصل کی ھے اور خسرو وہ پہلے شاعر ہیں جنہوں نے اس زبان میں شعر کہنے پر فخر کیا ھے ۔ اور اس بات کی طرف خاص طور سے متوجہ کیا ھے کہ اگر نغز گوئی دیکھنا ھو تو میرا ہندوی کلام دیکھو نہ کہ فارسی یا عربی کا کلام۔ بعض حلقوں میں ان کی گائیکی ، راگ راگنیوں کا بھی پرچار ھوا ہے۔ یہ بات اپنی جگہ پر درست ھے ہیں ، کہ خسرو کو نظر انداز نہیں کیا گیا ھے ۔ اور انکے بارے میں کچھ نہ کچھ واقفیت عام ھے ۔ لیکن اسکے باوجود میں یہ کہنا چاہونگا کہ ابھی ھم انکے افکار کی دنیا سے بیشتر نابلد ہیں، ھم نے انکے افکار کو اس طرح دریافت نہیں کیا ھے جس طرح کہ ھم نے غالب کے افکار کو دریافت کیا ھے ۔

جس زمانے میں کہ حالی نے غالب کو دریافت کرنے کی مہم کا آغاز کیا ۔ تو انہوں نے بھی اس خدشے کو شدت کے ساتھ محسوس کیا تھا کہ کہیں اس مہم میں غالب کی صحیح تصویر اُبھر نہ آئے اور جو پردہ کہ ھم نے انکی تصویر پر ڈال رکھا ھے وہ اُٹھ نہ جائے۔ حالی کا یہ خدشہ صحیح ثابت ھوا ۔ لیکن اس سے غالب کی مقبولیت میں کمی نہیں بلکہ اضافہ ہی ھوا اور پھر ان کے خیالات کی گیرائی اور گہرائی کے سمجھنے میں بھی آسانی ھوئی ، حالی اور عبدالرحمن بجنوری نے جہاں غالب کو چھوڑا تھا ، اس سے آج ھم بہت آگے کی منزل میں ہیں ۔ یہ کہا جاسکتا ھے کہ غالب ایک مفکر شاعر تھے اور خسرو ایک مفکر شاعر نہیں ، انکے کلام میں فکر کم، جذبہ زیادہ ہے۔ فرض کیجئے کہ ایسا ہی ہے تو اسکے لئے بھی ان کی فکر اور جذبے کا احاطہ کرنا ضروری ھے ۔ کیا ابتک کوئی ایسی کتاب لکھی گئی ھے جس میں انکی شاعری پر سیر حاصل بحث ہوی ھے ۔ اور پورے صغیر ہند و پاک میں آج کتنے لوگ ایسے ھوں گے جو یہ کرسکیں کہ ھم نے خسرو کا سارا کلام دیکھا ھے اور اس کے معانی و مطالب پر غور کیا ھے ۔ ھم نے ان کے عہد کے افکار

کی سیر کی ہے ، اس زمانے کی سماجی مسائل اور فکری تحریکات کا بغور مطالعہ کیا ہے - اور خسرو کا مطالعہ ان کے عہد سے نسبت دیکر بھی کیا ہے - اگر اسکا جواب نفی میں ہے - تو مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجیئے کہ ہم ابھی تک ہم سے مراد خسرو پر لکھنے والوں سے ہے ، ایک ایسی جماعت سے تعلق رکھتے ہیں جو جہان خسرو کا ادھر ادھر سے جایزہ لے رہی ہے اور میدان میں ابھی اتری نہیں ہے - ایسی صورت میں قبل اسکے کہ میں انکی غزلوں کی جمالیاتی تقریظ پیش کروں - ان کے افکار کا جایزہ لینا ضروری سمجھتا ہوں - بالخصوص ایسی صورت میں جبکہ میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ خسرو کی غزلیات خیالات انگیز ہیں ، وہ ایسی دھان پان نہیں جو خیال کی متحمل نہ ہوسکیں ، انکا تانا بانا سورج کی شعاؤں سے بنا گیا ہے نہ کہ چاند کی کرنوں سے ان کی غزلوں میں جہاں ایک اثر خواب ہے وہاں ایک زمزمۂ بیداری بھی ہے -

خسرو کی یہ غزلیں بنیادی حیثیت سے جذبۂ عشق کی ہیں ، لیکن اس کے پیچھے انکا ایک فلسفۂ عشق بھی ہے - خسرو نے صوفیانہ روش غزلگوئی کو ترک کرکے ، جو عطار اور سنائی کی روش ہے اور جنکی غزلوں میں مسائل تصوف کو بیان کیا گیا ہے نہ کہ تجربات عشق کو ، ایک ایسے اسلوب کو آزمایا جو سعدی کے ہاں خسرو سے پہلے اور پھر حافظ کے یہاں خسرو کے بعد ملتا ہے - آج نہیں تو کل دنیا اس بات کو تسلیم کریگی ، کہ حافظ کی غزل کا خمیر خسرو نے اٹھایا تھا ، اور جو مئے کہ کبھی خمخانۂ شیراز سے خسرو نے اڑائی تھی ، اسے حافظ شیرازی نے بتوسط خسرو دوبارہ حاصل کی - میں یہاں حافظ کی ان غزلوں کی طرف اشارہ نہیں کر رہا ہوں جو انہوں نے خسرو کی زمین میں کہی ہیں ، کہیں ہم قافیہ تو کہیں قافیہ بدل کر ، بلکہ خسرو کی اس آواز کی طرف جسکی گونج حافظ کی غزلوں میں تیرتی ہوئی محسوس ہوتی ہے - ص

مست و لایعقل گزشتم از در میخانہ دوش
سالکے دیدم نشستہ پیش پیر مئے فروش
گشتہ از دنیا و مافیہا بہ کلی اختیار
از پئے یک جرعۂ مئے برباد دادہ عقل و ہوش
مطرباں افتادہ بیخود ہر یکے بر یک طرف
از نفیر آسودہ چنگ وز فغاں بربط خموش
خواستم تا بگزرم زاں در کہ ناگہ از دروں
چشم سالک بر من افتاد و در آمد خروش
گفت اے غافل کجائی چند گردی ہر طرف
بگزر از خویش و در آور شرب ما، یک جرعہ نوش
تو ہم از دردی کشاں شو در خرابات مغان
تا بیابی ہرچہ خواہی، این نصیحت دارگوش *

حافظ کی شاعری خسرو کی اسی آواز کی پروردہ ہے۔ حافظ کی لئے زیادہ شیرین اور دلکش ہے لیکن اصلاً وہ خسرو ھی کی آواز کی پروردہ ہے۔ ما وراء النہری صوفیوں نے بہت چاہا کہ خسرو حدیث زلف و خال میں پھنسے رہیں او مئے مغانہ کی روایت میں بہ نہ جائیں، جو زندگی کو ہاں کہتی ہے، اسکی لذتوں کو عطیۂ خداوندی کی حیثیت سے قبول کرتی ہے اور جو وجودک ذنب کا نعرہ نہیں لگاتی بلکہ زندگی کو وجود حقیقی کا جزو بتاتی ہے۔ اور اس طرح انسان کو بلندی و عظمت کے درجات پر فائز کرتی ہے۔

رسید دوش ندائے از این بلند رواق
کہ اے مقیم زوایائی شہر بند فراق
درین حضیض چراگشتہ ای چنین محبوس
گزر چو طائر قدسی ز اوج این، نہ طاق

---

* کلیات غزلیات خسرو - ج - سوم - لاھور

منافقند و ریائی، جمیع اہل شہر
بیا بہ صحبت یاران بے ریا و نفاق
ترا بہ روز ازل با حبیب عہدے بود
چہ آمدت کہ فراموش کردہ ای میثاق
مرو بہ قول مخالف بہ ہرزہ راہ حجاز
و گر نہ راہ نیابی بہ پردۂ عشاق
کسے کہ مسکن اصلیش عالم علویست
چہ می کند بہ خراساں، چہ می رود بہ عراق
ز خویش بگزر و باز آئ سوئے ما، خسرو
کہ نیست خوشتر از ایں جائے در ہمہ آفاق

خسرو کی اس عرفانیات میں چونکہ خدا متضمن بہ فطرت ہے: وہ خلق یا اپنی صفات سے جدا نہیں اس لئے ہر صنم میں اس کا جلوہ ہے۔

مخواں بہ قبلہ ام اے پارسا، روا داری
کہ تو ھو اللہ گوئی و من صنم گویم
مسلمانی ہمہ در باختم در کار بت رویاں
ببینید اے مسلماں کہ من دیں درچہ می بازم

طاعت و بندگی، زہد و پارسائی، خوف دوزخ، تحریص جنت، حشر و نشر، سوال و جواب، خدا رسی کی ایک راہ ہے، دوسری راہ، عاشقی و بیخودی، آرزوئے وصل، رضا جوئی محبوب، فنا فی اللہ اور بقا با اللہ کی ہے۔ ایک کا سفر حادثۂ زمانی، لوح جہاں پر ایک حرف نا مکرر ع لکھکر زمیں پر نام ہمارا مٹا دیا۔ دوسرے کا سفر "میں سے میں" کی طرف ہے

اپنی ہی سیر کرنے ہم جلوہ گر ہوئے تھے
اس رمز کو و لیکن معدود جانتے ہیں۔

ایک کا سفر اپنی ہی ذات میں ع آپی آپ آ کر اپنے میں گم ہوئے ہیں دوسرے کا سفر اپنی ذات سے باہر، دیر و حرم میں۔ ایک کا وقت نا آغاز سے نا انجام تک، ایک ناقابل تقسیم آن واحد۔ دوسرے کا وقت فانی۔ جسکا ایک آغاز اور ایک انجام۔ ایک کا مکان منسلک زماں جس میں نہ قربت ہے نہ دوری، دوسرے کا مکاں، تمامتر فصل تمامتر دوری، مکان و لا مکاں میں منقسم۔ ایک اپنے خالق سے آفتاب اور شعاع کے رشتے میں منسلک، دوسرا تمامتر ظل، دور بیٹھا غبار کے مثل۔ ایک اس کے آئینۂ صورت میں، اضافت کش نفس اللہی، دوسرا ایک اجنبی بیگانۂ معنی۔ ایک کو ہر بشر محترم کہ، ایک ہی آئینے کے صد پارے جو اسکے روبرو ٹوٹا۔ دوسرا گرفتار رسوم و قیود و تفریق کیش و ملت، ایک کو ہر مکاں محترم کہ کوئی مکاں اس سے خالی نہیں۔ دوسرے کو اسکے مکاں کی تلاش۔ خسرو کا مسلک واضح ہے پھر بھی وہ رواداری کا قایل ہے۔ پارسا کو کافر نہیں کہتا۔ رواداری ہو تو ایسی ہو ؎

مخواں بہ قبلہ ام اے پارسا روا داری
کہ تو ہو اللہ گوئی و من صنم گویم

اور پھر اسی نسبت سے خسرو کی یہ نوائے رندی و قلندری ہے ؎

بیا کہ بزم طرب را چمن نہاد اساس
بیا کہ باد صبا گشت عیسوی انفاس
بنوش بادۂ گگوں بہ طرف باغ کہ من
ز پا فتادہ ام، از دست محنت افلاس
کسے ز چہرۂ مقصود خود نیافت نشاں
از آں زماں کہ نہادند سرنگوں ایں کاس
بہ راہ کعبہ کہ از ہر طرف کمیں گاہیست
اگر ز خویش گزشتی، قدم منہ بہ ہراس

کسے به دلق مرقع کجا شود درویش
چوں سینه صاف نباشد، چه سود ترک لباس
حدیث دوزخ و جنت، دگر مگو خسرو
وصال یار طلب کن ۔ گزر از ایں وسواس

وقت آنست که ما رو به خرابات نهیم
چند بر زرق و ریا نام مناجات نهیم
گر فروشیم مصلا ز پئے مئے، به از آنک
رخت تزویر به بازار مکافات نهیم
مست گر پائے به لغزد، چو در آں ثابت پاست
دیده بر پائش به صد عذر و مراعات نهیم
عاشق صورت خوبیم که خلقے همه سر
بر در کعبه و ما بر قدم لات نهیم
دل خسرو که همه شیشهٔ مئے می سنجد
سنگ قلب است که در پلهٔ طاعات نهیم

ترک هر مذهب گرفتم، زانکه نزد پیر دیر
ذکر مذهب لاابالی، ز اختلاف مذهب است

ساقیا مئے ده که امروزم سر دیوانگیست
جام پرگرداں، که سرگم در تهی پیمانگیست
من به رغبت جاں دهم تا رحمت آری برتنم
ایں عنایت درمیان دوستاں بیگانگیست
زاهدا تعویذ خود ضایع مکن بر من از آنک
عشق من ضایع بخواهد شد که دیو خانگیست
بسکه در زنجیر خوبانم مسلسل شد سخن
هر غزل از دفتر من مایهٔ دیوانگیست

طعنہ ہائے دشمناں، مشتاق را تاج سر است
نام رسوائی بہ کوئے عاشقاں فرزانگیست
نیست آں مردانگی کاندر غزا کافر کشی
در صف عشاق خود را کشتن از مردانگیست

ابھی ہماری معلومات خسرو کی زندگی سے متعلق اتنی وسیع اور گہری نہیں ہیں کہ ہم انکی شخصیت کے بارے میں کوئی دو ٹک بات کہہ سکیں۔ بظاہر تو ایسا ہی محسوس ہوتا ہے کہ انکی شخصیت عمودی اور افقی دونوں حیثیت سے منقسم سی تھی۔ وہ نصف ترکی اور نصف ہندی تھے، اور داغ غلامی کا غم انہیں دونوں طرف سے تھا۔ لیکن وہ خود غلام نہ تھے۔ وہ اس زمانے کی اصطلاح میں حر تھے - خدمت شاہ کرنے یا نہ کرنے میں وہ آزاد تھے اور اگر انہوں نے ایک درباری کا کیریئر منتخب کیا، تو یہ انکے اپنے انتخاب کا نتیجہ تھا، وہ کوئی دوسرا کیریئر، بھی منتخب کر سکتے تھے۔ یا شیخ نظام الدین کی طرح صوفی بھی بن سکتے تھے - اور اگر اس محدود آزادی کی فضا میں انہوں نے درباری زندگی یا ندیمی کی ملازمت کو اپنایا، تو اس میں خارجی دباؤ، انکے خاندان کے دباؤ کو تو دخل ہو سکتا ہے۔ لیکن کوئی اندرونی دباؤ نہ تھا، چنانچہ یہی سبب ہے کہ وہ سلاطین کی مدح سرائی سے متنفر رہتے۔ ایک پیہم جنگ انکی شخصیت میں، مدح سرائی اور کذب گوئی کے خلاف نظر آتی ہے، اور وہ اسکی تلافی غزل کی دنیا میں اپنی آزاد شخصیت کے اظہار سے کرتے ہیں - انکی شخصیت میں یہ جنگ جو ایک طرف آزادہ روی، آزاد طبعی، اور دوسری طرف سلطان وقت کے سامنے کمر بستہ ملازمت میں کھڑے رہنے کے درمیان تھی اسکا اظہار انکی مثنویوں میں کئی جگہوں میں ہوا ہے۔ وہ ایک جگہ علاءالدین کو مخاطب کرکے یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں، کہ جو لہو کہ مجھ میں گردش کر رہا ہے وہی حضور والا کی رگوں میں بھی دوڑ رہا ہے، فرق یہ ہے کہ آپ کو اللہ نے بادشاہ اور مجھکو محتاج بنایا۔

وہ اپنی مثنوی آئینہ سکندری میں آیۂ ان الملوک کی تفسیر لکھتے ہوئے بادشاہوں کو رحمدل ہونے کی تلقین کرتے ہیں اور مطلع الانوار تو اس قسم کی نصیحتوں سے بھری ہوئی ہے۔

تاجوراں راست کرم خاص و عام   از پی نیکی ست نہ از بہر نام
پیشۂ قصاب چو گیرد شباں   گرگ مسلماں شود و بے زیاں
قدر من از قدر تو گر اند کیست   خون من و تو بجراحت یکیست
ہرچہ کہ بر خویش نداری روا   بر دگرے نیز نباشد روا

اور انہیں خیالات کے رد عمل میں اپنی ایک غزل میں ''مفلسی از پادشاہی خوشتر است'' کی رجز خوانی کرتے ہیں ؎

مفلسی از پادشاہی خوشتر است
مفسدی از پارسائی خوشتر است
بادشاہی راست، درد سر ولے
چوں نگہ کردم گدائی خوشتر است
پادشاہاں چوں بہ خود ندہند راہ
یا فقیراں بے نوائی خوشتر است

جسطرح خسرو کی یہ گدائی ملوکیت کے رد عمل میں تھی، اسی طرح انکا کیش عاشقی اور صنم پرستی بھی کافر کشی، تفریق اُمم، اور مدعیان دین و ملت کی زرق سازی کے رد عمل میں تھا۔ انہوں نے نہ تو کہیں اپنے کو پارسا ظاہر کیا ہے اور نہ صوفیت بگھاری ہے بلکہ ہمیشہ اپنے ایک رند اور قلندر ہونے پر فخر کیا ہے۔

مجھے اس امر کا ادعا نہیں کہ میں خسرو کی درباری زندگی اور انکے ذوق قلندری کے درمیان کوئی مطابقت تلاش کر سکا ہوں۔ لیکن اس سلسلے میں جو ایک آدھ بات میرے ذہن میں ابھرتی ہے اسکو بیان کرنے میں کوئی ایسا مضایقہ بھی نہیں، کسی بشر کے دل کا حال

خدا ہی جانتا ھے لیکن ظاھری اسباب کی بنیاد پر انسان قیاس آرائی سے چوکتا بھی نہیں ۔

یہ بیان خود بو علی قلندر پانی پتی کا اپنا ھے کہ جلال الدین خلجی اور علاءالدین خاجی یہ دونوں سلاطین میرے مرید تھے (گلزار ابرار) سوال یہ ھے کہ ان دونوں سلاطین نے بو علی شاہ قلندر میں کونسی ایسی شے دیکھی جو انکے مرید ھوگئے ۔ قیاس اس کا یہ سبب بتاتا ھے کہ چونکہ شاہ جی شریعت کی پابندیوں سے آزاد تھے ۔ وہ کہا کرتے کہ خدا نے مجھے فرض اور رسول نے سنت بخش دی ھے ۔ اسلئے ان دونوں سلاطین کو انکی یہ آزادہ روی، انکی اپنی اپنی نجی زندگی اور مطلق العنانیت کے پیش نظر بہت پسند تھی ۔ دوسرا سبب یہ ھوسکتا کے کہ ھندوستان کے ایسے ایک کثیر الادیان ملک پر حکومت کرنے کیلئے جس قسم کی مذھبی رواداری کی ضرورت سلاطین دھلی محسوس کرتے، اس کا کامل نمونہ انہیں شاہ جی کی زندگی میں ملتا ۔ تیسرا سبب یہ ھوسکتا ھے کہ چونکہ سلاطین، صوفیوں اور قلندروں کے کشف و کرامات اور علم الغیب کے قایل ھوا کرتے وہ اپنی مشکل گھڑیوں میں انکی طرف رجوع کیا کرتے ۔ اُن سے بشارت اور دعائے خیر کے طالب ھوا کرتے ۔ چوتھا سبب یہ ھوسکتا ھے کہ چونکہ وہ انہیں مجذوب اور خدا رسیدہ تصور کرتے، اور خود انکی اپنی جھولی میں عاقبت کیلئے زادراہ بہت تھوڑا ھوتا ۔ جیسی کہ ان کی فاسقانہ زندگی تھی اس کا علم سبھی کو ھے ، وہ ان کے توسط سے اپنی نجات کی امید بھی رکھتے ۔ جب ھم ان باتوں کی روشنی میں اپنے ذھن کو سلاطین سے ھٹا کر خسرو کی طرف موڑتے ہیں تو یہ سوال لازمی طور سے ھمارے ذھن میں اٹھتا ھے کہ کیا یہی اسباب ، کسی قدر، کمتر سطح پر، خسرو کی پیر پرستی اور ذوق قلندری کے نہ تھے ۔ صدیوں کے تجربے کے بعد مولانا الطاف حسین حالی نے یہ بات بخوبی محسوس کرلی تھی کہ مسلمانوں میں جو کیش رندی ، یا مذھب سے بے التفاتی کا رجحان ھے اس کا سد باب اسی وقت ھوسکتا ھے جبکہ اسلام کو ایک

آسان دین کی حیثیت سے پیش کیا جائے، اور اس ترہیب اور ترغیب کو دور رکھا جائے جس سے ماضی میں کام لیا جاتا، چنانچہ آج دنیائے اسلام کے ان ملکوں میں جنکو ترقی پذیر کہا جاتا ہے اسی پر عمل کیا جارہا ہے - وہ جہاں اسلام کو ایک طرف جمہوریت، سوشلزم اور سایئنس سے مطابقت دے رہے ہیں وہاں دوسری طرف اسلام کو ایک آسان دین کی حیثیت سے بھی پیش کر رہے ہیں۔ زیادہ خوف دلانے سے آدمی بھاگ جایا بھی کرتا ہے - میں سمجھتا ہوں کہ اس زمانے کے وحدت الوجودی صوفیوں اور قلندروں نے یہی کام کیا کہ انہوں نے اسلام کو ایک آسان دین کی حیثیت سے پیش کیا اور لا اکراہ فی الدین پر زور دیا۔ شیخ نظام الدین اولیاء صوفی تھے نہ کہ قلندر لیکن وہ بھی یہی کہا کرتے کہ ''تصوف ترک دنیا کا نام نہیں بلکہ عشق الٰہی میں دیدۂ نمناک رکھنے کا نام ہے۔'' (سیرالاولیا)۔

خسرو کی درباری اور نجی زندگی خواہ کچھ بھی رہی ہو، اس میں شبہہ نہیں کہ وہ عشق الٰہی میں ایک دیدۂ نمناک رکھتے تھے۔ انکا تصوف صرف اسی حد تک تھا۔* لیکن چونکہ وہ ایک رند باصفا تھے، آزادہ روی اور مذہبی رواداری کے قایل تھے، انہیں ایک صوفی سے زیاد ایک قلندر سمجھنا چاہئے - لیکن انکی قلندری، ترک دنیا کی نہیں بلکہ ان اقدار کی تھی جنکا ذکر اوپر کیا گیا - انکا اپنا ایک منفرد اسلوب قلندری ہے وہ عشق الٰہی کو، منافیٔ تحصیل ذات نہ سمجھتے - اسکے عشق میں از خود رفتہ ہونا، انکے نزدیک اس کے عطیات کو لوٹا دینے کے مترادف

---

* بہ پیرے نکو ناید الا دو چیز ‏ ‏ یکے گوشہ گیری دگر توبہ نیز
بس از توبۂ من کہ در هیچ ساز ‏ ‏ روا نیست نا بالغاں را نماز
وگر گوشۂ خالی کنم بہر بود ‏ ‏ چو بازار دل نیست خالی چہ سود
بہ پیغولہ بودن کسے را رواست ‏ ‏ کش از گلشن قدس برگ و نواست
(سکندر نامۂ خسروی)

نہیں ہے ۔ ہم ماضی میں جس قسم کے تصوف سے آشنا رہے ہیں ، اس میں منفی اقدار، ترک دنیا وغیرہ پر اس قدر زیادہ زور دیا گیا ، کہ ہمارا ذہن اس بات کی طرف جاتا ہی نہیں کہ تصوف کا صحیح علاقہ ترک دنیا سے نہیں بلکہ خدا شناسی اور عرفان ذات سے ہے ، عرفان ذات، جو خدا شناسی کی اعلیٰ ترین صورت ہے کم مائیگیٔ حیات میں نہیں بلکہ سیرابیٔ حیات میں ہے ۔ جو کوئی زندگی کی گوناگوں لذتوں ، کیفیتوں اور تجربات سے نا آشنا رہا ہو وہ اپنی ذات کو بھلا کیا سمجھ سکتا ہے ۔ کچھ صوفیوں نے وجود کو شر قرار دیا ہے اور وجودک ذنب کا ورد کیا ہے اور کچھ صوفیوں نے زندگی کو عطیۂ خدا وندی قرار دیا ہے ۔ خسرو نے وجودک ذنب کی تردید کی اور توجد ذات کی سر خوشی میں نغمہ سرا رہے ۔ انہوں نے زندگی کا ہاں کہا اور تجدید حیات کی آرزو کی نہ کہ اسکی نفی ۔

اس میں شبہہ نہیں کہ خسرو کی زندگی میں بھی اندوہ و غم تھا زہرناکیٔ حیات تھی ۔ تذلیل شخصیت اور انسان کی بے حرمتی عام تھی ۔ اور گردو پیش کی دنیا میں ریا کاری اور نفاق کی گرم بازاری تھی ۔ چنانچہ انہوں نے اپنی شاعری میں طرح طرح کے غموں کا اظہار کیا ہے ۔ مگر انہوں نے کہیں بھی صبر اور امید کا دامن اپنے ہاتھ سے نہیں نہیں چھوڑا ہے ؎

شب ہجراں درازست ارچہ خسرو
مشو غمگیں کہ امید سحر است ۔

غم مخور اے دل کہ باز ایام شادی ہم رسد
ہر کجا دردیست آں را عاقبت مرہم رسد
گاؤ و خر را از غم و شادیٔ عالم ، بہرہ نیست
خاص بہر آدم ست ار شادی و ار غم رسد ۔

خوشی اور غم کا ساتھ چولی دامن کا ہے۔ جسطرح ہر رات کی ایک سحر ہے اسیطرح ہر غم کے بعد خوشی ہے اور انسان کی زندگی میں یہ دونوں کیفیتیں ازلی اور ابدی ہیں۔ زندگی کتنی حسین اور کتنی مختصر، سلسلۂ آمد و شد، ابھی ہے ابھی نہیں ہے۔ کس میں یہ قوت جو رخش زمانہ کو لگام دے، اسے روکے یا ٹھہرائے۔ کیا یہ مظہر ہستی حزن انگیز نہیں؟ خسرو کا دل بھی زندگی کی اس المناکی سے لبریز ہے، لیکن وہ کسی قسم کی یاسیت پھیلانے کے بجائے اپنی نظر بلند رکھتے ہیں، اور انسان کی اس کبریائی کی آرزو کرتے ہیں جو اس صورت حال پر اسے غالب کرسکے ؎

اے دل از ایں خرابۂ وحشت کرانہ گیر
رو بہ فراز کنگر عرش آشیانہ گیر
سنگ گران خود بہ ترازوئے ہمت آر
ہر دو جہاں بہ وزن دو خشخاش دانہ گیر
رخش زمانہ نزد تو، خواہی قرار عمر
گر قوتیت ہست، عنان زمانہ گیر

خسرو کی نوائے قلندری کا ایک رخ تو یہ ہے جو عرفانیات سے تعلق رکھتا ہے۔ اسکا دوسرا رخ دوزخ اور بہشت سے انکار اور شادمانئ امروز سے تعلق رکھتا ہے۔ ؎

می نوش کہ دور شادمانیست
خوش باش کہ روز کامرانیست
سر بر مکش از شراب کایام
از تیغ اجل بر سر فشانیست

من با نقد امروز با وصل بتانم در بہشت
زاہدہ بیچارہ، در دل وعدۂ فردا گرفت

مارا چه غم امروز که معشوق به کام است
عالم به مراد دل و اقبال غلام است
صدے که دل خلق جہاں بود به دامش
المنة لله که امروز بدام است
از طاق دو ابروئے تو اے کعبہ' مقصود
خلقے به گمانند که تا کعبه کدام است

میں نے خسرو کے یہ چند اشعار اس غرض سے پیش کئے ہیں، کہ ہمیں خسرو کے رویہ' حیات اور ان اقدار کا علم ہوسکے جس میں وہ ایمان اور عقیدہ رکھتے۔ اچھے شاعر کے لئے کوئی بڑا مفکر ہونا ضروری نہیں، لیکن کسی بڑے شاعر کی عظمت کو اسکے افکار ہی کے حوالے سے سمجھا جاسکتا ھے۔ عظمت بذات خود ایک اضافی تصور ھے۔ اسے زمان و مکان سے رشتہ دیکر ہی سمجھا جاسکتا ہے، خسرو کی عظمت اس بات میں ھے کہ انہوں نے اپنے عہد کے تضادات اور اپنے معاشرے کی روحانی کشمش کو اپنے جذبات عشق میں سمودیا ھے۔ اور اپنے جذبات اور خیالات یا اپنی پوری شخصیت کا زور اس انسانیت کی تشکیل کے حق میں صرف کیا ھے جو مختلف ادیان کی باھمی زیست سے اس وقت ابھر رہی تھی۔ اس نئی انسانیت کی ائیڈیالوجی پر ایک ایسا صوفیانہ غلاف پڑا ھوا تھا کہ اس کی اصل صورت دھندلائی ھوئی تھی، لیکن اسکا جذ به شدید اور اسکی اسپرٹ واضح تھی۔

ع تو برائے وصل کردن آمدی نی برائے فصل۔

خسرو غزل گوئی میں صوفیانہ طرز کو بلکل پسند نہ کرتے، غزل انکے لئے اظہار جذبہ کی شئے تھی نہ کہ خیال بندی اور تمثیل نگاری کی شئے۔ قصائید کی دنیا میں انہوں نے بیشک ایسے شعراء کی پیروی کی جو معنی افرینی اور خیال بندی پر زور دیتے لیکن غزل کی دنیا میں وہ کسی ایسے شاعر کی تلاش میں تھے جو یا تو زلف و خال اور مئے

مغانہ کی روایت میں گفتگو کرتا ہو یا پھر ایک ایسی سادہ زبان میں جو سننے والوں کے دل میں براہ راست اترتی ہو۔ ان کی پسندیدگی سعدی کی غزلیات سے اسی سادگی کے باعث تھی۔ لیکن جیسا کہ میں نے شروع میں کہا، خسرو کو صرف سعدی اور کمال اسمعیل اصفہانی کی غزلوں کے حوالے سے سمجھنا درست نہ ہوگا انکی روش اس سلسلے میں بہ الفاظ غالب یہ تھی ؂

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر تیز رو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

سعدی نے انکی رہنمائی بیشک کی، لیکن جس حد تک کہ سعدی کی غزلوں میں سوز و گداز اور جوش و خروش کی کمی ہے، خسرو کو اپنا راستہ خود نکالنا پڑا، اگر انہوں نے اپنی کسر نفسی سے یہ بات کہی ہے کہ میں غزل میں پیرو سعدی ہوں اور کسی طرز خاص کا موجد نہیں تو اسکے یہ معنی نہیں کہ ہم انہیں انکے اپنے الفاظ پر پکڑ لیں۔ یہ صحیح ہے کہ خسرو کسی طرز خاص کے موجد نہیں۔ لیکن انکی انفرادیت اس بات سے ابھرتی ہے کہ وہ حافظ کی غزلگوئی کے پیش رو ہیں، اور اگر حافظ نے انکی بنیاد پر ایک حسین عمارت تعمیر کی تو اسکے یہ معنی نہیں کہ خسرو کا کارنامہ حافظ سے کم ہے، سعدی اور حافظ کے درمیان خسرو ایک پل کی حیثیت رکھتے ہیں، اگر خسرو کی غزلوں کی قوس قزح نہ ہوتی تو حافظ کی بیت الغزل کا محراب تعمیر نہ ہوسکتا۔

تتاریوں کے حملوں نے فارسی شاعری کے فطری ارتقا کی رفتار کو ایران و خراسان اور ماوراء النہر میں شدید صدمہ پہونچایا، مگر چونکہ ہندوستان، تتاریوں کے غلبے سے نہ کہ حملوں سے محفوظ رہا، سامانی اور غزنوی عہد کی شعری روایت یہاں پروان چڑھتی رہی۔ اور اگر ہم صرف غزل گو شعراء کو سامنے رکھیں تو تیرھویں صدی عیسوی میں جہاں سعدی سر فہرست نظر آتے ہیں وہاں انکے پیچھے پیچھے ایران

و خراسان کا کوئی شاعر نہیں بلکہ خسرو اور حسن دہلوی نظر آتے ہیں۔ یہاں عراقی اور شمس تبریز کی غزلوں کا ذکر کیا جا سکتا ہے لیکن انکے یہاں عرفانیات کا رنگ غالب آگیا ہے اور پردہ' مجاز کی رنگینی مضمحل سی ہوگئی ہے - خود خسرو نے اپنے معاصر شعراء میں سے سعدی کے بعد صرف ہمام تبریزی کا نام لیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ اگر کوئی اور ہوتا تو اسکا نام سننے میں آتا (مثنوی نه سپهر) - مجھے ہمام تبریزی (متوفیٰ سنه ۷۱۳ هجری) کے کلام کو دیکھنے کا موقع نہیں ملا ہے لیکن انکا جو نمونۂ کلام کہ دولتشاہ سمرقندی نے اپنے تذکرے میں پیش کیا ہے اسکو دیکھتے ہوئے وہ خسرو کے سامنے بالکل ہیچ پوچ نظر آتے ہیں، رہ گئے خواجو کرمانی اور سلمان ساؤجی جنکے کلام سے حافظ متاثر نظر آتے ہیں، یا انکی پیش روی کا اقرار کرتے ہیں۔ تو اُن کے کلام میں بیشک کچھ رنگ تغزل خسرو جیسا ملتا ہے - لیکن ان دونوں شعراء کی شہرت مقامی تھی، اہل ہند غالباً انکے نام سے بھی واقف نہ تھے۔ اور آج یہ دونوں شاعر صرف کلام حافظ کے حوالے سے زندہ ہیں۔ اور کسی بھی معیار سے خسرو کے مقابلے کے نہیں ہیں - ایسی صورت میں یہ کہنا بالکل درست ہے کہ سعدی کے بعد بلاتخصیص ملک، امیر خسرو اور امیر حسن دہلوی ہی اپنے عہد کے شعراء میں ممتاز ترین تھے - اہل ایران اس کلمہ' حق کیلئے مجھے معاف رکھیں اگر میں یہ کہوں کہ حافظ کے کلام سے متعدد ایسی داخلی شہادتیں پیش کیجاسکتی ہیں جنکی بنا پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ ع دارد سخن حافظ طرز روش خسرو - اور اگر حافظ نے خسرو کے بجائے خاجو کا نام لیا ہے تو اسکے یہ معنی نہیں کہ ان سے سہونہ ہوا۔ کیونکہ خواجو کرمانی تو خود خسرو کے معتقد تھے۔* حافظ نے تو ایک جگہ اپنی غزلوں کا موازنہ و مقابلہ ظہیر فاریابی کے غزلوں سے بھی کیا ہے - اور ظہیر فاریابی کی غزلوں کو خواجو کرمانی اور سلمان ساوجی کی غزلوں سے بہتر بتایا ہے۔

---

* سوختم این لخلخۂ خسروی در طبق موہبت مولوی

چه جائے گفتۂ خاجو و شعر سلمانست
که شعر حافظ شیراز به از شعر ظہیر

مگر جب بھی حافظ شیرازی بنگالہ کے فرمانروا سلطان غیاث الدین بن سکندر کو اپنی ایک غزل اس کے دعوت نامے کے جواب میں بھیجتے ہیں تو اس وقت انہیں اسکا احساس پوری شدت کیساتھ رہتا ہے کہ میری یہ غزل شکر مقال طوطیان ہند کے دیس میں جارہی ہے اور مقابلہ امیر خسرو اور حسن دہلوی کی شیریں سخنی سے ہے۔

ساقی حدیث سرو و گل و لاله می رود
وین بحث با ثلاثۂ غساله می رود
شکر شکن شوند ہمه طوطیان ہند
زیں قند پارسی که به بنگاله می رود
حافظ ز شوق مجلس سلطاں غیاث دیں
خامش مشو که کار تو از ناله می رود

میں نے حافظ کا ذکر خسرو کی شاعری کے ضمن میں بالخصوص اس لئے کیا ہے کہ خسرو اور حافظ کی غزلوں کی وجدانی اور اخلاقی فضا کم و بیش یکساں ہے۔ جو مستئ رندانہ، شوخ رنگ مجاز اور جوش و خروش خسرو کی غزلوں میں ملتا ہے وہی حافظ کے یہاں بھی نظر آتا ہے۔ اور جس طرح خسرو نے اپنے معاشرے کے قاضی، مفتی، علماء اور صوفیان پشمینہ پوش کی دو رخی، مکاری اور منافقت کا پردہ چاک کیا ہے اسی طرح حافظ نے بھی اپنے معاشرے کے واعظ، شیوخ کی نفاق پروری اور ریاکاری کو بے نقاب کیا ہے۔ اور جس طرح خسرو نے حور و قصور، دوزخ و جنت کے تصورات سے درگزر کیا ہے۔ اسی طرح حافظ نے بھی انکو برتا ہے۔ اور پھر جس طرح خسرو کا کلام اس شوخی و رندی کے باوجود معرفت کے رنگ میں بھی ڈوبا ہوا ہے اسی طرح حافظ کا کلام بھی انکی ساری آزادہ روی کے باوجود عرفانیات کا بھی حامل ہے۔ دونوں

ایک دیدۂ نمناک اور ایک دل پر درد رکھتے ۔ دونوں ہی غم زدہ ہیں لیکن امید سحر رکھتے ہیں ، اور جب ناسازگاریٔ زمانہ کے خلاف علم بغاوت بلند کرتے ہیں تو ایک جہاں نو کی تعمیر کا جوش و ولولہ اپنے کلام سے پیدا کرتے ہیں ۔ انسان کی عظمت کا ترانہ گاتے ہیں ، اور اسے عرش آشیاں بتاتے ہیں ۔ فرق ان دونوں کے درمیان یہ ھے کہ قلیل مدت ایام کے تقدم و تاخر کے ساتھ وہ دو مختلف معاشروں کی تاریخ اور سماجی حقیقت سے نبرد آزما تھے ۔

حافظ کو کیش زردہشتی عزیز ۔ وقت کا وہ جواں ھونا ۔ دائمی اور ابدی ھونا ۔ زندگی کو ھاں کہنا ، بار بار اسکی لذتوں کا تقاضا کرنا ۔ رستاخیز کو تکرار زیست سے عبارت کرنا ، سوال و جواب ، سزا و جزا ، دوزخ و بہشت کے تصورات سے در گزرنا ، اسی زمین کو بہشت برین سمجھنا اور یہیں کی نعمتوں پر بقول دقیقی مرمٹنا ۔

دقیقی چار خصلت بر گزیدہ ست
بہ گیتی از ہمہ خوبی و زشتی
لب یاقوت رنگ و نالۂ چنگ
مئے خوں رنگ و کیش زردہشتی

اب یہ دیکھئے حافظ اس کیش زردہشتی کی یاد کیونکر تازہ کرتے ہیں ۔ اور زندگی کا جشن کیونکر ، مناتے ہیں ۔

کنوں کہ در چمن آمد گل از عدم بوجود
بنفشہ در قدم او نہاد سر بسجود
بنوش جام صبوحی بنالۂ دف و چنگ
ببوس غبغب ساقی بہ نغمۂ نی و رود
بباغ تازہ کن آئین دین زردشتی
کنوں کہ لالہ بر افروخت آتش نمرود

ز دست شاہد سمیں عذار، عیسی دم
شراب نوش و رہا کن حدیث عادو ثمود
جہاں چو خلد بریں شد بدور سوسن و گل
ولے چہ کہ دروے نہ ممکن ست خلود

جبکہ وقت، تا آغاز ازل سے تا انجام ابد تک، ایک مسلسل تغیر و حرکت کے عمل کا نام ہے، ایک سلسلہٗ آمدو شد، اور دائمی تکرار ہے تو پھر کسی شئے کو خلد یا دوام سے کیا تعلق۔ مظہر فطرت کے اسی مشاہدے سے عشرت امروز کا فلسفہ اپنا سر اٹھاتا ہے۔ چنانچہ خیام ہوں یا حافظ، انکا فلسفہٗ حیات یونان کے مفکر ایپکیورس کا نہیں، جیسا کہ خیام کے بعض ہندی شارحین نے لکھا ہے۔ بلکہ خالصتاً سر زمین ایران کا ہے، مغان ایران کی زروان پرستی اور کیش زردہشتی کا ہے۔ کسی بھی ملک کی تہذیب کو جاننے اور سمجھنے کیلئے اس ملک کے دیو مالائی قصوں، تاریخی اور نیم تاریخی قصوں کو پڑھنا ضروری ہوتا ہے۔ اور اسکا مطالعہ کرتے وقت سب سے پہلے یہ جاننے کی کوشش کرنی چاہئے کہ اس تہذیب میں وقت کا تصور یا ابدیت کی تعریف کیا ہے۔ چونکہ ہمارے یہاں کے مورخین اور مبصرین قبل اسلام کے ایران کی تاریخ، فلسفے اور ادب سے نا آشنا تھے کیونکہ ایران شناسی کا علم جدید ہے وہ فارسی شاعری کی اسپرٹ کو سمجھنے سے قاصر رہے۔ وہ اس کشمکش کو سمجھنے سے قاصر رہے، جو سامی نظریہٗ حیات اور ایرانی نظریہٗ حیات کے درمیان، عربوں کے اقتدار کے بعد مسلسل چلتی رہی ہے۔ سامی نظریہٗ حیات میں، وقت کی ایک ابتدا اور انتہا ہے۔ وقت فانی ہے۔ اور پھر اسی اعتبار سے حشر و نشر، سوال و جواب، سزا و جزا، دوزخ اور بہشت ہے، یہ سامی نظریہٗ حیات ایرانی نظریہٗ حیات سے ٹکراتا رہا ہے۔ وقت کو جواں تصور کرنے والی قوم فطرت پرست ہوا کرتی ہے اور جب کبھی وہ ایسی تہذیب کی بالادستی سے دوچار ہوتی ہے جو نفس کشی یا فطرت کشی پر زور دیتی ہے اور جذبات کی سیرابی

کو خلاف اخلاق گردانتی ہے تو اسکے خلاف اسکے بطون میں ایک شدید رد عمل پیدا ہوتا ہے۔ یورپ کی تاریخ ہمارے سامنے ہے روسو کی فطرت پرستی، یا مراجعت بہ فطرت، اسی مسیحی تہذیب کے خلاف ایک رد عمل تھی، جو فطرت کشی یا نفس کشی پر زور دیتی لیکن یہ فطرت پرستی، مادہ پرستی سے دور خدا شناسی کی قدر کی حامل تھی، وحدت الوجودی شاعری کی لئے جو اصلاً فطرت پرستی کی ایک لئے تھی کیونکہ فلسفۂ وحدت الوجود میں حق، خلق سے جدا نہیں ہوتا، ذات الٰہی کی معرفت میں بھی ڈوبی ہوئی ہوتی، شعراء ایک ہی روح کی گردش ہر شئے میں دیکھتے۔ اسی توحید ذات و صفات سے متاثر ہوکر خدا شناس ورڈ سورتھ نے پیگن طرز حیات کی آرزو کی تھی۔ فطرت کا تعلق صرف فطرت خارجیہ ہی سے نہیں بلکہ انسان کی اپنی فطرت سے بھی ہے، انسان اپنی فطرت کا سراغ اس وقت سے لگا رہا ہے جب سے کہ وہ صاحب شعور ہوا۔ لیکن جب کبھی اس نے اپنے سے یہ سوال کیا کہ انسان کا پہلا روحانی تجربہ کیا تھا۔ تو ہمیشہ اسکو ایک ہی جواب ملا۔ محبت۔ کیونکہ انسان اپنے نفس سے بلند محبت ہی میں ہوتا ہے، ایثار و قربانی اور کسر نفسی سے کام لیتا ہے، احترام شخصیت کو راہ دیتا ہے، وفاداری کے شرایط پورا کرتا ہے، اور اگر شرط وفا جاں سپاری ہو تو تہ تیغ بھی جاتا ہے۔ کیا کچھ نہیں وہ راہ عشق میں جھیلتا ہے۔ چنانچہ صوفیاء نے تو تخلیق عالم کا جواز ہی محبت میں ڈھونڈھا ہے۔

محبت نے کاڑھا ہے ظلمت سے نور   نہ ہوتی محبت نہ ہوتا ظہور

اگر محبت ایک اسقدر ہمہ گیر جذبہ ہے کہ حق سے لیکر خلق تک وہ سب میں موجزن ہے، اسی کی کہربائی سے ستاروں کی زندگی اور سیاروں کی موسیقی ہے تو پھر کیوں نہیں اخلاق کی بنیاد بھی محبت ہی پر رکھی جائے، کیونکہ یہی وہ جذبہ ہے جو انسان کو اسکے نفس سے

بلند کرتا ہے۔ وحدت الوجودی صوفیاء کا جرم یہی تھا کہ راہ خوف، چھوڑ کر، انہوں نے راہ عشق اختیار کرلی اور جس طرف دیکھا ایک اسی کا چہرہ نظر آیا، عالم نہ ہوا ایک صنم خانۂ عشق بن گیا۔ اور پھر اسی جذبے کے تحت انہوں نے ایک ایسی اخلاقیات کو پروان چڑھایا جس میں احترام آدمیت ہی انکا عین ایمان ٹھہرا۔

نیازارم ز خود ہرگز دلے را
کہ می ترسم در آں جائے تو باشد
لے سانس بھی آہستہ کہ نازک ہے بڑا کام
آفاق کے اس کارگہ شیشہ گری کا *

فطرت پرستی اسی انسانی اخلاق کے ساتھ مکمل ہوتی ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ مشرق کی صوفیانہ تحریک میں اس انسانی اخلاق یا انسان دوستی کو بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے، اور ہمارے شعراء اور ادبا کے اس تحریک سے وابستہ ہونے کا ایک بڑا سبب یہی تھا کہ اس تحریک نے سلاطین کی مطلق العنانیت، ظلم و جبر، جنگ و جدال، فرقہ وارانہ منافرت، تعصبات، کٹرپن، تخفیف شخصیت اور تذلیل آدمیت کے خلاف اپنی آواز بلند کی، اور اُس نے زندگی کی طرف ایک ایسا رویہ پیش کیا جو انسانیت نواز تھا، تصوف کی یہ اقدار ادیبوں اور شاعروں کیلئے اس لئے بھی کشش رکھتی کہ ادب بنیادی حیثیت سے تحصیل ذات کی شئے ہے۔ وہ پرمائیگی حیات کی طرف مستنیر ہوتا ہے، اور اسی کی مزید آرزو کرتا ہے، اور یہ ایک ایسا عمل ہے جو لا متناہی ہے۔ خوب سے خوبتر کی طرف انسان ہمیشہ گامزن رہتا ہے۔ لیکن جس حد تک کہ تصوف کی تحریک پر راہبانہ اقدار یعنی فطرت کشی اور نفس کشی کی اقدار کا اثر تھا، یہ تحریک خود منقسم بھی تھی، فطرت پرستی، ترک دنیا سے متصادم رہتی اور تحصیل ذات کا جذبہ نفئ ذات سے برسر پیکار ہوتا۔ اس تضاد اور کشمکش کا

---

* میر تقی میر

اثر، ہمارے ادیبوں اور شاعروں کی تخلیقات میں مختلف صورتوں میں نظر آتا ہے کبھی لذت حیات کی آرزو، تو کبھی اس سے اکراہ، کبھی انسان کی عظمت کا ترانہ تو کبھی اس کی بیچارگی کا فسانہ، کبھی جبر کامل کے سامنے سپر انداختہ، تو کبھی مشیت الٰہی میں شریک، اور اختیار مطلق کا ادعاء، کبھی خاک نشیں تو کبھی عرش آشیاں، کبھی اقرار خودی تو کبھی نفیٔ خودی، کبھی ہجر و فراق کی تمنا تو کبھی وصل کی آرزو، کبھی سفر پر زور اور حضر نہیں، تو کہیں قیام ہے تو سفر نہیں - یہ تضاد اس لئے ملتا ہے کہ جس قسم کی مطلق العنان شاہیت کے شکنجے میں زندگی گرفتار تھی، اس میں زندگی کو بڑھاوا دینے والی قوت زندگی کی نفی کرنے والی قوت سے ایک زبردست عالم پیکار میں ہوتی، چنانچہ کبھی تو ایسا محسوس ہوتا کہ اس شام کی سحر نہیں اور کبھی امید کی کوئی کرن اس تیرگیٔ شب میں چمک بھی جاتی، اس فضا میں زندگی کو ہاں کہنا، انسانی اقدار کی حمایت کرنا، انسان کی کبریائی کو آواز دینا بذات خود ایک بڑا کارنامہ تھا، جو بات کہ جبر کے بالمقابل کہی نہ جاسکے اسے پردۂ مجاز میں کہنا یہ بھی ایک بڑی بات تھی - ہم خسرو کی عظمت انہیں باتوں میں دیکھتے ہیں -

خسرو اپنے عہد کے ترک امراء سے مختلف نہ تھے - ترک امراء کی میخواری اور شیفتگیٔ بزم سرود و سور مشہور ہے، اور جس حد تک کہ ایرانی تہذیب کا اثر اُن میں نفوذ کرچکا تھا، ان کے کلچر میں بہت سی باتیں ایرانی کلچر کی بھی آ گئی تھیں - بس فرق یہ تھا، چونکہ ایرانیوں کے مقابلے میں ترکوں کا تاریخ میں داخلہ بہت ھی قریب کی صدیوں کا واقعہ تھا- ان کا عروج پانچویں، چھٹی صدی عیسوی سے شروع ہوا تھا، اس لئے خسرو کے وقت تک ایرانی تہذیب انہیں نرم و نازک نہیں بنا پائی تھی، وہ ایرانیوں سے زیادہ جذباتی، جری اور جنگجو تھے - ترکوں کے بارے میں خسرو کا یہ جملہ بھی ذہن میں رکھنا چاہئے کہ "ترک صرف عالم بیداری میں نیک ہوتا ہے" یہ ترک فطرت سے زیادہ

قریب تھا ، اور نفس کشی کی طرف مایل نہ تھا ، یہی سبب ہے کہ صوفیانہ تحریک کو ان کے علاقے میں بڑی مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا ، لیکن خسرو ایک ترک ہی نہیں بلکہ اپنی والدہ کی طرف سے ہندی الاصل بھی تھے - اور ان کی تمامتر نشو و نما ، تعلیم و تربیت ہندوستان کی اس سر زمین میں ہوئی تھی جہاں کی تہذیب شہوانیات اور رہبانیات کے دو متخالف قطبی ستاروں کے مابین صدیوں سے ڈولتی رہی ہے - ہندو فلسفے کے تنترک مارگ میں ان دونوں اثرات کو بہ یک وقت دیکھا جاسکتا ہے -

اب یہ دیکھئے کہ ہمارا یہ شاعر خسرو جو ان دو تہذیبوں کے اثرات کو اپنے شعور میں سموئے ہئے تھا کیونکر اپنی شاعری کی ایک نئی دھنک ان دو تہذیبوں کے مختلف رنگوں سے تیار کرتا ہے -

خسرو کی مخاطب ایک ایسی قوم تھی ، جو جنگ و جدال کے باوجود کفر سے گلے بھی مل رہی تھی اور اس کفر میں اپنے دین کی جھلکیاں دیکھ رہی تھی -* ان دونوں کے درمیان ، پیار کم ، مت بھید ، شکوک شبہات زیادہ تھے - تقاضائے وقت یہ تھا کہ ان دونوں کے دلوں میں محبت کی جوت جگائی جائے اور ایک ایسے صنمکدۂ عشق کی بنیاد رکھی جائے جس کو دونوں ہی اپنا سکیں -

چونکہ یہ میل ملاپ ترک حکمرانوں کے مفاد میں بھی تھا ، اس لئے سلاطین وقت بھی اس جذبے میں شریک ہوتے ، سلطان شمس الدین التتمش کے زمانے سے لیکر ، تغلق خاندان کے آخری فرمانروا تک جتنے بھی قابل ذکر سلاطین گزرے ہیں ، وہ کسی نہ کسی پیر ، درویش کے مرید ہوا کرتے ، وہ انکے اثر سے خایف بھی رہتے ، لیکن ان سے عقیدت رکھنے کے آرزو مند بھی ہوتے - صوفی شعراء کے فلسفۂ عشق کو اس سماجی حقیقت سے الگ کر کے دیکھا نہیں جاسکتا ہے - اور کبھی کبھی

---

* مثنوی نہ سپہر

تو یہ گمان گزرتا ھے کہ شاید کبیر نے بھی خسرو درویش کے کلام سے استعفادہ کیا تھا خسرو کے اس مصرعے کی گونج کبیر کے یہاں بھی سنائی دیتی ھے۔ *ع

بخور جملہ تنم اے زاغ جز دیدہ کہ دید اُو را

بہر حال یہ تو لب پہ آئی ایک بات تھی، ذکر تو خسرو کا مقصود ہے، خسرو نے اپنی شاعری کی جو ایک ہفت رنگ قوس تیار کی اس کا ایک نمایندہ رنگ تو یہ ہے جو اس غزل میں ہے۔

ما و عشق یار، اگر در قبلہ و در بتکدہ
عاشقان دوست را، با کفر و ایماں کار نیست
اے برہمن بار دہ، رد کردہٴ اسلام را
یا چو من گمراہ را در پیش بت، ھم بار نیست
چند گویندم کہ رو، زنار بند، اے بت پرست
از تن خسرو کدامیں رگ کہ آں زنار نیست **

انکی شاعری کا دوسرا بڑا شوخ رنگ، محبوب کے سراپا اور اسکے تن بدن کی گوناگوں کیفیات کی مصوری سے تعلق رکھتا ھے، خسرو کی غزلوں میں بدن کا بڑا جیتا جاگتا شعور ہے۔

تن پاکت کہ زیر پیرھن است   وحدہ لا شریک لہ چہ تن است
بست پیراہنت چو قطرۂ اب   کہ تنگ گشتہ برگل و سمن است
با خودم کش درون پیراھن   کہ تو جانی و جان من بدن است

---

* کاگا سب تن کھائیو، چن چن کھائیو ماس
دو نیناں مت کھائیو پیا ملن کی آس

** خسرو دوست حضرات کو یہ معلوم کرکے شاید صدمہ پہونچے۔ کہ خسرو سے منسوب یہ غزل ص

کافر عشقم مسلمانی مرا درکار نیست
ہر رگ من تار گشتہ، حاجت زنار نیست

انکی کلیات میں نہیں ملتی ھے۔

ترک من دی سخن به ره می گفت هرکه رویش بدید، مه می گفت
او همی رفت و خلق در عقبش وحده لا شریک له، می گفت
غلغلے می شنیدم از دهنش دیده از خویش صد گنه می گفت
گفتمش تیر میزنی بر دل خنده می زد به ناز و نی می گفت

ترک سفید روی و سیه چشم و لاله رنگ
مثلت نزاد، مادر ایام شوخ و شنگ
زلف تو بر رخ تو هر آنکس که دید و گفت
بگرفت ملک چین و حبش، پادشاه زنگ
باتیر چشم جادو و ابروی چون کمان
داری قد کشیده تر، از قامت خدنگ
آهو صفت، شکار دل عاشقان کند
آن شیر گیر آهوی چشم تو چون پلنگ
آب حیاتم از لب و دندان روان شود
گر بوسهٔ به بنده دهی زان دهان تنگ
بر نظم خسرو از سر مستی سخن مگیر
کو مست در هوای تو فارغ ز نام و ننگ

شاد باش، اے شب فرخندهٔ دوش
که فلان بود مرا در آغوش
نه همی سیر شد از رویش چشم
نه همی بر شدے از قولش گوش
ماجرای دل خون گشتهٔ من
دیده می ریخت برون، من خاموش
مست بودم خبر از خویش نداشت
باده را گرچه نمی کردم نوش

او همی گفت سخن ، من حیران
او همی خورد مے و من بیہوش
اے که آن روی ندیدی زنہار
گر مقابل شویش دیده مپوش
پست بازار تو در دلہا گرم
حسن چندانکه توانی بفروش
نالهٔ خسرو بشنو که خوش است
بر در شاه ، فغان چاؤوش

خسرو کا یہ محبوب گوشت پوست کا ہے ، اور جس انداز سے انہوں نے اس کے وصل کی کیفیت بیان کی ہے ، وہ خسرو ہی کا حصہ ہے ۔

ماجرائے دل خوں گشتۂ من
دیدہ می ریخت بروں، من خاموش

یہ مسرت اور شادمانی کی انتہا ہے ، آپ نے یہ محسوس کیا ہوگا کہ خسرو کی بیشتر غزلیں ایک خود روئیدہ نظم کی صورت میں ہوتی ہیں، وہ کوئی ایک کہانی ، کوئی حادثۂ زندگانی، ایک مربوط صورت میں بیان کرتی ہوں نظر آتی ہیں ۔ ہر شعر اپنی جگہ پر مکمل ہوتا ہے پھر بھی وہ کل سے مربوط ہوتا ہے ۔ غزل کی اصل صورت یہی ہے جو رودکی کے یہاں بھی ملتی ہے ۔ انکی غزلوں کی دوسری دلاویز کیفیت وہ موسیقی ہے جو جذبات کے اتار چڑھاؤ کا پتہ دیتی ہے ۔ چونکہ خسرو ایک عظیم موسیقار تھے یہ گمان گزرتا ہے کہ شاید وہ غزل گنگنا کر کہتے اور بعض غزلوں کی موسیقیت کو دیکھتے ہوئے، تو یہ احساس ہوتا ہے کہ شاید وہ غزلیں موسیقی کے Keyboard پر کہی ہوی ہیں۔ اگر ایسا ہی ہوتا تو پھر انکی ہر غزل اسی انداز کی ہوتی اور بڑی چلتی ہوئی دھن میں ہوتی ، لیکن ہمارے خیال میں حقیقت حال یہ نہیں ہے ۔ غزل میں نغماتی کیفیت تال اور سر اور راگ راگنیوں کی واقفیت سے پیدا نہیں ہوا

کرتی ھے، بعض بڑے اچھے موسیقار گانے لکھ لیتے ہیں لیکن غزل کہنے سے قاصر رہتے ہیں، غزل میں موسیقی جذبے کی گھلاوٹ اور اس چیٹک سے پیدا ہوتی ھے جو شاعر کو شعر کہنے پر اکساتی ھے غزل خواہ وہ شادمانی و مسرت کی ھو یا اندوہ و غم کی، اس خراش دل سے پیدا ھوتی ھے جو لاشعور کو بیدار کردیتی ھے۔ اسکے لئے ایک عالم بیخودی کی ضرورت ھوتی ھے۔ خسرو کی غزلوں میں تجربات کے جو تلازمات ابھرتے ہیں۔ وہ شعوری سطح سے زیادہ لاشعوری سطح کے ھوتے ہیں وہ عنصری قوت کے حامل ھوتے ہیں اور ھمارے ان احساسات کو چھوتے ہیں جو ھمارے شعور کی بنیاد میں ھوتے ہیں، اور آفاق گیر ھوتے ہیں، زندگی کی جو اپنی قوت ھے، وہ قوی تر ھے ان سارے رسوم و قیود سے جو انسان اپنے خیال سے زندگی پر عاید کرتا ھے۔ فطرت پرست خسرو کی شاعری میں خیال کی اتنی قوت نہیں جتنی کہ جذبے کی ھے، وہ غزل میں اپنی فطرت کو جذبات کے حوالے سے بے نقاب کرتا ھے نہ کہ تجزیۂ نفسی سے جو ایک ذھنی عمل ھے چنانچہ جب خسرو کی شخصیت میں اسکا فطرت پرست جذبہ، انگڑائی لیتا ھے تو وہ پھر سارے رسوم و قیود کو توڑتا ھوا، اس زندگی کا مدح خواں ھوتا ھے جو سیرابی جذبہ سے عبارت ھے۔

ساقیا، گر زاھداں، میخوارہ را کافر کنند
ما بہ محراب دو ابرویت مسلمانش کنیم
ھر کسے گوید مخور مئے، عقل فرماں می دھد
عقل بارے کیست در علم کہ فرمانش کنیم
بادہ در اسلام اگر گوئی حرام، این ست کفر
کایں چنیں نعمت خوریم آنگاہ کفرانش کنیم

خسرو کا یہ رد عمل، جیسا کہ میں پہلے بھی لکھ چکاھوں اس ریا کاری اور مزدجوئی عبادت کے بھی خلاف تھا جو دکھاوے کے زاھدوں یا دلق پوش صوفیوں میں پائی جاتی خسرو۔ ''تضرع نہانی'' کے قایل تھے۔ مگر اسکی

تمام تر تفسیر اسی ایک بات سے نہیں کیجاسکتی ہے۔ اس میں اس مسلک عشق کو بھی دخل تھا، جو تفریق ملت کو ختم کر کے توحید کا ایک نیا تصور اور اسکی تحصیل کا ایک نیا راستہ دکھا رہا تھا۔

بیار ساقی دریائے بیکرانہ بہ سویم
کہ کشتہ می نوشد آتش جگر بہ سبویم
طفیل خاک، یکے جرعہ ریز بر سر من ریز
کہ گرد توبہ از این دلق بے نماز بشویم
نگنجم ار بہ در زاہدان، ز بہر تبرک
بس است خدمت رندان مست، بر سر کویم
بہ یک سفال لبالب فروختم ہمہ جنت
کہ درد نقد بہ از سلسبیل نسیہ، بجویم
صلاح رہزن من شد کہ ذوق بت نگرفتم
کجاست شاہد بت رو کہ رہ بہ قبلہ بجویم

اے ہمنفساں، یک نفسم باز گزارید
دست از من دیوانۂ سر گشتہ بدارید
بے نام و نشانم بہ خرابات ببخشید
بیگانہ ز خویشم، بر خویشم بگزارید
یا معتکفم بر سر سجادہ نشانید
یا مست و خرابم بہ در میکدہ آرید
در عشق علم گردم و در مذہب عشاق
منصور شوم گر بہ سردار بر آرید

خسرو کی یہ عاشقانہ شاعری جو ایک پردۂ مجاز، ہے بھی اور نہیں بھی ہے، اتنے بہت سے پہلو اور اتنے بہت سے رنگ رکھتی ہے کہ اگر تمام پہلوؤں اور تمام رنگوں کی نشان دہی کیجائے تو یہ مضمون خاصا طویل ہو جائیگا۔ اسلئے میں اپنی توجہ اسکی صرف بنیادی

خصوصیات پر رکھوں گا۔ مجاز کو پردہ بنا کر غزل کہنے کے دو انداز ہیں۔ ایک یہ کہ جذبۂ عشق موجود ہے لیکن محبوب کا بدن محجوب ہے، صرف باطنی کیفیات یا واردات قلب کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ لب و رخسار اور بوس و کنار کا ذکر غایب ہے۔ دوسرا انداز یہ ہے کہ محبوب اپنی پوری رعنائیوں کے ساتھ جلوہ گر ہے، جہاں واردات قلب کا ذکر ہے وہاں اسکے سراپا اور بدن کا بھی ذکر ہے۔ خسرو کا انداز تغزل یا پردۂ مجاز آخرالذکر قسم کا ہے۔ انکے یہاں محسوس معقول سے، صفات ذات سے، حقیقت مجاز سے جدا نہیں۔ چنانچہ انکی شاعری میں ان لغزشوں کی بڑی گنجایش تھی جو اردو شاعری میں معاملات عشق کے باب میں نظر آتی ہیں۔ بالخصوص ایسی صورت میں اور بھی زیادہ جبکہ خسرو کے محبوبان گلعزار کی فہرست خاصی طویل اور اور متنوع ہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ جہاں وہ عشق میں خود شایستہ رہتے ہیں وہاں وہ اپنے ترک غمزہ زن کو بھی شایستہ رکھتے ہیں۔ معاملات عشق میں طنز و مزاح سے وہ بھی کام لیتے ہیں لیکن بڑی لطافت کے ساتھ ؎

تو شبانہ می نمائی بہ بر کے بودی امشب
کہ ہنوز چشم مستت اثر خمار دارد۔

رہ گئی یہ بات کہ ہمارے سبھی شعراء محبوب کی طرف سے اندیشۂ دور و دراز میں گرفتار رہتے ہیں* سو اسکا تعلق ہماری اس معاشرت سے ہے جس میں عشق کسی عفیفہ سے نہیں بلکہ مطربہ، رقاصہ، ساقی، مغنیہ اور اس قسم کے دوسرے گروہ کے لوگوں سے کیا جاتا۔ چنانچہ اس طرز کا طنز و مزاح جس کا تعلق اندیشۂ دور دراز سے ہوتا ہے وہ ہماری شعری روایت کا ایک جزو ہے خواہ وہ شاعری فارسی کی ہو یا اردو کی۔ مگر جب بات ڈھول دھپے اور دھما چوکڑی کی ہونے لگتی ہے تو وہ مبتذل صورت اختیار کر لیتی ہے۔ بہرحال کہنے کا مقصد یہ کہ معاملہ بندی خسرو کی شاعری میں بھی ہے لیکن ابتذال کی صورت میں نہیں ہے۔ انکا محبوب

---

* تو اور آرایش خم کاکل
میں اور اندیشہاۓ دور و دراز
(غالب)

بھی جفا کار اور ستمگر ہے۔ کیوں نہ ہو جبکہ حاصل عشق زخم عشق کا کھانا اور اس کی گلی میں اپنے سر کو اتار آنا ہے ص

من درویش را کشتی به غمزه
کرم کردی الہی زنده باشی۔

چنانچہ خسرو بھی بدیہہ آفرینی، بہانہ سازی، طنز و طعن سے کام لیتے ہیں۔ محبوب کی ہر ادا کو شبہے کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ لیکن اپنے طنز کو تشنیع، ضلع، جگت، پھبتی اور چمکانے مٹکانے کی سطح پر اترنے نہیں دیتے ہیں، وہ اپنے محبوب سے ایک ایسے زخم تیغ کی آرزو کرتے ہیں جسکو زخم دلکشا کہئے۔ غالب کے یہاں تو وہ پردہ داری زخم جگر سے فراغ پانے کی بات ہے مگر خسرو کے یہاں عاشق کو ہرزہ گردی سے مانع رکھنے کی بات ہے۔

مردانه میکشد به جفایم ستمگرے
تا میرم و دگر ندهم دل به دیگرے

شبلی نے خسرو کی غزلگوئی میں معاملہ بندی کو زیادہ اہمیت دی ہے۔ لیکن میں نہیں سمجھتا کہ یہ چیز انکی غزلگوئی میں زیادہ اہم ہے۔ معاملہ بندی اصل میں معنی آفرینی اور قحط جذبہ سے پیدا ہوتی ہے خسرو کے یہاں وفور جذبہ اس قدر زیادہ ہے کہ ابتدائی دور کی غزلوں کو چھوڑ کر جبکہ وہ کمال اسمعیل اصفہانی کی معنی آفرین سے متاثر تھے، انہیں اسکی ضرورت ہی پیش نہ آتی کہ وہ بات سے بات پیدا کریں اور اپنی غزل کو ایک پہیلی یا چیستاں بنائیں۔ انکی غزلیں انکے جذبۂ بیخودی، سوز عشق، لذت کشیٔ جام حیات، پرسائیگیٔ حواس، عرفان ذات، از خود رفتگی اور سپردگی کا ایک ایسا حسین امتزاج اور آہنگ جذبہ پیش کرتی ہیں کہ ہم اسکی لے پر بہتے ہوئے چلے جاتے ہیں۔، کہیں اثر خواب اور لذت کشیٔ الم ہے تو کہیں بیداریٔ ہوش، لذت چشم و گوش اور مستیٔ حیات ہے اب ان دونوں کیفیات کی حامل چند غزلیں ملاحظ ہوں۔ ص

تنہا غم خود گفتن با یار چه خوب آید
از گاز، بر آن لبہا آزار چه خوب آید
جانان چو دهد فرمان در کشتن مشتاقان
پیش نظرش رفتن بردار چه خوب آید
می سوزم و می گردم، گرد سر شمع خود
رقاصیٔ پروانه بر نار چه خوب آید
هم بار جفا بردم، هم جام وفا خوردم
این کار که من کردم از یار چه خوب آید
روزے که پس از عمرے شب روز کند با من
شب تا به سحر پیشش گفتار چه خوب آید
من خود بکشم خود را از دست غمش لیکن
یارب که هم از دستش این کار چه خوب آید

خبرم شده ست کامشب سر یار خواہی آمد
سر من فدائے راہے که سوار خواہی آمد
بر لب آمده ست جانم تو بیا که زنده مانم
پس از آن که من نمانم به چه کار خواہی آمد
ہمه آہوان صحرا سرخود نہاده بر کف
به امید آنکه روزے به شکار خواہی آمد
به یک آمدن بہردی، دل و جان صد چو خسرو
که زید، اگر بدینساں دو سه بار خواہی آمد

بیا تا بے گل و صہبا نباشیم
که گل باشد بسے و ما نباشیم
ز گل نازک تریم و چند گاہے
بجز زیر گل و خارا نباشیم

بیا، یارا، و با ما باش امروز
چو می دانی که ما فردا نباشیم

چو تنها بودنی باید بهمان به
که از هم صحبتان تنها نباشیم

چو نگذارند یک جان دوستان را
چرا با دوستان یکجا نباشیم

چو زیر پای می باید شدن خاک
جرا چون خاک زیر پا نباشیم

چو بودن نیست خسرو جز دو روزے
دو روزے نیز بگزر تا نباشیم

نفسے که با نگارے گزرد به شادمانی
مفروش لذتش را به حیات جاودانی

ز طرب مباش خالی مئے و رود خواه و ساقی
که غنیمت است و دولت ، دو سه روز زندگانی

غم نیستی و هستی نخورد کسے که داند
که گذشت عمر و باقی نبود جهان فانی

مکن ای امام مسجد ، من رند را ملامت
جو به شهر مئے پرستان نرسیده‌ای ، چه دانی

چه شوی به زهد غره که ز دیر مئے پرستان
به خدا رسید بتوان به تضرع نهانی

تو و زهد خرقه پوشان ، من و دیر درد نوشان
به تو حال ما نماند ، تو به حال ما نمانی

دلم در عاشقی آوارہ شد آوارہ تر بادا
تنم از بیدلی بیچارہ شد بیچارہ تر بادا
بتاراج عزیزاں زلف تو عیاری دارد
بہ خونریز غریباں چشم تو عیارہ تر بادا
رخت تازہ ست و بہر مردن خود تازہ تر خواہم
دلت خارست و بہر کشتن من خارہ تر بادا
گر اے زاہد دعائے خیر میگوئی مرا ایں گو
کہ آں آوارہ از کوئے بتاں آوارہ تر بادا

کافرا مردم شکارا، یک زماں آہستہ تر
کا ہوئے بیچارہ را با تیر ترکاں تاب نیست
خسروا زنار بند اول پس آں گہ سجدہ کن
پیش آں ابرو کہ بتخانہ ست، آں محراب نیست

چہ بلا ست از دو چشمت نظر نیاز کردن
مژہ را کشادہ دادن، در فتنہ باز کردن

کج کلہا، ستمگرا، تنگ قبائے کیستی
لا بہ گرا و دلبرا، عشوہ نمائے کیستی
زیر کلاہ جعد تو بر کمرت کشیدہ سر
بستہ بہ چابکی کمر، چست قبائے کیستی
سینۂ بندہ جائے تو، دیدہ بہ زیر پائے تو
ما ہمہ در ہوائے تو، تو بہ ہوائے کیستی

اے چہرۂ زیبائے تو، رشک بتان آزری
ہر چند وصفت میکنم درحسن، از آں زیبا تری
ہرگز نیاید در نظر نقشے ز رویت خوبتر
شمسی ندانم یا قمر حوری ندانم یا پری
آفاق را گردیدہ ام، مہر بتاں ورزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام، اما تو چیزے دیگری
اے راحت و آرام جاں، با قد چوں سرو رواں
زینساں سرو دامن کشاں، کارام جانم می بری
عزم تماشا کردہ ای، آہنگ صحرا کردہ ای
جان و دل ما بردہ ای، این ست رسم دلبری
عالم ھمہ یغمائے تو، خلقے ہمہ شیدائے تو
آں نرگس رعنائے تو آوردہ کیش کافری
خسرو غریب و است گدا، افتادہ در شہر شما
باشد کہ از بہر خدا سوئے غریباں بنگری

دل ز تن بردی و در جانی ہنوز
درد ھا دادی و درمانی ہنوز
آشکارا سینہ ام بشگافتی
ہمچناں در سینہ پنہانی ہنوز
ھر دو عالم قیمت خود گفتہ ای
نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز
خون کس یارب نگیرد دامنت
گرچہ در خوں ناپشیمانی ہنوز
پیری و شاہد پرستی ناخوش است
خسروا تا کے پریشانی ہنوز

لبالب کن قدح ساقی که مستم
به مئے ده جملگی اسباب هستم
مرا کن سرخ رو از جرعهٔ خویش
چه میرانی که پیشت خاک پستم
اگر اصحاب عشرت مئے پرستند
بیا ساقی که من ساقی پرستم
مرا گویند در مستی چه دیدی
که می گوئی دل اندر باده بستم

ق

تعالی الله از ایں بهتر چه باشد
که از ننگ وجود خود برستم
حد مستیٔ من، اے تیغ زن زانکه
نه من از مئے، ز روئے خوب مستم
مرا گوئی که از کے باز مستی
ازاں روزے که با خسرو نشستم

* * *

اے ترک کماں ابرو، من کشتهٔ ابرویت
ملک همه چین و هند ندهم به یکے مویت *

---

* حافظ نے تو اپنے محبوب کے ایک خال کے بدلے سمرقند و بخارا بخش دیا تھا ؎

اگر آں ترک شیرازی بدست آرد دل مارا
به خال هندوش بخشم سمرقند و بخارا را

مگر یه ارزانی خسرو کے یہاں نہیں ہے اور اسکی توجیهه بھی موجود ہے۔

گفتی که بدین سودا غمناک چه میگردی
آواره دلے دارم در حلقهٔ گیسویت
مسجد چه روم چندین، آخر چه نمازست این
رویم به سوئے قبله، دل جانب ابرویت
شبها همه کس خفته، جز من که به بیداری
افسانهٔ دل گویم در پیش سگ کویت
گه نام گلے گویم، گه نام گلستانے
زینگونه در اندازم هر جا سخن از رویت
پیش تو بگو، کاے بت، سوزند چو هندویم
بر آئینه ریز آنگه خاکستر هندویت
سر در خم چوگانت راضی ست بدین خسرو
آں بخت کرا کارد سر در خم بازویت

تن پیر گشت و آرزوئے دل جواں ہنوز
دل خوں شد و حدیث بتاں بر زباں ہنوز
عمرم به آخر آمد و روزم به شب رسید
مستیٔ و بت پرستیٔ من همچناں ہنوز
صد غم رسید و مرگ هنوزم نمی رسد
صد کعبه رفت و مهر دلم رأیگاں ہنوز
عالم تمام پر ز شهیداں خفته گشت
ترک مرا خدنگ بلا در کماں ہنوز
بیدار مانده شب همه خلق از نفیر من
و آں چشم نیم مست به خواب گراں ہنوز
هردم کرشمه هائے وے افزوں و انگهی
خسرو ز بند او به امید اماں هنوز

خونے ز چشمم می رود، در انتظار کیست ایں
تیرے بہ جانم می خلد، از خار خار کیست ایں
دل کز بتان بوالہوس آوردہ بودم باز پس
بارے دگر دزدیدہ کس، بنگر کہ کار کیست ایں
ہردم بہ خاکے منزلم، ہردم غبارے حاصلم
اے خاک بر فرق دلم، آخر غبار کیست ایں
گلگوں انار انگیختہ، گیسو کمند آویختہ
دل خستہ و خوں ریختہ، چابک سوار کیست ایں
بر خسرو بیدل ز کیں، اسپ جفا را کردہ زیں
گر ریزدش خوں در زمیں، در زینہار کیست ایں۔

مشتے از خروارے، یہ چند نمایندہ غزلیں میں نے خسرو کے رنگ تغزل کو ابھارنے کیلئے پیش کی ہیں، انکی غزلوں میں جہاں مستیٔ حیات اور سر خوشی ہے وہاں لذت الم، اور خار خار کسک بھی ہے۔ لیکن انکا غم یاسیت انگیز نہیں۔ انہوں نے صرف زندگی ہی کے مظہر پر نہیں بلکہ موت کے مظہر پر بھی غور و فکر کیا ہے، کون ایسا بشر ہے جو موت کے المیہ سے متاثر نہیں ہوتا ہے چنانچہ خسرو نے کئی پرشور مرثیئے، اپنے بیٹے، اعزاء اور مربیوں کی موت پر لکھے ہیں، لیکن نہ تو انکے ان مرثیوں میں کہیں یاسیت ملتی ہے اور نہ اس نوحۂ غم میں جو انہوں عمومی حیثیت سے نے اپنے احباب کے اس جہاں سے اٹھ جانے اوران سے بچھڑ جانے کا لکھا ہے۔ اور جسے پوری انسانیت کا نوحہ کہا جاسکتا ہے۔ ایسے مواقع پر انکی نظر بلند ہوتی ہے، اور وہ اس دنیا سے زیادہ دل لگانے کو خلاف عقل قرار دیتے ہیں۔ اور متاع دہر کو ایک بازیچۂ اطفال سے زیادہ اہمیت نہیں دیتے ہیں ص

یاراں کہ بودہ اند ندانم کجا شدند
یارب چہ روز بود کہ از ما جدا شدند

اے گل چو مدی ز زمین گو چگونہ اند
آں روہا کہ در تہ گرد فنا شدند
آں سروراں کہ تاج سر خلق بودہ اند
اکنوں نظارہ کن کہ ہمہ خاک پا شدند
خورشید بودہ اند کہ رفتند زیر خاک
آں ذرہ ہا کہ چو ہمہ اندر ہوا شدند
بازیچۂ ایست، طفل فریب، ایں متاع دھر
بے عقل مردماں، کہ بدیں مبتلا شدند

خسرو کی یہ شاعری اسقدر جامع اور ہمہ گیر ہے کہ اسکی دسترس سے زندگی کا کوئی بھی تجربہ بہ اعتبار نوع، باہر نظر نہیں آتا ہے۔ جتنی رنگارنگی کیفیات زندگی کی تصویر کشی میں خسرو کے یہاں ملتی ہے اتنی رنگارنگی مشکل ہی سے کسی ایک شاعر کے یہاں ملے گی۔ اس میں شبہہ نہیں کہ ان کے یہاں وہ نفسیاتی تعمق جو انسانی فطرت میں نقب زنی کرنے سے پیدا ہوتا ہے نسبتاً کم ہے لیکن انہوں نے اسقدر زیادہ اپنے کو منکشف کیا ہے کہ اس سے اس کمی کی خاصی تلافی ہو جاتی ہے۔ انکشاف ذات بذات خود اندوں بینی ایک کا عمل ہے۔ لیکن جہانتک کہ میں سمجھ سکا ہوں وہ اتنے اندرون بین نہ تھے جتنے کہ وہ بیروں بیں تھے۔ وہ ایک کھلی ہوئی طبیعت کے آدمی تھے۔ انکو ظریفوں کی صحبت پسند تھی۔ خوش باشی اور احباب کے ساتھ بزم آرائی انکے معمولات میں سے تھی۔ بہر حال جہانتک انکی غزلیات کا تعلق ہے، اس بسیار گوئی کے باوجود کہ انہوں نے دو ہزار غزلیں کہی ہیں۔ انکے یہاں نہ تو یکسانیت اور تکرار محض کا احساس ہوتا ہے اور نہ اس بات کا کہ انکا کلام ناہموار ہے۔ اُنکی غزلگوئی میں ارتقا بیشک ہے، خاک و آب، باد و آتش کے مدارج سے وہ گزرتی ہیں، لیکن جسکو انہوں نے خاک کہا ہے اس میں بھی چنگاریاں ہیں۔ معلوم نہیں وہ کون سی آگ تھی جو انکے دل کو چھو گئی اور وہ ساری عمر اس آگ میں جلتے رہے۔ تبھی

تو شیخ نظام الدین نے اس ترک جگردار کے سوز دل کے صلے میں اپنی مغفرت کی دعا مانگا کرتے۔

شاعر خسرو اپنے عہد کے ایک جید عالم بھی تھے، انکی نظر، فلسفے، حکمت، نجوم، الہیات اور طبیعات سب پر تھی، بو علی سینا کی شفا انکو ازبر تھی، لیکن انہوں نے فلسفہ تراشی سے پرہیز کیا۔ کیونکہ وہ ادراک حقیقت میں عقل کو کوتاہ دست اور چوبی پا تصور کرتے اور صرف جذبۂ عشق کو جو تجلیات کا بھی حامل ہے رہنمائی کا مستحق سمجھتے۔ لیکن انکا یہ جذبۂ عشق، نہ تو محدود ہے اور نہ غیر معقول بلکہ ظلمت سے کنارہ کش، پر نور، سارے دلوں کو جوڑنے والا، ایک عالمگیر معبد کی قدر کا حامل ہے۔

غزل ایک ایسی صنف سخن ہے جس میں شاعر کے پنہاں جذبات کا اظہار ہوتا ہے۔ اور غالباً یہ وہ واحد صنف سخن ہے جس میں شاعر صرف اپنی ذات کو مخاطب کرتا ہے۔ اور جس حد تک کہ وہ اپنے نفس کی سچائی کو چھوتا ہے، اسکا ابلاغ مکمل ہو جاتا ہے، وہ دوسروں تک بھی پہونچتا ہے۔

اسے تاریخ کی ستم ظریفی سمجھئے یا ایک اتفاق محض کہ خسرو نے اپنی زندگی میں، اپنی غزلوں کو زیادہ اہمیت نہیں دی یا یہ کہ اپنی شہرت کے لئے اپنی غزلوں پر زیادہ تکیہ نہیں کیا۔ انہیں زیادہ تر اعتماد اپنی مثنویات اور اپنے عارفانہ قصائید بھی تھا، لیکن آج انکی عالمگیر شہرت کا زیادہ تر دارو مدار انکی غزلوں ہی پر ہے۔ ایسا غالباً اس وجہ سے ہے کہ انکی شخصیت کا حقیقی روپ انکی غزلوں ہی میں ابھرتا ہے۔ اور غزلوں ھی میں انکے حقیقی جذبات کا اظہار بھی ہوا ہے۔ اس بات کا اظہار مجھے اس لئے کرنا پڑا۔ کہ اگر انہوں نے اپنے ممدوحین کے قصائید یا سلاطین کے فتحناموں میں کہیں کہیں کسی ایسے جذبے کا اظہار کیا ہے جو عمومی حیثیت سے ترک اُمراء کی حاکمیت کے جذبات کے غماز ہیں،

اور ان کی غزلوں کے جذبات سے میل نہیں کھاتے ہیں تو ان قصائید اور فتحناموں کے جذبات انکی غزلوں کے جذبات کے آئینے میں منسوخ قرار پائینگے، کیونکہ سلاطین کے قصائید میں انکی شخصیت ایک چاکر کی تھی، ان قصائید میں انکی آزاد شخصیت کا اظہار نہیں ہوا ہے اور اگر اس سے انکی زنگی میں ایک تضاد ملتا ہے تو ہمیں اسے فراموش کرنا نہ چاہئیے کہ خسرو کا عہد اتنے بہت سے تضادات کا حامل تھا کہ اگر اسکا کوئی عکس خسرو کی زندگی میں ملتا ہے، تو اسپر تعجب کرنے کے بجائے اسے حقیقت کے مطابق تصور کرنا چاہئیے گا۔ اس عہد کا ایک بڑا تضاد یہ تھا کہ صرف سلطان آزاد، بقیہ سب غیر آزاد تھے - تصوف گیری ہو یا قلندری، اس صورت حال سے ایک گریز کا بھی راستہ تھا - جب کوئی اپنے سے گزر جاتا، تو فرمان شاہی کو لوٹاتا - مگر تاریخ یہ بتاتی ہے کہ ان فرمانرواؤں کو درویشوں کی یہ ادائے بے التفاتی بھی پسند نہ تھی - وہ ہر ایک کو اپنا محکوم اور محتاج دیکھنا چاہتے - چنانچہ وہ انہیں انکے اپنے اپنے زاویوں سے بھی کھینچ لاتے - بہر حال خسرو کا میل تصوف ہو یا کیش قلندری اس مشکل صورت حال کا بھی غماز تھا - چنانچہ وہ اپنی غزلوں میں ایک عاشق ہی نہیں بلکہ ایک قلندر بھی ہیں - خسرو نے اپنی غزلوں میں اپنے محبوب کو کہیں کہیں 'سلطان من' کہکر بھی مخاطب کیا ہے لیکن اسے قصاب سے زیادہ خون آشام بنا کر چھوڑا ہے -

مئے تست خون خلقے، و ہمی خوری دمادم
مخور ایں قدح کہ فردا، بہ خمار خواہی آمد

خسرو کی غزلیات کا مطالعہ کرتے وقت یہ بات کچھ عجیب سی محسوس ہوتی ہے کہ جو بذلہ سنجی، حاضر جوابی، اور ظرافت، خسرو سے منسوب انکی ہندوی شاعری میں ملتی ہے یا انکے مطائبات (اعجاز خسروی) یا مزاحیہ نظموں (فرس نامہ) میں ملتی ہے وہ ان کی غزلوں میں نسبتاً کم ہے - مگر نہ اسقدر کم کہ محسوس نہ ہو،

فرشتہ گر گنا ھے می نوشتے
رخت چوں دید مرفوع القلم شد

گفتم کہ ترا آخر دل خانہ نمی باید
گفتا کہ پئی گنجم ویرانہ نمی باید
گفتم کہ بسوزم جاں بر آتش روئے تو
گفتا کہ چراغم را پروانہ نمی باید
گفتم کہ شوم محرم در مجلس خاص تو
گفتا کہ حریف ما، دیوانہ نمی باید

غالب کی ایک غزل ھے جسکا مطلع ھے ؎

غنچۂ نا شگفتہ کا دور سے مت دکھا کہ یوں
بوسے کو پوچھتا ہوں میں، منھ سے مجھے بتا کہ یوں

غالب کی یہ پوری غزل اپنے آہنگ اور گفگو میں خسرو کی مندرجہ ذیل غزل کا چربہ معلوم ھوتی ہے۔ اس فرق کے ساتھ کے غالب کے یہاں قدرے ابتذال ھے اور خسرو کے یہاں ابتذال نہیں ھے۔

تنگ نبات چوں بود، لب بکشا کہ ہمچنیں
آب حیات چوں رود، خیز و بیا کہ ہمچنیں
ہر کہ بگویدت کہ تو دل، بہ چہ شکل می بری
از سر کوئے ناگہاں مست بر آ کہ ھمچنیں
ھر کہ بگویدت کہ جاں، چوں بود اندرون تن
یک نفسے بیا نشیں، در برما کہ ھمچنیں
ھر کہ بگویدت کہ گل خندہ چگونہ می زند
غنچۂ شکرین خود، باز کشا کہ ھمچنیں

ور بہ تو گویم، اے پسر، کت بکنار چوں کشم
تنگ ببند بر میاں، بند قبا کہ ھمچنیں
ھر کہ نخواند ھیچگہ نامہ٘ عشق چوں بود
قصۂ حال خسروش باز نما کہ ھمچنیں

آخر میں سر زمین سندھ کے شہر ٹھٹھ کی رونق، اور اس شہر کے حسینوں کی شہرت سے متعلق ایک دلچسپ غزل بہ اعتبار ندرت قافیہ ملاحظ ھو

سروے چو تو، در اُچہ و در تتہ نباشد
گل مثل رخ خوب تو، البتہ نباشد
دوزیم قبا بہر قدت از گل سوری
تا خلعت زیبائے نو، از لتہ نباشد
این شکل و شمائل کہ تو کافر بچہ داری
در چین و ختا و ختن و ختہ نباشد
بد خواہ ترا در دو جہاں، روئے سیہ باد
در دیدہ٘ خصم تو بجز متہ نہ باشد
در جنت و فردوس کسے را نگزارند
تا داغ غلامی٘ تواش، پتہ نباشد
چوں موئے شد از فکر میانت تن خسرو
تا ھمچو رقیبت خنک و کتہ نباشد

خسرو کی رباعیات کا ایک اچھا خاصا مجموعہ انکے دواوین غرة الکمال، اور بقیہ نقیہ میں ملتا ھے۔ مگر ان میں سے شایقین خسرو کی توجہ بیشتر ان رباعیات پر رھی ھے جنکے مجموعے کو شہر آشوب کا نام دیا گیا ھے اور جن میں مختلف پیشے کے نوعمر لڑکوں کے خط و خال کی توصیف ھے۔ ان میں سے ایسی رباعیاں خاص طور پر مشہور

ھوئی ہیں جن میں کوئی فقرہ ذولسانین استعمال ھوا ھے۔ یعنی وہ فقرہ ھندوی کا بھی ھو سکتا ھے اور فارسی کا بھی ھے مثلاً ص

در صفت ھندو بچہ

ھندو بچہ دیدم چو شکر سر تا پا
حیراں کنمش چوں بینمش سر تا پا
باو گفتم ھندو از چیست بگو
ھر موئے خطش گفت " مورے باپا"

مگر جو رباعیات کہ اس دلچسپی کی حامل نہیں ہیں، انکی طرف نہ تو کوئی توجہ دی گئی ھے اور نہ انکا کوئی مجموعہ میری ناقص اطلاعات کے مطابق ابتک شایع ھوا ھے۔ ڈاکٹر وحید مرزا نے دس بارہ رباعیات اپنی کتاب " لایف اینڈ ورکس آف امیر خسرو" میں نقل کی ہیں، لیکن انکی انتخاب کردہ رباعیوں میں سے کوئی بھی اتنی دلکش مجھے نظر نہ آئی کہ اسکو نقل کرنے کو جی چاہتا ھو۔ لیکن اس میں ڈاکٹر وحید مرزا کے انتخاب کا کوئی قصور نہیں بلکہ اس بات کو دخل ھے کہ امیر خسرو رباعیات کے شاعر نہیں۔ انہیں جو کچھ کہنا تھا اسکا اظہار انہوں نے غزل قصائد اور مثنویوں میں کیا ھے۔ رباعیات یا تو منہ کا ذائقہ بدلنے کیلئے کہی ہیں۔ یا پھر تبرکاً۔ پھر بھی اگر ان کا کوئی انتخاب محنت سے کیا جائے جس میں جمالیاتی قدر کو بھی راہ دی جائے اور صرف مضامین کو مدنظر نہ رکھا جائے تو ایک بہت ھی مختصر مگر اچھا انتخاب کیا جا سکتا ھے۔ بطور نمونہ انکی ایک رباعی انکے دیوان بقیہ نقیہ سے سے ملاحظہ ھو اور اسی پر یہ مضمون ختم ھے ص

در ملک قلندر کہ جہانبانیٔ ماست
دیدن بہ پریوشاں، سلیمانیٔ ماست
مسند جو بر آستان خمار کنم
ھر قطرۂ مئے، نگین سلطانیٔ ماست

اشاریہ

اسماء رجال

الف

امیر خسرو
امیر خسرو کے والد ص ۱ تا ۹۳
امیر خسرو کے جد مادری
ص ۵ تا ۹۲
امیر خسرو کا سنہ پیدائش ص ۹۳
مولد و منشاء ص ۹۳ تا ۱۲۰
خاندانی ماحول ص ۱۲۱ تا ۱۳۶
ملک چھجو کی ملازمت
ص ۱۳۶ تا ۱۵۱
شہزادہ بغرا خاں کی ملازمت
ص ۱۵۱ تا ۱۵۲
امیر حسن علاء سجزی سے تعلقات
ص ۱۵۲ تا ۱۷۳
حاتم خان کی ملازمت
ص ۱۷۵ تا ۱۸۰
کیقباد اور جلال الدین خلجی کے
دربار میں ص ۱۸۰ تا ۱۹۶
شیخ نظام الدین اولیا سے تعلقات
ص ۱۹۶ تا ۲۱۵
علاءالدین خلجی کے دربار میں
ص ۲۱۵ تا ۲۳۵
مولانا شہاب الدین (پیش امام) سے
تعلقات ص ۲۳۵ تا ۲۳۸
قطب الدین مبارک شاہ خلجی کے
دربار میں ص ۲۳۸ تا ۲۶۹
بہ حیثیت موسیقار ص ۲۶۹ تا ۲۸۸
غیاث الدین تغلق کے دربار میں
ص ۲۹۷ تا ۳۲۳
سلطان محمد ابن تغلقشاہ کے دربار
میں ص ۳۱۶ تا ۳۱۷
امیر خسرو کی ہندوی شاعری
ص ۳۲۵ تا ۳۵۸
امیر خسرو کی فارسی شاعری
ص ۳۵۹ تا ۳۹۲
امیر خسرو بہ حیثیت مورخ
ص ۳۶۰ تا ۳۶۲
خمسۂ خسرو پر ایک تنقیدی نظر
ص ۳۹۲ تا ۳۹۶
امیر خسرو کی غزل گوئی ص ۳۹۶

امیر خسرو کی رباعیات
ص ۴۴۹ تا ۴۴۰
امیر خسرو کی وفات ص ۳۱۱
آزاد بلگرامی (غلام علی) ۱۰۵
اسپنوزا ۳۷۸
اختیارالدین محمد یا اختیارالدین محمد محمود۔ دیکھئے ملک اختیارالدین کشلو خان عرف ملک چھجو۔
احمد ۲۳۶
الپ خان ۲۴۶
احمد بن ایاز ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲
امیر محمود دیکھئے سیف الدین محمود
امیر علی سر جاندار دیکھئے حاتم خان
اشرف حسن الحسینی سید ۱۵۹
ابوالحسن (کنیت امیر خسرو)
۱۲۹، ۱۳۶
افلاطون ۲۷۲
امام ابو حنیفه ۲۴۷
اورنگ زیب ۲۷۱
احمد غفاری، قاضی ۲۴۵
امیر ارسلان کاتبی ۱۹۳، ۳۶۱
الماس بیگ المعروف به الغ خان۔ خان معظم ۲۱۸، ۲۲۰
التتمش، سلطان شمس الدین
۳، ۴، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۱، ۲۲
۲۴، ۲۵، ۲۶، ۴۸، ۵۱، ۵۲، ۵۳
۵۴، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۶۱، ۶۲، ۶۳
۶۴، ۷۲، ۷۶، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۲۱
۱۲۲، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۳۰
۱۴۴، ۲۱۳، ۲۸۷، ۳۲۵ ـ
آئین شٹائن ۳۷۸
ابن بطوطه ۳۰۲، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۹
۳۱۰، ۳۱۷
ایڈورڈ ٹامس ۱۷
ایچ نیلسن رائٹ ۱۷
اسٹن گاس ۱۵، ۲۷
ابوالفضل ۲۸۴
ابو سعید ابوالخیر ۳۷۴
اقبال، علامه ۲۶۰، ۳۷۶، ۳۷۷
۳۷۸، ۳۹۰
ارکلی خان ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۲۱۴
اکبر، بادشاه ۵۸، ۲۴۳، ۲۷۱، ۲۸۳
انوری ۱۴۰، ۱۴۲، ۳۱۸، ۳۶۹
اثیر قاضی ۱۵۲، ۱۶۲، ۱۸۰، ۱۹۰
امیر خاصه ۱۸۵
ایلیٹ اینڈ ڈاؤسن ۸۵
آصف بن برخیا ۷۷
امیر حسن (امیر حسن دہلوی، امیر حسن علاء سجزی) ۱۳۵، ۱۵۲
۱۵۳، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹
۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵
۱۶۷، ۱۸۴، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲
۲۰۵، ۲۱۵، ۲۳۰، ۲۸۸، ۲۸۹
۲۹۰، ۲۹۱، ۳۷۴، ۳۸۱، ۳۹۷
۳۱۳، ۳۱۴

ابو العباس دمشقی ۱۷-۱۸
اشتیاق حسین قریشی ۵۹
آغا مہدی دیکھئے مہدی حسین
اسدالدین منکلی ۱۹، ۲۲، ۲۹۸
امیر سیف الدولہ ۳۰
آور خان ۱۲، ۲۵
امین احمد رازی مولف ہفت اقلیم
۶، ۲۲، ۳۵
امیر حاجی، خواجہ حاجی،
پسر امیر خسرو۔ ۱۴، ۳۱۸
احمد لاچین فیروز جنگ ۱۳، ۱۴
الپ غازی بن اژدر ملک ۱۹۳
امیرالامرا فخرالدین ۱۴۴

ب

بلبن، سلطان غیاث‌الدین ۱۴، ۱۸
۲۹، ۳۹، ۶۱، ۶۳، ۷۲، ۷۳، ۱۰۰
۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۷، ۱۱۵، ۱۲۲
۱۴۴، ۱۴۶، ۱۴۸، ۱۵۱، ۱۵۲
۱۵۳، ۱۶۲، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱
۱۷۳، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۹، ۱۸۶
۱۸۷، ۱۹۷، ۲۰۲، ۲۱۱، ۳۰۵
بلبن کلاں — دیکھئے عزالدین بلبن
کشلو خاں
برنی، ضیاءالدین ۶۱، ۶۳، ۶۸، ۷۱، ۷۲
۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۸۵، ۹۰، ۱۹۱
۱۹۲، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۲۱، ۱۲۲
۱۲۹، ۱۴۴، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹
۱۵۴، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۸، ۱۷۵
۱۷۶، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱
۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶
۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۳، ۲۱۵، ۲۱۸
۲۳۰، ۲۳۱، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳
۲۴۹، ۲۵۳، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲
۲۷۰، ۲۷۵، ۲۸۲، ۲۹۶، ۲۹۷،
۲۹۸، ۳۰۱، ۳۰۶، ۳۰۸، ۳۱۲
۳۲۲، ۳۲۳، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱
برنی، سید حسن مولف قرآن السعدین
۱۷۴
براؤن ۴
بایقرا (سلطان حسین) دیکھئے سلطان
حسین بایقرا
باہر دیو ۸۵
بیدل ۱۰۵
بابا اسحاق قنادی ۳۴۹
برگساں ۳۷۸
بغرا خان، شہاب الدین ۶۹، ۱۴۶
۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۳، ۱۶۱، ۱۶۲
۱۶۹، ۱۷۳، ۱۷۵، ۱۹۰، ۳۰۵
۳۰۶۔
بانو قوال ۲۸۶
بہاؤالدین بخاری، مولانا ۲۴۰
بختیارالدین کاکی، خواجہ
۲۸۷، ۳۳۷۔
بھیم دیو ۲۴۵
بابر ۳۲۳

بہاؤالدین زکریا ، شیخ ۲۹۰
بختیار الدین ۱۱۷
بزرجمہر ۷۷
بدایونی ، ملا عبدالقادر ۱۶۳، ۱۶۵،
۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۲،
۱۹۳، ۲۴۰، ۳۰۲، ۳۰۹، ۳۴۱
بدرالدین خان سنقر رومی ۴۰، ۶۳
بہرام خان ۲۹۷
بہاؤالدین باجن ۳۴۲
بو علی قلندر پانی پتی ۲۷۱، ۳۳۴،
۳۸۸، ۳۰۷
بہرام ایبہ ۲۹۷
برہان الدین صوفی ۳۳۷
برہان الدین ملک ۲۹۸
بہاؤالدین ملک ۲۹۸

ت

تغلق، سلطان غیاث الدین ۱۷، ۱۸،
۲۴۴، ۲۶۴، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸،
۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۳، ۳۰۴،
۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰،
۳۱۱، ۳۱۴، ۳۳۸، ۳۶۴۔
تقی اوحدی ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۵۶
تجلی ۳۵۵
تاج الدین زاہد ۳۷، ۱۳۸، ۱۴۲،
۱۷۴، ۲۳۶
تاج الدین سید ۳۲۲
ترمتی خاتون ۲۷۶
تمر خان قمرالدین قیران بیگ ۱۹،
۲۱، ۲۲، ۶۲، ۶۳، ۱۲۷، ۱۶۵۔
تمرخان سنقر عجمی ملک الکبیر ۶۲،
۶۴، ۳۱۹۔
تمر خان شمسی ۶۱، ۶۲، ۶۴۔
تاج الدین قیران بیگ ۳۱۹
تاج الدین محمود ۳۷
تیمور تاش بن چوبان ۱۲
تمان یا تمن ۲۲۰
تتار خان ۲۹۸

ج

جونا خان ۸۵، ۲۴۵، ۲۷۶، ۲۹۶،
۲۹۷، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲،
۳۰۶، ۳۱۰۔
جامی مولانا ۳۱، ۳۲، ۳۴، ۱۰۶، ۳۷۱
جیمس ٹوڈ ۸۷
جان ٹی پلیٹس ۸۸
جام شیخ زادہ ۲۶۲
جلال الدین خلجی ۳۶، ۳۷، ۶۸، ۸۶،
۱۳۷، ۱۴۷، ۱۶۱، ۱۷۶، ۱۸۰،
۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵،

۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۹۰، ۱۹۱،
۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۸، ۲۰۲،
۲۰۸، ۲۱۱، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵،
۲۱۶، ۲۱۷، ۲۳۵، ۲۶۵، ۲۸۲،
۳۰۰، ۳۰۳، ۳۶۴، ۳۷۰، ۴۰۷،
جلال الدین خوارزم شاہ ۱۲
جلال الدین بن الحسین ۱۲
جمالی، شیخ حامد بن فضل اللہ ۷،
۲۸، ۳۱، ۳۲، ۹۳، ۱۰۵، ۱۰۶،
۱۳۵، ۱۳۶، ۲۱۶-
جلال الدین قاضی ۳۰۲
جمال الدین ہانسوی، شیخ ۳۳۶
جہانگیر (بادشاہ) ۳۲۳
بحری قلندر ۱۹۸

چ

چارلس ریو ۲۴، ۲۵، ۵۰، ۵۱-
چنگیز خان ۳، ۱۳۶-

ح

حکیم محمد اکرم امام خان ۲۸۸-
حافظ شیرازی ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۱۴،
۴۱۵، ۴۱۶، ۴۳۲ -
حسین ابن منصور حلاج ۳۷۲، ۳۷۴،
۳۷۵ -
حاجی، علی احمد اسیر ۱۰۹
حاجی رکن الدین ۳۷، ۲۳۳ -
حاتم خان ۴۶، ۹۵، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۷۰
۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵،
۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۸۰، ۱۸۶،
۱۸۸، ۱۸۹، ۲۱۱، ۲۱۳، ۲۹۲-
حسن غزنوی۔ سید حسن غزنوی،
سید اشرف حسن الحسینی ۱۵۹، ۱۶۱،
۱۶۲، ۱۹۷-
حالی مولانا الطاف حسین ۱۴۰۰-۳۹۹-
۴۰۷-
حمید راجہ ۱۸۵ -
حسام الدین قتلغ ۳۷، ۱۰۷، ۱۲۹،
۱۳۲-۱۳۹، ۱۴۰، ۲۲۱، ۲۳۲،
۲۳۶، ۲۸۹-
حافظ محمود شیرانی دیکھئے شیرانی
حبیب، پروفیسر ۲-

خ

خواجہ اصیل کوتوال ۱۹
خان آرزو دیکھئے سراج الدین علی
خان آرزو۔
خسرو لاچین ۱۵
خضر خان، شہزادہ ۲۴۴، ۲۴۶،
۲۴۸، ۳۶۳، ۳۶۶ -

خواجہ محمد (مرید نظام الدین اولیاء) ۲۳۸
خاجو کرمانی ۴۱۳، ۴۱۴۔
خاقانی ۸، ۱۴۰، ۱۴۲، ۲۹۰، ۲۶۹، ۳۹۲، ۳۹۷، ۳۹۸۔

د

دولتشاہ سمرقندی ۲، ۳، ۴، ۶، ۸، ۹، ۲۶، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۸، ۳۹، ۴۳۔ ۴۵، ۴۶، ۶۴، ۱۰۳، ۱۰۶، ۱۲۷، ۱۵۹، ۲۹۰، ۳۷۱، ۴۱۳۔
داؤد جبلی ۲۷۷
دارا شکوہ ۱۰۳، ۱۰۶۔
دول دیوی ۲۴۵، ۴۶۔
دقیقی ۴۱۵

ڈ

ڈینیسن راس ۸۵

ر

رومی، مولانا جلال الدین ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۸۴، ۳۸۹۔
رکن الدین ابراہیم قدر خان ۲۱۴۔
رضیہ سلطانہ ۵۴، ۵۶، ۵۸۔
راورٹی، میجر ۱۹، ۲۱، ۲۲، ۵۳، ۵۶، ۶۴، ۶۸، ۱۲۷۔
رضی الدین نیشاپوری، مولانا ۲۴۰
رکن الدین فیروز شاہ ۲۴۱
راجہ رامچندر ۲۴۵
راگھو ۲۵۸
رام پرشاد ترپاٹھی ۶۰
رکن الدین، شیخ الاسلام ۲۶۲
راوت عارض (عرض) دیکھئے عمادالملک
رکن الدین حاجی ۱۳۳
رکن الدین، کیکاؤس ۳۰۶
راجہ مہی پال ۳۳۳
رودکی ۴۲۳
راجیش کھر ۳۳۳
رحیم فرمنش ۳۷۶

س

سید علی، ہجویری ۳۷۴، ۳۸۸، ۳۸۹
سعدی شیرازی ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۶۳،

۱۶۴، ۱۹۷، ۲۵۲، ۲۷۰، ۲۸۹،
۲۹۰، ۳۹۷، ۳۹۸، ۴۰۰، ۴۱۲،
سر سید احمد خان ۳۹۰
سلطان محمد ابن تغلق شاہ ۱۳، ۱۳۶،
۲۵۷، ۲۶۴، ۲۷۱، ۳۰۸، ۳۱۲،
۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۵۹، ۳۷۰-
سلطان محمد شہید ۹۵، ۹۶، ۱۰۷،
۱۱۰، ۱۱۱، ۱۵۲، ۱۶۱، ۱۶۲،
۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۸، ۱۶۹،
۱۷۰، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۴، ۲۵۴،
۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۵-
سنائی ۱۴۰، ۱۴۲، ۱۹۷، ۲۵۲، ۲۹۰،
۳۷۴، ۴۰۰-
سیدی احمد ۳۷۵-
سیدی مولا ۱۹۳، ۱۹۸، ۲۶۵-
سارنگ دیو، پنڈت ۲۸۵
سیف خان فقیراللہ ۲۸۴
سیف الدین ایبک شمسی ۳۹، ۴۸-
سیف الدین ایبک (خواجہ) ۳۱، ۳۸،
۴۲، ۴۹، ۵۲، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۹۹،
۱۰۳، ۱۰۶، ۱۲۰، ۱۳۷، ۱۳۹،
۱۴۰-
سجان رائے بٹالوی ۳۳۸-
سید انشاء ۳۳۷
سید سلیمان ندوی ۸۴
سیف الدین لاچین ۷، ۳۲، ۳۳، ۳۹،
۹۳، ۹۴، ۹۹-
سیف الدین شمسی ۱، ۳، ۵، ۲۳، ۲۴،
۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۳، ۳۴-
(سیف الدین ایبک شمسی عجمی ۵۲،
۵۳، ۵۶، ۵۷، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۴،
۱۲۶، ۱۲۸-
سیف الدین محمود ۱، ۸، ۹، ۳۲، ۳۹،
۱۰۴، ۱۳۶-
سید حسن دیکھئے حسن غزنوی-
سیف الدولہ ۳۰
سیف الدولہ باربک ۱۴، ۳۴، ۱۷۸-
سنبل ۲۴۸
سراج الدین مولانا ۱۳۵، ۳۸۹-
سعدالدین محمد المعروف بہ قاضی
خطاط ۱۹، ۲۰، ۱۳۲-
سیف‌الدین تغان تت خطائی ۳۹، ۵۵
سراج الدین علی خان آرزو ۳۴۰،
۳۴۶، ۳۴۸، ۳۵۵، ۳۵۶-
سودا ۲۹۴
سعد منطقی ۱۹۳
سلطان سنجر سلجوقی ۱۲
سلمان ساوجی ۴۱۳
سلطان حسین با یقرا ۳۱، ۳۲، ۱۰۶،
۳۷۶-

ستلدیو راجہ ۸۷
سیف الدین ترک ۶۹
سیف الدین ایبک بھتو ۳۹
سیف الدین قبچاق ۱۳
سیف امدین بیکتھور ۱۳
سید امیر علی، مولانا ۳۸۹
سید تاج الدین ۳۲۰

ش

شیخ سلیمان آفندی ۱۰، ۱۱۔
شیرانی، حافظ محمود خان ۸۴، ۲۹۴، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۴۱۲، ۴۱۳۔
شہاب الدین (مولانا) ۱۳۳، ۱۳۸، ۲۳۵، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۸، ۳۰۶۔
شاہجہان ۲۸۳
شبلی نعمانی ۲، ۳، ۴، ۵، ۹، ۱۰، ۱۶، ۱۹، ۴۸، ۱۰۴، ۱۳۹، ۲۵۲، ۲۸۴، ۲۸۵، ۳۴۰۔
شبلی نعمانی ۲، ۳، ۴، ۵، ۹، ۱۰، ۱۶، ۱۹، ۴۸، ۱۰۴، ۱۳۹، ۲۵۲، ۲۸۴، ۲۸۵، ۳۴۰۔
شمس الدین اندگانی ۳۱۷
شہاب معمائی ۳۲۳، ۳۲۴۔
شعبان قمری ۲۷۷
شمس تبریز ۴۱۳
شیر خان لودھی ۲۷۱
شیر خان سنقر ۱۷۶
شیخ مبارک ۱۷، ۱۸
شہاب الدین ملک ۱۷۳
شنکر دیو ۲۴۵
شہاب مہمرہ بدایونی ۲۴۰، ۲۴۱۔
شمس الدین دبیر ۱۵۰، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۶۲، ۱۹۰۔
شمس الدین عجمی ملک التجار ۵۳، ۵۶، ۶۰، ۶۱۔
شحنہ، پیل رانا ۲۱۶
شمس الدین کیکاؤس ۱۸۱، ۱۸۲۔
شہاب الدین ابوالعباس احمد دمشقی العمری ۱۶
شیر علی خان لودھی ۱۰۶
شمس الدین فیروز شاہ ۳۰۶
شاہ ولی اللہ دھلوی ۳۹۰
شیخ نظام الدین اولیاء (سلطان المشائخ) ۹۴، ۹۸، ۱۰۰، ۱۰۶، ۱۲۳، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۵۳، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۲۰۰، ۲۰۱ ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶ ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۵، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۳۰، ۲۳۱،

۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹،
۲۳۱، ۲۳۴، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲،
۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۸۳،
۲۸۳، ۲۸۷، ۲۹۶، ۳۰۱، ۳۰۲،
۳۰۳، ۳۰۷، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱،
۳۱۲، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۹،
۳۲۳، ۳۳۴، ۳۳۷، ۳۴۷، ۳۵۷،
۳۷۰، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۹، ۳۸۰،
۳۸۷، ۳۸۹، ۳۹۱، ۴۰۵، ۴۰۸ -

ص

صفی ۳۵۲، ۳۵۳ -
صباح الدین عبدالرحمان
(مولانا صباح الدین) ۶۶، ۶۷، ۶۹، ۱۴۶ -

ض

ضیاء الدین خسرو ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱،
۳۵۵ -

ط

طغرل، طغان خان ۶۲، ۶۳، ۱۵۱،
۱۵۲، ۲۰۵ -

ظ

ظهیرالدین فاریابی ۱۴۰، ۱۵۹، ۱۹۰،
۲۳۰، ۳۴۹، ۴۱۳ -
ظفر خان ۲۹۷
ظ - انصاری ۹۲

ع

علی لاچین ۱۴
عبدالحمید لاهوری ۲۸۳، ۲۹۴ -
علاءالدین محمد کشلی خان ۱۴۶،
۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰ -
عمادالملک راوت عارض ۱۸، ۲۹،
۳۰، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۶۱، ۶۵،
۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳،
۷۴، ۷۵، ۷۶، ۸۱، ۹۰، ۹۱، ۹۲،
۹۳، ۱۰۰، ۱۰۷، ۱۲۱، ۱۲۲،
۱۲۳، ۱۲۹، ۱۳۲، ۱۴۲، ۱۴۴،
۱۴۶، ۱۵۱، ۲۱۴، ۳۲۵ -
عراقی، فخرالدین ابراهیم ۳۷۴،
۳۷۷، ۳۸۹، ۴۱۳ -
عطار ۳۷۴، ۴۰۰ -
عبید شاعر ۹۳، ۲۹۴ -
عصامی، مولانا ۱۳، ۱۴، ۱۲۱ -
عبدالله ۳
علی شیر نوائی ۳۲، ۹۲، ۳۷۱،
۳۹۱ -
علاء الدین عایشاه ۳۷، ۱۳۴،
۱۳۵، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۲۳۶ -
عوفی محمد ۳۴۱
عادل خان شمسی عجمی ۶۱، ۶۲،
۶۳،
عماد الدین ریحان وکیل در ۵۲

عزالدین بلبن کشلو خان المعروف بہ بلبن کلاں - ۱۷۶
عبدالمومن ۲۷۶
علاءالدین خلجی ۵۸، ۹۹، ۱۲۲، ۱۴۵، ۱۶۱، ۱۶۳، ۱۹۲، ۱۹۷، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۶۱، ۲۶۶، ۲۷۱، ۲۸۲، ۲۹۱، ۲۹۵، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۳، ۳۶۱، ۴۰۵، ۴۰۷-
علی اکبر دہخدا ۱۱، ۱۲، ۱۵-
عبدالرحمان بجنوری ۳۹۹
عبدالحق، مولوی ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱-
عفیفہ ۲۳۵
علی بن ایبک سلطانی دیکھئے حاتم خان۔
عزالدین خواجہ یا عزیزالدین خواجہ ۔ ۴، ۲۰، ۲۱، ۲۵، ۱۳۰، ۱۳۱-
عباس اقبال ۱۲۰
عزالدین بلبن یوزبک ملک ۱۷۶
عزالدین علیشاہ ۱۳۳، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۹، ۱۴۰
عبدالحئی حبیبی ۲۱، ۲۲-
عین الملک ماہرو (عین الدین) ۵۹
عبدالوسع ہانسوی ۳۴۶
عین القضاۃ ہمدانی ۳۷۵، ۳۷۶-

غ

غالب ۷۴، ۱۴۳، ۳۹۹، ۴۲۶، ۴۳۸
غازی الدین حیدر پادشاہ اودہ ۴۲، ۲۷۷
غیاث الدین بن سکندر (والیٔ بنگالہ) ۴۱۴ -
غیاث الدین تغلق دیکھئے تغلق سلطان غیاث الدین
غلام حسین طباطبائی ۱۴
غیاث الدین بہادر ۳۰۶، ۳۰۷ -

ف

فرشتہ، ملا قاسم ہندوشاہ ۸، ۹، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۸، ۳۹، ۱۰۵، ۱۱۸، ۱۳۶، ۱۶۳، ۲۰۹، ۲۹۶، ۳۰۹، ۳۱۱، ۳۶۶ -
فرید الدین شکر گنج خواجہ ۲۸۷، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۷۳ -
فیروز شاہ تغلق ۳۷۳
فتوحا ۱۸۵
فخرالدین مبارک شاہ ۸۵
فردوسی ۱۱
فخرالدین محمد بن حسین ۳۶
فخرالدین سالاری ۱۲
فخرالدین ابراہیم عراقی دیکھئے عراقی

ق

قطب الدین مبارک شاہ ۱۰۴، ۲۴۸،
۲۴۹، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶،
۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱،
۲۶۲، ۲۶۶، ۲۹۷، ۲۹۹، ۳۰۰،
۳۰۱، ۳۰۳، ۳۱۴، ۳۲۲۔
قطب الدین علوی، ملک ۲۱۶
قطب الدین بختیار کاکی خواجہ ۲۶۵
قلتاش ۱۴
قطلو خان ۳۰۶
قطب الدین ایبک ۱۱، ۳۹، ۷۵، ۸۵،
۳۳۵۔

ک

کبیر (ہندی شاعر) ۴۲۱
کمال اسماعیل اصفہانی (اسپہانی)
۱۴۱، ۱۴۲، ۱۶۱، ۱۹۷، ۳۹۸،
۴۱۲۔
کوک ساغر ۱۲
کیقباد، معزالدین ۴۹، ۹۴، ۱۴۷، ۱۴۸
۱۴۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۳، ۱۸۰،
۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵،
۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۶، ۲۰۷، ۲۰۸،
۲۱۱، ۲۱۳، ۲۸۲، ۳۰۰، ۳۰۶۔
کانٹ ۳۷۸
کملا دیوی ۲۴۵
کرن رائے راجہ ۲۴۵
کیخسرو (شاہزادہ) ۱۶۹
کبیرالدین ۳۶۱
کمال الزمان بدرالدین ۲۷۶، ۲۷۸۔
کمال الدین برہان غزنوی ۳۰۲
کمال الدین قاضی ۲۹۸

ل

لاچین، لاجین، لاچی، لاجی،
۱، ۳، ۴، ۵، ۶، ۷، ۸، ۹، ۱۰، ۱۲،
۱۳، ۱۵، ۱۶، ۱۹، ۲۰، ۲۱،
۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۳۰، ۳۲،
۳۳، ۳۹، ۴۰، ۴۶، ۴۸، ۶۰،
۶۴، ۹۹، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۸،
۱۳۰۔
لاچین بک ۱۲، ۱۳۔
لاچین خطائی ۱۲
لاچین غلام ملک اشرف ۱۲
لاچین حسامی ۱۲
لاچین بیگ قلماق ۱۴
لاچین (پدر زیرک) ۱۳
لاچین (حاکم مصر) ۱۳
لاچین پدر احمد فیروز جنگ ۱۳
لدر دیو راجہ ۲۵۸، ۳۰۰
لین پول ۱۸

م

ملک کافور ۲۴۴، ۲۴۶، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۶۱، ۲۹۵۔
ملک محمود خانخانان ۳۷، ۱۸۷، ۱۹۳، ۱۹۴، ۲۱۴، ۲۹۷، ۳۱۵۔
ملک خسرو خان ۲۰۹، ۲۵۸، ۲۶۲، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۱، ۳۳۸، ۳۶۴۔
میرخورد ۸۷، ۳۷۹، ۳۸۰۔
محمد امین چڑیا کوٹی ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶۔
محمد شاہ چنگی ۱۸۵
ملک حسین قرلغ ۵۴
مانک سوہلی ۲۸۴
ملک علی بن لاچین ۱۳
محمود بن حسین ۳۶، ۱۹۴۔
معزالدین مسعود ۳۷، ۲۳۳،
ملک کشلی خان (سیف الدین) ایبک سلطانی ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۷۸۔
ملک اختیار الدین چھجو ۸۹، ۱۱۰، ۱۱۵، ۱۴۳، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۷۹، ۱۸۲، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹ ۱۹۰، ۲۱۱، ۲۱۴، ۲۳۵، ۲۹۷۔
ملک فخرالدین وکیل در ۱۹۴
مغیث ہانسوی، قاضی ۱۹۳، ۲۱۲۔
معروف کرخی ۳۷۲
موبد جاجرمی ۱۹۳
معین الدین چشتی ۳۷۳، ۳۷۴۔
مہر افروز ۱۸۵
مصحفی ۸۸
مسعود سعد سلمان ۵، ۲۸۶، ۳۴۱۔
مولانا داؤد ۳۰۱
معزالدین غریفی ۱۴۱
ملک سیف الدین (ایہجن) ۱۸۸
معزالدین بہرام شاہ ۵۶، ۵۸۔
مرزا محمد ۶
محمد تغلق دیکھئے سلطان محمد ابن تغلقشاہ
محمود بن عمادا ۳۵، ۳۶، ۳۸، ۱۱۷، ۱۴۹، ۱۹۳۔
منہاج سراج ۴۰، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۷، ۵۸، ۶۲، ۶۳، ۷۳، ۸۵، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۴۷۔
میر تقی میر ۳، ۳۷۱۔
محمد غوث شطاری ۲۳۹
مانسنگھ، راجہ ۲۷۱
ملکۂ جہاں ۲۱۴، ۲۴۶۔
مرزا لعل بیگ بدخشانی ۲۷، ۳۴، ۹۷، ۹۸، ۲۳۸، ۲۳۹۔

مسعود حسین رضوی سید ۳۴۷، ۳۴۸
مہدی حسین آغا، ڈاکٹر ۱۷، ۱۸،
۶۰، ۳۰۹۔
ملک الغجی ۱۸۸
ملک تاجور ۱۸۸
محمود کاشغری ۱۰، ۱۲۵۔
مولوی محمد اسماعیل ۸۴
ملک فیروز ۱۹، ۲۲۔
ملک علی حیدر ۲۹۸
ملک شادی خان ۲۹۵، ۲۹۸۔
موسیٰ خواجہ ۳۲۳
مہدی خواجہ ۳۲۳
ملک ہندو خان ۵۲
مولانا ترک ۳۹۱
ملک مبارک خان ۲۴۹
محمد یاسین (کاتب) ۳۵۵
معین الدین محمد الزمچی الاسفراری ۱۳
ملک مجدالدین، کالیونی ۱۳
ملک نصرت سردواتدار ۱۹۳
ملا وجہی ۳۳۸

ن

نقی محمد خان خورجوی ۲۸۵، ۲۸۸۔
نصیرالدین محمود چراغ دہلوی ۱۳۶۔
۲۶۳۔
نظامی گنجوی ۹۲، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۹۷۔
۲۲۳، ۲۳۴، ۳۳۸، ۳۷۳، ۳۷۴،
۳۹۳، ۳۹۴، ۔
ناصرالدین محمود، سلطان ۲۰، ۲۱
۵۵، ۵۷، ۵۸، ۶۲، ۶۳، ۱۲۹،
۲۱۱، ۳۰۷، ۳۲۵
نصیر الدین ملک ۲۱۶
ناصرالدین محمود بن شمس الدین
(حاکم بنگالہ) ۳۰۶
نصرت خان ۲۳۵، ۲۹۷۔
نظام بن ہیبت خان ۱۸۵
نصرت بی بی ۱۸۵
نصرت خاتون ۱۸۵
نظام الملک نظام الدین ۹۵، ۱۰۸،
۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲،
۱۸۰، ۱۸۱، ۲۱۳۔
نوری بن شہاب الدین مولانا ۲۳۶
نوروز بن سویدان شاہ پوری ۳۵۳
نائیک گوپال ۲۷۱
نجیب اشرف ندوی ۳۵۳
نظام الدین دیکھئے شیخ نظام الدین
اولیاء۔
ناصرالدین افغان، سلطان ۱۳
ناصرالدین قباچہ ۱۲-۲۵
نصیرالدین، خواجہ کاسہ لیس ۱۳۰
نجم الدین (نجم الملت والدین) ۱۷۸

و

وحید مرزا ڈاکٹر ۲، ۳، ۴، ۵، ۶، ۸،
۹، ۱۰، ۱۶، ۳۱، ۴۳، ۴۴، ۴۵،
۴۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۱، ۷۶، ۸۲،
۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱،
۱۱۲، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۲۷،
۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۹،
۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۷۶، ۱۹۴،
۲۲۰، ۲۵۸، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۱۲،
۳۲۳۔
والہ داغستانی، علی قلی ۳۳، ۱۰۳،
۱۰۴۔
ورڈ سورتھ ۴۱۷

ہ

ہمدانی، عین القضاۃ ۳۷۴، ۳۷۵،
۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۹، ۳۸۰۔
ہیبت خان ۱۸۵
ہمام تبریزی ۴۱۳
ہمایوں ۳۲۳

ی

یحییٰ بن احمد السہرندی (سرہندی)
۱۳، ۱۴، ۱۰۱، ۱۸۳۔
یبغو خان ۱۲، ۱۳۔
یمین الدین (خطاب خسرو) ۱۲۹،
۱۳۶۔

اسماء قبائل

ایبک ۱۱، ۱۷، ۳۸
اروس ۳۶
الجین ۱۲۵
برادو ۲۹۵
پروار ۲۹۵
پری ہارا ۸۸
ترک ختائی ۵۰، ۵۱
ٹانک ۳۳۵
چنڈال ۸۷
راوت ۸۶، ۸۹
راول ۸۸
غزیہ ۳۸
قبچاق ۲۱، ۵۳، ۵۸
قارلوق ۱۲
لاچین ۱۱،، ۳۳۳۲
ہزارہ لاچین ۳، ۳۱

اسماء مقامات جغرافی

الف

امروہہ ۱۸۶، ۲۶۳
اجودھن ۱۰۶، ۲۳۸
افغان پور ۳۱۰، ۳۱۱
اودھ ۶۲، ۶۴، ۹۵، ۱۰۸، ۱۳۲، ۱۷۰،
۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۷، ۱۸۱،
۱۸۶، ۲۳۵، ۳۲۲،
ایران ۱۱، ۲۷۹، ۲۸۸، ۲۸۹، ۳۸۴،
۳۱۲، ۳۱۶،
اصفہان (اسپہان) ۳۳۴ -
استانبول ۱۰، ۱۱
انگلستان ۲۴، ۲۶
افغانستان ۴۳
اترار (فاریاب کا قدیم نام) ۴۴-۴۵-۴۶
اعظم گڑھ ۶۶

ب

باکو ۱۳
بخارا ۴۳-۴۴-۴۵-۲۸۵-۳۳۴-
۳۳۲-
بلخ ۷-۴۳-۴۴-۱۰۵-۱۶۸-
بغداد ۳۲۹، ۳۳۴-
بدایوں ۱۳۸-۱۸۸-۱۸۹ -
بلا ساغون ۴۴-۴۵-۴۶-۵۰ -
بندیل کھنڈ ۸۷ -
بنگال ۱۶۹-۶۰۶-
باختر ۲۷۲
باخرز ۲۸۵
بمبئی ۳۵۴

پ

پاکستان ۳۹۰
پٹیالی ۹۳- ۹۴- ۹۵- ۹۷- ۹۸- ۹۹-
۱۰۰-۱۰۱-۱۰۲-۱۰۴-۱۰۵-
۱۰۶-۱۰۷-۱۰۸-۱۰۹- ۱۱۱
۱۱۱، ۱۱۴، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۶
۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۹۷، ۳۰۲
۲۱۳
پنجاب ۳۳۵

ت

تغلق آباد ۳۰۵
تلنگانہ ۳۰۵
تاشقند (چاچ کند) ۱۰، ۱۵
تہران ۳، ۱۵
ترکستان ۴۴

ٹ

ٹھٹھ (تتہ) ۴۳۹

ج

جھائن ۱۸۹

چ

چتوڑ ۲۴۳
چین ۴۴

خ

خراسان ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۱۲، ۴۱۳
خوارزم ۵۳، ۵۶
ختا (خطا) و ختن ۴۶، ۵۰

د

دریائے سندھ ۵۵
دریائے بیاس ۹۶
دکن ۲۴۲، ۲۴۵، ۳۰۱، ۳۳۸، ۳۳۶
دیپال پور ۱۶۸، ۳۳۶
دیوگیر ۲۳۸، ۲۴۵، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶
۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۹۸، ۳۰۱
دامغان ۱۱
دمشق ۱۶
دولت آباد ۱۳، ۲۵۷
دریائے جیحوں ۴۳، ۴۴
دھلی ۴۵، ۴۶، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۶۲، ۷۵
۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸،
۱۰۰، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۶، ۱۰۷
۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۴
۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۲
۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۶، ۱۴۵، ۱۵۲
۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۲
۱۷۴، ۱۷۶، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۷
۱۹۶، ۲۰۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۲۰
۲۳۶، ۲۴۵، ۶۵۴، ۲۵۵، ۲۵۸
۲۵۹، ۲۶۳، ۲۶۵، ۲۷۶، ۲۹۶
۲۹۸، ۳۰۲، ۳۰۴، ۳۰۶، ۳۱۰
۳۱۱، ۳۱۶، ۳۲۳، ۳۲۵، ۳۲۸
۳۳۳، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۶۸، ۳۸۹
۳۹۱، ۴۰۷

ر

روم ۴۴، ۲۷۹
رنتھنبور ۸۵، ۸۶، ۱۲۱
رام پور ۳۷۶
روس ۴۴

س

سنار گاؤں ۳۰۶، ۳۰۷
سمرقند ۳، ۱۲، ۱۳، ۴۵، ۲۸۵، ۳۳۴،
۴۳۲
سندھ ۵۴، ۲۹۷، ۴۴۸
سامانہ ۱۵۱، ۱۸۰

ش

شمالی ہند ۸۴

ظ

ظفر آباد ۲۹۸

ع

عرب ۲۷۹، ۳۲۹
علی گڑھ ۱۰۳
عراق ۵۳، ۵۶، ۲۷۹، ۲۸۱، ۲۸۵،
۲۹۰
عجم ۵۳، ۵۶، ۲۷۹، ۲۸۱، ۲۸۵

غ

غور ۲۸۵
غیاث پور ۹۴، ۱۹۷، ۲۰۲، ۲۶۲
غور بند ۱۰۵
غزنی ۳۳، ۵۲، ۵۴، ۵۶، ۱۰۴، ۲۸۵

ف

فرغانہ ۲۸۵

ق

قنوج ۳۳۳
قطب آباد ۲۵۷، ۲۵۸
قچچاق ۴۴، ۶، ۱۲۸
قندھار ۲۱

ک

کاشغر ۱۱، ۴۵
کابل ۱۰۵، ۱۳۶
کلکتہ ۵، ۱۰، ۱۴، ۳۴۵
کنپل ۱۰۱
کرومنڈل ۳۳۲
کڑا مانک پور ۲۸، ۱۲۸، ۱۴۴، ۱۴۵
کراچی ۲۷، ۹۷، ۲۷۷، ۳۴۸، ۳۴۹،
۳۵۱، ۳۵۲، ۳۷۶ -
کرناٹک ۳۳۲
کنچتور ۱۷۳
کش ۴۳، ۱۲۶
کرمان ۵۴

گ

گرد کوہ ۱۱
گجرات ۱۳، ۲۴۵، ۳۳۹
گوالیار ۲۴۸

ل

لکھنوتی ۶۲، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۹۲
۱۶۹، ۱۷۶، ۱۹۰، ۳۰۲، ۳۰۴
۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۱۱
۳۳۲ -

لاہور ۴، ۱۶۱، ۱۹۵، ۲۸۵

لکھنو ۳، ۲۶

لاچین ۱۱

م

متھرا ۳۳۳

مصر ۱۲، ۱۶۲

ماوراء النہر ۱۲، ۱۳، ۴۳، ۴۴، ۴۵

۴۶، ۱۲۶، ۱۲۸، ۴۱۲ ۔

مومن پور ۱۰۱، ۱۰۳، ۱۰۹، ۱۱۱،

۱۱۵ ۔

مومن آباد ۹۴، ۹۹، ۱۰۵

ملتان (مولتان) ۲۵، ۵۴، ۹۶، ۱۰۷،

۱۴۷، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۸، ۱۶۹،

۱۷۰، ۱۷۲، ۱۸۸، ۱۸۹، ۲۱۴،

۲۶۲، ۲۸۵، ۲۹۰، ۲۹۷، ۳۱۵،

۳۳۶، ۳۳۷ ۔

مانک گنج ۱۴

مارہرہ ۱۰۳

مندور ۸۸

و

ورنگل (ارنگل) ۲۵۸، ۲۵۹، ۳۰۰

ولایت بالا ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۸

ہ

ہستنا پور ۲۶۳

ہندوستان ۳، ۱۲، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۵۴،

۶۵، ۶۷، ۷۴، ۸۵، ۹۲، ۹۴،

۱۰۰، ۱۰۲، ۱۰۴، ۱۳۶، ۱۹۳،

۲۴۷، ۶۵۹، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴،

۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۲، ۳۲۵، ۳۳۰،

۳۶۸، ۳۹۵، ۴۰۷ ۔

ی

یونان ۲۷۳، ۲۷۹، ۳۸۴

یورپ ۲۲۳، ۳۸۵

اسماء کتب و منابع، جنکا کوئی حوالہ اس کتاب میں دیا گیا ہے

آئین اکبری - ابوالفضل - مطبوعۂ نولکشور - ۱۸۹۳ء

India A Short Cultural History
by H. G. Rawlinson, London 4th Edition 1952.

الٰہیات اسلامی کی تشکیل جدید - علامہ اقبال

(The Reconstruction of Religious Thought in Islam
by Dr. Sir Md. Iqbal. Lahore 1960).

آینۂ سکندری، امیر خسرو - علیگڑھ ایڈیشن - ۱۹۱۸ء

سکندر نامۂ خسروی (خسرو) مطبوعۂ دھلی ۱۹۱۳ء

افضل‌الفوائد - امیر خسرو (اُردو ترجمہ) سر ورق غایب (مطبوعۂ دھلی) -

انشاء ماھرو - عین الدین عین الملک ملتانی - مطبوعۂ ادارۂ تحقیقات پاکستان دانشگاہ پنجاب لاھور -

Annals and Antiquities of Rajasthan
by James Todd. London 1914.

An Advanced History of India
by Majnmdar, Raychaudhuri and Datta,
Third Edition, New York. 1967.

آٹھویں اور نویں صدی ھجری کی فارسی تالیفات سے اردو زبان کے وجود کے ثبوت -

(مضمون) حافظ محمود شیرانی - مقالات حافظ محمود شیرانی حصہ اول مجلس ترقی اردو لاھور -

اذکار ابرار اردو ترجمہ گلزار ابرار کا، مطبوعہ اسلامک بک فاؤنڈیشن لاھور ۱۹۷۵ء۔

آتشکدۂ آذر۔ لطف علی بیگ آذر۔ مخطوطہ قومی عجایب خانہ کراچی۔

اعجاز خسروی - امیر خسرو۔ مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱۸۷۶ء۔

اعجاز خسروی۔ امیر خسرو۔ مخطوطہ (ترقیمہ ۱۲۴۷ ھجری) قومی عجایب خانہ کراچی۔

بادشاہ نامہ۔ ملا عبدالحمید لاھوری۔ ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ ۱۸۶۸ء

بھارستان سخن۔ مولانا عبدالرحمن جامی مطبوعہ۔ نولکشور

بزم مملوکیہ۔ مولوی صباح الدین عبدالرحمن۔ مطبوعہ اعظم گڑھ۔

Persian English Dictionary by F. Steingass.
5th Edition, London.

پنجاب میں اردو۔ حافظ محمود شیرانی۔ مطبوعہ معین الادب لاھور۔

Platos' Republic, Translated
by H. D. P. Lee, Penguin Books.

تاریخ ادبیات مسلمانان ھند و پاک - تیسری جلد۔ مطبوعہ پنجاب یونیورسٹی لاھور۔

تاریخ فخر الدین مبارک شاہ مروردی المعروف بہ فخرمدبر یا مدبر۔ مرتبۂ ڈینیسن راس مطبوعہ لندن ۱۹۲۷ء۔

تاریخ علائی۔ دیکھئے خزائین الفتوح از امیر خسرو۔

تاریخ جھانکشائے جوینی۔ عطا ملک جوینی مطبوعہ لیڈن۔

تاریخ مغول در ایران۔ جلد اول عباس اقبال چاپ دوم تھران۔

تغلق نامہ۔ امیر خسرو۔ مطبوعہ حیدرآباد دکن ۱۹۳۳ء۔

تاریخ مبارک شاھی۔ یحییٰ بن احمد السھرندی (سرھندی) ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ۔ ۱۹۳۱ء

تاریخ فرشتہ محمد قاسم ھندو شاہ۔ مطبوعۂ نولکشور لکھنؤ۔

تاریخ فرشتہ محمد قاسم ھندو شاہ۔ مخطوطہ۔ قومی عجایب خانہ کراچی۔

تاریخ فیروز شاہی ۔ ضیاء الدین برنی مرتبۂ سر سید احمد خان ۔ رائیل ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ ۱۸۶۰ء ۔

تاریخ فیروز شاہی ۔ ضیاء الدین برنی ۔ مخطوطہ ۔ قومی عجائب خانہ کراچی ۔

تاریخ فیروز شاہی ۔ ضیاء الدین برنی ۔ أردو ترجمہ ۔ مطبوعۂ مرکزی أردو بورڈ لاہور ۔

تذکرۃ الشعراء ۔ دولتشاہ سمرقندی ۔ نسخۂ عباسی ۔ مطبوعۂ تہران ۔

تذکرۃالشعراء ۔ دولتشاہ سمر قندی ۔ مرتبۂ محمد اقبال صافی ۔ مطبوعۂ لاہور ۔

ثمرات القدس ۔ مرزا لعل بیگ بدخشانی ۔ (ترقیمہ ۱۰۱۷ هجری) ۔ مخطوطہ قومی عجائب خانہ کراچی ۔

جواہر خسروی (خسرو کا ہندوی کلام) مرتبۂ مولوی محمد امین چڑیا کوٹی ۔ مطبوعۂ علیگڑھ ۔ ۱۹۱۸ء

جامع التواریخ ۔ رشید الدین فضل اللہ ۔ مطبوعۂ باکو جلد سوم ۔

حیات شبلی ۔ سید سلیمان ندوی ۔ مطبوعۂ اعظم گڑھ ۔

حیات امیر خسرو — علی نقی خورجوی ۔ مطبوعۂ کراچی ۔

حفظ اللسان ۔ مرتبۂ حافظ محمود شیرانی ۔ مطبوعۂ انجمن ترقی اردو ۔ ۱۹۳۳ء

حفظ اللسان ۔ ضیاء الدین خسرو ۔ مخطوطہ ۔ (ذخیرۂ مخطوطات انجمن ترقیٔ اردو کراچی) قومی عجائب خانہ کراچی ۔

خلاصتہ التواریخ ۔ سجان رائے بٹالوی ۔ مطبوعۂ دہلی ۱۹۱۸ء

خزانۂ عامرہ ۔ غلام علی آزاد بلگرامی ۔ مطبوعۂ نولکشور لکھنؤ ۔

خزائین الفتوح ۔ امیر خسرو (فارسی) مرتبۂ ڈاکٹر وحید مرزا ۔

خزائین الفتوح ۔ امیر خسرو ۔ مخطوطہ ۔ قومی عجائب خانہ کراچی ۔

خالق باری (جواہر خسروی) ۔

خاندان تغلق ۔ ڈاکٹر آغا مہدی حسین ۔

Tuglaq Dynasty by Dr. A. Mahdi Husain.
Thacker Spink & Co. 1933.

The Administration of the Sultanate of Delhi, by Dr. I. H, Quraishi, Lahore 1966.

دریائے لطافت ۔ سید انشاء اللہ خاں انشاء ۔ اردو ترجمہ ۔ مطبوعۂ انجمن ترقیٔ اردو ۱۹۳۵ ۔

دیوان امیر حسن علاء سجزی ۔ مطبوعۂ حیدرآباد دکن ۔

دیباچۂ غرۃ الکمال ۔ امیر خسرو ۔ مطبوعۂ دہلی ۔

Catalogue of Indian coins in the British Museum by Lane-Poole, London. 1884.

The Coinage and Metrology of the Sultans of Delhi by H. Nelson Wright. Delhi. 1936.

The Chronicles of the Pathan Kings of Delhi by Edwand Thomas, Reprint Pakistan. 1975.

روضات الجنات فی اوصاف مدینۃ الہرات ۔

از معین الدین محمد الزمچی الاسفراری ۔ حصہ دوم چاپ تہران ۔

ریاض الشعراء ۔ علی قلی والہ داغستانی ۔ مخطوطہ قومی عجائب خانہ کراچی ۔

سفر نامۂ ابن بطوطہ (رحلہ) ۔ اردو ترجمہ رئیس احمد جعفری ۔ مطبوعۂ کراچی

سفر نامۂ ناصر خسرو ۔ مرتبۂ الطاف حسین حالی ۔ مطبوعۂ دہلی ۔

سیر العارفین ۔ حامد فضل اللہ جمالی ۔ مطبوعۂ دہلی ۱۳۱۱ ہجری ۔

سیر العارفین ۔ حامد فضل اللہ جمالی ۔ مخطوطہ ، تلخیص از عبیدالمقتدر خاں قومی عجائب خانہ کراچی ۔

سیر الاولیاء ۔ میر مبارک المعروف بہ میر خورد مخطوطہ (فارسی) قومی عجائب خانہ کراچی ۔

سیر الاولیاء ۔ میر خورد ۔ اردو ترجمہ ۔ مطبوعۂ لاہور ۔

Some Aspects of Muslim Administration by Ram Prasad Trpathi, India.

سیر المتاخرین ۔ اردو ترجمہ ۔ غلام حسین طباطبائی ۔ کراچی ۔

سفینۃ الاولیاء ۔ داراشکوہ ۔ مطبوعۂ نولکشور ۔ لکھنؤ ۔

سب رنگ - ملا وجہی - مطبوعۂ انجمن ترقیٔ اردو -

شیریں خسرو - امیر خسرو - مطبوعۂ علی گڑھ - ۱۹۱۸ء

شعر العجم - حصہ دوم علامہ شبلی نعمانی - مطبوعۂ تاج بک ڈپو لاہور -

طبقات ناصری (جلد اول و دوم) - منہاج سراج - مرتبۂ عبدالحئی حبیبی - مطبوعۂ کابل - سنہ ۱۳۴۳ ش -

طبقات ناصری - منہاج سراج - مرتبۂ ولیم ناسولیس، رائل ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ ۱۸۶۴ء -

طبقات ناصری - منہاج سراج، ترجمۂ انگلیسی از میجر راورٹی - مطبوعۂ لندن ۱۸۸۱ء -

غیاث اللغات - غیاث الدین رامپوری - مطبوعہ

غایت الامکان فی درایت المکان - عین القضاۃ ھمدانی - ترجمۂ انگلیسی، اقبال اکیڈیمی کراچی -

فرھنگ آصفیہ - اردو لغت - مطبوعۂ دھلی -

فوائد الفواد - امیر حسن علاء سجزی - مرتبۂ محمد لطیف ملک مطبوعۂ لاھور -

فتوح السلاطین - مولانا عصامی - مطبوعۂ ہندوستانی اکیڈیمی ۱۹۳۷ء

کشف المحجوب - سید علی ہجویری (اردو ترجمہ) مطبوعۂ لاھور -

Cambridge History of India Part III
Edited by V. Haig, 1958.

Catalogue of the Persian
Manuscripts in the British Museum
by Charles Rieu Vol I, Second Edition, London. 1965.

کلیات غزلیات خسرو - (امیر خسرو) جلد اول تا چہارم - پیکجز لمیٹڈ - لاھور ۱۹۷۵ء -

کلیات امیر خسرو برٹش میوزیم اضافی شمارہ نمبر ۲۱،۱۰۴

کلیات امیر خسرو انڈیا آفس لائبریری - شمارہ نمبر ۱۱۸۶

کلیات امیر خسرو - انڈیا آفس لائبریری - شمارہ نمبر ۱۱۸۷

کلیات امیر خسرو انڈیا آفس لائبریری شمارہ نمبر ۱۱۸۸

کلیات خسرو (نامکمل) غرۃ الکمال و بقیہ نقیہ - بمع دیباچۂ غرۃالکمال
مخطوطہ - قومی عجایب خانہ کراچی -

کلیات دوائین و عناصرخسرو - امیر خسرو - مطبوعۂ نولکشور لاہور -

گلزار ابرار - محمد غوث شطاری مانڈوی - دیکھیے اذکار ابرار اردو ترجمہ

دیوان لغات الترک - محمود کاشغری - مطبوعہ استانبول -

لغت چغتائی و ترکیٔ عثمانی - شیخ سلیمان آفندی - مطبوعۂ استانبول -

لغت نامۂ علی اکبر دهخدا - مطبوعۂ تہران -

Life and Works of Amir Khusroe
by Dr. M. Waheed Mirza, Calcutta 1935.

لباب الالباب - محمد عوفی مطبوعۂ لیڈن ۱۹۰۶ء

مطبوع الصبیان - صفی - مخطوطہ (ذخیرۂ مخطوطات انجمن ترقی اردو کراچی)
قومی عجایب خانہ کراچی -

مطلوب الطالبین - محمد بلاق - مخطوطہ - قومی عجایب خانہ کراچی -

مراۃ الخیال - شیر خان لودھی - مخطوطہ - قومی عجایب خانہ کراچی -

میخانہ - ملا عبدالنبی قزوینی مرتبۂ محمد شفیع - مطبوعۂ لاہور -

مسالک الابصار فی ممالک الامصار - شہاب الدین العمری -
مکتبۂ برہان دهلی -
ترجمۂ انگلیس از ایلیٹ اینڈ ڈاؤسن - حوالہ -

The History of India as told by its own Historians
by Sir Henry Illiot and John Dowson Vol. III
Appendix. London. 1867

مطلع الانوار - امیر خسرو - مطبوعۂ نولکشور لکھنؤ -

مجالس النفائیس - علی شیر نوائی - ترجمۂ فارسی از شاہ علی
تاریخ ترجمہ ۹۸۳ ھجری مخطوطہ - قومی عجایب خانہ کراچی -

مجمع النفائس - سراج الدین علی خان آرزو - مخطوطہ - قومی عجایب خانہ
کراچی -

مجالس العشاق ۔ سلطان حسین بایقرا ۔ مطبوعہ، لکھنؤ ۔

مثنوی کدم راؤ پدم راؤ ۔ نظامی ۔ مطبوعہ، انجمن ترقی اردو کراچی ۔

مثنوی لیلیٰ مجنوں ۔ امیر خسرو ۔ مطبوعہ، ماسکو ۱۹۶۵ء

مجمع الفصحا ۔ رضا قلی ہدایت ۔ مطبوعہ، تہران ۔

مقامات علی شیر نوائی ۔ بحوالہ رسالہ آجکل دہلی ۔ خسرو نمبر ۱۹۷۴ء

مقالات شیرانی ۔ جلد ششم مطبوعہ، لاہور ۔

مثنوی نہ سپہر ۔ امیر خسرو ۔ مرتبہ، ڈاکٹر ایم وحید مرزا ۔
مطبوعہ کلکتہ ۱۹۲۸ء ۔

مثنوی قران السعدین ۔ امیر خسرو ۔ مطبوعہ علیگڑھ ۔ ۱۹۱۸ء

مثنوی دول رانی و خضر خان ۔ امیر خسرو ۔ مطبوعہ علیگڑھ ۔ ۱۹۱۸ء

مثنوی دول رانی و خضر خان امیر خسرو ۔ مخطوطہ ۔
قومی عجایب خانہ کراچی ۔

مفتاح الفتوح ۔ کلیات خسرو ب ۔ م ۔ شمارہ اضافی ۲۱،۱۰۴ ۔

منتخب التواریخ ۔ ملا عبدالقادر بدایونی ۔ مخطوطہ ۔
قومی عجایب خانہ کراچی ۔

نفحات الانس از مولانا عبدالرحمان جامی ۔ مطبوعہ، کلکتہ ۱۸۵۹ ۔

نتائج الافکار ۔ محمد قدرت اللہ خان گوپاموی ۔
مخطوطہ ۔ قومی عجایب خانہ کراچی ۔

نالندا و شال ساگر ہندی لغت ۔ شری نول جی ۔ مطبوعہ، دہلی ۔

نہایت الکمال ۔ دیوان امیر خسرو ۔ مطبوعہ، دہلی (کتب خانہ نظامیہ) ۔

نور اللغات ۔ اردو لغت ۔ مطبوعہ کراچی ۔

ہندوستان کے عہد وسطیٰ کی ایک ایک جھلک ۔
مطبوعہ، معاون پریس اعظم گڑھ ۔

ہشت بہشت ۔ امیر خسرو ۔ مطبوعہ، علیگڑھ ۔ ۱۹۱۸ء

ہفت اقلیم ۔ محمد امین رازی ۔ مخطوطہ قومی عجایب خانہ کراچی ۔

The History of India as told by its own Historians, Parts I, II & III by Sir Henry Illiot & John Dowson, London. 1867.

A Dictionary of Urdu classical, Hindi and English by John T. Platts.

دیوان حافظ - مطبوعهٔ تهران

مثنوی لیلیٰ مجنوں۔ (مولانا عبدالرحمن جامی) مخطوطه قومی عجائب خانه کراچی

دیوان غالب (کلام اُردو) - مطبوعه دهلی

کلیات میر تقی میر ۔ مطبوعهٔ ۔ لکهنو

بانگ درا ۔ اقبال مطبوعهٔ لاهور

جاوید نامه - اقبال مطبوعهٔ لاهور

تصحیحات

صفحه	سطر	غلط	صحیح
۱	۱	تحفتہ الصغر	تحفة الصغر
۳	۶	افسانہ ترازی	افسانہ طرازی
۴	۱۰	لکتھا	لکھتا
۵	۶	ملاخطہ	ملاحظہ
۶	۲۰	لیگن	لیکن
۷	۳	نفسف	تصنیف
۸	حاشیہ *	۱۹۳۳	۱۹۳۵
۹	۱۵	تحفتہ الصغر	تحفة الصغر
۹	۲۲	نزرگوں	بزرگوں
۱۰	حاشیہ *	استابول	استانبول
۱۱	حاشیہ ••	استنابول	استانبول
۱۲	حاشیہ **	لیدن	لیڈن
۱۳	۱۲	سیف الدین	سیف الدین
۱۳	۱۹	قلمبنہ	قلمبند
۱۴	۷	قلقاش	قلتاش
۱۴	۱۴	ملاخظہ	ملاحظہ
۱۴	۱۶	کھ	کہ
۱۴	۸ حاشیہ	لاچین کے	لاچین
۱۵	۵	جگھ	جگہ
۱۷	۴	ثبوپ	ثبوت
۱۸	۳	التمش	التتمش
۱۸	۳	سلطانی	سلطان

صفحه	سطر	غلط	صحیح
۱۸	۷	چه	چھ
۱۸	۱۰	یھ	یہ
۱۸	۱۱	کھ	کہ
۱۹	۱۹	خطاط	خطاط
۲۰	۱۴	مدن	مداں
۲۲	۹	Dirans	Dirams
۲۵	۶	ہوا	ہوا ہے
۲۵	حاشیه	لیدن	لیڈن
۲۷	۶	استفاده سے	استفاده
۲۷	۱۶	نکردی	نکردی ***
۲۸	حاشیه **	ترقیمه ۸۶۶ هجری	ترقیمه ۸۲۲ هجری
۳۲	۲۲	تذکرة الاولیاء	سیرالاولیاء
۴۰	۱ حاشیه	ترجمه	ترجمے
۴۰	۴ حاشیه	کفار ترک	کفار
۴۰	۵ حاشیه	ص ۲۲	ص ۴۲
۴۲	۳ حاشیه	التمش	التتمش
۴۵	۵	معنیٰ	یعنی
۴۵	۱۹	نکتهٔ غرار من	نکتهٔ غرایٔ من
۴۶	۱۲	بلا ساغون	بلا ساغون
۴۸	۱ حاشیه	جامعے التواریخ	جامع التواریخ
۴۹	۶	انڈیا آفیس	انڈیا آفس
۴۹	۱۲	کہ	،
۵۰	۱۱	ختای	ختای،
۵۰	۱۵	خروج	خروج

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۵۱	۲ حاشیہ	پیکرز	پیکجز
۵۳	۱۷	سیف الدین ایبک شمسی	سیف الدین ایبک شمسی عجمی
۵۴	۱۷	سلطان	سلطانہ
۵۴	۲۲	سلطان	سلطانہ
۵۶	۱۸	سلطان	سلطانہ
۵۸	۱	سلطان	سلطانہ
۵۸	۱۰	قیپچاق	قپچاق
۶۰	۱۰	سمسی	شمسی
۶۱	۲۱	میں سے نہ تھے	میں سے تھے
۶۵	۴	بہی	بھی
۶۶	۲ حاشیہ	عہد وسطیٰ کی ایک جھلک	عہد وسطیٰ کی ایک ایک جھلک
۶۷	۱	طوطیٔ بنندم	طوطیٔ بنندیم
۶۷	۱۵	نہ صوف	نہ صرف
۶۷	۲۳	جونکہ	چونکہ
۷۰	۱	ذہ	کہ وہ
۷۰	۸	سرم	از سرم
۷۲	۲۱	سکی	اسکی
۷۳	۲	خواحہ	خواجہ
۷۴	۱۵	دونیست	دویست
۷۵	۶	(خوردنی اشی)	X
۷۶	۲۳	وجہۂ	وجۂ
۷۷	۱ حاشیہ	آصف بن برقیا	آصف بن برخیا

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۷۹	۵	جام	جامہ
۸۱	۲۳	خوردان	خوردہ دان
۸۵	۱۶	گی	کی
۸۵	۲۰	ایلیٹ ڈاؤسن	ایلمٹ اینڈ ڈاؤسن
۸۵	۱ حاشیہ	مروورودی	مروردی
۸۶	۳ حاشیہ	صفحہ ۲۲	صفحہ ۶۵
۸۶	۱۱	مثتوی	مثنوی
۸۶	۱۷	گستہ	گسستہ
۸۷	۹	نجزیہ	تجزیہ
۸۷	۱۰	گردہ	گروہ
۸۷	۱۶	مجوراً	مجبوراً
۸۷	۱۶	آبائی	آبائی
۸۸	۱۰	میں	ہیں
۸۸	۱۱	انگریزی	انگریزی
۸۸	۱۲	صورث	صورت
۸۸	۲۴	ٹی بلیٹش	ٹی ہلمٹس
۸۹	۱۹	اصلا	اصلاً
۸۹	۲۲	انکے	انکے
۹۵	۲۵	طالف	طائف
۹۷	۱۱	میں نے سے	میں نے
۱۰۰	۲	زمانے میں وہاں	زمانے میں
۱۰۰	۴	واصغ	واضح
۱۰۰	۱۴	والہ	والد
۱۰۲	۲۲	والڈ	والد

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۰۳	۸	گی	کی
۱۱۰	۵	ہوا	ہوا ہے
۱۱۴	۱	کر	گر
۱۱۷	۱۹	جرخ	چرخ
۱۲۱	۱ حاشیہ	A Cultural History of India by Lanepool	India A Short Cultural History by H. G. Rawlinson
۱۲۲	۱۱	وجھہ	وجہ
۱۲۳	۳	سیکڑوں	سینکڑوں
۱۲۳	۵ حاشیہ	اوستا	روستا
۱۲۶	۱۱	التمش	التتمش
۱۲۷	۱۲	راورتی	راورٹی
۱۲۸	۱۲	سلطانی	سلطانی سے
۱۳۵	۱۱	جملالی	جمالی
۱۳۵	۱۴	خسروو	خسرو
۱۳۵	۱۶	اعزالدین	عزالدین
۱۳۵	۱۹	اعزالدین	عزالدین
۱۳۵	۲۴	وہ بالکل غلط ہے	اس سے خلط مبحث ہوگیا ہے
۱۳۵	۲۴	خواجہ حسن نے کوئی ذکر اعزالدین علی شاہ یا علاء الدین علی شاہ کا نہیں کیا ہے	خواجہ حسن نے اعزالدین علی شاہ کو شیخ نظام الدین کا مرید خاص بتایا ہے

صفحه	سطر	غلط	صحیح
			(فوائدالفواد ص - ۹) نه که امیر خسرو کا بهائی
۱۳۶	۲	اور ان جگهوں میں کہیں بهی وه باتیں نهیں لکهی هوئی هیں جنکا حواله شیخ جمالی نے دیا هے۔ یه حواله سراسر غلط هے	اور ان جگهوں میں کہیں بهی اعزالدین علی شاه کو خسرو کا برادر بزرگ نهیں بتایا گیا هے
۱۳۷	۱۴	اعزالدین	عزالدین
۱۳۷	۱۸	اعزالدین	عزالدین
۱۳۷	۲۱	اعزالدین	عزالدین
۱۳۷	۳ حاشیه	اپنے	اپنی
۱۳۹	۵	اعزالدین	عزالدین
۱۳۹	۱۰	وضحات	وضاحت
۱۳۹	۱۹	اعزالدین	عزالدین
۱۴۰	۱	اعزالدین	عزالدین
۱۴۰	۳	اعزالدین	عزالدین
۱۴۰	۴	اعزالدین	عزالدین
۱۴۱	۴	تحفته الصغر	تحفة الصغر
۱۴۱	۱۰	هر ایک تیز رو	هر اک تیز رو
۱۴۴	۱۹	التمش	التتمش
۱۴۹	۱	احتبارالدین	اختیارالدین
۱۵۲	۱۶	سنجری	سجزی

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۵۲	۲۱	شدش الدین	شمس الدین
۱۵۳	۱۳	سنجری	سجزی
۱۵۳	۲ حاشیہ	مرتیہ	مرتبۂ
۱۵۵	۳	ثانی	نانی
۱۵۶	۹	قطہ	قطعہ
۱۶۰	۴ حاشیہ	اسئے	اس لئے
۱۶۵	۶	نارے	کنارے
۱۶۶	۱	خقر	خضر
۱۶۸	۵	سلطان حسین	سلطان محمد
۱۷۳	۱۳	کیفباد	کیقباد
۱۷۷	۳	فصلاتن	فعلاتن
۱۷۸	۱۰	کشدل	کشلی
۱۷۹	۱۶	احتیارالدین	اختیارالدین
۱۸۲	۲ حاشیہ	یحییٰ السھوندی	یحییٰ السھرندی
۱۸۳	۲	یحییٰ السھوندی	یحییٰ السھرندی
۱۸۶	۱۱	توجہہ	توجہ
۱۸۷	۱ حاشیہ	یحییٰ السھوندی	یحییٰ السھرندی
۱۹۰	۱۵	بغراں	بغرا
۱۹۰	۲۰	کیفباد	کیقباد
۱۹۱	۳	حوالے	حوالے سے
۲۰۲	۱۲	توجہہ	توجیہ
۲۰۷	۱۳	نلے	تلے
۲۰۹	۲۷	سیکڑوں	سینکڑوں
۲۱۰	۱۵	اس	اسی

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۱۱	۱۹	خلجی	خلجی کی
۲۱۲	۱۵	کا وجہہ	کی وجہ
۲۱۲	۲۶	کہہ	کہ
۲۱۶	۱۱	خزائیں الفتوح	خزائین الفتوح
۲۱۶	۱۶	پیٹھہ	پیٹھ
۲۱۹	۱۷	توجیہہ	توجیہ
۲۲۰	۱۰	توجیہہ	توجیہ
۲۲۲	۱۴	شیریں فرہاد	شیریں خسرو
۲۲۶	۱۱	نجربے	تجربے
۲۳۲	۴	توجہہ	توجہ
۲۳۲	۸	شیریں فرہاد	شیریں خسرو
۲۳۳	۵	شیریں فرہاد	شیریں خسرو
۲۳۳	۳ حاشیہ	شیریں فرہاد	شیریں خسرو
۲۳۵	۱۷	جھجو	چھجو
۲۳۹	۲ حاشیہ **	مثنوی ہشت بہشت	X
۲۴۰	۲۱	دیں	دریں
۲۴۰	۲۱	*	**
۲۴۰	حاشیہ *	دیباچۂ غرۃ الکمال مطبوعہ ۔ ص ۔ ۲۰	مثنوی ہشت بہشت علی گڑھ ایڈیشن ص ۔ ۲۲۸-۲۲۹
۲۴۰	حاشیہ **	—	دیباچۂ غرۃ الکمال مطبوعہ ۔ ص ۔ ۲۰
۲۴۹	۶	چھٹکارہ	چھٹکارا
۲۴۹	۹	اوو	اور

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۵۲	۵ حاشیہ	غربا	اُمراء
۲۵۷	حاشیہ †	کیمرج	کیمبرج
۲۶۰	۳	توجہہ	توجہ
۲۶۰	۵	توجہہ	توجہ
۲۶۰	۶	توجہہ	توجہ
۲۷۱	۱۵	اُنکا	اسکا
۲۸۳	۳ حاشیہ *	سنہ ۱۸۸۲	سنہ ۱۸۹۳ء
۲۸۷	۸	طرح طرح کے نعرے اٹھے واہ قسم کے بلند کرتے ہیں	طرح طرح کے نعرے بلند کرتے ہیں
۲۸۹	۵	کہ شود	کے شود
۲۸۹	۱۸	یارسیان	پارسیان
۲۹۰	۱۷	متصوفیانہ غزلیں	متصوفانہ غزلیں
۲۹۵	۲	لطاسی	نظاسی
۲۹۵	۶	لطاسی	نظاسی
۲۹۶	۵	تعلق	تغلق
۲۹۹	۶	ملتہ	ملتا
۳۰۱	۷	ڈکر	ذکر
۳۰۱	۱۶	شاعری کا بھی دلدادہ نہ تھا	شاعری کا بھی زیادہ دلدادہ نہ تھا
۳۰۲	۳	کی طرف	کی طرف سے
۳۰۶	۲	کیقاد	کیقباد
۳۰۶	۸	نصیرالدین محمود	ناصرالدین محمود
۳۰۷	۴	گرفنار	گرفتار

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳۱۵	۱۴	مرثیئے	مرثیہ
۳۱۵	۱۵	مرثیہ	مرثیئے
۳۱۶	۱۷	بھی	بھی
۳۲۴	۲	محجر	کندہ
۳۲۵	۱۹	علاقے	علاقے
۳۳۰	۱۴	انکے اپنے محاورے اور	انکے محاورے اور
۳۳۴	۲۴	لہجے سے	لہجے کے
۳۳۷	۱	انکی بیوی اپنے کم سن بچے شیخ	انکی کنیزک، مادر سوسنان کم سن شیخ
۳۳۷	۳	شیخ برہان الدین کی والدہ	مادر سوسنان
۳۳۷	۴	خواجہ بہربان الدین	خواجہ برہان الدین
۳۳۹	۴	نرجمہ	ترجمہ
۳۴۲	۷	بہاء الدین باحن	بہاء الدین باجن
۳۶۱	۱۵	خسرو لی	خسرو کی
۳۶۱	۱۵	معلق	متعلق
۳۷۵	۱۱	رائے	راے ٔ
۳۷۵	حاشیہ †	فوائیدالقوائد	فوائید الفواد
۳۷۶	۱۹	اسلامی خیالات کی تشکیل نو	الہیات اسلامی کی تشکیل جدید The Reconstruction of Religious Thought in Islam

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳۸۲	حاشیہ *	حلق الاشمار	حلق الاشعار
۳۸۵	۷	تدغنیں	قدغنیں
۳۸۶	۸	آشاعرہ	اشاعرہ
۳۹۰	۲۵	جا	جائے
۳۹۱	۳	بمھہ	بہ
۳۹۳	۱۵	میں	نہیں
۴۰۱	۲۰	—	لیکن ایسا نہ ہوا
۴۰۲	۲۰	سفر	سفر زیست
۴۰۲	۲۱	سفر	سفر حیات
۴۱۲	۷	ہر تیز رو	ہر اک تیز رو
۴۱۶	۲۵	وہ	وہ کسی
۴۱۸	۱۳	وابستہ ہو	وابستہ ہونے
۴۱۸	۱۸	رکھتی	رکھتیں
۴۲۸	۲۱	ے گل	نے گل
۴۲۸	۲۳	ژ	ز
۴۲۹	۱۱	لگارے	نگارے
۴۳۰	۵	حود	خود
۴۳۲	۵ حاشیہ	توجیمھہ	توجیہ
۴۳۳	۱۹	سے نے	سے
۴۳۵	۱	چو مدی	چو آمدی
۴۳۶	۱	نظام الدین نے	نظام الدین
۴۳۷	۸	کرنا چاہیئے گا	کرنا چاہیئے
۴۳۸	۱۰	غنچۂ ناشگفتہ کا	غنچۂ ناشگفتہ کو
۴۳۸	۱۱	گفگو	گفتگو

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۴۳۹	۲۳	کڑکوں	لڑکوں
۴۴۲	۱۴	اشرف حسین الحسینی سید ۱۵۹-	اشرف حسین الحسینی سید - دیکھئے حسن غزنوی -
۴۴۵	۱	شیخ حاصد	شیخ حامد
۴۴۸	۸	بہ ایونی	بدایونی
۴۵۵	۷	۱۱،،۴۳۳۲	۱۱، ۳۲، ۴۳،

پروفیسر ممتاز حسین معاصر اُردو ادب کی ایک ممتاز اور نہایت اہم شخصیت ہیں۔ حالی کے زمانے سے دورِ حاضر تک جن چند منتخب شخصیتوں نے اُردو تنقید کو عہدِ نو کے شعور سے آشنا کرایا ہے اور تنقید کے میدان میں گرانمایہ خدمات انجام دی ہیں ان میں ممتاز حسین کا نام بہت ہی نمایاں ہے۔ وہ گزشتہ تیس سال سے اُردو تنقید کے افق پر چھائے رہے ہیں اور انھیں تنقید کے میدان میں ایک مستند شخصیت تسلیم کیا گیا۔ پروفیسر ممتاز حسین کا پورا نام سید ممتاز حسین ہے۔ وہ ضلع غازی پور (یوپی۔ بھارت) کے موضع پارہ میں ۱۹۱۸ء میں پیدا ہوئے۔ ان کی تعلیم بیشتر غازی پور اور الہ آباد میں ہوئی۔ انھوں نے الہ آباد یونیورسٹی سے بی اے، علی گڑھ یونیورسٹی سے بی ایڈ اور آگرہ یونیورسٹی سے ایم اے کی ڈگری فرسٹ کلاس میں حاصل کی۔ ان کی تدریسی زندگی کا آغاز کالون تعلقدار کالج لکھنؤ سے ہوا۔ اس کے بعد وہ انجمن اسلام اُردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ بمبئی میں اسسٹنٹ ڈائریکٹر کے عہدے پر فائز رہے۔ وہاں سے وہ پاکستان آئے اور مستقل سکونت کراچی میں اختیار کی۔ پاکستان میں ابتداً فری لانس جرنلزم کرتے رہے، بعدازاں تدریسی زندگی کا پھر آغاز کیا۔ سندھ مسلم کالج، اسلامیہ کالج، عبداللہ کالج اور اُردو کالج میں تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد ان دنوں سراج الدولہ گورنمنٹ کالج کے پرنسپل ہیں۔ وہ کراچی یونیورسٹی میں اُردو کے کئی پوسٹ گریجویٹ طلبہ کے اعزازی ریسرچ گائیڈ بھی ہیں۔

پروفیسر ممتاز حسین نے ادبی زندگی کا آغاز افسانہ نگاری سے کیا، لیکن ۱۹۴۳ء سے عہدِ حاضر کے نئے جمالیاتی جذبے کی تشریح و توضیح اور اصول نقد کے تعین کی طرف متوجہ ہو گئے اور پھر آخر کو یہی ان کا فن ٹھہرا۔ انھوں نے دو سو سے زیادہ مضامین اُردو اور انگریزی میں لکھے ہیں، اور ان کی گیارہ کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ "غالب ایک مطالعہ" پر انھیں داؤد ادبی انعام ملا۔ "امیر خسرو دہلوی حیات اور شاعری" جس کا آپ مطالعہ کر رہے ہیں، تحقیق و تنقید کا ایک حسین امتزاج پیش کرتی ہے۔